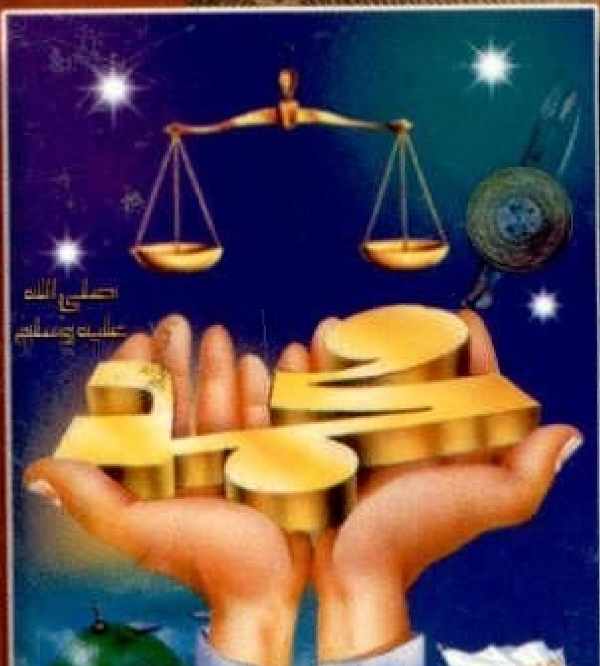
جدید ایڈیشن

سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم



از افادات

حضرت علامہ

مولانا محمد ادریس صاحب

کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

کتب خانہ مظہری

گلشن اقبال کراچی پاکستان

جدید کمپیوٹرائزڈ تصحیح شدہ ایڈیشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت رسول ﷺ پر قابل قدر اور عظیم تالیف
امت کے اکابر مورخین اور ارباب سیر کے علوم کا جوہر

سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ سوم

افادات

حضرت علامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

کتب خانہ مظہری

گلشن اقبال کراچی پاکستان

فون: ۴۹۹۲۱۷۶

نام کتاب : ـــــــ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ (حصہ سوم)

مصنف : ـــــــ حضرت علامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

باہتمام : ـــــــ ابراہیم برادران سلمہم الرحمٰن

ناشر : ـــــــ کتب خانہ مظہری

ملنے کے پتے

- قدیمی کتب خانہ.... (کراچی)
- زمزم پبلشرز...... (اردو بازار کراچی)
- علمی کتاب گھر..... (کراچی)
- بک لینڈ......... (لاہور)
- مکتبہ رحمانیہ....... (لاہور)
- مکتبہ رشیدیہ...... (کوئٹہ)
- مکتبہ عمر فاروق.... (شاہ فیصل کالونی کراچی)
- دارالاشاعت..... (اردو بازار کراچی)

فہرست مضامین سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (حصہ سوم)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غزوۃ الفتح الاعظم

یعنی

فتح مکہ مکرمہ زادہا اللہ تشریفاً وتکریماً۔ رمضان المبارک ۸ھ

جس وقت قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین، حُدیبیہ میں صلح ہوئی اور عہد نامہ لکھا گیا تو اس وقت دیگر قبائل کو اختیار دیا گیا کہ جس کے عہد اور عقد میں چاہیں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ بنوبکر قریش کے عہد میں اور بنوخزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں شامل ہو گئے۔

ان دونوں قبیلوں میں زمانۂ جاہلیت سے اَن بَن چلی آتی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ مالک بن عباد حضرمی ایک مرتبہ مال تجارت لے کر خزاعہ کی سرزمین میں داخل ہوا۔ خزاعہ کے لوگوں نے اس کو قتل کر ڈالا اور اُس کا تمام مال واسباب لوٹ لیا۔ بنوبکر نے موقع پا کر حضرمی کے معاوضہ میں بنوخزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا قبیلۂ خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے معاوضہ میں بنوبکر کے تین سرداروں ذویب اور سلمی اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدود حرم کے قریب قتل کر ڈالا۔

زمانۂ جاہلیت سے زمانۂ بعثت تک یہی سلسلہ رہا ظہور اسلام کے بعد اسلامی معاملات میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے سلسلہ رُک گیا۔

حُدیبیہ میں ایک میعادی صلح ہو جانے کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے سے مامون اور بے خوف ہو گئے بنوبکر نے اپنی دشمنی نکالنے کا موقع غنیمت سمجھا۔ چنانچہ بنوبکر میں سے نوفل بن معاویہ دیلی نے مع اپنے ہمراہیوں کے خزاعہ پر شب خون مارا رات کا وقت تھا خزاعہ کے لوگ پانی کے ایک چشمہ پر سو رہے تھے جس کا نام وتیر تھا۔

قریش میں سے صفوان بن امیہ اور شیبۃ بن عثمان اور سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزی اور مکرز بن حفص نے پوشیدہ طور پر بنوبکر کی امداد کی۔ خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی۔ مگر ان کو بھی قتل سے پناہ نہ ملی۔

قریش نے بنوبکر کی ہر طرح سے امداد کی ہتھیار بھی دیئے اور لڑنے کے لئے آدمی بھی۔ خزاعہ کے لوگ مکّہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے مکان میں گھس گئے۔ مگر بنو بکر اور رؤساء قریش نے گھروں میں گھس کر ان کو مارا اور لوٹا اور یہ سمجھتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ ہوگی۔ جب صبح ہوئی تو قریش کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور یہ سمجھ گئے کہ ہم نے عہد شکنی کی اور جو معاہدہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں کیا تھا اس کو ہم نے اپنی غلطی سے توڑ ڈالا۔

عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا آں حضرت ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے کھڑے ہو کر یہ عرض کیا۔

يَـارَبِّ اِنِّـیْ نَـاشِـدٌ مُحَمَّدا حِـلْفَ اَبِيْـنَـا وَابِيْهِ الْاَ تْـلَدَا

اے پروردگار میں محمد ﷺ کو اپنے باپ اور ان کے باپ عبدالمطلب کا قدیم عہد یاد دلانے آیا ہوں۔ زمانہ جاہلیت میں خزاعہ حضرت عبدالمطلب کے حلیف تھے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح ہم آپ کے حلیف ہیں اسی طرح ہمارے باپ دادا آپ کے باپ دادا کے حلیف تھے۔

فائدہ: اور بعض روایات میں یارب انی ناشد کی جگہ اللّٰھم انی ناشد آیا ہے اور بعض روایات میں یارب کی جگہ لَاھُمَّ انی ناشد محمدا آیا ہے لَا ھُمَّ معنی میں اَللّٰھُمَّ کے ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ لَاھُمَّ لولا انت ما اھتدینا۔ اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔

علامہ شبلی نے سیرۃ النبی ۱/۴۶۷ میں لَاھُمَّ کو لَا ھَمَّ سمجھ کر یہ ترجمہ کر دیا۔ کچھ غم نہیں۔ میں محمد کو وہ عہد یاد دلاؤں گا۔ "کچھ غم نہیں" رسم خط کے اشتراک سے علامہ شبلی کو اشتباہ ہو گیا۔

اِنَّ قُـرَيْشًا اَخْلَفُوكَ الْمَوْعِدَا وَنَـقَـضُـوْ امِيْثَـاقَكَ المؤكدا

تحقیق قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی اور آپ کے پختہ عہد اور پیمان کو توڑ ڈالا۔

هُـمْ بَيَّتُـوْنَـا بِـالْـوَتِيْرِ هُجَّدَا وَقَتَـلُـوْنَـا رُكَّـعاً وَ سُجَّدَا

ان لوگوں نے چشمہ وتیر پر سوتے ہوئے ہم پر شب خون مارا اور رکوع اور سجود کی حالت میں ہم کو قتل کیا۔ ان میں سے بعض مسلمان بھی تھے ورنہ وہ خود مسلمان نہ تھے۔

وجعلوا الی فی کداءٍ رُصَّدًا وزعموا ان لَستُ اَدعُوا احدا

اور مقام کداء میں آدمیوں کو ہماری گھات میں بٹھلا دیا اور ان کا گمان یہ تھا کہ میں کسی کو اپنی مدد کیلئے نہ بلاؤں گا۔

وَهُـــمْ اَذَلُّ وَاَقَــلُّ عَــدَدًا

اور وہ سب ذلیل ہیں اور شمار میں بھی بہت کم ہیں۔ قد کُنتم وُلدًا او کنا والدا

ووَالـدًا كـنّـا وَكُنتُ الْوَلَدا ثـمّـتَ اَسْلَمْنَا وَلم ننزع يَدًا

اور ہم بمنزلہ باپ کے ہیں اور آپ بمنزلہ اولاد کے اس لئے کہ عبد مناف کی ماں قبیلہ خزاعہ کی تھی اور اسی طرح قصی کی ماں فاطمہ بنت سعد بھی قبیلۂ خزاعہ کی تھی۔ اس تعلق کی بناء پر ہماری نصرت اور اعانت آپ پر لازم ہے اور اس کے علاوہ ہم ہمیشہ آپ کے مطیع اور فرمانبردار رہے کبھی آپ کی اطاعت سے دستکش نہیں ہوئے اس لئے آپ سے امید ہے کہ اپنے جان نثاروں اور وفا شعاروں کی مدد فرمائیں گے۔

فانْـصُر هَداكَ اللّٰه نَصرًا اعْتَدَا وَادْعُ عِبَاد الـلّٰـهِ يَأتوا مَدَدًا

پس ہماری فوری مدد فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ کی تائید فرمائے اور اللہ کے خاص بندوں یعنی اپنے صحابہ کو حکم دیجئے۔ وہ ضروری ہماری مدد کو آئیں گے، اور ایک نسخہ میں ہے۔ فانصر رسول اللّٰه نصرا اعتدا۔

اے اللہ کے رسول ہماری فوری مدد فرمایئے۔

فِيهِـمْ رسـول الـلّٰه قَد تَجَرَّدا اِن سِيمَ خَسْـفًا وَجْهَهٗ تَرَبَّدا

اور جب عباد اللہ کا لشکر ہماری مدد کو آئے تو اس میں اللہ کا رسول ضرور ہو جو ظالموں سے جنگ کیلئے تیار ہو۔ یعنی فقط سریہ بھیجنے پر اکتفا نہ فرمائیں بلکہ اُس لشکر کے ساتھ خود بھی بنفس نفیس تشریف لائیں اور اگر وہ ظالم آپ کو کوئی ذلت پہنچانا چاہیں تو آپ کا چہرۂ مُبارک غیرت وحمیت سے تمتمانے لگے۔ بعض نسخوں میں قـد تـحـر دا حاء مہملہ کے ساتھ آیا ہے جس کے معنی غضبناک ہونے کے ہیں۔

فِي فَيْلَقٍ كَالْبَحْرِ يَجْرِي مُزْبِدًا

اور ایسے لشکر کو ساتھ لے کر آئے کہ جو دریا کی طرح جھاگ مارتا ہو۔

یہ تمام تفصیل امام طحاوی کی شرح معانی الآثار اور سیرۃ ابن ہشام اور روض الانف اور زرقانی شرح مواہب میں مذکور ہے اور ذرا کسی قدر اجمال کے ساتھ فتح الباری میں بھی مذکور ہے[۱]

مغازی ابن عائذ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات سن کر نُصِرت یا عمرو بن سالم اور ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ فرمایا نہ مدد کیا جاؤں میں۔ اگر میں تیری مدد نہ کروں بعد ازاں یہ دریافت فرمایا کہ کیا کل بنو بکر اس میں شریک تھے عمرو بن سالم نے کہا سب نہیں بلکہ بنو بکر میں سے صرف بنو نفاثہ اور اُن کا سردار نوفل اس میں شریک تھا۔ آپ نے ان کی اعانت اور امداد کا وعدہ فرمایا اس کے بعد یہ وفد واپس ہو گیا اور آپ نے ایک قاصد قریش مکہ کے پاس روانہ کیا، کہ ان کو یہ پیام پہنچا دے کہ تین باتوں سے ایک بات اختیار کر لیں۔

(۱)۔ مقتولینِ خزاعہ کی دیت دے دی جائے۔

(۲)۔ یا بنو نفاثہ کے عہد اور عقد سے علیحدہ ہو جائیں۔

(۳)۔ یا معاہدۂ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کر دیں۔

قاصد نے جب پیام پہنچایا تو قریش کی طرف سے قرطۃ بن عمرو نے یہ جواب دیا۔ کہ ہم نہ مقتولین خزاعہ کی دیت دیں گے اور نہ بنو نفاثہ سے اپنے تعلقات کو منقطع کریں گے۔ ہاں معاہدۂ حدیبیہ کے فسخ پر ہم راضی ہیں لیکن قاصد روانہ ہونے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی اور فوراً ہی ابوسفیان کو تجدید معاہدہ اور مدت صلح کو بڑھانے کے لئے مدینہ روانہ کیا۔[۲]

تجدید معاہدہ کے لئے مکّہ سے ابوسفیان کی روانگی

ابوسفیان تجدید صلح کے لئے مکّہ سے مدینہ روانہ ہوئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خبر دی کہ ابوسفیان مکّہ سے مدّت صلح کو بڑھانے اور عہد کو مضبوط کرنے کیلئے آرہا

[۱] فتح الباری۔ ج: ۷ص: ۳۹۹۔ [۲] فتح الباری۔ ج: ۸ص: ۴۰ زرقانی، ج ۲۔ ص: ۲۹۲

ہے، چنانچہ ابوسفیان مکّہ سے روانہ ہوا اور مقام عسفان میں پہنچ کر ابوسفیان کی بدیل بن ورقاء خزاعی سے ملاقات ہوئی، ابوسفیان نے بدیل سے دریافت کیا کہ کہاں سے آرہا ہے۔ بدیل نے کہا میں اسی قریب کی وادی سے آرہا ہوں، بدیل یہ کہہ کر مکّہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کے بعد ابوسفیان کو خیال آیا کہ بدیل ضرور مدینہ سے واپس آرہا ہے۔ چنانچہ ابوسفیان نے اس جگہ کو جا کر دیکھا جہاں بدیل نے اونٹ بٹھلایا تھا۔ بدیل کی اُونٹنی کی مینگنی کو توڑ کر دیکھا تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم بدیل ضرور مدینہ ہی سے آرہا ہے اور یہ گٹھلی مدینہ ہی کی کھجور کی ہے، ابوسفیان مدینہ پہنچ کر اوّل اپنی بیٹی ام المؤمنین اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا ابوسفیان نے کہا اے بیٹی تو نے فرش کو لپیٹ دیا کیا فرش کو میرے قابل نہ سمجھا یا مجھے فرش کے قابل نہ سمجھا ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اس پر ایک مشرک کہ جو شرک کی نجاست سے ملوّث اور آلودہ ہو نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان نے جھلاّ کر کہا اے بیٹی خدا کی قسم تو میرے بعد شر میں مبتلا ہوگئی۔ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا شر میں نہیں۔ بلکہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کے نور اور ہدایت کی روشنی میں داخل ہوگئی۔ آپ سے تعجب ہے کہ آپ سردار قریش ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں کہ جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔

ابوسفیان وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آئے اور بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ میں قریش کی طرف سے تجدید معاہدہ اور مدّت صلح کو بڑھانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بارگاہِ رسالت سے جب کوئی جواب نہ ملا۔ تو ابوسفیان ابوبکر کے پاس آئے اور اُن سے سفارش کی درخواست کی ابوبکر نے فرملیا میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد عمر بن الخطاب کے پاس گیا اور ان سے سفارش کی درخواست کی۔ عمر بن الخطابؓ نے یہ فرمایا اللہ اکبر میں تیری سفارش کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ دنیا میں اگر کوئی ساتھی مجھ کو میسّر نہ آئے تو میں تنہا جہاد کرنے کو تیار ہوں۔ یہ سنتے ہی چپکا حضرت علی کے پاس آیا اُس وقت اُن کے پاس ان کی بیوی فاطمۃ الزہراءؓ اور حسن رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

ابوسفیان نے حضرت علی سے مخاطب ہو کر کہ اے ابوالحسن آپ ہم سے قرابت میں

سب سے قریب ہیں میں ایک شدید ضرورت سے آیا ہوں یہ چاہتا ہوں کہ ناکام واپس نہ ہوں لہٰذا آپ میری رسول اللہ ﷺ سے سفارش فرمائیے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں کچھ قصد فرمالیا ہے لہٰذا اب کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ کہہ سکے ابوسفیان یہ سُن کر حضرت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے بنت محمد (ﷺ) اگر آپ اس بچہ یعنی امام حسن کو یہ حکم دیں کہ وہ یہ پکار دے کہ میں نے قریش کو پناہ دی تو ہمیشہ کے لئے عرب کا سردار مان لیا جائے، حضرت فاطمہ نے فرمایا اوّل تو یہ کمسن ہے (یعنی پناہ دینا بڑوں کا کام ہے) دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی خلاف مرضی کون پناہ دے سکتا ہے۔ ابوسفیان نے حضرت علی سے مخاطب ہو کر کہا معاملہ سخت ہو گیا آخر مجھ کو کوئی تدبیر بتلائیے۔ حضرت علی نے کہا اور تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ صرف اتنا خیال میں آتا ہے اگر اس کو تو اپنے لئے مفید اور کارآمد سمجھے تو کر گزر۔ وہ یہ کہ مسجد میں جا کر یہ پکار دے کہ میں معاہدہ حُدیبیہ کی تجدید اور استحکام اور مدّت صلح کو بڑھانے کے لئے آیا ہوں اور یہ کہہ کر تو اپنے شہر واپس چلا جا۔ چنانچہ ابوسفیان وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آیا اور بآواز بلند پکار کر یہ کہا کہ میں عہد کی تجدید اور صلح کی مدّت بڑھاتا ہوں اور یہ کہہ کر مکّہ کو چل کھڑا ہوا۔

ابوسفیان جب مکہ پہنچا اور سارا واقعہ بیان کیا تو قریش نے یہ کہا کہ کیا محمد (ﷺ) نے بھی تمہارے اس اعلان کو جائز رکھا ابوسفیان نے کہا نہیں۔ قریش نے کہا کہ محمد کے بغیر رضامندی اور اجازت کے تم کیسے راضی اور مطمئن ہو گئے محض لغو اور بیکار چیز لے کر آئے جس کا توڑنا ان پر کچھ دشوار نہیں اور خدا کی قسم علی نے تیرے ساتھ مسخرہ پن کیا۔ تو نہ صلح کی خبر لے کر آیا جس سے اطمینان ہوتا اور نہ جنگ کی خبر لایا کہ جس کی تیاری اور سامان کیا جاتا۔ ابوسفیان کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو پوشیدہ طور پر مکّہ کی تیاری سامان سفر اور آلاتِ حرب درست کرنے کا حکم دیا اور یہ تاکید فرمائی کہ اس کو پوشیدہ رکھا جائے اس کا اظہار و اعلان نہ کیا جائے اور آس پاس کے قبائل میں بھی کہلا بھیجا کہ تیار ہو جائیں۔[1]

[1] زرقانی، ج:۲، ص:۲۹۳

قصۂ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صحیح بخاری میں ہے کہ اسی اثناء میں حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکّہ کے نام ایک خط لکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی تیاریاں فرمارہے ہیں اور مخفی طور پر ایک عورت کے ہاتھ اس خط کو مکّہ روانہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی کے اس سے اطلاع دی آپ نے حضرت علی اور حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو روانہ کیا کہ تم برابر چلے جاؤ یہاں تک کہ روضۂ خاخ میں تم کو اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی اُس کے ساتھ مشرکین مکہ کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے۔ وہ اس سے لے آؤ، چنانچہ روضۂ خاخ میں پہنچ کر ہم کو ایک عورت ملی اونٹ بٹھلا کر اُس کی تلاشی لی کہیں خط نہ ملا۔ ہم نے کہا خدا کی قسم اللہ کا رسول کبھی غلط نہیں کہہ سکتا۔

ہم نے اُس عورت سے کہا کہ بہتر ہوگا کہ تو وہ خط ہم کو دیدے ورنہ ہم برہنہ کر کے تیری تلاشی لیں گے، اس وقت اُس عورت نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کر ہم کو دیا ہم وہ خط لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے۔ حاطب نے عرض کیا یارسول اللہ آپ مواخذ میں عجلت نہ فرمائیں یارسول اللہ قریش سے میری کوئی قرابت نہیں فقط حلیفانہ تعلقات ہیں، میرے اہل وعیال آج کل مکّہ میں ہیں جن کا کوئی حامی اور مددگار نہیں بخلاف مہاجرین کے کہ مکہ میں اُن کی قرابتیں ہیں۔ قرابتوں کی وجہ سے اُن کے اہل وعیال محفوظ ہیں اس لئے میں نے چاہا کہ جب قریش سے میری کوئی قرابت نہیں تو اُن کے ساتھ کوئی احسان کروں جس کے صلہ میں وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں۔ خدا کی قسم میں نے دین سے مرتد ہوکر اور اسلام کے بعد کفر سے راضی ہوکر ہرگز یہ کام نہیں کیا۔ میری غرض فقط وہی تھی جو میں نے عرض کی۔

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ابن مردویہ کی روایت میں ابن عباس حضرت عمر سے راوی ہیں۔ فکتبت کتابالا یضر اللّٰہ و رسولہ۔ پس میں نے ایک خط لکھا (کہ جس میں میرا یہ نفع ہے) اور اللہ اور اُس کے رسول کا کوئی نقصان نہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے سُن کر یہ فرمایا:

اَمَا اِنَّہٗ قَدْ صَدَقَکُمْ ❘ آگاہ ہوجاؤ یقیناً اس نے تم سے سچ بیان کیا

حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اُڑا دوں آپ نے فرمایا۔

انہ قد شھد بدرًا وَما یدریك لَعل اللّٰہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔	تحقیق حاطب بدر میں حاضر ہوا ہے اور اے عمر تجھکو کیا معلوم ہے شاید اللہ تعالیٰ نے نظر رحمت سے اہل بدر کو یہ فرمادیا ہو کہ جو چاہے کرو بلاشبہ میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کیا اللّٰہ و رسولہ اعلم. اللہ اور اُس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔

یعنی جو بدر میں شریک ہوا وہ کبھی منافق نہیں ہوسکتا۔ ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں وہ جانبازی اور سرفروشی دکھلائی کہ حاملین عرش اور ملائکہ مقربین بھی ان پر عشعش کرنے لگے اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ پر آیا خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا بھائی ہو یا دوست بے دریغ اُس سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا۔ اور اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کے نشہ میں ایسے چور اور مخمور ہوئے کہ اپنے بھی بیگانے بن گئے اور اللہ کا بول بالا کیا اور کفر وشرک کے سر پر وہ کاری ضرب لگائی کہ پھر وہ زخم مندمل نہ ہوسکا۔

اس عظیم الشان کارنامہ کے صلہ میں بارگاہ خداوندی سے رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ اور اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ کا زرّین تمغہ اُن کو عطا ہوا۔ اور آئندہ جن گناہوں کے صدور کا امکان تھا۔ اُن کی معافی کو صیغۂ ماضی سے بیان فرمایا یعنی فقد غفرت لکم بصیغۂ ماضی فرمایا اور سا غفر لکم بصیغۂ مستقبل نہیں فرمایا تا کہ اہلِ بدر کا مغفور الذنوب ہونا قطعی طور پر محقق ہو جائے کہ ان کی مغفرت مثل امر ماضی کے محقق اور یقینی ہے اور اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ کا خطاب، خطاب تشریف اور خطاب اکرام ہے، اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ خواہ کچھ ہی کریں، مگر کسی حال میں بھی دائرۂ عفو اور دائرۂ مغفرت سے باہر نہ جائیں گے، اعملوا ما شئتم کا خطاب گناہوں کی اباحت اور اجازت کے لئے نہ تھا ایسا خطاب انہیں محبین اور مخلصین کو ہوسکتا کہ جن سے اپنے محبوب کی معصیت ناممکن ہو جائے۔

بدر کی شرکت بظاہر ایک حسنہ ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں اور لاکھوں حسنات کا اجمال اور عنوان ہے اور ایمان و احسان صدق اور اخلاص کی ایک سند ہے۔ لہٰذا اگر بدر میں شرکت کرنیوالے صحابی سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی یا فروگزاشت ہو جائے تو وہ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ اور اُولٰٓـئِكَ كَتَبَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِيۡمَانَ سے خارج نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ اُس علیم وخبیر کی خبر ہے کہ جس میں کذب کا امکان نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اُن سے یہ فروگذاشت ہوگی مگر باوجود اس علم ازلی اور ابدی کے پھر ان کو رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ کے تمغہ سے سرفراز فرمایا معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان حسنہ کے بعد اُن سے کوئی ایسی غلطی نہ ہوگی کہ جو ان کی اس نیکی کو محو کر سکے۔ بلکہ یہ عظیم الشان حسنہ ہی آئندہ کی غلطی کا کفارہ بن جائے گی۔ کما قال تعالیٰ۔

اِنَّ الۡحَسَنَاتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّئَاتِ ؕ تحقیق نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَ اِذَا الحبیبُ اتیٰ بذنب واحِد ؕ جاءت محاسنه بالف شفیع

اگر دوست سے کسی وقت کوئی غلطی اور چوک ہو جائے تو اُس کے محاسن اور گزشتہ کارنامے ہزار سفارشی لا کر سامنے کھڑے کر دیتے ہیں۔

قلب میں اگر کوئی فاسد اور زہریلا مادہ نہ ہو تو پھر معصیت چنداں نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ قلب کی قوت ایمانی اس کو توبہ اور استغفار پر آمادہ کرتی ہے جس سے فقط گناہ معاف ہی نہیں ہو جاتا بلکہ مبدل بہ نیکی ہو جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓـئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا۔[1] ؕ جن لوگوں نے کفر و شرک سے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک کام کیے اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں اور ہے اللہ بخشنے والا اور مہربان۔

بندہ نے جب توبہ اور استغفار کر کے اپنے گناہ کو ندامت اور پشیمانی سے بدلا۔ تو خداوند ذوالجلال نے اُس کے سیئات کو حسنات سے اور اُس کی بُرائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا۔

---

[1] سورۃ الفرقان، آیۃ: ۷۰

مرکب توبہ عجائب مرکبست بر فلک تازد بہ یک لحظہ زیست
چون برارند از پشیمانی انین عرش لرزد از انین المذنبین

یہ آیت عامۂ مؤمنین کے حق میں ہے اہلِ بدر سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں اور جس کے قلب میں کوئی زہریلا اور فاسد مادہ موجود ہو تو ہزار طاعت و عبادت بھی اس کے لئے مفید نہیں جیسے ابلیس لعین اور بلعم بن باعوراء۔ خوارج و روافض ہزار نماز اور روزہ اور لاکھ عبادت کریں مگر جب تک قلب کا تنقیہ نہ ہو جائے اور فاسد مادہ نہ نکل جائے اس وقت تک کوئی طاعت اور کوئی عبادت مفید اور کار آمد نہیں۔

صفراوی مزاج والے کو کتنی ہی لطیف غذا کیوں نہ دیدی جائے کوئی فائدہ نہیں۔ سوء مزاج کی وجہ سے وہ لطیف غذا بھی مستحیل الی الصفراء ہو جائے گی۔ کما قال تعالےٰ۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔ [1] ان کے دلوں میں بیماری ہے پس اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔

صحیح المزاج اور صحیح القویٰ اگر غلطی سے کوئی بد پرہیزی کر بیٹھے تو اس کے لئے کسی خاص علاج کی حاجت نہیں اُس کی طبیعت ہی خود اس عارضی مرض کو دفع کر دے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حاطب کی اس غلطی کو فسادِ مزاج پر محمول کر کے نفاق کا حکم لگایا اور قتل کی اجازت چاہی۔ سرخیل اطباءِ روحانی فداہ روحی و جُثمانی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عمر حاطب کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے۔ یہ نفاق نہیں بلکہ غفلت سے غلطی ہو گئی ہے روحانی مزاج اس کا صحیح ہے۔ بدر کی شرکت نے اس کو کندن بنا دیا ہے اتفاق سے بد پرہیزی ہو گئی ہے۔ صحیح المزاج کو بھی کبھی کبھی نزلہ اور زکام کی شکایت پیش آ جاتی ہے جس کے لئے ایک معمولی سا جوشاندہ یا خیساندہ کافی ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حاطبؓ کو بلا کر فقط یہ دریافت فرمانا (ماھذا یا حاطب) اے حاطب یہ کیا معاملہ ہے۔ ان کی عارضی شکایت کے لئے یہی کافی جوشاندہ تھا پیتے ہی بد پرہیزی کا اثر ایسا کافور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی نہ پیش آئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ اسکندریہ کے نام دعوت اسلام کا خط لکھوایا تو انہیں

[1] البقرہ، آیۃ ۱۰

حاطب کو سفیر بنا کر بھیجا جیسا کہ گزرا سبحان اللہ کیا بارگاہ تھی ایک جانب حاطب کو جوشاندہ پلایا جا رہا ہے اور دوسری جانب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امراض روحانی کی تشخیص اور معالجہ کا طریقہ تلقین ہو رہا ہے تاکہ جب وقت آئے تو عمر تشخیص اور علاج میں غلطی نہ کریں۔

حاطب کے خط کا مضمون

حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کا مضمون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا منشاء عیاذاً باللہ نفاق نہ تھا۔ وہ خط یہ تھا:

اما بعد یا معشر قریش فان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ جآء کم بجیش کاللیل یسیر کالسیل فواللّٰہ لو جآء کم وحدہ لنصرہ اللّٰہ وانجزلہ وعدہ فانظروا لانفسکم والسّلام۔	اے گروہ قریش۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لیکر آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح بہتا ہوگا۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا لشکر کے خود تن تنہا بھی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد فرمائے گا اور فتح و نصرت کا جو وعدہ خدا نے آپ سے کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا۔

(یعنی آپ کی کامیابی لشکر پر موقوف نہیں) پس تم اپنے انجام کو سوچ لو والسّلام۔

یہ خط یحیی بن سلام نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جس کو علامہ قسطلانی نے شرح بخاری کتاب الجہاد باب حکم الجاسوس میں نقل کیا ہے اور فتح الباری باب غزوۃ الفتح میں بھی مذکور ہے۔ اور البدایۃ والنہایہ میں بھی ہے[1]

اس خط کا مضمون حاطب بن ابی بلتعہ کے اس عذر کی صاف تصدیق اور تائید کر رہا ہے جو پہلے گزر چکا ہے فکتبت کتابا لا یضر اللّٰہ و رسُولہ۔ میں نے ایسا خط لکھا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کو مضر نہیں۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ یہ خط سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ اور عکرمۃ بن ابی جہل کے نام تھا۔ یہ تینوں فتح مکّہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم[2]

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: ج:۴، ص:۲۸۴
[2] زرقانی، ج:۲، ص:۲۹۸۔

اور ایک روایت میں ہے کہ خط کا مضمون یہ تھا:

ان محمّدا قد نفر فاما الیکم واما الی غیر کم فعلیکم الحذر (زرقانی ص۲۹۸ ج۲)	تحقیق محمد ﷺ غزوہ کے لئے نکلنے والے ہیں معلوم نہیں کہ کس طرف کا قصد ہے تمہاری طرف یا کسی اور طرف تم اپنی فکر کرو۔

حق جل شانہ نے حاطب کے اس واقعہ میں سورۂ ممتحنہ نازل فرمائی یعنی یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّ کُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ[۱] جس میں حق جل شانہ نے کافروں سے دوستانہ تعلقات کے احکام بیان فرمائے اس سورت کی تفسیر کو دیکھ لیا جائے۔

مدینہ منوّرہ سے روانگی

القصہ آں حضرت ﷺ دسویں رمضان المبارک کو دس ہزار قدسیوں کی جمعیت ہمراہ لے کر بعد نماز عصر مدینہ منوّرہ سے بقصد فتح مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ (بخاری وفتح الباری ص ۲ ج ۸) اور ازواج مطہرات میں سے ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کے ہمراہ تھیں۔

جب آپ مقام ذی الحلیفہ یا مقام جحفہ میں پہنچے تو حضرت عباس مع اہل وعیال مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے ملے، آپ کے ارشاد سے سامان تو مدینہ بھیج دیا اور خود آپ کے ساتھ لشکر اسلام میں شریک ہو کر بغرض جہاد پھر مکّہ مکرمہ واپس ہوئے، حضرت عباس اسلام تو پہلے ہی سے لا چکے تھے، مگر قریش سے اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے اور یہ فرمایا اے عبّاس یہ تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے جیسے میری نبوّت آخری نبوت ہے اور حضرت عبّاس کا مکہ میں قیام آپ کے حکم سے تھا کہ مکّہ ہی میں رہیں اور قریش کی خبریں آپ کو پہنچاتے رہیں۔

مسند ابی یعلی اور معجم طبرانی میں ہے کہ قیام مکّہ کے زمانہ میں عباس نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی آپ نے ان کو جواب لکھوایا کہ اے چچا آپ اپنی ہی جگہ قیام فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو ختم کرے گا جیسا کہ مجھ پر نبوّت کو ختم کیا (زرقانی ص۳۰۰ ج۲)

[۱] سورۃ الممتحنہ: آیۃ ۱

اور مقام ابواء[۱] میں ابوسفیان بن حارث[۲] اور عبداللہ بن ابی امیہ بغرض اسلام مکہ سے مدینہ آتے ہوئے ملے جو ہجرت کر کے مدینہ جا رہے تھے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آپ کے چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ نبوت سے پیشتر آپ کے دوست تھے کسی وقت آپ سے جدا نہ ہوتے تھے نبوّت اور بعثت کے بعد محبت منقلب بہ عداوت ہوگئی اور آپ کی ہجو میں شعر بھی کہے جن کا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ ابوسفیان بن حارث کے ساتھ اُن کا بیٹا جعفر بھی تھا۔

اور عبداللہ بن ابی امیہ آپ کے پھوپی زاد بھائی تھے۔ یعنی آپ کی پھوپی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے، یہ بھی آپ کے شدید مخالفوں میں سے تھے۔ دونوں نے بارگاہِ نبوی میں حاضری کی اجازت چاہی مگر چونکہ حضور پُرنور کو ان دونوں سے تکلیفیں بہت پہنچی تھیں اس لئے آپ نے ان سے اعراض فرمایا اور حاضری کی اجازت نہیں دی ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سفارش کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ایک آپ کے چچا کا بیٹا ہے اور دوسرا آپ کی پھوپی کا بیٹا ہے، آپ نے فرمایا مجھے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں ابن عم نے میری آبروریزی کی اور پھوپی کا بیٹا وہی شخص ہے جس نے مکّہ میں یہ کہا تھا کہ خدا کی قسم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا یہاں تک کہ تو سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے اور میں بچشم خود تجھ کو دیکھ رہا ہوں اور پھر تو ایک دستاویز لے کر آسمان سے اُترے اور چار فرشتے تیرے ساتھ ہوں اور یہ گواہی دیں کہ تجھ کو اللہ نے رُسول بنا کر بھیجا ہے، پھر بھی میں تجھ پر ایمان نہ لاؤں گا۔

ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے مکارم اخلاق سے یہ اُمید ہے کہ آپ کے خوانِ نعمت سے آپ کا چچازاد بھائی اور پھوپی زاد بھائی۔ سب سے زیادہ محروم اور بدنصیب نہ رہے گا جب آپ کا ترحم اور عفو عام ہے تو پھر یہی کیوں محروم رہیں۔

اقربا را کجا کنی محروم ❊ تو کہ با دشمناں نظر داری

ادھر ابوسفیان بن حارث نے یہ کہا کہ اگر آپ اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہ دیں گے تو میں اپنے بیٹے جعفر کو لے کر کسی صحرا میں نکل جاؤں گا اور وہیں بھوکا اور پیاسا مر

[۱] الابواء بفتح الہمزۃ وسکون الباء قریۃ بین مکۃ والمدینۃ ۱۲

[۲] یہ ابوسفیان ابن حارث ہیں جو مشہور ابوسفیان کے علاوہ ہیں۔

جاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ نے ام المؤمنین کی شفاعت اور ان دونوں کی اس درجہ خجالت و ندامت کو سن کر حاضری کی اجازت دی۔ حاضر ہوتے ہی دونوں مشرف باسلام ہوئے اور مسلمانوں کے ہمراہ مکہ روانہ ہوئے۔

حافظ ابن عبدالبر اور محبّ طبری راوی ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کے چہرۂ انور کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کہیں جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا، یعنی:۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ۔ [1]	قسم ہے اللہ کی بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم قصوروار ہیں۔

حضرت علی نے سامنے سے آنے کا مشورہ اس لئے دیا کہ چہرۂ انور کی حیا اور چشمہائے شرمگیں آپ کے اور عتاب کے درمیان حائل بن جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رحمت عالم اور حیاءِ مجسم ﷺ کی زبان سے یہ جواب نکلا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ [2]	آج کے دن تم پر کوئی الزام اور ملامت نہیں اللہ تمہارا قصور معاف کرے وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

ابوسفیان کی معذرت قبول ہوئی اور حسب ارشاد نبوی **الاسلام یھدم ما کان قبلہ** اسلام کی کہدال نے ابوسفیان بن حارث کے قلب کو کھود کر ایسا صاف کر دیا کہ اب اس میں آپ کی خاطر عاطر کی کدورت کا کوئی ریزہ باقی نہ چھوڑا اور ایمان و احسان اور اخلاص و ایقان کو کوٹ کوٹ کر ان کے دل میں ایسا بھر دیا کہ باہر سے کفر کا کوئی غبار اور ذرّہ اُڑ کر ان کے دل میں نہ پہنچ سکے اور اسی دقت سے اللہ اور اُس کے رسول کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کے لئے آپ کے ہمرکاب ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان بن حارث نے حیاء کی وجہ سے مدۃ العمر آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور آنحضرت ﷺ اُن کے لئے جنّت کی شہادت دیتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ (زرقانی ص ۳۰۰ ج ۲ تا ص ۳۰۲ ج ۲)

[1] سورۂ یوسف، آیۃ: ۹۱، [2] ایضاً۔ آیۃ: ۹۲

اور گذشتہ قصور کی معذرت میں کچھ اشعار کہے:۔

لعمرك انی یوم احمل رأیة لتَغلب خیلُ اللاّتِ خَیلَ مُحَمَّدٍ

قسم ہے آپ کی زندگی کی تحقیق جس دن میں نے جھنڈا اس لئے اٹھایا تھا کہ لات کا لشکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکر پر غالب آجائے۔

لکا لمدلج الحیران اظلم لَیْلُه فهذا اوانی حین أهدیٰ وَاهتَدِیُ

تو اس دن میں اندھیری رات میں چلنے والے کی طرح حیران و پریشان تھا اور بحمد اللہ اب یہ وقت ہے کہ من جانب اللہ ہدایت دیا جارہا ہوں اور ہدایت پا رہا ہوں۔

اور اس کے علاوہ اور بھی معذرت میں اشعار کہے (دیکھو سیرۃ ابن ہشام ص ۴۳ ج ۴)

اور عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کے بعد یہ حال رہا کہ حیاء کی وجہ سے حضور پُر نور کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اس وقت آپ اور صحابہ روزہ سے تھے۔ مقام کدیدا[1] میں پہنچ کر صحابہ کی مشقت کے خیال سے آپ نے روزہ افطار فرمایا صحابہ نے بھی آپ کی اقتداء میں روزہ توڑ دیا۔ (بخاری شریف)

اوّل تو سفر فی نفسہ تعب اور مشقت ہے اور پھر وہ بھی جہاد کے لئے اور موسم گرما میں اس لئے افطار فرمایا کہ ایسی حالت میں اگر روزہ رکھا گیا۔ تو ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا نہیں ہوسکے گا۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے **لیس من البّر الصیام فی السفر**۔ سفر میں روزہ رکھنا بھلائی اور نیکی نہیں۔ ہاں اگر سفر جہاد نہ ہو اور سفر میں کوئی خاص مشقت نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا ہی افضل ہے۔ رمضان کے روزہ کی اگرچہ قضاء ممکن ہے لیکن رمضان کے انوار و تجلیات اور فرشتوں کے ہر وقت عروج و نزول کی برکات شیاطین کے پیروں میں بیڑیاں پڑ جانا جنت اور رحمت کے دروازوں کا کھل جانا اور جہنم کے دروازوں کا بند ہو جانا اور حُفّاظِ کتاب اللہ کا لیل و نہار کلام اللہ کی تلاوت میں سرشار رہنا اور فرشتوں کا حلقہائے ذکر

---

[1] یہ مقام مکہ مکرمہ سے بہتر میل کے فاصلہ پر ہے۔

اور مجالس تسبیح وتہلیل اور تلاوت قرآن کی محفلوں کو تلاش کرتے پھرنا یہ باتیں رمضان کے سوا دوسرے مہینہ میں کہاں میسّر آسکتی ہیں۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ یعنی مریض اور مسافر کے لئے اگرچہ افطار جائز ہے لیکن روزہ رکھنا اولیٰ اور افضل ہے اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ سفر میں روزہ افضل ہے فتح مکہ کے ارادہ سے جو دس ہزار قدوسیوں کا لشکر ظفر پیکر سفر کر رہا تھا وہ جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی غرض سے تھا، اس کے لئے نماز کو بھی مؤخر کیا جا سکتا ہے جو روزہ سے بلا شبہ افضل ہے۔ اور دین کا ستون ہے اور ایمان کے بعد سب سے افضل اور بہتر عمل ہے۔ لہٰذا سفر جہاد میں روزہ کا افطار ہی اولیٰ اور افضل ہے۔ خداوند ذوالجلال کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کے لئے نکل کھڑا ہونا یہ وہ نعمت ہے کہ جس پر آسمان اور زمین کے فرشتے رشک کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں روزہ افطار کرنے سے اگرچہ تسبیح وتہلیل اور تحمید وتمجید اور نزول ملائکہ کی برکات سے زیادہ مستفید نہ ہو سکا۔ لیکن خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کے لئے والہانہ اور عاشقانہ صبح اور شام کے چلنے میں قرب الٰہی کی ہزاروں اور لاکھوں ایسی منزلیں طے ہوگئیں کہ اگر ہزار سال بھی مسلسل تسبیح وتہلیل کرتا تو قرب خداوندی کے یہ منازل ومراحل اُس کو طے نہ ہوتے جو جہاد کے چند قدموں میں طے ہو جاتے ہیں۔ ظاہر میں سات میل کی منزل قطع کی لیکن حقیقت میں سبع سمٰوات سے اُوپر پہنچا۔ یہ تو پراگندہ سر۔ اور پراگندہ بال۔ برہنہ سر اور برہنہ پا اپنی وہ جان عزیز جس کو بمعاوضہ جنت خداوند ذوالجلال کے ہاتھ بیع کر چکا ہے خدا کو دینے اور سپرد کرنے جا رہا ہے تاکہ جلد از جلد اس کو اُس کے مشتری (خداوندی تعالیٰ) کے حوالہ کر کے اپنی قیمت (یعنی جنّت) وصول کرے مبادا کوئی قزاق اور رہزن (یعنی کوئی شیطان) اس بیع کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے کہ خداوند ذوالجلال سے کیا کرایا سودا نہ بگڑ جائے اور بعد میں کفِ افسوس ملنا پڑے اور آسمان وزمین کے فرشتے ٹکٹکی باندھے ہوئے رشک کی نگاہوں سے اس کو دیکھ رہے ہیں۔

مقام مَرّ الظہران میں پڑاؤ

مقام کدید سے چل کر عشاء کے وقت آپ مَرّ الظہران میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور لشکر کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنے خیمہ کے سامنے آگ سلگائے۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ لشکروں

میں آگ روشن کیا کرتے تھے، اسی کے موافق آپ نے یہ حکم دیا قریش کو اپنی بدعہدی کی وجہ سے دغدغہ لگا ہوا تھا کہ نہ معلوم رسول اللہ ﷺ کس وقت ہم پر چڑھائی کر بیٹھیں۔ چنانچہ ابو سفیان بن حرب اور بدیل بن ورقاء اور حکیم خبر لینے کی غرض سے مکہ سے نکلے جب مر الظہر ان کے قریب پہنچے تو لشکر نظر آیا۔ گھبرا گئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ آگ کیسی ہے، بدیل نے کہا یہ آگ قبیلۂ خزاعہ کی ہے ابوسفیان نے کہا خزاعہ کے پاس اتنا لشکر کہاں سے آیا وہ بہت قلیل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے چوکیداروں نے دیکھتے ہی ان لوگوں کو گرفتار کر لیا، ان لوگوں نے چوکیداروں سے دریافت کیا تم میں یہ کون ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور ہم آپ کے اصحاب ہیں گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خچر پر گشت لگاتے ہوئے اِدھر آ نکلے اور ابوسفیان کی آواز پہچان کر فرمایا۔ افسوس اے ابوسفیان یہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر ہے۔ خدا کی قسم اگر تجھ پر فتح یاب ہو گئے تو تیری گردن اُڑا دیں گے اور قریش کی اس میں بہتری ہے کہ آپ سے امن کے خواستگار ہو جائیں اور اطاعت قبول کر لیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں آواز سن کر اسی سمت میں ڈھونڈھتا ہوا حضرت عباس تک پہنچا اور کہا اے ابوالفضل (حضرت عباس کی کنیت ہے) میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں پھر رہائی اور مخلصی کی کیا صورت ہے، عباسؓ نے کہا میرے پیچھے اس خچر پر سوار ہو جا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر تجھکو حاضر ہوتا ہوں تاکہ تیرے لئے امن حاصل کروں۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو اپنے ہمراہ لے کر لشکر اسلام دکھلاتے ہوئے روانہ ہوئے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے گزرنے لگے تو حضرت عمر دیکھتے ہی پیچھے جھپٹے اور کہا یہ ابوسفیان اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے الحمدللہ بغیر کسی عہد اور اقرار کے ہاتھ آ گیا ہے حضرت عمر پیادہ پا تھے اور حضرت عباس ابوسفیان کو ہمراہ لئے ہوئے خچر پر سوار تھے نہایت تیزی کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ ابوسفیان اللہ اور اُس کے رسول کا دشمن ہے الحمدللہ بغیر کسی عہد اور پیمان کے آج ہاتھ آ گیا ہے، مجھکو اجازت دیجئے کہ ابھی اس کی گردن اڑا دوں۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے اس کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے حضرت عمر تلوار لئے کھڑے ہیں اور بار بار وہی عرض کر رہے ہیں۔ ابوسفیان کے قتل کے لئے آپ کے اشارے کے منتظر ہیں۔ حضرت عباس نے جھلاّ کر

کہا اے عمر ذرا ٹھہرو اگر یہ بنو عدی سے ہوتا تو تم اس کے قتل پر اس درجہ اصرار نہ کرتے چونکہ تم جانتے ہو کہ وہ بنی عبد مناف میں سے ہیں، اس لئے تم اس کے قتل پر اصرار کر رہے ہو حضرت عمر نے کہا اے عباس خدا کی قسم تمہارا اسلام مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا اور میرا باپ اگر اسلام لاتا تو مجھکو اتنی مسرت نہ ہوتی جتنی کہ تمہارے اسلام سے ہوئی اس لئے کہ میں خوب جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تمہارا اسلام خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔ تمہاری نسبت میرا تو یہ خیال ہے تم جو چاہے سمجھو۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جاؤ۔ صبح کو میرے پاس لانا ابوسفیان تو شب بھر حضرت عباس کے خیمہ میں رہے اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء اسی وقت بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے کچھ دیر تک رسول اللہ ﷺ اُن سے مکّہ کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ اسلام لانے کے بعد یہ دونوں مکّہ واپس ہو گئے تا کہ اہلِ مکّہ کو آپ کی آمد سے مطلع کریں۔

ابوسفیان کا اسلام

صبح ہوتے ہی حضرت عباس ابوسفیان کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آں حضرت ﷺ نے ابوسفیان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، افسوس اے ابوسفیان کیا وقت نہیں آ گیا کہ تو یقین کرے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(ابوسفیان) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نہایت ہی حلیم و کریم اور نہایت ہی صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم اگر اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہوتا تو آج ہمارے کچھ کام آتا۔ اور آپ کے مقابلہ میں اُس سے مدد چاہتا۔

(رسول اللہ ﷺ) افسوس اے ابوسفیان کیا تیرے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ تو مجھکو اللہ کا رسول جانے۔

(ابوسفیان) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بے شک آپ نہایت حلیم و کریم اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ ابھی تک مہربانی کر رہے ہیں کہ باوجود میری اس عداوت کے مجھ پر مہربانی ہے مجھے اسی میں ذرا تردد ہے آپ نبی ہیں یا نہیں۔

بعد ازاں حضرت عباس کے سمجھانے سے ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ ابوسفیان کے مسلمان ہوجانے کے بعد حضرت عباس نے عرض کیا یارسول اللہ۔ ابوسفیان سرداران مکہ سے ہے فخر کو پسند کرتا ہے لہٰذا آپ اُس کے لئے کوئی ایسی شی مقرر کر دیں جو اس کے لئے باعثِ عزت وشرف اور موجب امتیاز ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا اچھا اعلان کردو کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو وہ مامون ہے ابوسفیان نے کہا یارسول اللہ میرے گھر میں سب آدمی کہاں سما سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اور جو شخص مسجد حرام میں داخل ہوجائے وہ بھی مامون ہے۔

ابوسفیان نے کہا یارسول اللہ مسجد بھی کافی نہیں ہوسکتی آپ نے فرمایا اچھا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے وہ بھی مامون ہے، ابوسفیان نے کہا ہاں اس میں بہت وسعت اور گنجائش ہے۔ اس کے بعد آں حضرت ﷺ جب مر الظہر ان سے روانہ ہونے لگے تو حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو لے کر پہاڑ پر کھڑے ہوجائیں تاکہ لشکر اسلام کو بخوبی دیکھ سکے۔ چنانچہ یکے بعد دیگر جب قبائل جوق درجوق گزرنے لگے تو ابوسفیان دنگ رہ گیا۔ اور یہ کہا تمہارے بھتیجے کا ملک بہت بڑا ہوگیا۔ حضرت عباس نے کہا یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے۔ (یعنی جیسے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی شان وشوکت ظاہر اور صورت کے لحاظ سے سلطنت تھی۔ مگر معنی اور حقیقت کے لحاظ سے نبوت تھی اس لئے کہ وہ خارق عادت تھی، ظاہری اسباب اور مادیت پر مبنی نہ تھی ہوائی جہاز مادیت اور صنعت کے زور سے اُڑتا ہے اور تختِ سلیمان۔ بلا کسی مادّی اور بلا کسی ظاہری سبب کے بطور خرق عادت اُڑتا تھا۔ یہ ان کی نبوت کی دلیل تھی بطور معجزہ اُن کو یہ شان وشوکت دی گئی تھی تاکہ سلاطین عالم اپنی مادّی طاقت کو اس غیبی طاقت کے مقابلہ میں ہیچ سمجھیں اور خدا کے نبی کے سامنے گردن تسلیم خم کر دیں)۔ اسی طرح آں حضرت ﷺ کی اس شان وشوکت کو سمجھو کہ ظاہر میں بادشاہت معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت نبوت وپیغمبری ہے۔

جو قبیلہ سامنے سے گذرتا تھا۔ ابوسفیان پوچھتا جاتا تھا کہ یہ کون قبیلہ ہے سب سے پہلے خالد بن ولید ایک ہزار یا نوسو کے دستہ کو لے کر گزرے۔ بعد ازاں اور مختلف دستے گزرے تا آنکہ اخیر میں کوکبۂ نبوی ظاہری اور باطنی حال اور شکوہ کے ساتھ مہاجرین وانصار کے مسلح اور زرہ پوش گروہ کے جلو میں جلوہ افروز ہوا۔ مہاجرین کا علم حضرت زبیر کے ہاتھ میں

تھا اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ سعد بن عبادہ جب ادھر سے گذرے تو ابو سفیان کو دیکھ کر جوش آ گیا اور جوش یہ کہہ بیٹھے۔

الیوم یوم الملحمہ الیوم تستحل الکعبة	آج کا دن لڑائی کا دن ہے آج کعبہ میں قتل و قتال حلال ہوگا۔

ابو سفیان نے گھبرا کر دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں حضرت عباس نے کہا کہ یہ مہاجرین وانصار کا لشکر ہے جس میں رسول اللہ ﷺ جلوہ فرما ہیں۔

سامنے سے جب رسول اللہ ﷺ گزرے تو ابوسفیان نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپؐ نے سعد بن عبادہ کو اپنی قوم کے قتل کا حکم دیا ہے اور سعد کا قول نقل کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ دیتا ہوں نیکی اور صلہ رحمی میں آپ سب سے بڑھ کر ہیں۔ آپ نے فرمایا:

یَا ابا سفیان الیوم یوم المرحمه یعزاللّٰہ فِیه قریشا	اے ابوسفیان آج کا دن مہربانی کا دن ہے جس میں اللہ قریش کو عزت بخشے گا۔

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ یہ ارشاد فرمایا:

کذب سعد ولکن هذا یوم یعظم اللّٰه فیه الکعبة و یوم تکسی فیه الکعبة	سعد نے غلط کہا آج خانہ کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔

اور یہ حکم دیا کہ علم سعد بن عبادہ کے[1] ہاتھ سے لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا جائے۔ ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ جب آں حضرت ﷺ سامنے سے گزرے تو قریش کی ایک خاتون نے یہ شعر پڑھے۔

یَانبی الهدی اِلیَكَ لجأ حیَّ قریش وَلات حین الجآء

اے نبی ہدایت قریش نے آپ کی طرف پناہ لی ہے حالانکہ یہ وقت پناہ کا نہیں ہے۔

---

[1] حضرت سعد سے جوش اور غلبۂ حال میں ایک لفظ زبان سے نکل گیا جو مناسب نہ تھا اس لئے آپ نے جھنڈا ان کے ہاتھ سے لے لیا مگر ان کے دل شکنی کے خیال سے اُن کے بیٹے ہی کو دیا صورۃً تو لے لیا مگر معنیً انہیں کے پاس رہا۔ جس درجہ کی لغزش تھی اسی درجہ کی تنبیہ فرمائی۔ کل سے لے لیا اور جزء کو دیدیا اور جزء کل کے مغایر نہیں ہوتا۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

حین ضاقت علَیھِمُ سعة الارض و عاداھم الله السمآء

جس وقت وسیع زمین ان پر تنگ ہوگئی ور اللہ ان کا دشمن ہو گیا۔

ان سعد ایرید قاصمة الظهر باهل الحجون والبطحاء

تحقیق سعد بن عبادہ اہلِ حجون اور اہلِ بطحاء کی کمر توڑ دینا چاہتا ہے۔

بعد ازاں ابوسفیان[1] آپ سے رخصت ہوا۔ اور عجلت کر کے مکہ واپس آ گیا اور بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر کے ساتھ آ رہے ہیں۔ میری رائے میں کسی کو یہ طاقت نہیں کہ ان سے مقاومت کر سکے اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ البتہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے یا جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اُس کو بھی امن ہے یا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے یا ہتھیار ڈال دے اس کو بھی امن ہے ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے ان کی مونچھ پکڑ لی اور یہ کہا اے بنی کنانہ یہ پیر فرتوت بیوقوف ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں کیا کیا بک رہا ہے اور بہت گالیاں دیں لوگ جمع ہو گئے ابوسفیان نے کہا اس وقت ان باتوں سے کچھ نہ ہو گا اے لوگو تم اس عورت کے دھوکہ میں ہرگز نہ آنا۔

کوئی شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اُس کو امن ہے اور جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن، لوگوں نے کہا ارے کمبخت خدا تجھے ہلاک کرے تیرے گھر میں کتنے آدمی آ سکیں گے ابوسفیان نے کہا کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اُس کو بھی امن ہے۔

اور ابوسفیان نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ تو اسلام لے آ ورنہ ماری جائے گی۔ جا اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ لوگ اس اعلان کو سنتے ہی بھاگے کوئی مسجد حرام کی طرف اور کوئی اپنے گھر کی طرف۔

مکّہ مکرّمہ میں داخلہ

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کداء کی جانب سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور مکہ

[1] البدایۃ والنہایۃ ص ۲۹۰ ج ۴

میں داخل ہوتے وقت آں حضرت ﷺ نے کعبۃ اللہ کے ادب اور احترام کو غایت درجہ ملحوظ رکھا۔ تواضع کے ساتھ سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے شاہانہ شان سے داخل نہیں ہوئے۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ناقہ پر سوار ہیں اور خوش الحانی کے ساتھ سورۂ انا فتحنا پڑھ رہے ہیں۔

اس عظیم الشان فتح کے وقت مسرت اور نشاط فرحت اور انبساط کے آثار کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں تخشع اور تضرع تذلل اور تمسکن کے آثار بھی چہرۂ انور پر نمایاں ہو رہے تھے۔ ناقہ پر سوار تھے تواضع سے گردن اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ ریش مبارک کجاوہ کی لکڑی سے مس کر رہی تھی (رواہ ابن اسحٰق مرسلا) اور آپ کے خادم اور خادم زادہ اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب آپ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو تمام لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے لیکن آپ تواضع کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھے۔ (رواہ الحاکم بسند جید)

معجم طبرانی میں ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہے کہ جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور پھر یہ سورۃ تلاوت فرمائی اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ (زرقانی ص ۳۲۰ ج ۲)

آں حضرت ﷺ کی نظر مبارک اس پر تھی کہ ایک وہ وقت تھا کہ میں نے اسی شہر سے کس بے کسی اور کس بے بسی کے ساتھ ہجرت کی تھی اور دشمنوں سے گریزاں اور تنِ تنہا یہاں سے نکلا تھا۔ اب وہ وقت آیا کہ حق تعالیٰ کی اعانت اور نصرت سے اُسی شہر میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ فاتحانہ داخلہ ہو رہا ہے۔ وَ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ

اس لئے حضور پُر نور کا سر مبارک تواضع سے خم تھا اور پالان شتر پر سر رکھے ہوئے سجدۂ شکر بجا لا رہے تھے اور جوش مسرت میں ترنّم اور خوش الحانی کے ساتھ انا فتحنا اور اذا جاء نصر اللہ پڑھ رہے تھے کہ بے شک یہ فتح مُبین اور یہ نصرت سراپا شوکت و عظمت، محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور انعام ہے کہ حق کو حکومت عطا ہوئی اور باطل سرنگوں ہوا اسلام اور ایمان کا نور چمکا اور کُفر کی ظلمتیں دور ہوئیں اور سرزمین حرم کُفر اور شرک کی نجاستوں سے پاک ہوئی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کداء[1] میں سے گزرتے ہوئے بالائی جانب سے مکّہ میں داخل ہوئے اور خالد بن ولید کو اسفل مکہ مقام کدیٰ[2] سے داخل ہونے کا اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعلیٰ مکہ یعنی مقام کداء میں سے داخل ہونے کا حکم دیا اور یہ تاکید فرما دی کہ تم خود ابتداء بالقتال نہ کرنا جو شخص تم سے تعرض کرے صرف اس سے لڑنا۔ بعد ازاں آپ نہایت ادب و احترام کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

جب آپ مکّہ میں داخل ہوئے تو اول ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے اور غسل کر کے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ (بخاری)

اصطلاح علماء میں اس نماز کو صلاۃ الفتح کہتے ہیں۔ اور امراء اسلام کا یہ طریق رہا ہے کہ جب کسی شہر کو فتح کرتے تھے تو فتح کے شکریہ میں آٹھ رکعت نماز پڑھتے تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مدائن کو فتح کیا اور ایوان کسریٰ میں داخل ہوئے تو آٹھ رکعت نماز ایک سلام سے ادا فرمائی۔ (روض الانف ص ۲۷۳ ج ۲)

غالباً اسی وجہ سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے کہ آٹھ رکعت سے زیادہ ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے ام ہانی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میرے

---

[1] کداء بفتح کاف والف ممدودہ مکہ کی بالائی جانب کو کہتے ہیں اور کدیٰ ضم کاف اور الف مقصورہ کے ساتھ مکہ کی جانب اسفل کو کہتے ہیں۔ مقام کدآء۔ وہ مقام ہے کہ جس جگہ ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر لوگوں کو حج کے لئے پکارا تھا۔ کما قال تعالیٰ۔

وَاَذِّنۡ فِى النَّاسِ بِالۡحَجِّ يَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاۡتِيۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِيۡقٍ (الحج آیۃ ۲۷)

اور لوگوں میں حج کی منادی کر دے آویں گے تیرے پاس پا پیادہ اور دُبلے اونٹوں پر ہر دُور و دراز راہ سے

اور اسی مقام پر اپنی ذریت کے لئے یہ دعا فرمائی ہے جو قبول ہوئی۔

رَبَّنَاۤ اِنِّىۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِىۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِۙ رَبَّنَا لِيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُوۡنَ۔ (ابراہیم آیۃ: ۳۷)

اے پروردگار میں نے اپنی بعض اولاد کو ایسے میدان میں بسایا ہے جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں۔ تیرے محترم گھر کے قریب اے پروردگار غرض یہ ہے کہ نماز کا خاص اہتمام رکھیں سو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کے لئے پھل عطا کرتا کہ تیری نعمتوں کا شکر کریں۔

اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اس مقام سے داخل ہوئے کہ جہاں اُس کے بانی نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی (روض الانف ص ۲۷۰ ج ۲)

[2] حضرت خالد کو اسفل مکہ سے داخل ہونے کا حکم اس لئے دیا کہ مقابلہ اور مقاتلہ کیلئے تمام اوباش اسی جانب میں جمع تھے۔ (زرقانی ص ۳۰۹ ج ۲)

شوہر کے دو رشتہ دار بھاگ کر میرے گھر میں آ گئے ہیں جن کو میں نے پناہ دی اور میرا بھائی علی ان کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جس کو ام ہانی نے پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی، علی کو چاہئے کہ ان دو آدمیوں کو نہ مارے۔[۱]

نماز سے فارغ ہو کر شعب ابی طالب میں تشریف لے گئے جہاں آپ کا خیمہ نصب کیا گیا تھا، صحابہ نے مکہ میں داخل ہونے سے ایک روز پیشتر ہی آپ سے دریافت کر لیا تھا کہ آپ مکہ میں کہاں قیام فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا جہاں قریش اور کنانہ نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو محصور کیا تھا۔ اور آپس میں یہ عہد اور حلف کیا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب سے خرید و فروخت شادی اور بیاہ کے تمام تعلقات قطع کر دیئے جائیں جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالے نہ کر دیں۔ شعب ابی طالب اسی مقام کا نام ہے۔[۲]

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ قریش نے کچھ اوباش تمہارے مقابلہ کے لئے جمع کیے ہیں وہ اگر مقابلہ پر آئیں تو ان کو کھیتی کی طرح کاٹ کر رکھ دینا۔

صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو نے مقام خندمہ میں بقصد مقابلہ کچھ اوباشوں کو جمع کیا۔ خالد بن ولید سے مقابلہ ہوا مسلمانوں میں سے دو شخص شہید ہوئے۔ خنیس بن خالد بن ربیعہ اور کرز بن جابر فہری اور مشرکین میں کے بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے۔ باقی سب بھاگ اُٹھے۔

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔[۳]

اور مغازیِ موسیٰ بن عقبہ میں ہے کہ خالد بن ولید جب اسفل مکہ سے داخل ہوئے تو بنو بکر اور بنو حارث بن عبد مناۃ اور کچھ لوگ قبیلۂ ہذیل کے اور کچھ اوباشِ قریش مقابلہ کے لئے جمع تھے۔ حضرت خالد کے پہنچتے ہی ان لوگوں نے ہلّہ بول دیا۔ خالد بن ولید نے جب

---

[۱] البدایۃ والنہایۃ، ج:۴، ص:۲۹۹، ۳۰۰۔ [۲] زرقانی، ج:۲، ص:۳۲۴، فتح الباری ج:۸، ص:۱۶

[۳] اس روایت کی بنا پر مشرکین میں کے صرف بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے اور موسیٰ ابن عقبہ اور ابن سعد اور واقدی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تیئیس یا چوبیس آدمی مارے گئے۔ اور یہی روایت زیادہ مستند ہے اور اقل۔ اکثر کے منافی نہیں اور ممکن ہے کہ مقتولین کی مجموعی تعداد چوبیس ہو اور صرف مقام خندمہ میں بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے ہوں۔ اور باقی دوسرے مقام پر واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ان کا مقابلہ کیا تو تاب نہ لا سکے شکست کھا کر بھاگے۔ بنو بکر میں کے تقریباً بیس آدمی اور ہذیل کے تین یا چار آدمی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ اشخاص میں بھگّی پڑ گئی۔ کوئی مکان میں جا کر چھپا اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا، ابوسفیان نے چلا کر کہا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے وہ امن سے ہے اور جو شخص اپنا ہاتھ روک لے وہ امن سے ہے۔ آں حضرت ﷺ کی نظر تلواروں کی چمک پر پڑی تو خالد بن ولید کو بلا کر دریافت فرمایا کہ یہ کیا ماجرا ہے میں نے تم کو قتال سے منع کیا تھا۔ خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ابتداء بالقتال نہیں کی۔ میں نے برابر اپنا ہاتھ روکے رکھا، جب میں مجبور ہو گیا اور تلواریں ہم پر چلنے لگیں اس وقت مقابلہ کیا، آپ نے فرمایا (قضاءُ اللہ خیر) اللہ تعالیٰ نے جو مقدور کیا اس میں خیر ہے۔[۱]

اس کے بعد امن قائم ہو گیا اور لوگوں کو امن دے دیا اور لوگ مطمئن ہوئے اور فتح مکمل ہو گئی تو آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔

مسجد حرام میں داخلہ

فتح کے بعد آں حضرت ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حرم محترم میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے آپ ایک ایک بُت کی طرف چھڑی سے اشارہ کر کے یہ پڑھتے جاتے تھے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اور بُت منہ کے بل اوندھے گر جاتے تھے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابن عمر کی حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن ابن عباس کی حدیث اس کی مؤید ہے۔[۲]

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے عبداللہ بن عمر کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔[۳]
حافظ ہیثمی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس حدیث کو بزار نے بھی مختصراً روایت کیا ہے۔[۴]

[۱] فتح الباری، ج:۸، ص:۹ [۲] الخصائص الکبریٰ۔ ج:۱، ص:۲۶۴ [۳] فتح الباری، ج:۱۴، ص:۸
[۴] مجمع الزوائد، ج:۶، ص:۱۷۶

ابن اسحٰق اور ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ وہ بُت سیسے سے چپکے ہوئے تھے۔[۱]

اسی بارے میں تمیم بن اسد خزاعی نے کہا۔

و فی الاصنام معتبر و علم لمن یرجو الثواب او العقابا[۲]

جب آپ حرم میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ناقہ پر سوار تھے اسی حالت میں طواف فرمایا طواف سے فارغ ہو کر عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی لی اور بیت اللہ کو کھلوایا۔ دیکھا کہ اس میں تصویریں ہیں اُن سب کے مٹانے کا حکم دیا جب تمام تصویریں مٹادی گئیں اور آب زمزم سے ان کو دھو دیا گیا اُس وقت آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔[۳]

اور بیت اللہ کے تمام گوشوں میں پھر کر توحید و تکبیر کی آوازوں سے اُس کو منور کیا۔ اس وقت بلال اور اسامہ آپ کے ہمراہ تھے۔ فارغ ہو کر دروازہ کھولا اور باہر تشریف لائے دیکھا کہ مسجد حرام لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے نیچے سب منتظر ہیں کہ مجرموں اور دشمنوں کے متعلق کیا حکم دیا جاتا ہے یہ رمضان المبارک کی بیسویں تاریخ تھی، باب کعبہ پر آپ کھڑے ہوئے اور کلید آپ کے ہاتھ میں تھی اس وقت آپ نے یہ خطبہ دیا۔

باب کعبہ پر خطبہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ صدق وعده و نصر عبدهٗ و هزم الاحزاب وحده۔ الا كل مـاثرة اودم اومـا يـدعى فهو تحت قدمى هاتين الاسدانة البيت و سقاية الحاج الا وقتيل الخطاء شبه العمد بالسوط والعصافيه الدية مغلظة مِنَ الابل اربعون منها	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اُس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندے کی مدد کی اور دشمنوں کی تمام جماعتوں کو اس نے تنہا شکست دی آگاہ ہو جاؤ جو خصلت و عادت خواہ جانی ہو یا مالی ہو جس کا دعویٰ کیا جا سکے وہ سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ (سب لغو اور باطل ہیں) مگر بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانا یہ خصلتیں حسب دستور برقرار رہیں گی آگاہ ہو جاؤ جو شخص خطاءً قتل کیا

[۱] زرقانی، ج:۲، ص:۳۳۴ [۲] البدایۃ والنہایۃ، ج:۴، ص:۳۰۲۔ [۳] زرقانی، ج:۲، ص:۳۳۶

فی بطونها اولادها یا معشر قریش ان اللّٰه قد اذهب عنکم نخوة الجاهلیة و تعظمها بالآباء الناس من اٰدم واٰدم من تراب ثم تلا هٰذه الآیة یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ○ ثم قال یا معشر قریش ما ترون انی فاعل بکم قالوا خیرا اخ[1] کریم و ابن اخ کریم قال فانی اقول لکم کما قال یوسف لاخوته لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ اذهبوا فانتم الطلقاء

(زاد المعاد و سیرة ابن هشام و زرقانی والبدایة والنهایة ص ۳۰۰ ج ۴ و ص ۳۰۱ ج ۴)

جائے کوڑے یا لاٹھی سے اس کی دیت (خون بہا) مغلظہ ہے سو اونٹ ہوں گے جس میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہونگی۔ اے گروہ قریش اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور غرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو باطل کر دیا۔ سب لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔ اُس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو شاخوں اور خاندانوں پر تقسیم کیا تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو اور حقیقت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہو۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے پھر یہ ارشاد فرمایا اے گروہ قریش تمہارا میری نسبت کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا۔ لوگوں نے کہا۔ بھلائی کا۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا۔ تم پر آج کوئی عتاب اور ملامت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

عرب میں جو حسب و نسب پر فخر کرنے کا دستور چلا آرہا تھا۔ آپ نے اس خطبہ میں

[1] یہ کہنے والے سہیل بن عمرو تھے جن سے آپ نے صلح حدیبیہ کی شرائط طے کی تھیں بعد میں چل کر مشرف باسلام ہوئے۔ جب آپ نے یہ ارشاد فرمایا اے گروہ قریش میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے سہیل بن عمرو نے فی البدیہہ کہا نقول خیرا ونظن خیرا اخ کریم وابن اخ کریم وقد قدرت۔ خیر ہی کہتے ہیں اور خیر ہی کا گمان رکھتے ہیں۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے اور انتقام پر ہر طرح قادر ہیں۔ (اصابہ ترجمہ سہیل بن عمرو)

اُس کا خاتمہ کر دیا۔ اور اسلامی مساوات کا جھنڈا نصب کر دیا اور یہ بتلا دیا کہ شرف اور بزرگی کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بنا کر ہدایت عالم کے لئے مبعوث ہوئے تھے، آپ کا مقصود ہدایت تھا۔ دشمنوں سے انتقام لینا بادشاہوں کا کام ہے۔

حجابَت وسقایت

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ مسجد میں بیٹھ گئے اور بیت اللہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ کنجی ہم کو عطا فرما دیجئے، تاکہ سقایت زمزم[2] کے ساتھ حجابت بیت اللہ یعنی بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہم کو حاصل ہو جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (نساء، آیۃ:۵۸)	تحقیق اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں پہنچا دو امانت والوں کو۔

آپ نے عثمان بن طلحہ حجبی کو بلا کر کنجی مرحمت فرمائی اور یہ فرمایا کہ یہ کنجی ہمیشہ کے لئے لے لو۔ (یعنی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان میں رہے گی)

میں نے خود نہیں دی بلکہ اللہ نے تم کو دلائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے کوئی تم سے نہ چھین سکے گا۔[3]

بامِ کعبہ پر اذان

ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ قریش مکہ دین حق کی فتح مبین کا یہ عجیب وغریب منظر پہاڑوں کی چوٹیوں سے دیکھ رہے تھے۔

[1] سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ حضرت عباس نے بھی اس کی بہت کوشش کی مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا (زاد المعاد ۱۲)
[2] یعنی موسم حج میں حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانا یہ خدمت حضرت عباس اور بنو ہاشم کے سپرد تھی ۱۲۔ [3] فتح الباری ج۸، ص:۱۵، زرقانی ج:۲، ص:۳۳۷۔۳۴۰

اور جو سرداران قریش کفر و شرک کی ذلّت اور دین برحق کی عزّت کا یہ منظر نہ دیکھ سکے وہ روپوش ہو گئے ابوسفیان اور عتاب و خالد پسران اسید اور حارث بن ہشام (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) اور دیگر سرداران قریش صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب اور خالد نے کہا کہ اللہ نے ہمارے باپ کی بڑی عزّت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے ہی اُن کو دنیا سے اٹھالیا۔ حارث نے کہا خدا کی قسم اگر مجھ کو یہ یقین ہو جاتا کہ آپ حق پر ہیں تو ضرور آپ کا اتباع کرتا۔ ابوسفیان نے کہا میں نہیں کہتا۔ اگر میں نے کوئی لفظ اپنی زبان سے نکالا تو یہ سنگریزے آپ کو خبر دیدیں گے۔ آپ کو بذریعہ وحی اطلاع ہوگئی جب آپ ادھر سے گزرے تو ان لوگوں سے فرمایا کہ جو کچھ تم نے کہا مجھے اس کی اطلاع ہوگئی ہے اور انہوں نے جو گفتگو کی تھی وہ سب بیان فرمادی۔ حارث اور عتاب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس لئے کہ ہم میں سے تو کسی نے آپ کو اس امر کی اطلاع نہیں دی (معلوم ہوا کہ اللہ ہی نے بذریعہ وحی اپنے رسول کو ہماری ان باتوں کی خبر دی ہے) (رواہ ابویعلی عن ابن عباس وابن ابی شیبۃ عن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)[۱]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو مسلمان ہوجانے کے بعد مکہ کا والی مقرر فرمایا، عتاب کی عمر اُس وقت اکیس سال کی تھی اور بطور روزینہ ایک درہم یومیہ مقرر فرمایا۔ اس پر عتاب نے یہ کہا۔

أيها الناس اجاع الله كبد من جاع على درهم	اے لوگو اللہ اس شخص کے جگر کو بھوکا رکھے جو ایک درہم میں بھی بھوکا رہے۔ (روض الانف ص ۲۷۶ ج ۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک برابر مکہ کے امیر رہے صدیق اکبر جب خلیفہ ہوئے تو اُن کو برقرار رکھا جس دن صدیق اکبر کی وفات ہوئی اسی روز عتاب کی وفات ہوئی (استیعاب لابن عبدالبر ترجمہ عتاب بن اسید)

حضرت بلال نے جس وقت بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی تو ابومحذورہ جمحی اور چند نوجوان جو اُن کے ساتھ تھے بطور تمسخر اذان کی نقل اتارنے لگے۔

ابومحذورہ نہایت خوش الحان اور بلند آواز تھے ان کی آواز گوشِ مبارک میں پہنچ گئی حکم ہوا

[۱] زرقانی ج:۲، ص:۳۴۶

کہ حاضر کیے جائیں۔ دریافت فرمایا کہ تم میں سے وہ کون ہے کہ جس کی آواز میرے کان میں پہنچی ہے سب نے ابو محذورہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے سب کو چھوڑ دینے اور ان کے روک لینے کا حکم دیا۔

ابو محذورہ آپ کے سامنے کھڑے ہوئے اور دل میں یہ گمان غالب تھا کہ میں قتل کیا جاؤں گا آپ نے مجھ کو حکم دیا کہ اذان دو، با دلِ ناخواستہ اذان دی۔ اذان کے بعد آپ نے تھیلی عطا کی جس میں کچھ درہم تھے۔ اور سر اور پیشانی پر دست مبارک پھیرا اور پھر سینہ اور جگر اور شکم پر ناف تک ہاتھ پھیرا اور یہ دُعا دی بارك الله فيك و بارك الله عليك.

ابو محذورہ کہتے ہیں کہ دست مبارک کا پھیرنا تھا کہ آپ کی تمام نفرت یکلخت مبدل بہ اُلفت ہوگئی۔ اور قلب آپ کی محبت سے لبریز ہوگیا۔ اب میں نے خود عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو مکہ کا مؤذن مقرر فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھ کو مکہ کا مؤذن[۱] مقرر کیا۔ میں نے آکر عتاب بن اسید امیر مکّہ کو اس کی اطلاع دی۔ اور آپ کے حکم کے مطابق اذان دینے لگا۔ مدّۃ العمر مکّہ میں مقیم رہے اور اذان دیتے رہے ۵۹ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی (استیعاب لابن عبدالبر ترجمہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ)

سہیلی فرماتے ہیں کہ ابو محذورہ جس وقت مؤذن مقرر ہوئے اس وقت اُن کی عمر سولہ سال کی تھی۔ وفات تک مکّہ کے مؤذن رہے اور وفات کے بعد اُن کی اولاد نسلاً بعد نسل ان کی اذان کی وارث ہوتی رہی۔

ایک شاعر ابو محذورہ کی اذان کے بارے میں کہتا ہے۔

اما ورب الكعبة المستورة وَمَا تَلا محمد من سورة

قسم ہے رب کعبہ کی جس پر غلاف پڑا ہوا ہے اور قسم ہے قرآن کی سورتوں کی جن کی محمد ﷺ نے تلاوت کی۔

والنغمات من ابی محذوره لافعلن فعلة مذكورة

اور قسم ہے ابو محذورہ کے نغمہائے اذان کی میں فلاں کام ضرور کروں گا[۲]

---

[۱] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو محذورہ فتح مکہ کے بعد مؤذن مقرر ہوئے اور اکثر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حنین سے واپسی کے بعد آپ نے ان کو مؤذن مقرر فرمایا۔ واللہ اعلم۔ [۲] روض الانف، ج:۲، ص:۲۷۷

آں حضرت ﷺ طواف سے فارغ ہو کر کوہ صفا پر تشریف لائے اور دیر تک بیت اللہ کی طرف منہ کیئے ہوئے دست بدعاء اور مشغول حمد وثناء رہے، دامن میں انصار کا مجمع تھا اسی اثناء میں بعض انصار کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر آپ کا شہر اور آپ کی زمین فتح کر دی ہے، مبادا ایسا نہ ہو کہ آپ یہیں ٹھہر جائیں اور مکہ میں رہ پڑیں اور مدینہ تشریف نہ لیجائیں اور آپس میں کچھ کہنے سننے لگے اسی وقت آپ پر وحی کے آثار نمودار ہو گئے۔ صحابہ کی یہ عادت تھی کہ نزولِ وحی کے دوران کوئی شخص آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ جب وحی نازل ہو چکی تو آپ نے فرمایا۔ اے گروہ انصار تم نے یہ کہا ہے عرض کیا ہاں یارسول اللہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ خوب سمجھ لو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی ہے تمہاری زندگی میری زندگی ہے اور تمہاری موت میری موت ہے۔ یہ سن کر انصار جاں نثار کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور عرض کیا یارسول اللہ ہم کو یہ اندیشہ ہوا کہ نصیب دشمنان جس شمع کے ہم پروانے ہیں وہ شمع ہماری محفل سے نہ اٹھالی جائے۔ ہم غلامانِ جاں نثار اور خادمانِ وفا شعار ہر قسم کے ایثار کیلئے تیار ہیں مگر اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں انتہائی بخیل ہیں۔

باسایہ ترانمی پسندم عشق است و ہزار بدگمانی

آپ نے ارشاد فرمایا اللہ اور اس کا رسول تم کو معذور اور سچا سمجھتے ہیں۔ (رواہ مسلم واحمد وغیرہما عن ابی ہریرۃ) زرقانی ص ۳۴۳ ج ۲۔ البدایۃ والنہایۃ ص ۳۰۶ ج ۴ تا ص ۳۰۷ ج ۴۔ [1]

مردوں اور عورتوں سے بیعت

دعاء سے فارغ ہونے کے بعد آں حضرت ﷺ کوہ صفا پر بیٹھ گئے لوگ بیعت کے لئے جمع ہو گئے۔ آپ اسلام پر اور خدا اور رسول کی اطاعت پر بیعت لینے لگے۔ مردوں سے فقط اسلام پر اور حسب استطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت لیتے اور بعض روایات میں ہے کہ مردوں سے اسلام اور جہاد پر بیعت لیتے مردوں کی بیعت سے جب

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۴، ص: ۳۰۶

فراغت پائی تو عورتوں سے بیعت لینے لگے۔عورتوں سے ان اُمور پر بیعت لی کہ جو بیعت النساء کی آیت میں مذکور ہیں۔یعنی یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَ کَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [1]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے جو بیعت فرماتے وہ محض زبان سے ہوتی تھی آپ کے دست مبارک نے کبھی بھی کسی نامحرم عورت کے ہاتھ کو مَس نہیں کیا اور نہ کسی عورت سے کبھی آپ نے مصافحہ فرمایا بلکہ کپڑے کے ذریعہ بیعت کرتے تھے کہ کپڑے کا ایک کونہ حضور پُرنور کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور کپڑے کا دوسرا کونہ عورت کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

اور کبھی ایسا ہوتا کہ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی کا ایک پیالہ منگا لیتے اور اس میں اپنا دستِ مبارک ڈال کر نکال لیتے اور پھر عورتوں کو حکم دیتے کہ تم بھی اس پیالہ میں اپنے ہاتھ ڈال لو تو عورتیں بھی اپنا ہاتھ اس پیالہ میں ڈال کر تر کر لیتیں۔اس طرح بیعت پختہ ہو جاتی۔تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر قرطبی سورۂ ممتحنہ ص ۷۱ ج ۱۸ کی مراجعت کریں۔کن کن عورتوں نے بیعت کی۔تاریخ ابن الاثیر ص ۶۶ ج ۲ کو دیکھیں۔

ابن اثیر جزری فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو عورتوں کی بیعت کی طرف متوجہ ہوئے۔قریش کی جو عورتیں اس وقت بیعت کے لئے حاضر ہوئیں ان میں یہ چند نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) ام ہانی بنت ابی طالب یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن۔

(۲) ام حبیبہ بنت عاص بن امیہ زوجۂ عمرو بن عبدود عامری۔

(۳) اروی بنت ابی العیص۔یعنی عتاب بن اسید کی پھوپی۔

(۴) عاتکہ بنت ابی العیص۔یعنی اروی کی بہن۔

(۵) ہندہ بنت عتبہ زوجۂ ابوسفیان ووالدۂ امیر معاویہ۔

ہندہ جب بیعت کے لئے حاضر ہوئیں تو چہرہ پر نقاب ڈال کر حاضر ہوئیں چونکہ ہندہ

[1] سورۃ الممتحنہ، آیۃ: ۱۲

نے حضرت حمزہ کو قتل کرایا تھا اور اُن کا سینہ چاک کر کے اُن کا کلیجہ چبایا تھا۔ اس لئے حیاء اور ندامت کی بنا پر منہ چھپا کر بیعت کے لئے حاضر ہوئیں، تا کہ کوئی پہچان نہ سکے اُن کی بیعت کا قصہ حسب ذیل ہے۔

(ہندہ)۔ یارسول اللہ آپ ہم سے کن چیزوں کا عہد اور میثاق لیتے ہیں۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

(ہندہ)۔ یارسول اللہ۔ آپ ہم سے ان باتوں کا عہد لیتے ہیں کہ جن کا آپ نے مردوں سے نہیں لیا۔ لیکن ہم کو یہ منظور ہے۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہ کہ چوری نہ کریں۔

(ہندہ)۔ میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال سے کچھ لے لیتی ہوں معلوم نہیں کہ یہ چوری میں داخل ہے یا نہیں۔ ابوسفیان اس وقت وہیں موجود تھے، ابوسفیان نے کہا کہ جو گزر گیا وہ معاف ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ بقدر ضرورت اور بقدر کفایت شوہر کے مال سے لے سکتی ہے کہ عرف اور دستور میں تجھ کو اور تیرے بچوں کی ضرورت کو کفایت کر سکے۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور زنا نہ کرنا۔

(ہندہ) کیا شریف عورت زنا کر سکتی ہے۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اولاد کو قتل نہ کرنا۔

(ہندہ) ربینا ھم صغارا وقتلتھم یوم بدر کبارا فانت وھم اعلم ہم نے ان کو بچپن میں پالا اور آپ نے ان کو جنگِ بدر میں مارا پس آپ اور وہ جانیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر ہنس پڑے۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور کسی پر بہتان نہ لگانا۔

(ہندہ)۔ وَ اللّٰہ ان اتیان البھتان لقبیح وَمَاتا مرنا الا بالرشد و مکارم الاخلاق خدا کی قسم کسی پر بہتان باندھنا نہایت ہی برا ہے اور آپ ہم کو سوائے رشد اور ہدایت اور سوائے مکارم اخلاق کسی چیز کا حکم نہیں دیتے۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عمر سے فرمایا کہ ان سے بیعت لے لو۔ بیعت کے بعد آپ نے اُن کے لئے دعاء مغفرت کی۔[1]

---

[1] الکامل لابن اثیر ج:۲، ص:۹۶

ہندہ نے اسلام لانے کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ۔ اسلام سے پہلے آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھ کو مبغوض نہ تھا اور آپ سے زیادہ کسی کو دشمن نہ رکھتی تھی اور اب آپ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے محبوب نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی محبت میں اور زیادتی ہوگی۔

دوسرا خطبہ

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ فتح مکّہ کے دوسرے دن ایک خزاعی نے ایک ہذیلی مشرک کو مار ڈالا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو صحابہ کو جمع کر کے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا۔

یا ایّها الناس ان اللّٰه حرم مكة يوم خلق السّموات وَالارض فهي حرام الىٰ يوم القيامة فلا يحل لامرئ يؤمن باللّٰه وَاليوم الأخران يسفك فِيها دما ولا يعضدفيها شجراً ولم تحلل لاحد كان قبلي وَلاَ تحل لاحد يكون بعدي ولم تحلل لي الا هذه السّاعة غضبا علىٰ اهلها الا ثم قد رجعت كحرمتها بالامس فليبلغ الشاهد منكم الغائب فَمَنْ قال لكم ان رسول اللّٰهِ صلّى اللّٰه عليه وسلم قاتل فِيها فقولوا ان اللّٰه قد احلها لرسوله ولم يحللها لكم يا

اے لوگو بے شک اللہ تعالیٰ نے جس روز آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام اور محترم پیدا کیا پس وہ قیامت تک حرام اور محترم رہے گا پس کسی شخص کیلئے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ مکہ میں کوئی خون بہائے اور نہ کسی کے لئے کسی درخت کا کاٹنا جائز ہے، مکّہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا اور میرے لئے بھی صرف اسی ساعت اور اسی گھڑی کے لئے حلال کیا گیا۔ اہل مکہ کی نافرمانی پر اور ناراضی کی وجہ سے اور آگاہ ہو جاؤ کہ اس کی حرمت پھر ویسی ہی ہوگئی جیسا کہ کل تھی۔ پس تم میں سے جو حاضر ہے وہ میرا یہ پیام ان لوگوں کو پہنچا دے کہ جو غائب ہیں پس تم میں سے جو شخص یہ کہے

معشر خزاعة ارفعوا ایدیکم عن القتل فلقد کثر القتل لقد قَتلتم قتیلا لادینه فَمَن قتل بعد مقامی هذا فاهله بخیر النظرین ان شاؤ افدم قاتله وان شاء وافعقله

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قتال کیا تو تم اس سے یہ کہہ دینا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول کے لئے مکّہ کو کچھ وقت کے لئے حلال کر دیا اور تمہارے لئے حلال نہیں کیا اے گروہ خزاعہ قتل سے اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ تم نے ایک شخص کو مار ڈالا جس کی دیت (خونبہا) میں دوں گا جو شخص آج کے بعد کسی کو قتل کرے گا تو مقتول کے گھر والوں کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار ہوگا یا تو خون کے بدلے قاتل کا خون لے لیں یا مقتول کی دیت (خونبہا) لے لیں۔

بعد ازاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے سو اونٹ اس شخص کی دیت ادا فرمائی جس کو خزاعہ نے قتل کیا تھا۔[1]

مہاجرین کے متروکہ مکانات کی واپسی کا مسئلہ

کفارِ مکّہ تمام مہاجرین کے مکانات اور جائداد اور املاک پر قبضہ کر چکے تھے۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو گئے، ہنوز باب کعبہ پر کھڑے ہوئے تھے کہ ابو احمد بن جحش اُٹھے اور اپنے اس مکان کی واپسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہا جس کو ابوسفیان نے ان کی ہجرت کے بعد چار سو دینار میں فروخت کر لیا تھا۔ آپ نے ان کو بُلا کر کچھ آہستہ سے فرمایا، سنتے ہی ابو احمد بن جحش خاموش ہو گئے اس کے بعد جب ابو جحش سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا کہا تھا۔ ابو احمد نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا اگر تو صبر کرے تو تیرے لئے بہتر ہوگا اور اس کے معاوضہ میں تجھ کو جنّت میں ایک مکان مل جائے گا، میں نے عرض کیا میں صبر کروں گا۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام، ج:۴، ص:۵۸

ان کے علاوہ اور بھی بعض مہاجرین نے چاہا کہ اُن کے مکانات ان کو دلائے جائیں آپ نے فرمایا تمہارا جو مال اللہ کی راہ میں جا چکا ہے میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا۔ یہ سنتے ہی تمام مہاجرین خاموش ہو گئے اور جو گھر اللہ اور اُس کے رسول کے لئے چھوڑ چکے تھے پھر اُس کی واپسی کا کوئی حرف زبان پر نہیں آیا اور جس مکان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور جس مکان میں حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوئی آپ نے اس کا ذکر تک نہیں فرمایا۔[1]

عفو عام کے بعد مجرمان خاص کے متعلق احکام

فتح مکہ کے دن آپ نے عفو عام کا اعلان کرا دیا۔ جنہوں نے آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے اور جنہوں نے آپ پر پتھر برسائے تھے اور جو ہمیشہ آپ سے برسر پیکار رہے اور جنہوں نے آپ کی ایڑیوں کو لہولہان کیا تھا سب کو معافی دے دی گئی۔ مگر چند اشخاص جو بارگاہِ نبوی میں غایت درجہ گستاخ اور دریدہ دہن تھے اُن کے متعلق یہ حکم ہوا کہ جہاں کہیں ملیں قتل کر دیئے جائیں ایسے لوگوں کے متعلق خداوند ذوالجلال کا یہی حکم ہے۔

مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا [2]

یہ ملعون جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں اور خوب قتل کیے جائیں جیسا کہ گزشتہ مفسدین کے بارے میں اللہ کی سنّت ہے اور اللہ کے آئین اور عادت میں کوئی تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔

پیغمبر خدا کی توقیر و تعظیم اور اس کی نصرت و حمایت تمام اُمّت پر فرض ہے، اس کی بے حرمتی دین الٰہی کی بے حرمتی ہے، قال تعالیٰ۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔

وقال تعالیٰ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ

اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو ان پیشوایان کفر سے قتال کرو ان کی قسمیں کچھ نہیں تا کہ اس قسم کی شرارتوں سے باز آ جائیں کیوں نہیں

[1] الصارم المسلول ص: ۱۵۴ [2] الاحزاب، آیۃ: ۶۱

یَنۡتَهُوۡنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَ هُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝ ؎	جنگ کرتے تم ان لوگوں سے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور فکر کی پیغمبر کے نکالنے کی اور عہد شکنی میں ابتداء کی۔ کیا ان لوگوں سے ڈرتے ہو صرف خداوند ذوالجلال سے تم کو ڈرنا چاہئے اگر تم سچے مؤمن ہو۔

یعنی جن لوگوں نے پیغمبر کے نکالنے کا فقط ارادہ اور قصد ہی کیا اُن کے قتال میں اہل ایمان کو ذرہ برابر تأمل نہ ہونا چاہئیے ان کی ظاہری قوت وشوکت اور مادّی ساز وسامان سے خائف نہ ہوں صرف اللہ سے ڈریں اور اُس کے رسول کی نصرت وحمایت میں جان اور مال جو کچھ بھی درکار ہو اس سے دریغ نہ کریں اور یہ امر اہلِ عقل پر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سبّ وشتم استہزاء اور تمسخر گستاخی اور دریدہ دہنی کا جرم نکال دینے کے جرم سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ حکومت اپنے سخت سے سخت مجرم کو معافی دے سکتی ہے لیکن ملک معظم اور وائسرائے کی شان میں گستاخی اور دریدہ دہنی کرنے والے سے ایک لمحہ کے لئے اغماض نہیں کر سکتی۔ اس میں حکومت کی بے حرمتی اور بے وقعتی ہے۔

علاوہ ازیں پیغمبر کی توہین اور بے حرمتی ساری امّت کی توہین اور بے حرمتی ہے۔ لہٰذا ہر امّتی کا فرض ہے کہ جب آپ کی شان میں گستاخی سُنے تو فوراً اُس کی جان لے لے یا اپنی جان دیدے۔

تَشۡتُم ایدینا وَیحلم رأینا وَنَشتم بالافعال لا بالتکلم

ہمارے ہاتھ گالیاں دیتے ہیں اور ہماری رائے اور عقل حلم اور بردباری کرتا ہے۔ ہم عمل سے گالیاں دیتے ہیں زبان سے نہیں۔

شفاء قاضی عیاض میں ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے جب امام مالکؒ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم دریافت کیا تو یہ ارشاد فرمایا۔

مابقاء الامۃ بعد شتم نبیھا	اس امّت کی کیا زندگی ہے جس کے پیغمبر کو گالیاں دیجائیں۔

؎ التوبۃ، آیۃ: ۱۲، ۱۳

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرانی قدس اللہ روحہ ونور ضریحہ (آمین) کے زمانہ میں ایک نصرانی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی تو امام موصوف نے چھ سو صفحہ کی ایک ضخیم کتاب فقط اسی موضوع پر تصنیف فرمائی اور الصارم المسلول علی شاتم الرسول[1] اس کا نام رکھا جس میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اجماع صحابہ وتابعین اور تعامل خلفاء راشدین اور عقلی دلائل و براہین سے شاتم رسول کا واجب القتل ہونا ثابت کیا ہے جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیرا آمین۔

الحاصل

جن لوگوں کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے دن یہ حکم دیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں تقریباً وہ پندرہ سولہ تھے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اوّل: (عبداللہ بن خطل) یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ ایک غلام اور ایک انصاری ساتھ تھے ایک منزل پر پہنچ کر ابن خطل نے غلام کو کھانا تیار کرنے کے لئے کہا، غلام کسی وجہ سے سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو ابن خطل نے دیکھا کہ اس نے ابھی تک کھانا تیار نہیں کیا غصہ میں آ کر اس غلام کو قتل کر ڈالا بعد میں خیال آیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور مجھ کو اس کے قصاص میں قتل کریں گے مرتد ہو کر مکّہ چلا آیا اور مشرکین میں جا ملا اور صدقات کے اونٹ بھی ساتھ لے گیا۔ آپ کی ہجو میں شعر کہتا تھا اور باندیوں کو ان اشعار کے گانے کا حکم دیتا، پس اس کے تین جرم تھے۔ ایک خون ناحق۔ دوسرا مرتد ہو جانا۔ تیسرا جرم یہ کہ آپ کی ہجو میں شعر کہنا۔ ابن خطل فتح مکّہ کے دن خانہ کعبہ کے پردوں سے جا کر لپٹ گیا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ ابن خطل بیت اللہ کے پردہ کو پکڑے ہوئے ہے۔ آپ نے فرمایا وہیں قتل کر ڈالو۔ چنانچہ ابو برزہ اسلمی اور سعد بن حریث نے وہیں جا کر قتل کیا۔ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کی گردن اڑائی گئی۔

(الصارم المسلول ص ۱۳۳ وزرقانی ص ۳۱۴ ج ۲)

دوم وسوم: فرتنیٰ اور قُریبنہ یہ دونوں ابن خطل کی لونڈیاں تھیں شب و روز آپ کی ہجو

---

[1] یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی ہے۔

گاتی رہتی تھیں۔ مشرکین ملّہ کسی مجلس میں جمع ہوتے تو شراب کا دور چلتا اور یہ دونوں آپ کی ہجو میں اشعار پڑھتی اور گاتی بجاتی۔ ایک ان میں سے ماری گئی اور دوسری نے امن کی درخواست کی اس کو امن دے دیا گیا۔ حاضر ہوکر مسلمان ہوگئی۔[۱]

چہارم: (سارّہ) بنی المطلب میں سے کسی کی باندی تھی۔ یہ بھی آپ کی ہجو گایا کرتی تھی بعض کہتے ہیں کہ قتل کی گئی اور بعض کہتے ہیں کہ اسلام لے آئی اور حضرت عمر کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہی اور یہی وہ عورت تھی کہ جو حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر ملّہ جارہی تھی۔

پنجم: (حویرث بن نقید) یہ شاعر تھا اور رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں شعر کہتا تھا۔ اس لئے اس کا خون ہدر ہوا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو قتل کیا۔[۲]

ششم: (مقیس بن صبابہ) یہ پہلے مسلمان ہوگیا تھا۔ غروۂ ذی قرد میں ایک انصاری نے اُس کے بھائی ہشام کو دشمنوں میں سے سمجھ کر غلطی سے قتل کردیا۔ آں حضرت ﷺ نے دیت دلانے کا حکم دیا۔ مقیس نے دیت لینے کے بعد انصاری کو قتل کردیا اور مرتد ہوکر مکہ چلا گیا۔ فتح مکہ کے دن آپ نے اُس کا خون مُباح کیا۔ نمیلہ بن عبداللہ لیثی نے اس کو قتل کیا۔[۳] مقیس بن صبابہ۔ بازار میں جاتا ہوا گرفتار ہوا مارا گیا۔[۴]

ہفتم: (عبداللہ بن سعد بن ابی سرح) یہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے کاتب الوحی تھے، مرتد ہوکر کفار سے جا ملے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رضاعی بھائی تھے فتح مکہ کے دن جان بچانے کی خاطر چھپ گئے۔ حضرت عثمان ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ عرض کی یارسول اللہ، عبداللہ حاضر ہے، اس سے بھی بیعت لے لیجئے۔ آپ نے کچھ دیر سکوت فرمایا۔ بالآخر جب حضرت عثمان نے آپ سے کئی بار درخواست کی تو آپ نے ابن ابی سرح سے بیعت لے لی اور اسلام قبول فرمایا۔ اس طرح اُن کی جان بخشی ہوئی بعد میں صحابہ سے فرمایا کہ تم میں کوئی سمجھدار نہ تھا کہ جب میں نے عبداللہ کی بیعت سے ہاتھ روک لیا تھا، اُٹھ کر اس کو قتل کر

---

[۱] الصارم المسلول ص:۱۲۶۔ [۲] زرقانی ج:۲، ص:۳۱۵ [۳] فتح الباری، ج:۸، ص:۹
[۴] البدایہ والنہایہ، ج:۴، ص:۲۹۸۔

ڈالتا۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اس وقت کوئی اشارہ کیوں نہ فرمایا۔ آپ نے کہا نبی کے لئے اشارہ بازی زیبا نہیں۔

اس مرتبہ عبداللہ بن ابی سرح نہایت سچائی کے ساتھ اسلام لائے اور کوئی بات بعد میں ظاہر نہیں ہوئی۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت میں مصر وغیرہ کے والی اور حاکم رہے اور حضرت عثمان غنی کے زمانۂ خلافت ۲۷ھ یا ۲۸ھ میں افریقہ کی فتح کا سہرا انہیں کے سر رہا اور مال غنیمت جب تقسیم ہوا تو ایک ایک شخص کے حصہ میں تین تین ہزار دینار آئے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد فتنوں سے بالکل علیحدہ رہے، حضرت علی اور حضرت معاویہ میں سے کسی کے ہاتھ پر بھی بیعت نہیں کی حضرت معاویہ کی اخیر زمانہ امارت میں عسقلان میں وفات پائی وفات کا عجیب واقعہ ہے ایک روز صبح کو اُٹھے اور یہ دعا مانگی۔

اللّٰھم اجعل آخر عملی الصبح	اے اللہ میرا آخری عمل صبح کے وقت ہو۔

وضو کی اور نماز پڑھائی، دائیں جانب سلام پھیر کر بائیں جانب سلام پھیرنا چاہتے تھے کہ رُوح عالم بالا کو پرواز کر گئی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔[1]

ہشتم: (عکرمۃ بن ابی جہل) یہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے کہ جن کا خون فتح مکّہ کے دن آپ نے مباح کیا تھا۔ عکرمہ ابوجہل کے فرزند تھے، باپ کی طرح یہ بھی آپ کے شدید ترین دشمن تھے۔ فتح مکّہ کے بعد بھاگ کر یمن چلے گئے، عکرمہ کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام اسلام لے آئیں اور بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے شوہر کے لئے امن کی درخواست کی رحمتِ عالم اور عفو مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرزند ابی جہل کے لئے امان کی درخواست کو فوراً منظور فرمالیا۔

عکرمہ بھاگ کر یمن کے ساحل پر پہنچے کشتی پر سوار ہو گئے کشتی کا چلنا تھا کہ تند ہواؤں نے آکر کشتی کو گھیر لیا۔ عکرمہ نے لات اور عزیٰ کو مدد کے لئے پکارا کشتی والوں نے کہا اس وقت لات اور عزیٰ کچھ کام نہ دیں گے۔ ایک خدا کو پکارو۔ عکرمہ نے کہا خدا کی قسم اگر دریا

[1] الاصابہ، ج:۲، ص:۳۱۶، زرقانی ج ۲ ص:۳۱۳

میں کوئی چیز خدا کے سوا کام نہیں آسکتی تو سمجھ لو کہ خشکی میں بھی سوائے خدا کے کوئی چیز کام نہیں آسکتی اسی وقت سچے دل سے خدا کے ساتھ یہ عہد کرلیا۔

اللّٰھم لک عھد ان عافیتنی مما انافیہ ان آتی محمدا حتی اضع یدی فی یدہٖ فلا جدنہ عفوا غفورا کریما۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)	اے اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تونے اس پریشانی سے نجات بخشی تو ضرور محمد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں گا اور یقیناً اُن کو بڑا معاف کرنے والا، درگزر کرنیوالا اور مہربان پاؤں گا۔

ادھر سے عکرمہ کی بیوی ام حکیم پہنچ گئیں اور کہا:

یَا ابن عم جئتك مِن عند ابر النــاس وَ اوصل الناس و خیر النـاس لاتھلك نفسك انی قد استأمنت لك رسول اللہ ﷺ	اے ابن عم میں سب سے زیادہ نیکوکار اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور سب میں بہتر شخص کے پاس سے آئی ہوں تو اپنے آپ کو ہلاک مت کر میں نے تیرے لئے رسول اللہ ﷺ سے امان حاصل کیا ہے۔

یہ سُن کر عکرمہ ام حکیم کے ساتھ ساتھ ہولیا۔ راستہ میں مباشرت کا ارادہ کیا۔ ام حکیم نے کہا ابھی تو کافر ہے اور میں مسلمان ہوں عکرمہ نے کہا کسی بڑی شئی نے تجھکو روکا ہے اور یہ کہہ کر مکہ کا قصد کیا اور آں حضرت ﷺ نے عکرمہ کے پہنچنے سے پہلے ہی صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

یاتیکم عکرمۃ مؤمنا فلا تسبوا اباہ فان سب المیت یؤذی الحی	عکرمہ مؤمن ہو کر آرہا ہے لہٰذا اس کے باپ کو بُرا نہ کہنا مردہ کو برا کہنے سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔

عکرمہ آپ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بیوی ساتھ تھی وہ نقاب ڈالے ہوئے ایک طرف کھڑی ہو گئی اور عرض کیا کہ یہ میری بیوی حاضر ہے۔ اس نے مجھ کو خبر دی ہے کہ آپ نے مجھ کو امان دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اُس نے سچ کہا تجھ کو امان ہے،

عکرمہ نے کہا آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس امر کی شہادت دو کہ اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اس کے علاوہ اور چند خصال اسلام کی تلقین فرمائی۔ عکرمہ نے کہا:

قد کنت تدعو الی خیرو امر حسن جمیل قَد کنت فِینا یا رسول اللّٰہ قبل ان تَدعونا وَانت اصدقنا حدیثا و ابرنا	بے شک آپ نے خیر اور مستحسن اور پسندیدہ امر ہی کی طرف دعوت دی ہے اور یا رسول اللہ اس دعوت حق سے پیشتر بھی آپ ہم میں سب سے زیادہ سچے اور نیکوکار تھے۔

اور اس کے بعد کہا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ محمَّداً عَبْدُہٗ و رَسُوْلُہٗ کلمۂ شہادت کے بعد عکرمہ نے کہا کہ میں اللہ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بناتا ہوں کہ میں مسلمان اور مجاہد اور مہاجر ہوں [1]۔

اور یا رسول اللہ آپ سے میری یہ درخواست ہے کہ آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔ آپ نے عکرمہ کے لئے دعاء مغفرت فرمائی، عکرمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ قسم ہے خداوند ذوالجلال کی جو خرچ میں نے خدا کی راہ سے روکنے کے لئے کیا اب میں خدا کی راہ میں بلانے کے لئے اس سے دو چند خرچ کروں گا۔ اور جس قدر قتال خدا اور اُس کے رسول کے خلاف میں نے کیا ہے اُس سے دو چند قتال خداوند ذوالجلال کی راہ میں کروں گا اور جس جس مقام پر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا ہے اُس اُس مقام پر جا کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں گا۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مرتدین کے مقابلہ کے لئے لشکر روانہ کیئے تو ان میں ایک لشکر کے سردار عکرمہ تھے۔ الغرض باقی ساری عُمر خدا اور اُس کے رسول کے دشمنوں سے جہاد اور قتال میں گزاری۔ صدیق اکبر کے زمانۂ خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے جسم پر تیر اور تلوار کے ستّر سے زیادہ زخم تھے [2]۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ فرمایا کہ میں نے خواب میں ابوجہل کے لئے جنّت میں ایک خوشہ دیکھا۔ جب عکرمہ مسلمان ہوئے تو آپ نے ام سلمہ سے فرمایا اُس خواب کی تعبیر یہ ہے (اصابہ ترجمہ عکرمہ)

[1] زرقانی ج:۲، ص:۳۱۴۔ [2] الاستیعاب لابن عبدالبر، ج:۳، ص:۱۴۸

عکرمہ کی، مسلمان ہونے کے بعد یہ حالت تھی کہ جب تلاوت کے لئے بیٹھتے اور قرآن کریم کو کھولتے تو روتے اور غشی کی کیفیت ہوتی اور بار بار یہ کہتے ھذا کلام ربی یہ میرے پروردگار کا کلام ہے یہ میرے پروردگار کا کلام ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ میں عکرمہ کے ہاتھ سے ایک مسلمان شہید ہوا جب آپ کو یہ خبر دی گئی تو مسکرائے اور فرمایا کہ قاتل اور مقتول دونوں ہی جنت میں ہیں۔[2]

اشارہ اس طرف تھا کہ عکرمہ فی الحال اگرچہ کافر ہیں لیکن عنقریب اسلام میں داخل ہوں گے۔

نہم: (ہبار بن الاسود) اس کا جرم یہ تھا کہ مسلمانوں کو بہت ایذائیں پہنچاتا تھا۔ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب زوجۂ ابوالعاص بن ربیع جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ جارہی تھیں تو ہبار بن اسود نے مع چند اوباشوں کے جا کر راستہ میں حضرت زینب کے ایک نیزہ مارا جس سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں۔ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہوگیا اور اسی بیماری میں انتقال فرمایا۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

فتح مکہ کے دن آپ نے ہبار کا خون مباح فرمایا تھا۔ جب آپ جعرانہ سے واپس ہوئے تو ہبار حاضرِ خدمت ہوئے اور آ کر آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہبار بن اسود ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے دیکھ لیا، حاضرین میں سے ایک شخص نے ہبار کی طرف اٹھنے کا قصد کیا تو آپ نے اشارہ سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ ہبار بن اسود نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ؛ سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ قَدْ هَربت منك فِي البلاد واردت اللحاق بالاعَاجم ثم ذكرت عائدتك وَ صلتك و صفحك عمن جهل عليك وَ كنا يا نبي اللّٰه اهل شرك فهدانا اللّٰه بك و انقذنا من الهلكة فاصفح عن

[1] احیاء علوم الدین، ج:۱، ص:۲۵۳۔ [2] مدارج النبوت، ج:۲، ص:۲۹۳۔

جهلي وعما كان يبلغك عني فاني مقر بسوء فعلي معترف بذنبي فقال رسول الله ﷺ قد عفوت عنك وقد احسن الله اليك اذهداك للاسلام وَالاسلام يجب ما قبله [1]

دہم: (وحشی بن حرب) قاتل سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جس کا مفصل قصہ غزوۂ اُحد کے بیان میں گزر چکا ہے) بھاگ کر طائف پہنچے اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کیا اور قصور کی معافی چاہی۔

اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لئے لشکر روانہ کیا تو ان میں وحشی بھی تھے، جس حربہ سے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا وہ ساتھ تھا، اسی حربہ سے مسیلمہ کذاب کو واصل جہنم کیا اور یہ کہا کرتے تھے کہ اسی حربہ سے خیر الناس کو قتل کیا ہے اور اسی حربہ سے شر الناس کو قتل کیا ہے۔ (استیعاب لابن عبدالبر ترجمہ وحشی بن حرب) [2]

یازدہم: (کعب بن زہیر) مشہور شاعر ہیں، آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں۔ جن کا خون آپ نے فتح مکہ کے دن ہدر کیا تھا یہ مکہ سے بھاگ گئے تھے، بعد میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور آپ کی مدح میں قصیدہ کیا جو ''بانت سعاد'' کے نام سے مشہور ہے۔ [3]

آں حضرت ﷺ ان سے بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر عنایت فرمائی۔

دوازدہم: (حارث بن طلاطل) یہ شخص آں حضرت ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے دن حضرت علی نے اس کو قتل کیا۔ [4]

سیزدہم: (عبداللہ بن زِبعری) یہ بڑے زبردست شاعر تھے آں حضرت ﷺ کی ہجو اور مذمّت میں شعر کہا کرتے تھے۔ سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ابن زبعری کے قتل کا حکم دیا۔ یہ بھاگ کر نجران چلے گئے، بعد میں تائب ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور اسلام لائے اور معذرت میں اشعار کہے۔ [5]

---

۱ الاصابہ، ج:۳، ص:۵۹۵ ۲ زرقانی، ج:۳، ص ۳۱۶ ۳ فتح الباری، ج:۸، ص: ۱۰ الاستیعاب ص:۲۹۷ ۴ فتح الباری، ج:۸، ص:۱۰ ۵ الصارم المسلول، ص:۱۳۴

یا رسول الملیك اِنَّ لسانی راتِقٌ مَا فَتَقْتُ اِذْ اَنَا بُوْرٌ

اے اللہ کے رسول میری زبان اُس نقصان کو جبر کر دیگی جو میں نے اپنی ضلالت اور گمراہی کے زمانہ میں پہنچایا ہے۔

آمَنَ اللحمُ وَالعظام بِرَبِّی ثم قلبی الشَّهِیْدُ اَنْتُ النَّذِیرُ

میرا گوشت اور میری ہڈیاں پروردگار پر ایمان لے آئیں، پھر میرا دل شہادت دیتا ہے کہ آپ خدا کے بشیر ونذیر ہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام)

چہاردہم: (ہبیرۃ بن ابی وہب مخزومی) یہ بھی انہیں شعراء میں سے تھا جو آپ کی ہجو میں شعر کہا کرتے تھے فتح مکہ کے دن نجران کی طرف بھاگ نکلا اور وہیں کفر کی حالت میں مرا۔ (سیرۃ ابن ہشام۔ اصابہ، ترجمہ ہند بنت ابی طالب جو ام ہانی کی کنیت سے مشہور ہیں ہبیرۃ بن ابی وہب کی بیوی تھیں)[1]

پانزدہم: (ہندہ بنت عتبہ زوجۂ ابی سفیان) یہ وہی ہندہ ہے کہ جس نے معرکۂ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جگر نکال کر چبایا تھا۔ ہندہ بھی انہیں عورتوں میں داخل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن جن کے قتل کا حکم دیا تھا۔ ہندہ آں حضرت کو بہت ایذا دیتی تھی۔ ہندہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور اسلام قبول کیا۔ اور گھر جا کر تمام بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور یہ کہا خدا کی قسم تمہاری ہی وجہ سے ہم دھوکہ میں تھے۔[2]

یہ پندرہ اشخاص ناقابل عفو مجرم تھے، ان کا جُرم نہایت سنگین تھا جس نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کو امن ملا۔ اور جو اپنی بغاوت اور سرکشی پر قائم رہا وہ قتل ہوا۔

اب ہم اس کے بعد اُن چند معززین قریش کا ذکر کرتے ہیں کہ جو فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے۔

[1] سیرۃ ابن ہشام، واصابہ، ج ۴، ص: ۴۲۵ [2] سیرۃ ابن ہشام، واصابہ، ج ۴، ص: ۴۲۵

اسلام ابی قحافہ

(یعنی ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ کے مسلمان ہونے کا واقعہ)

آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے کہ ابوبکر صدیق اپنے بوڑھے باپ کو لیے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے بٹھلا دیا آپ نے فرمایا:

هلا تركت الشيخ في بيته حتي اكون انا آتيه فِيْه	اے ابو بکر تو نے اس بوڑھے کو گھر ہی میں کیوں نہ رہنے دیا میں خود ہی اس کے پاس آجاتا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔

يا رسول اللّٰه هو احق ان يمشي اليك من ان تمشي اليه انت	یا رسول اللہ بجائے اس کے کہ آپ چل کر میرے باپ کے پاس جائیں بہتر یہی ہے کہ میرا باپ خود پا پیادہ چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو۔

بعدازاں آپ نے ابوقحافہ کے سینہ پر دستِ مبارک پھیرا اور اسلام کی تلقین کی۔ ابوقحافہ نے اسلام قبول کیا۔ بڑھاپے کی وجہ سے تمام چہرہ اور سر سفید تھا۔ آپ نے خضاب کیلئے ارشاد فرمایا اور یہ تاکید فرمادی کہ سیاہی سے بالکل دور رکھنا۔ یعنی سیاہ خضاب ہرگز استعمال نہ کرنا۔[1]

علامہ حلبی سیرت حلبیہ میں لکھتے ہیں کہ جب ابوقحافہ اسلام لے آئے تو آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو مبارک باد دی۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ ابو طالب اگر اسلام لے آتے تو میری آنکھیں زیادہ ٹھنڈی ہوتیں۔[2]

اسلام صفوان بن امیہ

صفوان بن امیہ سرداران قریش میں سے تھے جود وسخا میں مشہور تھے فیاضی اور مہمان نوازی میں یہ گھرانہ ممتاز تھا۔ ان کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا۔ فتح مکہ کے دن

[1] الروض الانف ج ۷، ص: ۲۷۰ [2] سیرۃ حلبیہ، ج: ۳، ص: ۲۱۳

صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے۔ اُن کے چچازاد بھائی عمیر بن وہب نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر صفوان کے لے امن کی درخواست کی آپ نے امان دیا اور بطور علامت اپنا عمامہ یا چادر بھی عنایت فرمائی۔ عمیر جا کر ان کو جدہ سے واپس لائے۔ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر عرض کیا۔ اے محمد[1] عمیر یہ کہتا ہے کہ آپ نے مجھ کو امن دیا ہے، آپ نے فرمایا ہاں۔ صفوان نے کہا مجھ کو سوچنے کے لیے دو ماہ کی مہلت دیجئے، آپ نے فرمایا تجھ کو چار مہینے کی مہلت ہے فی الحال مسلمان نہیں ہوئے۔

مگر غزوۂ حنین میں آپ کے ہمراہ رہے، آپ نے کچھ زرہیں ان سے بطور عاریت لیں۔ حنین میں پہنچ کر ان کی زبان سے یہ لفظ نکلے۔

لان یربنی رجل من قریش احب الی من ان یربنی رجل من ھوازن	قریش میں کا کوئی شخص میری تربیت کرے وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس سے کہ قبیلۂ ہوازن کا کوئی آدمی میری تربیت کرے۔

حنین سے واپسی میں آپ نے صفوان کو بے شمار بکریاں عطا فرمائیں۔ صفوان نے ان بکریوں کو دیکھ کر کہا۔ خدا کی قسم اتنی سخاوت سوائے نبی کے کوئی نہیں کر سکتا اور مسلمان ہوگئے۔ (استیعاب واصابہ ترجمہ صفوان بن امیہ)

اسلام سُہَیل بن عَمرو

آپ مکہ کے اشرف اور سادات میں سے تھے خطیب قریش کے نام سے مشہور تھے۔ صلح حدیبیہ میں انہیں کو آتے دیکھ کر آپ نے فرمایا تھا۔

قد سھل من امر کم	اب تمہارا معاملہ کچھ سہل ہوگیا۔

فتح مکہ کے دن سہیل نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بارگاہِ نبوت میں بھیجا کہ جا کر آپ سے میرے لئے امن حاصل کرے، آپ نے اس کو امن دیا اور صحابہ سے مخاطب ہوکر یہ فرمایا۔

[1] ابن ہشام ص ۳۸ ج ۴

من لقی سھیل بن عمرو فلا یحد الیہ النظر فلعمری ان سھیلا لہ عقل و شرف وما مثل سھیل یجھل الاسلام	جو شخص سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز نظروں سے نہ دیکھے، قسم ہے میری زندگی کی تحقیق سہیل بڑا عاقل اور شریف ہے، سہیل جیسا شخص اسلام سے جاہل اور بے خبر نہیں رہ سکتا۔

سہیل نے فی الحال اسلام قبول نہیں کیا۔ غزوۂ حنین میں آپ کے ساتھ رہے اور جعرانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔[1]

اور قسم کھائی کہ جس قدر مشرکین کے ساتھ ہو کر جنگ کی ہے اسی قدر اب مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جنگ کروں گا اور جتنا مال مشرکین پر خرچ کیا ہے اتنا ہی مسلمانوں پر خرچ کروں گا۔[2]

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازہ پر لوگوں کا مجمع تھا ملاقات کے منتظر تھے۔ سہیل بن عمرو، ابوسفیان بن حرب اور دیگر مشائخ قریش بھی موجود تھے۔ دربان نے جب اطلاع کی تو صہیب اور بلال اور دیگر اہلِ بدر کو اندر بلا لیا گیا۔ اور سہیل اور ابوسفیان اور مشائخ قریش کو چھوڑ دیا گیا۔ ابوسفیان نے کہا آج جیسا منظر تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ غلاموں کو تو بلایا جا رہا ہے اور ہماری طرف التفات بھی نہیں۔ اس موقع پر سہیل نے جو عاقلانہ اور دانشمندانہ جواب دیا وہ دلوں کی تختیوں پر کندہ کرانے کے قابل ہے۔ سہیل نے ابو سفیان اور دیگر مشائخ قریش کو مخاطب کر کے کہا۔

اے قوم خدا کی قسم ناگواری اور غصّہ کے آثار تمہارے چہروں پر نمایاں دیکھ رہا ہوں بجائے اس کے کہ تم دوسروں پر غصّہ کرو تم کو خود اپنے نفسوں پر غصّہ کرنا چاہئے اس لئے کہ دینِ حق کی دعوت ان لوگوں کو بھی دی گئی اور تم کو بھی یہ لوگ سنتے ہی دوڑ پڑے اور تم نے پس و پیش کی اور پیچھے رہے۔ خدا کی قسم جس شرف اور فضیلت کو یہ لوگ لے دوڑے تمہارا اُس شرف سے محروم رہ جانا میرے نزدیک اس دروازہ کی محرومی سے کہیں زیادہ سخت ہے جس پر تم آج رشک کر رہے ہو۔ اے قوم یہ لوگ تم سے سبقت لے گئے جو تمہاری نظروں کے سامنے

---
[1] سیرۃ حلبیہ ج:۲، ص:۲۲۶ [2] اصابہ، ج:۲، ص:۹۴

ہیں اور تمہارے لئے اس شرف اور فضیلت کے حاصل ہونے کی اب کوئی سبیل نہیں۔ اس کھوئے ہوئے شرف کے تدارک اور تلافی کی اگر کوئی صورت ہے تو صرف جہاد فی سبیل اللہ اور خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی ہے۔ اس کے لئے تیار ہو جاؤ عجب نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ تم کو شہادت کی دولت و نعمت سے مالا مال فرمائے۔

سہیل نے اپنی تقریر دلپذیر کو ختم کیا اور دامن جھاڑ کر اسی وقت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور مع خاندان اور اہل وعیال کے رومیوں سے مقابلہ کے لئے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اور جنگ یرموک میں شہید ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ طاعون عمواس میں وفات پائی۔ بہرحال مقصد ہر صورت میں حاصل ہے، طاعون کی موت بھی شہادت ہے۔ (استیعاب لابن عبدالبر ترجمہ سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اسلام عتبہ و معتب پسران ابی لہب

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کو فتح کرنے کے لئے تشریف لائے تو مجھ سے یہ فرمایا کہ تمہارے دونوں بھتیجے عتبہ و معتب پسران ابی لہب کہاں ہیں وہ مجھے دکھائی نہیں دیئے آخر وہ دونوں کہاں ہیں میں نے عرض کیا کہ جو مشرکین قریش روپوش ہو گئے ہیں انہیں کے ساتھ یہ دونوں بھی کہیں دور چلے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں آپ کے ارشاد کے مطابق سوار ہو کر مقام عرنہ گیا اور وہاں سے دونوں کو اپنے ساتھ لایا۔ آپ نے اُن کے سامنے اسلام پیش کیا دونوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر آپ کھڑے ہو گئے اور دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے باب کعبہ کے قریب ملتزم پر آئے اور دیر تک دعا مانگتے رہے پھر وہاں سے واپس ہوئے اور چہرۂ انور پر مسرّت کے آثار نمایاں تھے حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ مسرور رکھے آپ کے چہرہ کو مسرور دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے یہ درخواست کی تھی کہ مجھ کو میرے چچا کہ یہ دونوں بیٹے عتبہ اور معتب عطا کر دیئے جائیں سو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ دونوں عطا کر دیئے اور میرے لئے ان دونوں کو ہبہ کر دیا۔[1]

[1] الخصائص الکبریٰ، ج:۱، ص:۲۶۴

اسلام معاویہ

بعض کہتے ہیں کہ معاویہ فتح مکہ میں اسلام لائے مگر صحیح یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے مگر اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ میں اس کا اظہار کیا۔[1]

ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان حضرت معاویہ کی بہن تھیں اور ماں کا بھائی ماموں ہوتا ہے اس لئے حضرت معاویہ خال المؤمنین ہوئے یعنی تمام مسلمانوں کے ماموں ہوئے اور جس طرح اہلِ بیت اور ذوی القربیٰ سے محبت رکھنا مؤمن پر فرض اور لازم ہے اسی طرح حضور پُرنور کے خسر اور برادر نسبتی اور سسرالی رشتہ داروں سے بھی محبت فرض اور لازم ہے۔

ابوسفیان بن حرب آپ کی زوجۂ مطہرہ ام حبیبہ کے والد محترم ہیں اور معاویہ ام حبیبہ کے بھائی ہیں، ان سے محبت رکھنا فرض ہے اور ان سے کینہ اور عداوت رکھنا حرام ہے اور اسلام سے پہلے جو ہو چکا وہ سب معاف ہے اور اسلام سے پہلی باتوں کا ذکر کرنا از روئے قرآن وحدیث قطعاً ممنوع ہے۔

بُت خانوں کی تخریب کے لئے سرایا کی روانگی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے بعد تقریباً پندرہ روز مکہ میں مقیم رہے جو بت، خانہ کعبہ میں تھے ان کو منہدم کرایا اور یہ منادی کرادی۔

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یدع فی بیتہ صنما	جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بُت باقی نہ چھوڑے۔

جب مکّہ مکرمہ بتوں سے پاک ہوگیا اور اس کے تمام بُت گرا دیئے گئے تو مکّہ کے اطراف واکناف میں بتوں کے منہدم کرنے لئے کے چھوٹی چھوٹی جماعتیں روانہ فرمائیں۔

ھدم عزّیٰ۔ ھدم سواع

۲۵ / رمضان ۸ھ کو خالد بن ولید کو تیس سواروں کی جمعیت کے ساتھ عزیٰ کو منہدم کرنے کے لئے مقام نخلہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس مقام تک مکّہ سے ایک شب کا راستہ

[1] اصابہ ج:۳ ص:۴۳۳

ہے اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواع کے منہدم کرنے کے لئے بھیجا یہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ عمرو بن العاص جب وہاں پہنچے تو اُس بُت کے مجاور نے ان سے کہا تم کس ارادہ سے آئے عمرو بن العاص نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے اس بُت کو منہدم کرنے آیا ہوں عمرو کا یہ جواب سن کر مجاور نے کہا تم اس پر کبھی قادر نہ ہو سکو گے خداوند سواع تم کو خود روک دے گا عمرو بن العاص نے کہا افسوس تو ابھی تک اسی خیال باطل میں پھنسا ہوا ہے کیا یہ سنتا اور دیکھتا ہے جو مجھ کو روک دے گا یہ کہہ کر اس پر ایک ضرب لگائی جس سے ان کا خداوند سُواع پاش پاش ہو گیا اور مجاور سے مخاطب ہو کر کہا تو نے دیکھ لیا مجاور یہ دیکھتے ہی فوراً مسلمان ہو گیا اور کہا اسلمت لِلّٰہ میں اسلام لایا اللہ کے لئے۔

ھدم مَناۃ

اور ۲۶ رمضان المبارک کو سعد بن زید اشہلی کو مَناۃ کے منہدم کرنے کے لئے مقام مُشَلَّل کی طرف روانہ کیا اور بیس سوار آپ کے ہمراہ کیئے۔[1]

غرض یہ کہ رمضان کا تمام مبارک مہینہ اسی بت شکنی یعنی ارض اللہ سے کفر و شرک کی نجاست کے دھلوانے میں صرف ہوا۔

ماہ شوال میں محض تبلیغ اسلام اور دعوتِ حق کے لئے ساڑھے تین سو مہاجرین وانصار کو خالد بن ولیدؓ کے زیر کمان بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ یلملم کے قریب ایک تالاب کے کنارہ جس کا نام غمیصاء ہے وہاں رہتے تھے، خالد بن ولید نے جا کر ان کو اسلام کی دعوت دی گھبراہٹ میں اچھی طرح یہ تو نہ کہہ سکے کہ ہم مسلمان ہیں یہ کہنے لگے صَبَأنَا صَبَأنَا ہم نے اپنا پہلا دین چھوڑ دیا۔ خالد بن ولید نے اس کو کافی نہ سمجھا بعض کو قتل کیا اور بعض کو گرفتار۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ بیان کیا تو آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دو مرتبہ یہ فرمایا:

اللّٰھم انی ابرأ الیك مِمّا صنع خالِد (بخاری و فتح الباری ص ۴۵ ج ۸)	اے اللہ میں اس سے بالکل بری ہوں جو خالد نے کیا۔

[1] زرقانی، ج: ۲، ص: ۳۴۷

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روپیہ دے کے بنو جذیمہ میں بھیجا تا کہ ان کا خونبہا ادا کر آئیں حضرت علی نے جا کر اُن کا خون بہا ادا کیا۔ اور جب تحقیق اور دریافت کے بعد یہ اطمینان ہو گیا کہ اب کسی کا خون بہا باقی نہیں رہا تو جو روپیہ باقی بچ رہا تھا وہ بھی احتیاطاً انہیں پر تقسیم کر دیا۔ واپس ہو کر جب بارگاہِ نبوی میں سارا قصہ بیان کیا تو آپ بیحد مسرور ہوئے اور یہ فرمایا، اَصَبْتَ وَ اَحْسَنْتَ۔[1]

غزوۂ حنین واوطاس وطائف

یوم شنبہ ۶ شوال ۸ھ

حنین۔ مکّہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جہاں قبائل ہوازن وثقیف آباد تھے۔ یہ قبائل نہایت جنگجو اور قادر تیر انداز تھے۔ فتح مکّہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں آپ ہم پر حملہ نہ کر دیں، اس لئے مشورہ سے یہ طے پایا کہ قبل اس کے کہ آپ ہم پر حملہ آور ہوں ہمیں کو چل کر آپ پر حملہ کر دینا چاہیے، چنانچہ ان کا سردار مالک بن عوف نصری بیس ہزار آدمیوں کو جمعیت لیکر آپ پر حملہ کرنے کے لئے چلا۔

درید بن صمہ سردار بنی جشم اگرچہ پیرانہ سالی کیوجہ سے حس وحرکت بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن بوڑھے اور تجربہ کار اور جہاں دیدہ اور جنگ آزمودہ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی ساتھ لے لیا تا کہ صلاح اور مشورہ میں اُس سے مدد ملے۔

مالک بن عوف نے تمام سپہ گروں کو یہ تاکید کر دی تھی کہ ہر شخص کے اہل وعیال اس کے ساتھ رہیں تا کہ خوب جم کر مقابلہ کریں اور کوئی شخص اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر بھاگ نہ سکے۔ جب وادی اوطاس میں پہنچے تو درید نے دریافت کیا یہ کونسا مقام ہے، لوگوں نے کہا یہ مقام اوطاس ہے، درید نے کہا۔ یہ مقام جنگ کے لئے نہایت موزوں اور مناسب ہے، یہاں کی زمین نہ بہت سخت ہے اور نہ بہت نرم کہ پاؤں دھنس جائیں پھر کہا۔

[1] زرقانی ج:۳، ص:۳

مالی اسمع رُغاء البعیر و نہاق الحمیرِ ویعار الشاء وَ بکاءَ الصغیر | یہ کیا ہے کہ اونٹوں کا بولنا اور گدھوں کا چیخنا اور بکریوں کا آواز کرنا اور بچوں کا رونا اور بلبلانا سن رہا ہوں۔

لوگوں نے کہا یہ مالک بن عوف لوگوں کو مع اہل وعیال اور مع جان و مال لے کر آیا ہے تاکہ لوگ ان کے خیال سے سینہ سپر ہو کر لڑیں۔

درید نے کہا سخت غلطی کی کیا شکست کھانے والا کچھ واپس لے کر جاتا ہے۔ جنگ میں سوائے نیزہ اور تلوار کے کوئی شئ کام نہیں آتی۔ اگر تجھ کو شکست اور ہزیمت ہوئی تو تمام اہل و عیال کی ذلّت ورسوائی کا باعث ہوگا بہتر یہ ہے کہ تمام اہل وعیال کو لشکر کے پیچھے رکھا جائے۔ اگر فتح ہوئی تو سب آملیں گے اور اگر شکست ہوئی تو بچے اور عورتیں دشمن کی دستبرد سے محفوظ رہیں گے۔ مگر مالک بن عوف نے جوش شباب میں اس طرف التفات نہ کیا اور کہا خدا کی قسم میں ہرگز اپنی رائے سے نہ ٹلوں گا بڑھاپے سے اس کی عقل خراب ہو چکی ہے۔ ہوازن وثقیف اگر میری رائے پر چلیں تو فبہا ورنہ میں ابھی خودکشی کر لیتا ہوں سب نے کہا ہم تیرے ساتھ ہیں۔

آں حضرت ﷺ کو جب ان حالات اور واقعات کی اطلاع پہنچی تو عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو تحقیق وتفتیش کے لئے روانہ فرمایا۔ عبداللہ نے ایک دو روز ان میں رہ کر تمام حالات معلوم کیے اور آکر آں حضرت ﷺ کو ان کو جنگی تیاریوں کی اطلاع دی۔ تب آپ نے بھی مقابلے کا سامان شروع کیا۔ صفوان بن امیہ سے سو زرہیں مع ساز وسامان کے مستعار لیں۔

۸ شوال ۸ھ یوم شنبہ کو بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے اور حنین کا قصد فرمایا دس ہزار جاں باز و جان نثار تو وہی تھے جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اور بعض غیر مسلم۔ (سیرت ابن ہشام)

بارہ ہزار کا یہ لشکر جرار جب حنین کی طرف بڑھا۔ تو ایک شخص کی زبان سے یہ لفظ نکلے۔

لن نغلب الیوم من قلة | آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔

جس میں شائبہ فخر اور اعجاب (خود پسندی) کا تھا جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ عالمِ اسباب میں چونکہ قلت بھی باعثِ ہزیمت ہوتی ہے اس لئے اس کثرت کو دیکھ کر بعض صحابہ کی زبان

پر یہ لفظ آ گئے کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔ یعنی اگر آج ہم مغلوب ہوئے تو یہ ہماری مغلوبی قلت کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی فتح ونصرت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بارگاہِ احدیت میں یہ کلام ناپسند ہوا۔

اس لئے کہ اس میں یہ ایہام تھا کہ کامرانی اور کامیابی غلبہ اور فتح یابی کا سبب کثرت ہے خصوصاً وہ حضرات کہ جو توحید وتفرید کی منزلیں خانقاہ نبوت ورسالت میں رہ کر طے کر چکے ہوں ان میں سے کسی ایک کی زبان سے بھی ایسا موہم لفظ نکلنا ان کے شایان شان نہیں۔ عجب نہیں کہ جو لوگ فتح مکّہ میں مسلمان ہوئے تھے اور آپ کے ہمراہ تھے اور ہنوز اسلام ان کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا یہ ان کی صحبت کا اثر ہو۔

سنن نسائی میں ہے کہ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں آں حضرت ﷺ نے سورۂ رُوم پڑھنا شروع کی اثناء قراءت میں آپ کو کچھ خلجان اور التباس واشتباہ پیش آیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو یہ ارشاد فرمایا:

ما بال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطهور وَانما یلبس علینا القرآن	کیا حال ہے لوگوں کا کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وضوء ٹھیک طرح نہیں کرتے جز ایں نیست کہ ایسے ہی لوگ ہمارے پڑھنے میں گڑبڑ کر دیتے ہیں۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آں حضرت ﷺ کے خاطر عاطر کی کدورت اور التباسِ قراءت کی علّت فقط ان لوگوں کی صحبت ومعیّت تھی کہ جو وضوء کے پورے آداب و مستحب بجا نہیں لائے تھے عیاذاً باللہ ان میں کوئی بے وضو نہ تھا۔ سب باوضو تھے، مگر بعض نمازیوں کی وضوء میں وضاءت یعنی صرف حسن اور جمال کی کمی تھی۔ جس سے آپ کا قلب منوّر متاثر ہوا اب اس سے مشرکین اور مبتدعین۔ زنادقہ وملحدین کے صحبت کے اثر اور ضرر کا اندازہ لگا لیجئے۔ علامہ طیبی طیّب اللہ ثراہ وجعل الجنة مثواہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سنن اور آداب کے انوار وبرکات دوسروں تک سرایت کرتے ہیں اور ان کے ترک سے فتوحات غیبیہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ا... ...ثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے کہ اس شخص کی وجہ سے دوسرا شخص خیرات وبرکات اور ...وار وتجلیات سے

محروم ہو جاتا ہے۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ پر جو رنگ تھا وہ سرورِ کائنات منبع الخیرات والبرکات علیہ افضل الصلوات والتحیات کی صحبت کا اثر تھا۔ مگر اس وقت اس اجنبی صحبت کے اثرات سے بلا اختیار یہ کلمہ زبان سے نکل گیا۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم   کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

الغرض یہ کلمہ بارگاہِ خداوندی میں پسند نہ آیا۔ اور بجائے فتح کے پہلے ہی وہلہ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ کما قال تعالیٰ:۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ○ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○ [1]	اور حنین کے دن جب کہ تمہاری کثرت نے تم کو خود پسندی میں ڈال دیا پس وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پشت پھیر کر بھاگے اس کے بعد اللہ نے اپنی خاص تسکین اتاری اپنے رسول پر اور اہل ایمان کے قلوب پر اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہی سزا ہے کافروں کی۔

لشکرِ اسلام سے شنبہ کی شام کے وقت وادی حنین میں پہنچا۔ قبائل ہوازن وثقیف دونوں جانب کمینگاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مالک بن عوف نے ان کو پہلے سے یہ ہدایت کر دی تھی کہ تلواروں کے نیام سب توڑ کر پھینک دو اور لشکرِ اسلام جب اُدھر سے آئے تو بیس ہزار تلواروں سے ایک دم ان پر ہلّہ بول دو چنانچہ صبح کی تاریکی میں جب لشکرِ اسلام اس درہ سے گزرنے لگا تو بیس ہزار تلواروں سے دفعۃً حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کا لشکر سراسیمہ اور منتشر ہو گیا اور صرف دس بارہ شیدایان نبوت اور جان بازان رسالت آپ کے پہلو میں رہ گئے اُس وقت آپ کے ہمراہ ابوبکر وعمر وعلی وعباس وفضل بن عباس واسامۃ بن زید اور چند آدمی تھے۔ حضرت عباس آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور ابوسفیان بن حارث رکاب پکڑے ہوئے تھے۔

---

[1] التوبہ، آیۃ: ۲۵، ۲۶

جو لوگ مکہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے وہ اچانک ہزیمت سے آپس میں چہ می گوئیاں کرنے لگے۔ ابوسفیان بن حرب (امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ) نے کہا کہ اب یہ ہزیمت دریا سے ورے نہیں تھمتی اور کلدۃ بن حنبل نے خوشی میں چلا کر یہ کہا۔ آج سحر کا خاتمہ ہوا۔

صفوان بن امیہ نے کہا حالانکہ وہ اس وقت مشرک تھے۔ خاموش اللہ تیرے منہ کو بند کرے میرے نزدیک یہ زیادہ عزیز ہے کہ قریش کا کوئی آدمی میرا والی اور مربی ہو اس سے کہ قبیلۂ ہوازن کا کوئی شخص میری تربیت کرے شیبۃ بن عثمان بن ابی طلحہ نے کہا آج میں محمد سے اپنے باپ کا بدلہ لوں گا۔ اس کا باپ جنگِ اُحد میں مارا گیا تھا۔ جب آپ کی طرف بڑھا تو فوراً غشی طاری ہوگئی اور آپ تک نہ پہنچ سکا۔ سمجھ گیا کہ مجھ کو من جانب اللہ آپ تک پہنچنے سے روکا گیا ہے بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔

الغرض جب قبائل ہوازن وثقیف نے کمینگاہوں سے نکل کر ایک دم ہلّہ بول دیا۔ اور مسلمانوں پر ہر طرف سے بارش کی طرح تیر برسنے لگے تو پیرا اُکھڑ گئے، صرف رفقاء خاص آپ کے پاس رہ گئے۔

آپ [1] نے تین بار پکار کے فرمایا اے لوگو ادھر آؤ میں اللہ کا رسول اور محمد بن عبداللہ ہوں

انا النبی لا کذب [2] ۔ انا ابن عبدالمطلب

میں سچا نبی ہوں اللہ نے مجھ سے جو فتح ونصرت اور میری عصمت [3] وحمایت کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق ہے اس میں کذب کا امکان نہیں۔ اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباس بلند آواز تھے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین وانصار کو آوازیں انہوں نے باآواز بلند یہ نعرہ لگایا۔

یا معشر الانصار	اے گروہ انصار
یا اصحاب السمرۃ	اے وہ لوگوں جنہوں نے کیکر کے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی۔

آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ ایک دم سب پلٹ پڑے اور منٹوں میں پروانہ وار آ کر شمع نبوت کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے مشرکین پر حملہ کا حکم دیا۔ جب گھمسان کی لڑائی شروع

---

[1] تاریخ ابن الاثیر [2] بخاری ومسلم [3] اشارۃ الی قولہ تعالےٰ واللہ یعصمک من الناس

ہو گئی اور میدان کارزار گرم ہو گیا تو آپ نے ایک مشت خاک لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور یہ فرمایا۔

شاهت الوجوه (رواہ مسلم) ؛ بُرے ہوئے یہ چہرے۔

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے مشت خاک پھینکنے کے بعد یہ فرمایا:

انهزموا ورب محمد ؛ قسم ہے رب محمد کی انہوں نے شکست کھائی۔

کوئی انسان ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ میں اس مشت خاک کا غبار نہ پہنچا ہو۔ اور ایک لمحہ نہ گزرا تھا کہ دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے، بہت سے بھاگ گئے اور بہت سے اسیر کر لئے گئے اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئاً وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا و عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ذَالِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ۔ [1]

ادھر آپ نے ایک مشت خاک پھینکی اور اُدھر بہادران اسلام نے محض اللہ کی نصرت اور اعانت پر بھروسہ کر کے حملہ کیا۔ دم کے دم میں کایا پلٹ ہو گئی۔ بہادران ہوازن کے باوجود قوت اور شوکت کے پیر اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ دشمن کے ستر آدمی معرکہ میں کام آئے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور بہت کچھ مال و اسباب ہاتھ آیا۔ [2]

جبیر بن مطعم راوی ہیں۔ کہ ہوازن کی شکست اور پسپائی سے کچھ ہی پہلے ایک سیاہ چادر میں نے آسمان سے اترتی دیکھی۔ وہ چادر ہمارے اور دشمن کے مابین آ کر گری۔ دفعۃً اس میں سے سیاہ چیونٹیاں نکلیں اور تمام وادی میں پھیل گئیں۔ مجھ کو اُن کے فرشتے ہونے میں ذرہ برابر شک نہ تھا ان کا اُترنا تھا کہ دشمنوں کو شکست ہوئی۔ [3]

شکست کے بعد ہوازن و ثقیف کا سردار اور سپہ سالار مالک بن عوف نصری ایک جماعت کے ساتھ بھاگا اور طائف میں جا کر دم لیا۔ اور درید بن صمّہ اور کچھ لوگوں نے بھاگ کر مقام اوطاس میں پناہ لی اور کچھ لوگ بھاگ کر مقام نخلہ میں پہنچے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ

[1] سورۂ توبہ، آیۃ: ٢٥، ٢٦ [2] عیون الاثر ج: ٢، ص: ١٩٢ [3] فتح الباری ج ٨، ص: ٣٣

اشعری کے چچا ابو عامر اشعری کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ اوطاس کی طرف روانہ کیا۔ جب مقابلہ ہوا تو درید بن صمّہ۔ ربیعۃ بن رُفیع رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

سلمۃ بن درید نے ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کے گھٹنہ میں ایک تیر مارا جس سے وہ شہید ہوگئے ابو موسیٰ اشعری نے بڑھ کر رأیت اسلام سنبھالا اور نہایت شجاعت اور بہادری سے مقابلہ کیا اور اپنے چچا کے قاتل کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔[1]

ابو عامر اشعری نے مرتے وقت ابو موسیٰ اشعری سے کہا کہ اے بھتیجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا اسلام عرض کرنا اور یہ کہنا کہ میرے لئے دُعائے مغفرت فرمائیں۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے جا کر آپ سے تمام واقعہ بیان کیا اور اپنے چچا ابو عامر کا سلام اور پیام پہنچایا آپ نے اسی وقت وضوء کے لئے پانی منگایا اور وضوء کر کے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی۔

اللّٰھُمَّ اغفر لعبید ابی عامر	اے اللہ عبید ابو عامر کی مغفرت فرما۔

پھر یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اجعله یوم القیٰمة فوق کثیر مِن خلقك من النّاس	اے اللہ قیامت کے دن اس کو بہت سے بندوں سے اونچا فرما۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے بھی دعائے مغفرت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا:

اللھم اغفر لعبد اللّٰہ بن قیس ذنبہ وَادخلہ یوم القیامہ مدخلا کریما	اے اللہ عبد اللہ بن قیس کے گناہوں کی مغفرت فرما اور قیامت کے دن اُس کو یعنی ابو موسیٰ کو عزت کی جگہ میں داخل فرما۔ (بخاری شریف ص ۶۱۹ باب غزوۃ اوطاس)

محاصرۂ طائف

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حُنین کے اموال غنیمت اور قیدیوں کے متعلق یہ حکم دیا کہ جعرانہ میں جمع کر دیا جائے اور خود طائف کا قصد فرمایا۔ اور طائف جانے سے پہلے طفیل بن عمرو دوسی کو چند موحدین کے ساتھ ایک چوبی بت (جس کا نام ذو الکفین تھا) کے جلانے

---

[1] ایضاً

کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ کے طائف پہنچنے کے چارروز بعد طفیل بن عمرو دوسی بھی پہنچ گئے اور ایک دبّابہ اور منجنیق ساتھ لائے۔ (زرقانی ص ۲۹ ج ۳، عیون الاثر ص ۲۰۰ ج ۲)

مالک بن عوف نصری سپہ سالار ہوازن مع اپنی فوج کے آپ کے پہنچنے سے پہلے طائف کے قلعہ میں داخل ہوکر دروازہ بند کر چکا تھا اور کئی سال کا غلّہ اور خورد ونوش کا سامان قلعہ میں فراہم کرلیا تھا۔ آں حضرت ﷺ نے طائف پہنچ کر اُن کا محاصرہ کیا۔ اور منجنیق کے ذریعہ سے ان پر پتھر برسائے گئے۔ ان لوگوں نے قلعہ کی فصیل پر تیراندازوں کو بٹھلا دیا، انہوں نے ایسی سخت تیر باری کی کہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہوئے، خالد بن ولید نے ان کو دست بدست مقابلہ کے لئے بلایا مگر جواب یہ ملا کہ ہمیں قلعہ سے اُترنے کی ضرورت نہیں۔ سالہا سال کا غلّہ ہمارے پاس موجود ہے، جب یہ ختم ہو جائے گا تب ہم تلواریں لے کر اُتریں گے۔ مسلمانوں نے دبّابہ میں بیٹھ کر قلعہ کی دیوار میں نقب دینے کی کوشش کی اُنہوں نے اوپر سے لوہے کی گرم سلاخیں برسانی شروع کیں جس سے مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ دیکھ کر آپ نے باغات کے کٹوانے کا حکم دیا اہل قلعہ نے آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ دیا۔ آپ نے فرمایا میں اللہ اور قرابتوں کے لئے ان کو چھوڑے دیتا ہوں۔ بعدازاں دیوار قلعہ کے قریب یہ آوازہ لگوادیا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آجائیگا وہ آزاد ہے۔ چنانچہ بارہ تیرہ غلام نکل کر ادھر آملے اسی اثناء میں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ ایک دودھ کا پیالہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ایک مرغ نے آکر اُس میں چونچ ماری جس سے وہ دودھ گر گیا۔ آپ نے یہ خواب صدیق اکبر سے بیان کیا، انہوں نے کہا غالبًا یہ قلعہ ابھی فتح نہ ہوگا آپ نے نوفل بن معاویہ دیلمی کو بلا کر دریافت فرمایا تمہاری کیا رائے ہے نوفل نے کہا یارسول اللہ لومڑی اپنے بھٹ میں ہے اگر ٹھہرے رہیں تو پکڑلیں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔[1]

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے آکر عرض کیا یا نبی اللہ ان کے حق میں بددُعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے اجازت نہیں دی حضرت عمر نے فرمایا پھر ہم کو ان سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے، آپ نے کوچ کا حکم دے دیا اور چلتے وقت یہ دعا دی۔

[1] زرقانی ج:۳، ص:۱۲۸

اللھم اھد ثقیفا وَائت بھم[۱] | اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور اُن کو مسلمان کر کے میرے پاس پہنچا۔

چنانچہ بعد میں یہ قلعہ خود بخود فتح ہو گیا سب لوگ مسلمان ہو گئے اور مالک بن عوف نصری اُن کا سردار خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔

تقسیم غنائم حنین

طائف سے چل کر آپ پانچ ذی القعدۃ الحرام کو جعرانہ پہنچے جہاں مال غنیمت جمع تھا چھ ہزار قیدی اور چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی یہاں پہنچ کر آپ نے دس دن سے زیادہ ہوازن کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے عزیزوں بچوں اور عورتوں کو چھڑانے آئیں لیکن جب دس بارہ روز کے انتظار کے بعد بھی کوئی نہ آیا تب آپ نے مال غنیمت غانمین پر تقسیم کر دیا۔ (فتح الباری ص ۳۸ ج ۸ عیون الاثر ص ۱۹۳ ج ۲۔)

تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں نو آدمی تھے۔ اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد ازاں اپنے اموال اور اہل وعیال کی واپسی کی درخواست کی آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں۔ اس قبیلہ کے خطیب زہیر بن صرد نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ان اسیروں میں آپ کی پھوپیاں اور خالائیں اور گود کھلانے والیاں ہیں اگر کسی بادشاہ یا امیر سے ہمارے اس قسم کے تعلقات ہوتے تو بہت کچھ مہربانی ہوتی اور آپ کی شان تو ان سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ہم پر جو مصیبت آئی ہے وہ آپ پر مخفی نہیں۔ آپ ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان کرے گا اور یہ شعر پڑھے۔

امنن علینا رسول اللہ فی کرم فانک المرء نرجوہ وننتظر

الی آخر القصیدۃ

انشاء اللہ تعالیٰ پورا قصیدہ وفود کے بیان میں آئے گا۔

آپ نے فرمایا میں نے تمہارا بہت انتظار کیا اور اب غنائم تقسیم ہو چکی ہیں دو چیزوں میں

[۱] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج: ۲، ص: ۱۱۵

سے ایک چیز اختیار کر لو قیدی یا مال۔ وفد نے کہا آپ نے ہم کو مال اور حسب میں اختیار دیا ہے ہم حسب نسب کو اختیار کرتے ہیں اونٹ اور بکری کے بارے میں آپ سے کچھ نہیں کہتے۔

آپ نے ارشاد فرمایا میرے اور خاندان بنی ہاشم و بنی المطلب کے حصّہ میں جو کچھ آیا ہے وہ سب تمہارا ہے لیکن اور مسلمانوں کے حصّہ میں جو کچھ جا چکا ہے اس کی بابت ظہر کی نماز کے بعد تم لوگ کھڑے ہو کر کہنا میں تمہاری سفارش کروں گا چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد وفد ہوازن کے خطباء نے فصیح و بلیغ تقریریں کیں۔ اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے مسلمانوں سے درخواست کی۔ بعد ازاں آں حضرت ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اوّل خدا تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور پھر فرمایا تمہارے یہ بھائی ہوازن مسلمان ہو کر آئے ہیں میں نے اپنا اور اپنے خاندان کا حصّہ ان کو دے دیا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں اور مسلمان بھی ان کے قیدی واپس کر دیں جو شخص خوشی اور طیب خاطر سے ایسا کر دے تو بہتر ہے ورنہ میں بعد میں اس کا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں سب نے کہا کہ ہم طیب خاطر سے اس پر راضی اور خوش ہیں۔ اس طرح چھ ہزار قیدی دفعۃً آزاد کر دیئے گئے۔[1]

انہیں اسیران جنگ میں آپ کی رضاعی بہن حضرت شیماء بھی تھیں لوگوں نے جب اُن کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں لوگ تصدیق کے لئے آپ کی خدمت میں لے کر آئے شیماء نے کہا اے محمد میں تمہاری بہن ہوں اور علامت بتلائی کہ لڑکپن میں ایک مرتبہ تم نے دانت سے کاٹا تھا جس کا یہ نشان موجود ہے، آپ نے پہچان لیا اور مرحبا کہا اور بیٹھنے کیلئے چادر بچھا دی اور فرطِ مسرّت سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت عزّت و احترام کے ساتھ تم کو رکھوں گا اور اگر اپنے قبیلہ میں جانا چاہو تو تم کو اختیار ہے شیماء نے کہا میں اپنی قوم میں جانا چاہتی ہوں اور مسلمان ہو گئی۔ آں حضرت ﷺ نے چلتے وقت ان کو کچھ اونٹ اور بکریاں اور تین غلام اور ایک باندی عطا فرمائی۔ (اصابہ ترجمہ شیماء ص ۳۴۴ ج ۴)

فتح مکہ میں جو معزّزین قریش اسلام میں داخل ہوئے ہنوز مذبذب الاعتقاد تھے ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا۔ جن کو اصطلاح قرآن میں مؤلفۃ القلوب کہا گیا ہے۔ آں

[1] فتح الباری، ج:۸، ص:۲۶

حضرت ﷺ نے تقسیم غنائم کے وقت ان کو بہت انعامات دیئے، کسی کو سو اور کسی کو دو سو اور کسی کو تین سو اونٹ دیئے۔ (جس کی تفصیل فتح الباری اور زرقانی میں مذکور ہے)

الغرض جو کچھ دیا گیا وہ اشراف قریش کو دیا گیا انصار کو کچھ نہیں دیا۔ اس لئے انصار کے بعض نوجوان کی زبان سے یہ لفظ نکلے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو تو دیا اور ہم کو چھوڑ دیا حالانکہ ہماری تلواریں اب تک اُن کے خون سے ٹپکتی ہیں، بعض نے کہا کہ مشکلات اور شدائد میں تو ہم کو بلایا جاتا ہے مالِ غنیمت دوسروں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ آں حضرت ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انصار کو جمع کر کے فرمایا اے انصار یہ کیا بات ہے جو میں سُن رہا ہوں، انصار نے کہا یا رسول اللہ ہم میں کے سر برآوردہ اور سمجھدار اور اہل الرائے لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا البتہ بعض نوجوانوں نے ایسا کہا۔ آپ نے فرمایا اے گروہ انصار کیا تم گمراہ نہ تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے واسطہ سے ہدایت دی۔ آپس میں تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے میرے ذریعہ سے تمہارے دل ملا دیئے، تم فقیر اور کنگال تھے اللہ نے میرے ذریعہ سے تم کو مالا مال کیا۔ انصار نے کہا آپ جو فرماتے ہیں وہ بالکل بجا اور درست ہے، بے شک اللہ اور اُس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آپ نے فرمایا تم میری تقریر کا یہ جواب دے سکتے ہو کہ اے محمد (ﷺ) جب لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا ہم نے تیری تصدیق کی۔ جب تو بے یار و مددگار تھا اس وقت ہم نے تیری مدد کی۔ جب تو بے سہارا اور بے ٹھکانہ تھا تو ہم نے تجھ کو ٹھکانہ دیا، جب تو مفلس تھا تو ہم نے تیری یاری اور غمگساری کی، اے گروہ انصار کیا تمہارے دل اس بات سے رنجیدہ ہوئے کہ میں نے اس دنیائے دون میں سے جس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں کچھ متاعِ قلیل اور دراہم معدودہ چند لوگوں کو تألیف قلوب کے لئے دے دیئے اور تمہارے اسلام و ایمان اور ایقان واذعان پر بھروسہ کر کے تم کو چھوڑ دیا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ قریش کو قتل وقید کی مصیبتیں پہنچی ہیں (یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کو جانی اور مالی طرح طرح کی اذیتیں پہنچی ہیں) اس لئے اس داد و دہش سے اُن کے نقصان کے لئے کچھ تلافی کرنا چاہتا ہوں اور ان کے دلوں کو اسلام سے مانوس کرنا چاہتا ہوں کہ غزوات میں ان کے بھائی بند قتل اور قید ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں ان کو پہنچیں جن سے اللہ تعالیٰ نے تم کو محفوظ رکھا پس تالیف قلب

کے لئے ایسے لوگوں کو مال دینا مناسب ہے اور تم اہل ایمان ہو ایمان اور ایقان کی بے مثال اور لازوال دولت سے مالا مال ہو۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ اور بکری لے کر اپنے گھر واپس ہوں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ۔ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر ہجرت امر تقدیری نہ ہوتا تو میں انصار میں سے ہوتا۔ اگر لوگ ایک گھاٹی کو چلیں اور انصار دوسری گھاٹی کو تو میں انصار کی گھاٹی کو اختیار کروں گا۔ اے اللہ تو انصار پر اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد پر رحم اور مہربانی فرمانا۔

یہ فرمانا تھا کہ انصار جان نثار چیخ اٹھے اور روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہا ہم اس تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں کہ اللہ کا رسول ہمارے حصہ میں آیا۔ اس کے بعد مجمع برخواست ہو گیا۔ (تاریخ ابن الاثیر ص ۱۳۱ ج ۲)[1]

عمرۂ جعرانہ

بعد ازاں ۱۸ ذی القعدۃ الحرام کو شب کے وقت آپ جعرانہ سے مکہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر فرمایا اور معاذ بن جبل کو تعلیم دین کی غرض سے ان کے پاس چھوڑا اور دو مہینے اور سولہ دن کے بعد ۲۷ ذیعقدۃ الحرام کو مع صحابہ کے داخل مدینہ ہوئے۔[2]

تحریم متعہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اوطاس سے عمرہ کرنے کے لئے تشریف لائے تو باب کعبہ پر کھڑے ہوئے اور کعبہ کے دونوں بازو دونوں ہاتھوں سے تھامے اور یہ فرمایا کہ متعہ قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ اعلان رات کے وقت تھا۔ اور سامعین حاضرین کی تعداد قلیل تھی سب کو پوری طرح اس کی خبر نہ ہوئی، اس لئے بعضے بے خبری میں اس کے بعد متعہ کے مرتکب ہوئے تو آپ نے غزوۂ تبوک میں پھر اس کی حرمت کا اعلان

[1] آپ کی اصل تقریر کے اکثر اجزاء، فتح الباری ص ۴۰ ج ۸ اور زرقانی ۳۸ ج ۳ میں بھی مذکور ہیں لیکن یہ ترتیب اور تسلسل تاریخ ابن الاثیر الجزری میں مذکور ہے۔ [2] زرقانی۔ ج: ۳، ص: ۴۱

فرمایا پھر حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں بعضے لوگ اسی بے خبری کی وجہ سے نکاح متعہ کے مرتکب ہوئے یہ خبر سُن کو خلیفۂ وقت منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے متعہ کو حرام فرمایا ہے اور گاہ گاہ آں حضرت کے وقت میں (بے خبری کی بنا پر متعہ ہوا ہے) اور آپ نے اس پر کوئی مواخذہ نہیں فرمایا آخر کار متعہ کی حرمت ثابت ہو چکی ہے اب میرے اس اعلان کے بعد جو متعہ کرے گا میں اس پر حد زنا جاری کروں گا، حضرت عمر کے اس اعلان واجب الاذعان کے بعد متعہ قطعاً موقوف ہو گیا۔

واقعات متفرقہ

(۱) اس سال عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام مسلمانوں کو اسی طرح سے حج کرایا جیسے عرب کا طریق تھا۔

(۲) اسی سال ماہ ذی الحجہ میں ماریہ قبطیہ کے بطن سے ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

(۳) اسی سال آپ نے عمرو بن العاص کو عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے عمان کی طرف بھیجا۔

(۴) اسی سال آپ نے کعب بن عمیر کو "ذات اطلاع" کی طرف جو شام کا ایک علاقہ ہے دعوت اسلام کی غرض سے روانہ کیا۔ پندرہ آدمی ان کے ہمراہ گئے، وہاں کے لوگوں نے سب مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ صرف ایک آدمی بچ کر مدینہ واپس آیا۔ (تاریخ ابن الاثیر ص ۱۳۲)

لطائف و معارف

قبائل عرب فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ اور اہل مکہ پر غالب آ گئے تو آپ سچے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ مکہ فتح ہوتے ہی لوگ جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش ہونے لگے کما قال تعالیٰ۔

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ	جب اللہ کی نصرت اور فتح ظہور میں آئے اور
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي	لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہوتا ہوا فوج در

دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا[۱]

فوج اور جوق در جوق آپ دیکھ لیں۔ پس اس وقت آپ تسبیح وتحمید اور استغفار میں مشغول ہوجائیں (اس دارفانی سے رحلت کا وقت قریب آ گیا ہے) بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

لیکن قبائل ہوازن وثقیف جوفنونِ جنگ سے نہایت باخبر اور آگاہ اور محکم تیرانداز تھے۔تکوینی طور پر ان کے قلوب کو فی الحال روک لیا گیا۔تاکہ جب پورے ساز وسامان کے ساتھ میدان میں آجائیں حتی کہ کوئی مرد اور عورت، بچہ اور بوڑھا۔اونٹ اور بکری،کوئی جانور اورکوئی مویشی اور کسی قسم کا مال گھر میں نہ رہنے پائے اللہ کے لشکر کے لئے تمام مالِ غنیمت یکجا جمع ہوجائے تاکہ حق جل وعلا اس وقت اپنے دین متین کی فتح مبین کا عجیب وغریب منظر دنیا کو دکھلائے۔

غزواتِ عرب کی ابتداء غزوۂ بدر سے ہوئی جس نے ان کو مرعوب کردیا تھا اور غزوۂ حنین پر اس کی انتہاء ہوئی جس نے عرب کی قوت وشوکت کا خاتمہ کردیا کہ اب جزیرۃ العرب میں کسی کی مجال نہیں کہ حق کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے مگر چونکہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا تھا۔(لن نغلب اليوم عن قلة) آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے جو بارگاہِ خداوندی میں ناپسند ہوا۔اس لئے پہلے حملہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ فتح ونصرت اللہ کی جانب سے ہے،قلّت وکثرت پر اس کا مدار نہیں جس کی خدامدد کرے اس پر کوئی غالب نہیں۔اور جس کی امداد سے وہ دستکش ہوجائے پھر اس کا کوئی مددگار نہیں اور تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے رسول اور اپنے دین کا حامی اور مددگار ہے تمہاری کثرت پر اس کا مدار نہیں تم تو باوجود کثرت کے بھاگ اٹھے،چنانچہ جب تم نے سمجھ لیا کہ ہماری کثرت اور ہماری حول اور قوت کچھ کارآمد نہیں صرف خداوند ذوالجلال کی ہی حول اور قوت ہماری دست گیری کرسکتی ہے،تب حق تعالیٰ نے تم پر یہ انعام فرمایا:

[۱] سورۃ ۱۰۹

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ[1]

پھر اللہ نے اپنے رسول اور اہل ایمان کے دلوں پر خاص سکینت وطمانیت نازل فرمائی اور امداد کیلئے ایسے لشکر اتارے جس کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہی سزا ہے کافروں کی۔

حق جل وعلا کی یہ سنت ہے کہ فتح ونصرت کا خلعت اہلِ تواضع اور اہلِ انکساری کو عطا ہوتا ہے۔ کما قال تعالےٰ:

وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ ۝ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝[2]

ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو زمین میں کافروں کی طرف سے کمزور سمجھا گیا اور ان کو سردار بنائیں اور کافروں کی املاک کا وارث بنائیں اور زمین میں ان کو حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو ان کے ہاتھ سے وہ چیز دکھلائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں۔

چنانچہ غزوۂ بدر میں فتح اور غزوۂ احد میں شکست کا یہی راز تھا۔ کما قال تعالےٰ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔

تحقیق اللہ نے بدر کے موقع پر تمہاری مدد کی درآنحالیکہ تم اس وقت بالکل بے سروسامان تھے۔

غزوۂ احد حقیقت میں غزوۂ بدر کا تکملہ اور تتمہ تھا جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہے گویا کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد مل کر ایک ہی غزوہ تھا اور قبائل عرب کے ساتھ پہلا غزوہ تھا اور غزوۂ حنین آخری غزوہ تھا۔ اس لئے پہلے غزوہ (بدر) میں اوّل فتح اور اُس کے تکملہ (یعنی معرکۂ اُحد) میں شکست ہوئی اور غزوۂ حنین میں ابتداء میں شکست ہوئی اور بعد میں فتح تا کہ غزواتِ عرب کی ابتداء اور انتہاء فاتحہ اور خاتمہ دونوں فتح اور نصرت پر ہوں اور جس طرح

[1] التوبہ، آیۃ: ۲۶ [2] القصص، آیۃ: ٦

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے اسی طرح غزوۂ حنین میں بھی فرشتوں کا نزول ہوا۔

(۲)۔ اموال غنیمت میں سے زیادہ حصہ آپ نے اُن لوگوں کو عطا کیا جن کے دلوں میں ایمان ابھی راسخ نہ ہوا تھا تا کہ اس احسان سے آپ کی محبت ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے اس لئے کہ محسن کی محبت فطری اور جبلّی امر ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

وَ احسن وجه فی الوری وجه محسن
وَ اَیْمَن کف فیهم کف منعم

اور جب آپ کی محبت دلوں میں راسخ ہو جائے گی تو ان دلوں سے دنیا اور مافیہا کی محبت خود ہی کوچ کر جائے گی۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک دل میں حُبِّ رسول اللہ اور حب دنیا دونوں جمع ہو سکیں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ [1] ‖ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے۔

انصار کی شکایت کا منشاء عیاذاً باللہ حب مال نہ تھا۔ جن کی نسبت خود اللہ کا رسول یہ شہادت دے رہا ہو کہ میں نے تمہارے ایمان وایقان پر بھروسہ کر کے تم کو حصہ نہیں دیا بھلا ان کے پاک دلوں میں دنیا کی کہاں جگہ ہو سکتی ہے۔

بلکہ منشاء یہ تھا کہ انصار اس ظاہری داد و دہش کو اکرام واحترام عزت وسرفرازی کی دلیل سمجھے اس لئے بمقتضائے غیرت دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس موقع پر آپ نے ہم جیسے جان نثاروں کی عزّت افزائی سے کیوں اغماض فرمایا:

باسایہ ترانمی پسندم عشقست و ہزار بدگمانی

حالانکہ یہ اغماض اس انعام سے کروڑوں درجہ بہتر تھا۔ یہ اغماض انصار کے ایمان و اخلاص کی سند تھی اور وہ انعام ان کے تذبذب کی دلیل تھی۔ جن کے ایمان اور ایقان پر اطمینان تھا ان کو چھوڑ دیا۔ یہ مضمون حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے کلام کی توضیح وتشریح ہے۔

حضرات اہل علم زاد المعاد اور فتح الباری ص ۳۹ ج ۸ کی مراجعت فرمائیں۔

---

[1] الاحزاب آیہ ۴۔

تقررِ عُمّال

فتح مکہ کے بعد تقریباً تمام جزیرۃ العرب اسلام کے زیرنگیں تھا لہٰذا ضرورت داعی ہوئی کہ اسلامی قلمرو کے نظم ونسق کی طرف توجہ کی جائے اس لئے آپ نے اسلام کی سطوت اور حکومت قائم رکھنے کے لئے مختلف ممالک میں جدا جدا والی اور حاکم مقرر فرمائے باذان بن ساسان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔ باذان۔ کسریٰ کی طرف سے یمن کا والی تھا کسری کے ہلاک ہونے کے بعد باذان مسلمان ہوگیا۔اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باذان کو بدستور یمن کی ولایت اور حکومت پر قائم رکھا اور جب تک باذان زندہ رہا کسی کو انکا شریک اور سہیم نہیں قرار دیا باذان کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شہر بن باذان کو صنعاء کا والی مقرر کیا۔ شہر کے مرجانے کے بعد خالد بن سعید ابن العاص اموی صنعاء کے والی مقرر ہوئے اور زیاد بن لبید انصاری حضرموت کے اور ابوموسیٰ اشعری زبید اور عدن کے اور معاذ بن جبل۔ علاقہ یمن کے شہر جند کے اور ابوسفیان بن حرب نجران کے اور ان کے بیٹے یزید بن ابی سفیان تیما کے اور عتاب بن اسید مکّہ کے والی اور حاکم مقرر ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن کے قاضی مقرر ہوئے۔[1]

۹ھ ہجری

اب ۸ھ ختم ہوا اور محرم الحرام ۹ھ کا ہلال نظر آیا۔اس ماہ میں آپ نے عاملین اور مصدقین کو اطراف واکناف میں زکوۃ اور صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔

نام عامل	کس قبیلہ کی طرف بھیجا گیا
عیینۃ بن حصن فزاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنی تمیم
بریدۃ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	اسلم وغفار
عباد بن بشر اشہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	سلیم ومزینہ
رافع بن مکیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ	جہینہ

[1] زاد المعاد۔ ج:۱،ص:۳۱

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنی فزارہ
ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنی کلاب
بسر بن سفیان کعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنی کعب
ابن اللُّتبیہ ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنی ذُبیان [1]
علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بحرین
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	نجران
عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	طیئ و بنی اسد
مالک بن نویرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنی حنظلہ [2]

سریۂ عیینۃ بن حصن فزاری بسوئے بنی تمیم

محرم الحرام ۹ھ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر بن سفیان عدوی کو تحصیل صدقات کے لئے روانہ کیا لوگ زکوٰۃ دینے کے لئے تیار ہو گئے، مگر بنو تمیم اس میں مزاحم ہوئے اور کہا خدا کی قسم یہاں سے ایک اونٹ بھی نہ جائے گا اور تلواریں سونت کر لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ بشر یہ دیکھ کر واپس آ گئے۔ اس پر آپ نے عیینۃ بن حصن فزاری کو پچاس سواروں پر سردار مقرر کر کے مقام سقیا کی طرف روانہ کیا جہاں بنو تمیم رہتے تھے۔ یہ مقام جحفہ سے سترہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ رات کو پہنچ کر ان پر چھاپہ مارا، گیارہ مرد اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ بنی تمیم نے مجبور ہو کر دس آدمیوں کا ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا، جن میں عطارد بن حاجب اور زِبرِقان اور قیس بن عاصم اور اقرع بن حابس بھی تھے جب مدینہ پہنچے تو آپ کے حجرۂ شریفہ کے پیچھے کھڑے ہو کر آپ کو آواز دی، اے محمد باہر آؤ تا کہ ہم آپ سے مفاخرہ اور شاعری میں مقابلہ کریں، ہماری مدح زینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے آپ نے فرمایا یہ شان تو اللہ کی ہے باقی میں نہ شاعر ہوں اور نہ مجھ کو فخر کا حکم دیا گیا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ ﴿ تحقیق جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے

[1] طبقات ابن سعد۔ ج:۲، ص:۱۱۵ [2] زاد المعاد، ج:۲، ص:۲۰۱

اَلْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [1]	آواز دیتے ہیں اکثر بے عقل ہیں اور اگر یہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کی طرف برآمد ہوتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

فائدۂ جلیلہ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ علوم قرآن کے حاصل کرنے کے لئے سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ادب کی وجہ سے کبھی دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے۔ ابی بن کعب کے انتظار میں بیٹھے رہا کرتے، یہاں تک کہ وہ خود باہر تشریف لاتے ایک بار ابی ابن کعب نے کہا تم دروازہ کھٹکھٹا دیا کرو۔ اس پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا العالم فی قومہٖ کالنَّبِیِّ فی اُمّتہٖ و قد قال اللّٰہ تعالیٰ فی حق نبیّہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃ وَالسَّلام۔ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ عالم اپنی قوم میں بمنزلہ نبی کے ہے اپنی امت میں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حق میں یہ ارشاد فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا الخ ابوعبید فرماتے ہیں۔ میں نے کسی عالم کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا۔ یہاں تک کہ وہ خود اپنے وقت پر تشریف لے آئے علامہ آلوسی فرماتے ہیں جب سے میں نے یہ واقعہ دیکھا ہے اسی وقت سے اساتذہ اور مشائخ کے ساتھ میرا یہی معمول ہے۔ والحمدللہ تعالیٰ علیٰ ذالک۔[2]

بعد ازاں آپ باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ جماعت سے فارغ ہو کر صحن مسجد میں بیٹھ گئے۔ وفد نے کہا کہ ہم مفاخرہ کے لئے آئے ہیں۔ آپ ہمارے شاعر اور خطیب کو کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے۔

خطبۂ عطارد بن حاجب تمیمی

خطیب بنی تمیم عطارد بن حاجب کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ پڑھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الذی لہ عَلَيْنا	حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے ہم کو

---

[1] الحجرات، آیۃ:۴۔ [2] روح المعانی، ج:۲۶، ص:۱۳۱

الْفَضْلِ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلنا ملوكاً و وهب لنا اموالا عظاما نَفعل فِيْها المعروف وَجَعَلْنَا اعزاهل المشرق وَاكثر عددا وَعدة فَمَنْ مثلنا فى النَّاس۔ السنا برؤس الناس و افضلهم فمن فاخرنا فليعدد مثل ماعدد ناوا نالوشئنا لاكثرنا الكلام ولكنا نستحى من الاكثار و انا نعرف بذالك اقول هذا لان تأتوا بمثل قولنا وَ امرا فضل مِن امرنا۔

فضیلت دی اور بادشاہ بنایا اور مال و دولت دی جسے ہم نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں اور ہم کو اہلِ مشرق میں سے سب سے زیادہ عزت والا اور کثرت والا اور قوت وشوکت والا بنایا، پس لوگوں میں ہم جیسا کون ہے۔ کیا ہم لوگوں کے سردار اوران سے بالاتر نہیں پس جو ہم سے فخر میں مقابلہ کرنا چاہے تو اس کو چاہئے۔ کہ ہمارے جیسے مفاخر اور مناقب شمار کرے جیسے ہم نے اپنے مفاخر بیان کیے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اپنے مفاخر کے بارہ میں طویل تقریر کر سکتے ہیں لیکن ہمیں اپنے مفاخر بیان کرنے سے شرم آتی ہے میں نے یہ اس لئے کہا ہے کہ اگر کوئی اس کے مثل یا اُس سے بہتر لاسکے تو لائے۔

عطارد خطبہ سے فارغ ہو کر بیٹھ گئے۔ آں حضرت ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس انصاری کو جواب کے لئے ارشاد فرمایا۔ ثابت بن قیس فوراً کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ پڑھا۔

خطبۂ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

الحمد لله الذى السّموات والارض خلقه قضى فِيهنَّ امره ووسع كرسيه علمه ولم يكن شيئ قط الَّا من فضله ثم كَانَ مِنْ قدرتِهٖ ان جعلنا ملوكا واصطفىٰ خير خلقه

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور اپنا حکم اس میں جاری کیا اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے جو کچھ بھی ہے وہ اس کے فضل سے ہے پھر اس کی قدرت نے ہم کو بادشاہ بنا دیا اور بہترین خلائق کو رسول بنا کر بھیجا جو تمام مخلوق میں

رسولا اکرمه نسبا و اصدقه حديثا وَ افضله حسبا وانزل عليه كتابًا وائتمنه على خلقه فكانَ خيرة اللّٰهِ فى العالمين ثم دعا الناس الى الايمان به فامن برسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم المهاجرون مِن قومه وَذوى رحمه اكرم الناس احسابا واحسن الناس وجوها و خير الناس فعالا ثم كنا اول الخلق اجابة وَ استجابة لِلّٰهِ حين دعا رسول اللّٰه فمن امن باللّٰه وَ رسوله منع ماله ودمه و من كفر جاهدناه فى اللّٰه ابدًا وكانَ قتله علينا يسيرا قول قولى هذا و استغفر اللّٰه لى وللمُومنينَ وَالمؤمنات وَالسلام عليكم۔

حسب و نسب میں سب سے بڑھ کر ہے اور خدا نے ان پر ایک کتاب نازل کی اور ان کو تمام مخلوق پر امین بنایا پس وہ تمام جہانوں میں سب سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندہ ہیں اُس اللہ کے رسول نے تمام لوگوں کو ایمان کی دعوت دی پس اسی رسول پر سب سے پہلے مہاجرین ایمان لائے جو آپ کے قوم کے لوگ ہیں اور آپ کے رشتہ دار ہیں اور حسب و نسب اور وجاہت میں سب سے بڑھ کر ہیں اور باعتبار افعال و اعمال کے بھی سب سے بہتر ہیں۔ پھر مہاجرین کے بعد ہم انصار نبی کی دعوت قبول کرنے میں اور لوگوں سے مقدم ہیں اور انصار اللہ کے دین کے مددگار ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے وزیر ہیں ہم لوگوں سے اس وقت تک جہاد و قتال کرتے ہیں کہ جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں لیکن جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے اس نے اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیا اور جس نے کفر کیا اس سے ہم خدا کی راہ میں جہاد و قتال کرینگے اور اس کا قتل ہم پر آسان ہے، یہ ہے جو مجھے کہنا تھا اور میں خدا تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمام مؤمنین اور مؤمنات کے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ والسّلام

بعد ازاں زبرقان بن بدر نے اپنے مفاخر و مناقب میں ایک قصیدہ پڑھا۔ آں حضرت ﷺ

نے حضرت حسان سے فرمایا اس کا جواب دو حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فی البدیہہ اُس کے جواب میں قصیدہ پڑھا۔ اقرع بن حابس نے کہا خدا کی قسم آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑھ کر ہے اور سب مشرف با سلام ہو گئے۔ آپ نے ان کو انعام دیا اور ان کے سب قیدی واپس کر دیئے۔[1]

بعث ولید بن عقبۃ بن ابی معیط بسوئے بنی المصطلق

ولید بن عقبہ کو آپ نے صدقات وصول کرنے کے لئے بنی المصطلق کی طرف روانہ فرمایا۔ وہ لوگ ولید کی خبر سن کر نہایت شاداں وفرحاں ہتھیار لگا کر عسکری شان سے ولید کے استقبال کے لئے نکلے۔ زمانۂ جاہلیت سے ولید کے خاندان اور بنی المصطلق میں عداوت چلی آتی تھی۔ ولید کو دُور سے دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ غالباً دیرینہ عداوت کی وجہ سے یہ لوگ مقابلہ کیلئے نکلے ہیں اس لئے ولید راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر یہ بیان کر دیا کہ وہ لوگ دین اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے آپ کو سُن کو تعجب ہوا۔ آپ اسی تردد میں تھے کہ یہ خبر بنی المصطلق کو پہنچی۔ ان لوگوں نے فوراً اپنا ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا جس نے حاضر ہو کر بارگاہِ نبوی میں حقیقت حال کی اطلاع دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ۔[2]	اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو مبادا کہ بے خبری میں کسی قوم کو کوئی ضرر پہنچا دو اور پھر اپنے کیئے ہوئے پر پشیمان ہو۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اس آیت میں فسق سے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی اطاعت سے خروج کرنا خواہ وہ کتنا ہی معمولی درجہ کا خروج ہو اس جگہ اصطلاحی اور شرعی فسق مراد نہیں۔ گناہ کبیرہ کا قصداً اور عمداً ارتکاب اصطلاح شریعت میں فسق کہلاتا ہے۔ ولید نے جو کچھ آپ سے آ کر بیان کیا اس کا منشاء غلط فہمی تھا اس لئے آیت میں فسق سے لغوی فسق مراد ہے اور خبر چونکہ

[1] زرقانی ج:۳، ص:۴۲-۴۵
[2] الحجرات، آیۃ:۶

خلاف واقع تھی، اس لحاظ سے اُن کو فاسق کہا گیا۔ اور اس معنی کر صحابی کا فاسق ہونا اس کے شرعاً فاسق ہونے کو مستلزم نہیں فافہم ذلک واستقم۔ (زرقانی ص ۴۶ ج ۳)

حدیث میں آیا ہے کہ ایمان کے ستتر شعبے ہیں اعلیٰ درجہ کا شعبہ شهادة أن لا إله إلا الله ہے اور ادنیٰ درجہ کا شعبہ راستہ سے کانٹا وغیرہ ہٹا دینا ہے، باقی شعبے درمیان میں ہیں اور ہر شعبہ پر ایمان کا اطلاق آتا ہے۔ اسی طرح قرآن اور حدیث میں فسق اور معصیت اور ظلم کا اطلاق کفر سے لے کر گناہ صغیرہ تک پر آیا ہے جس طرح ایمان کے مراتب مختلف ہیں۔ اسی طرح کفر اور معصیت کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ حضرت آدم کی لغزش پر بھی معصیت کا اطلاق آیا ہے وعصى آدم ربه فغوى اور کفر پر معصیت کا اطلاق آیا ہے۔ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا۔ مگر ظاہر ہے کہ دونوں معصیتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، لفظ اگرچہ ایک ہے مگر معنی مختلف ہیں۔

اسی طرح اس آیت میں جو فاسق کا لفظ آیا ہے۔ اس کو معنی لغوی پر محمول کریں شرعی فسق پر محمول نہ کریں اس لئے کہ صحابۂ کرام سب عادل اور ثقہ ہیں رضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ معاذ اللہ اگر وہ شرعی فاسق ہوتے تو اللہ ان سے راضی نہ ہوتا لقولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک باب رکھا ہے۔ باب كفر ان العشير و كفر دون كفر. وباب ظلم دون ظلم.

سریۂ عبداللہ بن عوسجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ماہِ صفر ۹ھ میں آپ نے عبداللہ بن عوسجہ کو بنی عمرو بن حارثہ کی طرف دعوتِ اسلام کی غرض سے ایک والا نامہ دے کر روانہ فرمایا ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور آپ کے والا نامہ کو دھو کر ڈول کی تلی میں باندھ دیا۔ عبداللہ بن عوسجہ نے آ کر جب آپ سے واقعہ بیان کیا تو یہ ارشاد فرمایا۔ کیا ان لوگوں کی عقل جاتی رہی۔ اس وقت سے لے کر اس وقت تک اس قبیلہ کے لوگ احمق اور نادان ہیں تقریباً فاتر العقل اور گونگے ہیں۔ اعاذنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ عن ذلک آمین۔

سریہ قطبۃ بن عامر

اسی مہینہ میں آپ نے بیس آدمی قطبۃ بن عامر کے زیر کمان خثعم کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمائے۔ قطبۃ بن عامر نے جا کر ان کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کو شکست دی اور کچھ اونٹ اور بکری اور کچھ قیدی غنیمت میں لے کر واپس ہوئے، خمس نکالنے کے بعد چار چار اونٹ ہر شخص کے حصّہ میں آئے اور ایک اونٹ دس بکریوں کے معادل قرار دیا گیا۔[۱]

سریہ ضحاک بن سفیان

ماہ ربیع الاوّل میں بنی کلاب کو دعوت اسلام دینے کی غرض سے آپ نے ضحاک بن سفیان کلابی کو روانہ فرمایا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور اُن کو اور اسلام کو گالیاں دی اور مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔ بالآخر مقابلہ ہوا اُن لوگوں کو شکست ہوئی اور ضحاک بن سفیان شاداں و فرحاں مظفر و منصور غنیمت لے کر مدینہ واپس ہوئے۔[۲]

سریہ علقمۃ بن مُجزز مُدلجی بسوئے حبشہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ کچھ حبشی لوگ جدہ میں آئے ہیں تو آپ نے علقمۃ بن مجزز مدلجی کو تین سو سواروں کے ساتھ اُن کے تعاقب کے لئے روانہ کیا یہ لوگ خبر پا کر بھاگ گئے اور جزیرہ میں جا کر روپوش اور لاپتہ ہو گئے مسلمان جب وہاں سے لوٹے تو فوج کے کچھ لوگوں نے عجلت کی اور یہ ارادہ کیا کہ باقی لشکر سے پہلے ہم گھر پہنچ جائیں۔ علقمہ نے آگ جلوائی اور عجلت کرنے والوں کو حکم دیا کہ اس آگ میں کود جائیں۔ کچھ لوگ اس پر آمادہ ہو گئے علقمہ نے کہا ٹھہرو میں نے تم سے مذاق کیا تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو تمہیں معصیت کا حکم دے اس کا حکم نہ مانو اور صحیح بخاری اور مسند احمد اور سنن ابن ماجہ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سریہ کے امیر عبداللہ بن حذافہ سہمی تھے اور آگ میں کودنے کا حکم انہوں نے دیا تھا عجب نہیں کہ اسی

---

۱ طبقات ابن سعد۔ ج:۲، ص:۱۱۷ ۲ ایضاً

اختلاف کی بنا پر امام بخاری نے اس سریہ کے بیان کے لئے ترجمہ رکھا ہے وہ یہ ہے باب سریۃ عبداللہ بن حذافۃ السہمی وعلقمۃ بن مجزز المدلجی ویقال انہا سریۃ الانصاری تفصیل کے لئے فتح الباری ص ۴۶ ج ۸ زرقانی ۴۹ ج ۳ کی مراجعت کریں [1]

سریۂ علی بن ابی طالب برائے بُت شکنی قبیلۂ طے

وذکرِ اسلام فرزندِ حاتم طائی ودختر او

ماہ ربیع الآخر ۹ھ میں حضرت علی کو ڈیڑھ سو یا دو سو آدمیوں کے ساتھ قبیلۂ طے کے بُت فُلس [2] منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا وہاں پہنچ کر ان پر شب خون مارا کچھ آدمی اور کچھ مویشی گرفتار ہوئے بُت خانہ کو منہدم کر کے نذر آتش کیا اور دو تلواریں اس بُت خانے سے لوٹ لائے جو حارث بن شمر نے چڑھائی تھیں ان قیدیوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی سفانہ [3] بھی تھی اور حاتم کے فرزند عدی بن حاتم لشکر اسلام کی خبر سنتے ہی شام بھاگ گئے تھے۔ اس لئے کہ شام میں اُس کے ہم مذہب ومشرب نصاریٰ بکثرت تھے۔ قیدی گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے اور مسجد کے قریب حظیرہ میں اتار دیئے گئے۔ آں حضرت ﷺ جب ادھر سے گزرے تو حاتم کی بیٹی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ باپ تو فوت ہو گیا اور جو ہمارا خبر گیراں تھا وہ فرار ہو گیا۔ آپ ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان کرے گا۔ آپ نے دریافت فرمایا وہ تیرا خبر گیراں اور سرپرست کون تھا۔ سَفّانہ نے کہا میرا بھائی عدی بن حاتم آپ نے فرمایا وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگا ہے۔ بہتر ہے میں تجھ پر احسان کرتا ہوں جانے میں عجلت مت کرو، میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری قوم میں کا کوئی شخص قابلِ اطمینان مل جائے تو اس کے ہمراہ تم کو بھیج دوں چنانچہ دو تین ہی روز کے بعد قبیلۂ طے کے کچھ آدمی شام جانے والے مل گئے آپ نے از راہ لطف وکرم زاد راہ اور سواری اور کچھ جوڑے دے کر ان کو رخصت کیا سفانہ مشرف باسلام ہوئیں اور ان الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کیا۔

---

[1] راجع فتح الباری ص ۴۶ ج ۸ سریۃ عبداللہ بن حذافۃ السہمی وراجع شرح المواہب ص ۴۹ ج ۳ وزاد المعاد والبدایۃ والنہایۃ
[2] فُلس بضم الفاء وسکون اللام [3] سفانۃ بفتح المہملہ وتشدید الفاء۔ ۱۲

شكـر تلك يدا فتقرت بعد غـنـى وَلا مـلـكتك يـد استغنت بعد فقروا صَاب الله بمعر وفك مواضعه ولا جعل لك الى لئيم حاجة وَلاسلب نعمة عن كريم الا وجعلك سببا لردها عَليه۔

خدا کرے وہ ہاتھ تیرا ہمیشہ شکر گزار ہے جو خوشحالی کے بعد فقیر اور خالی ہوا ہوا اور وہ ہاتھ آپ پر کبھی قابو نہ پائے جو فقر کے بعد امیر ہوا ہو اور خدا کرے آپ کا احسان ہمیشہ برمحل واقع ہو اور خدا کرے آپ کو کبھی کسی کمینہ سے کوئی ضرورت نہ پیش آئے اور خدا کسی شریف کی نعمت سلب نہ کرے مگر آپ کو اس کی واپسی کا وسیلہ اور ذریعہ بنائے۔

سفانہ آپ سے رخصت ہو کر شام پہنچی اور اپنے بھائی عدی سے ملی اور تمام حالات بیان کیئے۔عدی نے بہن سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے۔سفانہ نے جواب دیا۔

ارى والـلّـه ان تلحق به سريعا فـان يك نبيـا فلسابق اليـه فضيلة وَان يك ملكا فلن تزال فى عزو انت انت

خدا کی قسم میں یہ مناسب سمجھتی ہوں کہ تم جلد از جلد جا کر اُن سے ملو اگر وہ نبی ہیں تو ان کی طرف دوڑنا اور سبقت کرنا باعث فضیلت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو ہمیشہ کے لئے باعث عزت ہے اور تو تو ہی ہے۔

عدی نے سن کر کہا۔

والله ان هذا هوالرأى

خدا کی قسم رائے تو یہ ہے۔

بعد ازاں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔(زرقانی ص ۵۳ ج ۳ واصابہ ترجمہ عدی وسفانہ)

ان کے اسلام کا مفصل واقعہ اصابہ میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اسلام کعب بن زہیر

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کعب بن زہیر آپ کی ہجو میں شعر کہا کرتا تھا فتح مکہ کے دن کعب بن زہیر اور ان کا بھائی بجیر بن زہیر جان بچا کر مکہ سے فرار ہوئے اور مقام ابرق الغراف میں جا کر ٹھہرے بجیر نے کعب سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں آپ کی خدمت میں حاضر

ہو کر آپ کا کلام سنوں اور آپ کے دین کو معلوم کروں اگر آپ کی سچائی معلوم ہو جائے تو آپ کا اتباع کروں ورنہ چھوڑ دوں۔ کعب وہیں رہے اور یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کا کلام سنا سنتے ہی مشرف باسلام ہو گئے۔

جب آں حضرت ﷺ طائف سے واپس ہو کر مدینہ پہنچے تو بجیر نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ جو لوگ آپ کی ہجو میں اشعار کہتے تھے وہ فتح مکہ کے دن قتل کر دیئے گئے اور جو جان بچا کر بھاگ سکتے تھے وہ بھاگ گئے اگر تجھ کو اپنی جان عزیز ہے تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جا جو شخص مسلمان اور تائب ہو کر آپ کے پاس آتا ہے آپ اس کو قتل نہیں کرتے اور اگر یہ نہیں کر سکتا تو کہیں دور دراز جگہ چلا جا جہاں تیری جان بچ جائے۔

کعب کو یہ ناگوار گزرا کہ بغیر میرے مشورہ کے مسلمان ہو گیا اور یہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

الا ابلغا عنی بُجیرًا رِسَالۃً فَھَل لَکَ فیما قُلتُ ویحك ھَل لَکَا

اے دوستو بجیر کو میرا یہ پیام پہنچا دو میں جو کچھ کہتا ہوں اس بارے میں تیری کیا رائے ہے۔افسوس تو کیا کر گزرا۔

فَبَیِّن لَنَا اِنْ کُنتَ لَستَ بفَاعِلٍ عَلیٰ ایِّ شیئٍ غیرِ ذالك دَلَّکَا

تو یہ بتلا کہ اگر تو اپنے باپ دادا کے دین پر قائم نہیں رہ سکتا تو پھر اس کے سوا تو نے اور کونسا راستہ اختیار کیا۔[1]

عَلیٰ خُلُقٍ لَمْ تُلفِ اُمَّاً وَلَا اَبًا عَلَیْهِ وَ تُلْفِیْ عَلَیْهِ اَخاً لَکا

تو نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ نہ ماں کو اس پر پایا اور نہ باپ کو اور نہ اپنے بھائی کو اس طریقے پر پائے گا۔

فان اَنْتَ لَمْ تَفعَلْ فَلَستُ بآسفٍ وَلَا قَائِلٍ اِمَّا عَثَرتَ لَعًّا لَکَا

پس اگر تو نے میری بات پر عمل نہ کیا تو مجھ کو کچھ غم نہیں اور نہ میں تیری لغزش کے وقت تجھکو (لعا لکا) کہوں گا۔ یہ کلمہ لغزش کے وقت کہا جاتا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ سنبھل جا اور کھڑا ہو جا۔

---

[1] زرقانی۔ ج:۳،ص:۵۳

سَقَاكَ بِهَا الْمَامُوْنُ كَاسًا رَوِيَّةً　　فَانْهَلَكَ الْمَامُونُ مِنْهَا وَعَلَّكَا

مامون (یعنی محمد ﷺ چونکہ قریش آپ کو امین و مامون سمجھتے تھے) نے تجھ کو چھلکتا ہوا پیالہ مکرر سہ کر پلایا۔

بجیر نے اس واقعہ کو آپ سے چھپانا پسند نہ کیا اس لئے یہ قصیدہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا بے شک میں منجانب اللہ مامون اور مامور ہوں[1] اور علی خلق لم تلف اماولا ابا۔ کو سن کر فرمایا یہ بھی درست ہے اس نے کہاں ماں باپ کو اس دین میں دیکھا ہے۔

بجیر نے اس کے جواب میں یہ اشعار لکھ کر روانہ کیے۔

مَنْ مُبْلِغٌ كَعبًا فَهَلْ لَكَ فِي الَّتِيْ　　تَلُوْمُ عَلَيْهَا بَاطِلاً وَهِيَ اَحْزَمُ

ہے کوئی کہ جو کعب کو یہ پیام پہنچا دے کیا تجھ کو اُس ملّت و مذہب میں داخل ہونے کی رغبت ہے تو مجھ کو ناحق ملامت کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ نہایت محکم اور صواب ہے۔

الی اللّٰه لا الْعُزّٰی وَلا اللاتِ وَحدهٗ　　فَتَنْجُو اِذَا كَانَ النَّجَاءُ وَ تَسْلَمُ

لات اور عزیٰ کی طرف نہیں بلکہ ایک خدا کی طرف آ جاتا کہ جس وقت اہل توحید اللہ کے عذاب سے نجات پائیں تو تُو بھی نجات پائے اور اللہ کے عذاب سے سالم اور محفوظ رہے۔

لَدَى يَوْمَ لَايَنْجُو وَ لَيْسَ بِمفْلِتٍ　　مِنَ النَّاسِ اِلَّا طَاهِرُ الْقَلْبِ مُسْلِمُ

یعنی اُس دن کہ کوئی شخص نجات نہ پائے گا اور عذاب سے رہائی نہ پائے گا، سوائے اس شخص کے کہ قلب اس کا کفر اور شرک کی نجاستوں سے پاک ہو اور مسلمان ہو۔

فَدِيْنُ زُهيرٍ وَهُوَ لَا شيئ دِيْنُهٗ　　وَ دين ابى سلمىٰ عَلَىَّ مُحَرَّمُ

زہیر کا دین بلاشبہ ہیچ ہے اور میرے باپ زہیر اور دادا ابو سلمی کا دین مجھ پر حرام ہے اس لئے کہ میں حق یعنی دین اسلام میں داخل ہو گیا ہوں۔

[1] بعض نسخوں میں سقاک بہا المامون کے بجائے سقاک بہا المامور آیا ہے۔۱۲

بجیر کے اس خط کا کعب بن زہیر پر خاص اثر ہوا اور اسی وقت ایک قصیدہ مدحیہ آپ کی شان اقدس میں لکھ کر مدینہ روانہ ہوا۔ مدینہ پہنچا اور صبح کی نماز کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اجنبی بن کر یہ سوال کیا یا رسول اللہ اگر کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر حاضرِ خدمت ہو تو کیا آپ اس کو امان دے سکتے ہیں آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ نابکار اور گنہگار میں ہی ہوں، لایئے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایئے، اس وقت ایک انصاری بول اٹھے یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا چھوڑ دو تائب ہو کر آیا ہے۔ بعد ازاں کعب نے آپ کی شان میں وہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع یہ ہے۔

بانت سعاد فقلبي اليوم متبول متيم اثرها لم يفد مكبول

کعب بن زہیر جب اس شعر پر پہنچے۔

ان الرسول لنور يُستَضاء به مهند من سيوف الله مسلول[1]

تو آپ نے اس وقت بردیمانی جو اوڑھے ہوئے تھے اتار کر کعب کو مرحمت فرمائی۔ بعد میں چل کر حضرت معاویہ نے اس چادر کو کعب بن زہیر کے وارثوں سے بیس ہزار درہم میں خریدا۔

یہ چادر ایک عرصہ تک خلفاء اسلام کے پاس رہی عیدین کے موقع پر تبرکاً اس کو اوڑھا کرتے تھے، فتنہ تتار میں گم ہوگئی۔ (شرح مواہب قصۂ کعب بن زہیر)

غزوۂ تبوک

یوم پنجشنبہ ماہ رجب ۹ھ

معجم طبرانی میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نصارائے عرب نے ہرقل شاہ روم کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہوگیا اور لوگ قحط اور فاقوں سے بھوکے مر رہے ہیں۔ عرب پر حملہ کے لئے یہ موقع نہایت مناسب ہے، ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دیدیا۔ چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار آپ کے مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا۔[2]

[1] حاکم کی روایت میں ہے کہ کعب نے من سیوف الہند پڑھا۔ آپ نے فرمایا اس طرح کہو من سیوف اللہ مسلول۔۱۲
[2] مجمع الزوائد۔ ج:۶، ص:۱۹۱۔

شام کے نبطی سوداگر زیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ آیا کرتے تھے ان کے ذریعہ یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہرقل نے ایک عظیم الشان لشکر آپ کے مقابلہ کے لئے تیار کیا ہے۔ جس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے اور ہرقل نے تمام فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کردی ہیں ۔[۱]

اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ فوراً سفر کی تیاری کی جائے تاکہ دشمنوں کی سرحد (تبوک) پر پہنچ اُن کا مقابلہ کریں۔ بُعدِ مسافت اور موسم گرما، زمانۂ قحط اور گرانی، فقر و فاقہ اور بے سرو سامانی۔ ایسے نازک وقت میں جہاد کا حکم دینا تھا کہ منافقین جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے گھبرا اٹھے کہ اب اُن کا پردہ فاش ہوا جاتا ہے خود بھی جان چرائی اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر بہکانے لگے۔

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ ایسی گرمی میں مت نکلو۔

ایک مسخرے نے کہا لوگوں کو معلوم ہے کہ میں حسین جمیل عورتوں کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہوں مجھ کو اندیشہ ہے کہ رومیوں کی پری جمال نازنینوں کو دیکھ کر کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں ۔[۲]

مؤمنین مخلصین سمعًا وطاعۃً کہہ کر جان و مال سے تیاری میں مصروف ہو گئے، سب سے پہلے صدیق اکبر نے کل مال لا کر آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا اہل وعیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے، ابوبکر نے کہا صرف اللہ اور اس کے رسول کو۔ فاروق اعظم نے نصف مال پیش کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے دوسو اوقیہ چاندی لا کر حاضر کی۔ عاصم بن عدی نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں ۔[۳]

عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار لا کر بارگاہ نبوی میں پیش کیے۔ آپ نہایت مسرور ہوئے بار بار اُن کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا، اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو ۔[۴]

اکثر صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس مہم میں امداد کی مگر پھر بھی سواری اور زاد

---

[۱] طبقات ابن سعد۔ ج:۲، ۱۱۹ [۲] عیون الاثر ج:۲ ص:۲۱۵۔ [۳] زرقانی۔ ج:۳ ص:۶۴ [۴] ایضاً

راہ کا پورا سامان نہ ہو سکا چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ہم بالکل نادار ہیں اگر سواری کا کچھ تھوڑا بہت ہم کو سہارا ہو جائے تو ہم اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں اس پر وہ حضرات روتے ہوئے واپس ہوئے۔ انہیں کی شان میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَنْ لَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔[1]

اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کو جہاد میں جانے کے لئے کوئی سواری عطا فرمائیں تو آپ نے یہ فرمایا کہ میں اس وقت کوئی چیز نہیں پاتا کہ جس پر تم کو سوار کر دوں تو وہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں۔ اس غم میں کہ ان کو کوئی چیز میسر نہیں کہ جسے خرچ کر سکیں۔

عبداللہ بن مغفل اور ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب جب آپ کے پاس سے روتے ہوئے واپس ہوئے تو راستہ میں یامین بن عمرو نضری مل گئے، رونے کا سبب دریافت کیا انہوں نے کہا نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری ہے اور نہ ہم میں استطاعت ہے کہ سفر کا سامان مہیا کر سکیں اب افسوس اور حسرت اس چیز کی ہے کہ ہم اس غزوہ کی شرکت سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یہ سن کر یامین کا دل بھر آیا اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور زادراہ کا انتظام کیا۔[2]

جب صحابہ چلنے کے لئے تیار ہو گئے تو آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کیا اور حضرت علی کو اہل وعیال کی حفاظت اور خبر گیری کے لئے مدینہ میں چھوڑا۔ حضرت علی نے عرض کیا یارسول اللہ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (بخاری شریف)

[1] التوبۃ: آیۃ: ۹۲
[2] زرقانی۔ ج:۳، ص:۶۶

حدیثِ ''انتَ مِنّی بمنزلۃ ہارون مِنْ موسیٰ'' کی شرح

اس حدیث سے شیعہ حضرت علی کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں کہ حضور پُرنور کے بعد خلافت حضرت علی کا حق ہے، اہل سنّت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کا سفر میں جاتے وقت حضرت علی کو اپنے اہل وعیال کی نگرانی کے لئے چھوڑ جانا کہ میری واپسی تک ان کی نگرانی اور خبر گیری کرنا۔ اس سے حضرت علی کی امانت اور دیانت اور قرب اور اختصاص تو بے شک معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اپنے اہل وعیال کی نگرانی اور خبر گیری اسی کے سپرد کرتے ہیں کہ جس کی امانت ودیانت اور محبت اور اخلاص پر اطمینان ہو اور عموماً فرزند اور داماد کو اس کام کے لئے مقرر کرتے ہیں لیکن یہ امر کہ میری وفات کے بعد تم ہی میرے خلیفہ ہو گے حدیث کو اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر یہ کہ حضرت علی کی یہ قائم مقامی فقط اہل وعیال کے حد تک محدود تھی اس لئے آں حضرت نے اسی غزوہ میں جاتے وقت محمد بن مسلمہ کو مدینہ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اور سباع بن عرفطہ کو مدینہ کا کوتوال اور عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنی مسجد کا امام مقرر کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی کی خلافت ونیابت مطلق نہ تھی بلکہ اہل وعیال کے حد تک محدود تھی اور اگر بالفرض مطلق بھی ہوتی تو غزوہ سے واپسی تک محدود تھی جیسے کوئی بادشاہ سفر میں جاتے وقت کسی کو نائب السلطنت مقرر کر جائے تو وہ نیابت واپسی تک محدود رہے گی۔ واپسی کے بعد خود بخود یہ نیابت ختم ہو جائے گی اور یہ وقتی نیابت اور وقتی قائم مقامی اس امر کی دلیل نہیں کہ بادشاہ کی وفات کے بعد یہی شخص بادشاہ کا خلیفہ ہوگا البتہ اس وقتی نیابت سے قائم مقام کی اہلیت اور لیاقت ثابت ہوتی ہے سو ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حضرت علی میں خلافت کی اہلیت اور لیاقت تھی تمام اہلِ سنت دل وجان سے حضرت علی کی اہلیت ولیاقت کے قائل ہیں لیکن اس میں دیگر خلفاء کی اہلیت اور لیاقت کا انکار نہیں اُن کی کمال اہلیت اور لیاقت دوسری احادیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔

پس جب کہ بادشاہ کا دارالسلطنت سے نکلتے وقت تا واپسی کسی کو وقتی طور پر نائب السلطنت مقرر کر جانا اس امر کی دلیل نہیں کہ بادشاہ کی وفات کے بعد بھی یہ شخص بادشاہ ہوگا

تو جو خلافت اور نیابت محض خانگی امور اور اہل وعیال کی نگرانی سے متعلق ہو اس کو خلافت کبریٰ کی دلیل بنالینا کمال ابلہی ہے۔

آں حضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی غزوہ میں تشریف لیجاتے تو کسی نہ کسی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو وہ قائم مقامی خود بخود ختم ہو جاتی، کسی فرد بشر کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں گزری کہ وہ ان صحابہ کی وقتی خلافت اور عارضی نیابت کو ان حضرات کی خلافت بلافصل اور امامت کبریٰ کی دلیل سمجھتا۔ رہا یہ امر کہ آں حضرت ﷺ نے اس حدیث میں حضرت علی کو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی ہے سو ہم یہ عرض کریں گے کہ اس تشبیہ سے بے شک ایک قسم کی فضیلت ثابت ہوگی لیکن تشبیہ سے تمام امور میں مساوات لازم نہیں۔ اس حدیث میں اگر حضرت علی کو حضرت ہارون کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو اُسارائے بدر کے بارے میں جب آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو اس وقت آپ نے ابوبکر صدیق کو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی اور حضرت عمر کو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی جیسا کہ غزوۂ بدر کے بیان میں مفصّل گزرا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کو نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دینا انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ کہنے سے کہیں زیادہ بالا اور برتر ہے۔

الغرض آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ (زرقانی شرح مواہب) [1]

راستہ میں وہ عبرتناک مقام بھی پڑتا تھا جہاں قوم ثمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ جب آپ وہاں سے گزرے تو اس درجہ متأثر ہوئے کہ چہرۂ انور پر کپڑا لٹکا دیا اور ناقہ کو تیز کر دیا اور صحابہ کو تاکید فرمائی کہ کوئی شخص ان ظالموں کے مکانات میں داخل نہ ہو اور نہ یہاں کا پانی پیئے اور نہ اُس سے وضوء کرے سرنگوں روتے ہوئے اس طرف سے گزر جائیں اور جن لوگوں نے غلطی اور لاعلمی سے پانی لے لیا تھا یا اُس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا، اُن کو حکم ہوا کہ وہ پانی گرادیں اور وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دیں

(بخاری شریف [2] کتاب الانبیاء و فتح الباری ص ۲۶۸ ج ۶ و شرح مواہب ص ۷۳ ج ۳

---

[1] عیون الاثر۔ ج:۲، ص:۲۱۶

[2] کتاب الانبیاء و باب قول اللہ تعالیٰ والی ثمود اخاہم صالحا۔ وقولہ تعالیٰ کذب اصحاب الحجر المرسلین۔

مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی جو کہ ہر وقت اللہ جل جلالہ کی اطاعت اور بندگی سے معمور ہیں وہاں جانا وہاں ٹھہرنا وہاں رہنا عین قربت اور عبادت اور سراسر موجب خیر و برکت اور باعث نزول رحمت ہے اس کے برعکس اُن مقامات میں قصداً داخل ہونا جو ایک عرصہ تک اللہ جل شانہ کی نافرمانی کا مرکز رہے ہوں اور وہاں اللہ کا قہر اور عذاب نازل ہوا ہو نہایت خطرناک ہے جس طرح حرم الٰہی میں داخل ہونے والے کے لیے یہ حکم ہے (ومن دخله كان آمنا)

اسی طرح مواقع عذاب میں داخل ہونے سے نزول عذاب کا اندیشہ ہے بیت الحرام خواہ کوئی اس کا طواف کرے یا نہ کرے وہ فی حد ذاتہ خیرات و برکات اور انوار و تجلیات کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ اُس کے دیکھنے ہی سے دل کی ظلمتیں اور کدورتیں دُور ہوتی ہیں۔ اس سر زمین کی آب و ہوا ہی امراض روحانی کے لئے پیام شفا ہے۔ پس عجب نہیں کہ اطباء روحانی کی نظر میں مواقع عذاب کی آب و ہوا مسموم ہو اور وہاں کے زہریلے جراثیم روح اور قلب کے لئے مضر ہوں۔ اس لئے آپ نے وہاں کا پانی استعمال کرنے کی قطعاً ممانعت کر دی اور جس کنویں سے صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیا کرتی تھی۔ اس کنویں سے پانی لینے کا حکم دیا۔ اس لئے کہ وہ کنواں معصیت اور غضب خداوندی کے اثر سے پاک تھا، آبِ زمزم چونکہ مبارک پانی ہے امراض ظاہری اور خصوصاً امراضِ باطنی کے لئے اکسیر ہے اس لئے اس کے پینے کی تاکید فرمائی کہ جس قدر پی سکو پیو جو بدنصیب اللہ اور اس کے رسول کی معصیت اور نافرمانی پر تل گئے یہاں تک کہ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا وہ حقیقت میں جانور اور بہائم بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں کما قال تعالیٰ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ

اس لئے آپ نے اُس آٹے کے متعلق جو قوم ثمود کے پانی سے گوندھا گیا تھا یہ حکم دیا کہ اونٹوں کو کھلا دیا جائے ایسا پانی جانوروں کے مزاج کے مناسب ہے انسانوں کے مناسب نہیں۔ الغرض جس وقت آپ اس سرزمین عذاب سے گزرے تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا اس مقام کی زہریلی آب و ہوا کا اثر صحابہ پر نہ ہو جائے اس لئے اُس سے حفاظت کے لئے ایک تریاق تجویز فرمایا وہ یہ کہ اس مقام سے سرنگوں اور روتے ہوئے گزر جائیں۔ یعنی تخشع اور تضرع گریہ وزاری اور اپنے گناہوں پر ندامت اور شرمساری اس جیسے مقام کی

زہریلی آب و ہوا سے بچنے کے لئے تریاق اور اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ انجکشن لینے کے بعد اگر طاعونی محلّہ سے گزر جائے تو اندیشہ نہیں۔ اے دوستو بارگاہِ خداوندی میں گریہ وزاری توبہ اور شرمساری گناہوں کا ایسا قوی اور زبردست انجکشن ہے کہ سخت سے سخت زہریلا مادہ بھی اس کے بعد باقی نہیں رہ سکتا سُبۡحٰنَكَ اَللّٰهُمَّ وَ بِحَمۡدِكَ اَشۡهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنۡتَ اَسۡتَغۡفِرُكَ وَ اَتُوۡبُ اِلَيۡكَ قَال تعالىٰ وَلَا تَرۡكَنُوۡآ اِلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ وَ سَكَنۡتُمۡ فِيۡ مَسٰكِنِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡآ اَنۡفُسَهُمۡ ظالموں کی طرف میلان اور ظالموں کے مکانات میں سکونت بھی موجبِ عتاب ہے۔

حجر پہنچ کر آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ کوئی شخص تنہا نہ نکلے، اتفاق سے دو شخص تنہا نکل پڑے ایک کا دم گھٹ گیا جو آپ کے دم کرنے سے اچھا ہوا اور دوسرے شخص کو ہوا نے طیے کے پہاڑوں میں لے جا کر پھینک دیا۔ جو ایک مدّت کے بعد مدینہ پہنچے۔

یہ بیہقی اور ابن اسحاق کی روایت ہے صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تبوک میں پیش آیا۔ ممکن ہے کہ دو واقع ہوں یا ابن اسحٰق اور بیہقی کی راویت میں راوی کا وہم ہو واللہ اعلم۔

آگے چل کر جب ایک منزل پر ٹھہرے تو پانی نہ تھا سخت پریشان تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے مینھ برسا دیا جس سے سب سیراب ہو گئے وہاں سے چلے تو اثناء راہ میں آپ کا ناقہ گم ہو گیا ایک منافق نے کہا کہ آپ آسمان کی تو خبریں بیان کرتے ہیں مگر اپنے ناقہ کی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔

آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھ کو کسی چیز کا علم نہیں مگر وہ کہ جو اللہ نے مجھ کو بتلا دیا ہے اور اب بالہامِ الٰہی مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ ناقہ فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے۔ جس سے وہ رُکی ہوئی ہے چنانچہ صحابہ جا کر اُس اونٹنی کو لے آئے۔

(رواہ البیہقی وابو نعیم)

تبوک پہنچنے سے ایک روز پیشتر آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے کوئی شخص اس چشمہ سے پانی نہ لے جب اُس چشمہ پر پہنچے تو پانی کا ایک ایک قطرہ اس میں سے رِس رہا تھا، بدقت تمام کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا۔

آپ نے اس پانی سے اپنا ہاتھ اور منہ دھو کر پھر اسی چشمہ میں ڈال دیا۔ اس پانی کا ڈالنا تھا کہ وہ چشمہ فَوّارَہ بن گیا۔ جس سے تمام لشکر سیراب ہوا۔ اور معاذ بن جبل کو مخاطب کر کے فرمایا اے معاذ اگر تو زندہ رہا تو اس خطّہ کو باغات سے سرسبز اور شاداب دیکھے گا (رواہ مسلم) ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ آج تک وہ فوارہ جاری ہے دور سے اُس کی آواز سنائی دیتی ہے۔
(خصائص کبریٰ ص ۲۷۳ ج ۱)

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا۔ مگر کوئی مقابلہ پر نہیں آیا۔ لیکن آپ کا آنا بیکار نہیں گیا۔ دشمن مرعوب ہو گئے اور آس پاس کے قبائل نے حاضر ہو کر سرِ تسلیم خم کیا۔ اہل جَرباءِ[1] اور اَذْرُح اور اَیْلَہ کے فرمانروا نے حاضر خدمت ہو کر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کیا آپ نے ان کو صلح نامہ لکھوا کر عطا فرمایا۔

اسی مقام سے آپ نے خالد بن ولید کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ اکیدر کی طرف روانہ فرمایا جو ہرقل کی طرف سے دومۃ الجندل کا حاکم اور فرمانروا تھا۔ آپ نے روانگی کے وقت خالد بن ولید سے یہ فرمایا کہ وہ تم کو شکار کھیلتا ہوا ملے گا اس کو قتل نہ کرنا گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا ہاں وہ اگر انکار کر دے تو قتل کر دینا، چاندنی رات میں پہنچے، گرمی کا موسم تھا اکیدر اور اُس کی بیوی قلعہ کے فصیل پر بیٹھے ہوئے گانا سُن رہے تھے۔ اچانک ایک نیل گائے نے قلعہ کے پھاٹک سے آ کر ٹکر ماری۔ اکیدر فوراً ہی مع اپنے بھائی اور چند عزیزوں کے شکار کے لئے اترا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اُس کے پیچھے دوڑے تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ خالد بن ولید آ پہنچے اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا وہ مارا گیا اور اکیدر جو شکار کرنے کے لئے نکلا تھا، وہ خود خالد بن ولید کا شکار ہو گیا۔

خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں تم کو قتل سے پناہ دے سکتا ہوں بشرطیکہ تم میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا منظور کرو۔ اکیدر نے اس کو منظور کیا۔ خالد بن ولیدؓ اکیدر کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اکیدر نے دو ہزار اونٹ اور آٹھ سو گھوڑے اور چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے کر صلح کی۔[2]

---

[1] جرباء اور اَذْرُح اور اَیْلَہ یہ تینوں شہر علاقہ شام میں ہیں۔۱۲ [2] عیون الاثر۔ ج:۲، ص:۲۲

مسجدِ ضرار

بیس روز قیام کے بعد آپ تبوک سے مدینہ منورہ واپس ہوئے، جب آپ مقام ذی اوان میں پہنچے جہاں سے مدینہ ایک گھنٹہ کے راستے پر رہ جاتا ہے تو آپ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو مسجد ضرار کے منہدم کرنے اور جلانے کے لئے آگے بھیجا۔ یہ مسجد منافقین نے اس لئے بنائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف اس میں بیٹھ کر مشورے کریں جس وقت آپ تبوک جارہے تھے اس وقت منافقین نے آکر آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے آپ چل کر اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھا دیں تاکہ وہ مقبول اور متبرک ہوجائے آپ نے فرمایا اس وقت تو میں تبوک جارہا ہوں واپسی کے بعد دیکھا جائے گا۔ واپسی کے بعد آپ نے ان دو حضرات کو حکم دیا کہ جاکر اس مسجد کو جلا دیں اور یہ آیتیں اسی کے بارہ میں اتری ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔ [1]

اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے اور کفر کرنے کے لئے اور اہلِ ایمان میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اور قیامگاہ بنانے کے لئے اس شخص کے لئے کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے ہی سے برسرپیکار ہے اور قسمیں کھائیں گے کہ ہماری نیت سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں جاکر کبھی کھڑے بھی نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی۔ یعنی مسجد قبا وہ واقعی اس لائق ہے کہ آپ اس میں جاکر کھڑے ہوں اس میں ایسے مرد ہیں کہ جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو۔

[1] التوبۃ، آیۃ: ۱۰۷، ۱۰۸۔

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپ نے سوَیلم یہودی کے مکان کے بھی جلانے کا حکم دیا۔ جس میں منافقین جمع ہو کر آپ کے خلاف مشورے کیا کرتے تھے۔ حضرت طلحہ نے چند آدمیوں کی ہمراہی میں جا کر اس مکان کو نذرِ آتش کیا۔

جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو مشتاقانِ جمالِ نبوی ماہتابِ نبوّت و رسالت کے استقبال کے لئے نکلے۔ یہاں تک کہ غلبۂ شوق میں پردہ نشینانِ حرم بھی نکل پڑیں لڑکیاں اور بچے یہ اشعار گاتے تھے۔

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر عَلَیْنَا — مادعا للّٰہ داع
اَیُّھا المبعوث فِیْنَا — جئت بالامر المطاع

جب مدینہ کے مکانات نظر آنے لگے تو یہ فرمایا ھٰذِہٖ طابَۃ یہ مدینہ طیّبہ ہے اور جبل احد پر نظر پڑی تو فرمایا:

ھذا جبل یُحِبنَا وَ نحبّہ — یہ پہاڑ ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں۔

اخیر شعبان یا شروع رمضان میں مدینہ میں داخل ہوئے، اوّل مسجد نبوی میں جا کر ایک دوگانہ ادا فرمایا نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی ملاقات کے لئے کچھ دیر بیٹھے بعد ازاں آرام کے لئے گھر تشریف لے گئے۔ (شرح مواہب)

یہ آخری غزوہ تھا جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے۔

متخلفین[۱]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک روانہ ہوئے تو مؤمنین مخلصین بھی آپ کے ہمرکاب روانہ ہوئے منافقین کا ایک گروہ شرکت سے رہ گیا لیکن چند مومنین مخلصین نفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض کسی عذر سے اور بعض بمقتضائے بشریت گرمی اور لُو کی تکلیف سے گھبرا کر پیچھے رہ گئے۔

۱؎ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہنے والے ۱۲

ابوذر غفاری کا اونٹ لاغر اور دُبلا تھا اس لئے یہ خیال ہوا کہ دو چار روز میں اونٹ کھا پی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا اس وقت میں آپ سے جا ملوں گا۔ جب اس اونٹ سے نا اُمید ہوئے تو اپنا سامان اپنی پشت پر لادا اور پا پیادہ روانہ ہوئے اسی طرح تن تنہا تبوک پہنچے آپ نے دیکھ کر فرمایا رحم فرمائے اللہ ابوذر پر اکیلا چلا آ رہا ہے اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا، ربذہ میں تنہا وفات پائی کوئی تجہیز و تکفین کرنے والا نہ تھا۔ اتفاق سے عبداللہ بن مسعود کوفہ سے واپس آ رہے تھے، انہوں نے تجہیز و تکفین کی۔[۱]

معجم طبرانی میں ابوخیثمہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک روانہ ہوئے اور میں مدینہ رہ گیا۔ شدّت کی گرمی تھی۔ ایک دن دوپہر میں میرے اہلِ خانہ نے چھپر میں چھڑکاؤ کیا اور ٹھنڈا پانی اور کھانا لا کر رکھا۔ یہ منظر دیکھ کر یکا یک دل پر ایک چوٹ لگی کہ واللہ یہ سراسر بے انصافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو لُو اور گرمی میں ہیں اور میں سایہ میں بیٹھا ہوا۔ اس طرح عیش و آرام کر رہا ہوں فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور کچھ کھجوریں ساتھ لیں اور اُونٹ پر سوار ہوا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا جب لشکر سامنے آ گیا تو آپ نے دُور سے دیکھ کر فرمایا ابوخیثمہ آ رہا ہے میں نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے میرے لئے دعائے خیر فرمائی۔

انہیں مؤمنین صالحین میں سے کعب بن مالک اور مرارۃ بن ربیع اور ہلال بن امیہ بھی تھے۔

صحیح بخاری میں کعب بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے اور میں سفر کی تیاری میں تھا یہ خیال تھا کہ ایک دو روز میں جب سامان ہو جائے گا تو آپ سے جا ملوں گا۔ اسی میں دیر ہو گئی اور قافلہ دُور نکل گیا اور مدینہ میں سوائے معذورین اور منافقین کے کوئی باقی نہ رہا۔ جب یہ منظر دیکھتا تو نہایت رنج ہوتا جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین نے جھوٹے عذر بیان کیے آپ نے ظاہری طور پر ان کے عذر قبول کیئے اور دلوں کا حال اللہ کے سُپرد کیا۔

(مغازی ابن عائذ میں ہے کہ کعب بن مالک کہتے ہیں میں نے یہ عزم کرلیا کہ ایسا ہرگز نہ کروں گا کہ غزوہ سے پیچھے بھی رہوں اور پھر اللہ کے رسول سے جھوٹ بھی بولوں چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا، آپ نے اعراض فرمایا، میں نے عرض

[۱] فتح الباری۔ ج:۸، ص:۸۸

کیا اے اللہ کے نبی آپ مجھ سے کیوں اعراض فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نہ منافق ہوا اور نہ مجھ کو شک لاحق ہوا ہے اور نہ میں دین اسلام سے پھرا ہوں آپ نے فرمایا پیچھے کیوں رہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اگر کسی دنیا دار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو باتیں بنا کر اُس کے غصّہ سے نکل جاتا، لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اگر آج جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کر لیا تو ممکن ہے کہ کل خداوند ذوالجلال آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر آپ سے سچ سچ کہہ دیا جس سے آپ ناراض ہو جائیں تو مجھ کو اللہ کے فضل سے اُمید ہے کہ وہ معاف فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں میں قصوروار ہوں آپ نے فرمایا اس شخص نے سچ سچ کہہ دیا ہے، اچھا اس وقت جاؤ یہاں کہ تک اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے، اسی طرح مرارۃ بن ربیع اور ہلال بن امیہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قصور کا اعتراف کیا۔ آپ نے یہ حکم دیا کہ پچاس دن تک کوئی شخص ان تینوں آدمیوں سے بات نہ کرے، چنانچہ سب نے ہم سے سلام وکلام قطع کر دیا۔ خویش واقارب دوست احباب سب بیگانے نظر آنے لگے۔ کعب کہتے ہیں کہ میرے دونوں ساتھی تو ضعیفی کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے دن رات گریہ وزاری میں گزرتا، میں جوان تھا میں جماعت میں حاضر ہوتا۔ غرض یہ کہ پچاس دن اسی پریشانی میں گزرے یہاں تک کہ اللہ کی زمین ہم تنگ ہو گئی۔ سب سے زیادہ فکر اس کی تھی کہ اگر اس عرصہ میں موت آگئی تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان میرے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے۔

پچاس دن کے بعد یکا یک جبل سلع سے مژدۂ جانفزا سنائی دیا۔

یا کعب بن مالك ابشر ! اے کعب بن مالک تم کو بشارت ہو۔

یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ مشکل دُور ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہوئی۔ ہر طرف سے لوگ مجھ کو اور میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری اور مبارک باد دینے کے لئے دوڑے، ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ کہتے تھے لتھنك توبۃ اللّٰه علیك مبارک ہو تجھ کو اللہ کا تیری توبہ کا قبول کرنا۔ جو شخص میرے پاس خوشخبری لے کر آیا اس کو فوراً ہی میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر پہنا دیئے بعد ازاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے میں نے مسجد میں قدم رکھا ہی

تھا کہ طلحہ بن عبید اللہ دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، کعب کہتے ہیں حاضرین میں سے اور کوئی شخص نہیں اٹھا۔ خدا کی قسم طلحہ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چاند کی طرح چمک رہا تھا آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا۔

ابشر بخير يوم مرّ عليك منذولدتك امك

مبارک ہو تجھ کو وہ دن جو تمام دنوں سے بہتر ہے جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنا ہے۔

کعب بن مالک جس دن اسلام میں داخل ہوئے بے شک وہ دن تمام دنوں سے بہتر تھا لیکن حقیقت میں یہ دن اس دن سے بھی بہتر تھا اس لئے کہ اس دن میں بارگاہ خداوندی سے اُن کی توبہ قبول ہوئی جس سے اُن کے ایمان و اخلاص پر ہمیشہ کے لئے مہر ہوگئی۔ اور یہ آیتیں ان کے بارے میں نازل ہوئیں۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت اور عنایت سے متوجہ ہوئے پیغمبر پر اور مہاجرین اور انصار پر جنھوں نے تنگی اور دشواری کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔

بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ می گردد
صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ می گردد

بعد اس کے کہ ایک گروہ کے دل قریب تزلزل کے تھے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی اور اللہ بڑا شفیق اور مہربان ہے اور توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان تین شخصوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی اور موقوف تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود کشادہ ہونے کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہوگئیں اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں سوائے اس کے

تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کا
قصور معاف کیا تا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع
کریں بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا
اور مہربان ہے، اے ایمان والو خدا سے ڈرو
اور سچوں کے ساتھ رہو۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس توبہ کے شکریہ میں اپنا کل مال خیرات کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کچھ رہنے دو۔ اس لئے خیبر میں میرا جو حصہ تھا میں نے وہ رکھ لیا اور باقی سب خیرات کر دیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ۔ اللہ نے مجھ کو محض سچ کی وجہ سے نجات دی ہے میں اپنی توبہ کا تکملہ اور تتمہ یہ سمجھتا ہوں کہ مرتے دم تک کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہ کرو۔ بخاری و فتح الباری ص ۸۶ ج ۸ حدیث کعب بن مالک)[1]

صدیق اکبر کا امیر حج مقرر ہونا

ذی قعدۃ الحرام ۹ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو امیر حج مقرر کر کے مکہ مکرمہ روانہ کیا تین سو آدمی مدینہ منورہ سے ابوبکر صدیق کے ساتھ چلے اور بیس اونٹ قربانی کے آپ کے ہمراہ کیئے تا کہ لوگوں کو ٹھیک شریعت کے مطابق حج کرائیں۔ اور سورۂ براءت کی چالیس آیتیں جو نقض عہد کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں اُن کا اعلان کریں جن میں یہ تھا کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اور بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف نہ کریں اور جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عہد کیا ہے وہ اس کے مدّت تک پورا کر دیا جائے اور جن لوگوں کے ساتھ کوئی عہد نہیں کیا گیا ان کو یوم النحر سے لے کر چار مہینہ کی مہلت ہے صدیق اکبر کی روانگی کے بعد آپ کو یہ خیال ہوا کہ عہد اور نقض عہد کے متعلق جو اعلان کیا جائے مناسب یہ ہے کہ اس کا اعلان و اظہار ایسے شخص کی زبانی ہونا چاہیئے کہ جو عہد کرنے والے کے خاندان اور اہل بیت سے ہو اس لئے کہ عرب ایسے امور میں خاندان اور اقارب ہی کی بات کو قبول کرتے ہیں اس لئے آپ نے حضرت علی کو

[1] التوبۃ۔ آیۃ: ۱۱۷۔۱۱۹

بلایا اور اپنی ناقہ عضباء پر سوار کر کے ابوبکر صدیق کے پیچھے روانہ کیا کہ سورۂ براءت کی آیات موسم حج میں تم سناؤ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات براءت صدیق اکبر کے روانہ ہونے کے بعد نازل ہوئیں اس لئے بعد میں حضرت علی کو آیات براءت کا پیغام سنانے کے لئے روانہ فرمایا۔ صدیق اکبر نے جب ناقہ کی آواز سنی تو یہ گمان ہوا کہ آنحضرت ﷺ خود تشریف لے آئے ٹھہر گئے دیکھا تو علی ہیں، پوچھا امیر اَوْ مامُوْرٌ یعنی امیر ہو کر آئے ہو یا تابع ہو کے، حضرت علی نے فرمایا۔ مامور ہوں یعنی تابع ہو کے آیا ہوں اور فقط سورۂ براءت کی آیات سنانے کے لئے آیا ہوں، چنانچہ لوگوں کو حج ابوبکر صدیق ہی نے کرایا اور موسم حج کے خطبے بھی انہوں ہی نے پڑھے اور حضرت علی نے صرف سورۂ براءت کی آیات اور ان کا مضمون جمرۂ عقبہ کے قریب یوم النحر میں کھڑے ہو کر لوگوں کو سنایا۔ حضرت ابوبکر نے کچھ لوگ حضرت علی کی امداد کے لئے مقرر کر دیئے کہ باری باری سے منادی کر دیں۔

چنانچہ یوم النحر منیٰ میں یہ منادی کر دی گئی اور لوگوں کو سنا دیا گیا کہ جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہو سکے گا اور نہ سال آئندہ کوئی مشرک حج کرنے پائے گا اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔ اور جس کا جو عہد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے وہ اس کی مدت تک پورا کر دیا جائے اور جس سے کوئی عہد نہیں یا عہد بلا میعاد کے ہے تو اس کو چار مہینہ کا امن ہے اگر اس مدت میں مسلمان نہ ہوا تو چار ماہ کے بعد جہاں پایا جائے گا قتل کیا جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت علی ذوالحلیفہ پہنچ کر ابوبکر صدیق سے ملے اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کے اعلان کے لئے بھیجا ہے تو ابوبکر صدیق کو یہ خیال ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہو گیا ہے اس لئے فوراً ہی مدینہ واپس ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا نہیں تو تو میرا یارِ غار ہے، غار ثور کا ساتھی ہے اور حوضِ کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگا۔ لیکن براءت کا اعلان سوائے میرے یا میرے خاندان کے کسی شخص کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا اس لئے آیات براءت سنانے کیلئے میں نے علی کو بھیجا ہے۔[1]

[1] فتح الباری۔ ج:۸، ص:۶۵

واقعات متفرقہ ۹ھ

(۱) اسی سال ماہ ذی قعدۃ الحرام میں رأس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کا انتقال ہوا جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ [۱]

اور آپ ان منافقین میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں اس لئے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور خدا کے نافرمان مرے ہیں۔ (شرح مواہب ص ۹۵ ج ۳)

مسئلہ: کافر کے جنازہ میں شرکت اور اس کی قبر پر جا کر کھڑا ہونا قطعاً ناجائز ہے خواہ جنازہ ہندو کا ہو یا انگریز کا۔ کفر میں دونوں شریک ہیں اور شرعاً مشرک اور بت پرست کفر کتابی کے کفر سے اشد ہے۔

(۲) اسی سال نجاشی شاہ حبشہ کا انتقال ہوا اور بذریعہ وحی آپ کو اسی روز اس کے وفات کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے صحابہ کو جمع کر کے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

(۳) اسی سال سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور ایک سال بعد آں حضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں اس کی حرمت کا عام اعلان فرمایا۔

(۴) اسی سال عورتوں سے لعان کا حکم نازل ہوا۔ جس کی مفصل کیفیت سورۂ نور میں مذکور ہے۔

(۵) جو لوگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے بلکہ محض اسلام کے زیر سایہ انہوں نے رہنا منظور کیا تو ان کے حق میں اسی سال جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔ قال تعالیٰ وَقَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صَاغِرُوْنَ۔ [۲] جزیہ جزاء سے مشتق ہے یعنی یہ جزاء کفر ہے بطور ذلت و حقارت آزاد عاقل بالغ مرد سے لیا جاتا ہے۔ جزیہ سے مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت اور اس کا زور ٹوٹ جائے اور اسلام کی برتری اور حکمرانوں کے سامنے جھک جائے ایسے لوگوں کو اصطلاح شریعت میں ذمی کہتے

[۱] التوبۃ: آیۃ: ۸۴
[۲] التوبۃ، آیۃ: ۲۹

ہیں جو ذمہ سے مشتق ہے۔ یعنی جن کی جان اور مال اور آبرو اور اُن کے حقوق کا اللہ اور اس کا رسول مسلمانوں کی طرح ذمہ دار ہو مگر خوب یاد رکھو کہ قرآن وحدیث نے کافروں سے جزیہ لینے کا جو حکم دیا وہ دفاع اور حفاظت جان کا بدل نہیں یعنی جزیہ کا یہ سبب نہیں کہ ذمی خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور ہم دشمنوں سے اُن کی حفاظت کرتے ہیں کیونکہ حفاظت تو اہل ذمہ کی عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں اور اپاہجوں اور راہبوں کی بھی کی جاتی ہے مگر ان پر جزیہ نہیں جزیہ صرف اُن لوگوں سے لیا جاتا ہے جو جہاد میں مستحق قتل تھے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جزیہ قتل کا بدل ہے صرف حر اور عاقل اور بالغ مردوں سے لیا جاتا ہے جو مستحق قتل کے تھے اور جن لوگوں سے اس بنیاد پر معاہدہ ہو کہ طرفین کی خودمختاری محفوظ اور ملحوظ رہے تو شریعت کی اصطلاح میں ایسے لوگوں کو ''معاہد'' کہتے ہیں۔

سنہ ۱۰ھ اور عام الوفود

عرب میں سب سے بڑا قبیلہ قریش کا تھا جس کی سرداری مسلم تھی۔ قریش کے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے سے کسی کو انکار نہ تھا، فہم وفراست سخاوت وشجاعت میں مشہور تھے۔ بیت اللہ اور بلد حرام کے مجاور تھے۔ مگر اسلام کی مخالفت اور عداوت پر کمر بستہ تھے۔ قبائل عرب کی نظریں قریش پر لگی ہوئی تھیں کہ دیکھیں کہ آں حضرت ﷺ کی کیسے نبٹتی ہے۔ قریش کے نوجوانوں نے تو ابتداء ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور کرتے رہے مگر بوڑھے باقی تھے۔ جب مکہ فتح ہو گیا اور بوڑھوں نے بھی اسلام کی اطاعت قبول کر لی تو اُس وقت عرب کو معلوم ہو گیا کہ دین اسلام دین الٰہی ہے ضرور تمام عالم میں پھیل کر رہے گا۔ اور کوئی قوت اس کی مخالفت میں کامیاب نہیں ہو سکتی اس لئے مکہ فتح ہوتے ہی ہر طرف سے سفارتیں آنے لگیں اور ہر قبیلہ کے وکلاء اور وفود بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے، اسلام کی حقیقت معلوم کرتے خود بھی مشرف باسلام ہوتے اور اپنی ساری قوم کے مسلمان کرنے کا وعدہ کر کے واپس ہوتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔ [1]

جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہوتا ہوا جوق در جوق دیکھ لیں تو تسبیح اور تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جایئے اللہ تعالیٰ بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

وفود کی ابتداء تو ۸ھ کے اخیر ہی سے ہوگئی تھی لیکن زیادہ تسلسل ۸ھ اور ۱۰ھ میں رہا۔ اس لئے ان دونوں سنوں کو عام الوفود کہا جاتا ہے ابنِ سعد اور دمیاطی اور مغلطائی اور عراقی نے وفود کی تعداد ساٹھ سے کچھ زیادہ بیان کی ہے مگر علاّمہ قسطلانی نے مواہب میں پینتیس وفود کا ذکر کیا ہے۔ [2]

(۱) وفد ہوازن

فتح مکہ کے بعد یہ پہلا وفد ہے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس وقت آپ جعرانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اُس وقت ہوازن کے چودہ آدمیوں کا وفد اپنے مال اور قیدیوں کے چھڑانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا مفصّل قصہ غزوۂ حنین کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس وفد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چچا بھی تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں زہیر بن صُرد سعدی و جشمی اس وفد کے رئیس تھے کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ان قیدیوں میں آپ کی خالائیں اور رضاعی پھوپیاں اور پالنے والیاں ہیں جو کبھی آپ کو چھاتی سے لگاتی تھیں، اگر ہم نے حارث غسانی اور نعمان بن منذر کو دودھ پلایا ہوتا تو ایسی مصیبت کے وقت میں ہم اس سے ضرور اُمید رکھتے اور آپ تو سب سے بہتر اور افضل مکفول ہیں اور یہ شعر پڑھے۔

اُمْنُنْ عَلَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ كَرَمٍ فَاِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوْهُ وَ نَنْتَظِرُ

[1] سورۃ النصر۔ [2] زرقانی، ج:۴، ص:۲

یارسول اللہ۔ اپنے کرم اور مہربانی سے ہم پر احسان فرمائیے۔ بلاشبہ آپ ایسے شخص ہیں جس سے ہم مہربانی اور کرم کے امیدوار اور منتظر ہیں۔

اُمْنُنْ عَلٰی بَیْضَۃٍ قَدْعَا قَھَا قَدَر مُمَزَّقٌ شَمْلُھاَ فِیْ دَھْرِھَا غِیَرٌ

اُس قبیلہ پر احسان فرمائیے کہ جس کی حاجتوں کو قضاء وقدر نے روک دیا ہے۔ تغیرات زمانہ سے اُس کا شیرازہ پراگندہ ہو گیا ہے۔

یَا خَیْرَ طِفْلٍ وَ مَوْلُوْدٍ وَ مُنْتَخَبِ فِی الْعَالَمِیْنَ اِذَا مَا حَصَّلَ الْبَشَرٗ

اے بہترین مولود اور دفاتر عالم کے انتخاب۔

اِنْ لَمْ تُدَارِ کْھُمْ نَعْمَاءُ تَنْشُرُھَا یَا اَرْجَحَ النَّاسِ حِلْماً حِیْنَ یُخْتَبَرٗ

اگر آپ کا انعام واحسان اُن کی خبر گیری نہ کرے گا۔ ہلاک[1] ہو جائیں گے اے وہ ذات کہ جس کا حلم اور بردباری میں سب سے پلّہ بھاری ہے اور امتحان اور آزمائش کے وقت اس کا حلم نمایاں اور ظاہر ہو جاتا ہے ہم پر احسان فرما۔

اُمْنُنْ عَلٰی نِسْوَۃٍ قَدْ کُنْتَ تَرْضَعُھَا اِذْفُوْکَ تَمْلُؤُہٗ مِنْ مَحْضِھَا الدَّرر

ان عورتوں پر احسان فرمائیے جن کا آپ دودھ پیتے تھے اور اُن کے خالص اور بہتے ہوئے دودھ سے آپ اپنے منہ کو بھرتے تھے۔

لَا تَجْعَلَنَّا کَمَنْ شَالَتُ نَعَامَتُہٗ وَاسْتَبْقِ مِنَّا فَاِنَّا مَعْشَر زُھُرٗ

ہم کو اُن لوگوں کے مانند مت کیجیے کہ جن کے قدم اکھڑ گئے ہوں اور اپنے جود و کرم کے شکر و امتنان کو ہمیشہ کیلئے ہم میں باقی چھوڑ یئے ہم شریف گروہ کسی کے احسان کو فراموش نہیں کرتے۔

اِنَّا لَنَشْکُرُ لِلنَّعْمَآءِ اِذْ کُفِرَتُ وَعِنْدَنَا بَعْدَ ھذَا الْیَوْمِ مَدَّخَرٗ

تحقیق ہم انعام اور احسان کے بہت زیادہ مشکور ہوتے ہیں جب کہ لوگ اس کی ناشکری کریں۔

فَالْبِسِ الْعَفْوَ مَنْ قَدْ کُنْتَ تَرْضَعُہٗ مِنْ اُمَّھَاتِکَ اِنَّ الْعَفْوَ مُشْتَھَرٗ

[1] اشارۃ الی ان الجزاء محذوف وھو ہلکوا

پس آپ اُن ماؤں کو جن کا آپ نے دودھ پیا ہے، اپنے دامن عفو میں چھپا لیں تحقیق آپ کا عفو تو مشہور ہے۔

یَاخَیْرَ مَنْ مَرِحَتْ کُمْتُ الْجِیَادِبِہٖ عِنْدَ الْھِیَاجِ اِذَا مَا اسْتُوْقِدَ الشَّرَرٗ

اے وہ ذات کہ جس کی سواری سے کمیت گھوڑے نشاط اور طرب میں آجاتے ہیں جب کہ لڑائی کی آگ دھکائی جائے۔

اِنَّا نُؤَمِّلُ عَفْواً مِنْکَ تُلْبِسُہٗ ھٰذِی الْبَرِیَّۃَ اِذْتَعْفُوا وَ تَنْتَصِرٗ

ہم آپ سے ایسے عفو کی اُمید لگائے ہوئے ہیں جو ان سب کو اپنے اندر چھپالے۔

فَاغْفِرْ عَفَا اللّٰہُ عَمَّا اَنْتَ رَاھِبُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِذْیُھْدیٰ لَکَ الظَّفَرٗ

پس آپ ہم کو معاف کیجیے اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کے اندیشوں سے محفوظ رکھے گا اور آپ کو کامیابی عطا فرمائے گا۔

بعض روایات میں کچھ اشعار اور زیادہ ہیں تفصیل کے لئے الروض الانف ص ۳۰۶ ج ۲۔ اور عیون الاثر ص ۱۹۶ ج ۲۔ اور زرقانی ص ۳ ج ۳ کی مراجعت کیجیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارا بہت انتظار کیا۔ جب تم نہ آئے تب میں نے مال اور اسباب اور تمام قیدی غانمین پر تقسیم کر دیئے، اب دو چیزوں میں سے ایک چیز کو اختیار کرلو۔ مال واسباب لے لو یا اپنے اہل وعیال کو چھڑا لو، وفد نے کہا اہل وعیال ہم کو زیادہ عزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا میرا اور میرے خاندان بنی عبدالمطلب کا جو حصہ ہے وہ تو میں نے تم کو دے دیا باقی جو حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا ہے سو اس بارے میں تمہاری سفارش کروں گا چنانچہ آپ نے سفارش کی سب نے طیب خاطر سے تمام قیدی آزاد کر دیئے دو چار شخصوں نے کچھ تامل کیا آپ نے اُن کا معاوضہ دے دیا اس طرح وفد۔ اپنے چھ ہزار بچوں اور عورتوں کو لے کر واپس ہوا۔

آپ کی سفارش کا مفصل واقعہ غزوۂ حنین کے بیان میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں اس کو مختصر کر دیا۔

(۲) وفد ثقیف

ماہ رمضان المبارک ۹ھ میں ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوا۔

یہ وہی ثقیف ہیں کہ جن سے آپ نے اور آپ کے صحابہ نے محاصرۂ طائف میں شدید تکلیف اٹھائی اور طائف کے قلعہ کو غیر مفتوح چھوڑ کر شکستہ دل مدینہ واپس ہوئے۔

جس وقت آپ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کے لئے بددعا کیجئے ان کے تیروں نے ہم کو جلا ڈالا۔ آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اھد ثقیفا وأت بِھِمْ مُسْلِمِیْنَ (رواہ الترمذی وحسنہ)	اے اللہ قبیلۂ ثقیف کو ہدایت دے اور مسلمان کر کے ان کو میرے پاس بھیج۔

آپ کی دُعا قبول ہوئی اور عروہ بن مسعود ثقفی کی شہادت کے آٹھ مہینہ بعد جب آپ تبوک سے واپس ہوئے، آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، چھ آدمیوں کا وفد عبد یا لیل کی سرکردگی میں مدینہ روانہ ہوا۔ یا تو وہ تمرد اور سرکشی تھی یا یہ جوش اور ولولہ ہے کہ خود بخود بہ ہزار رضاء و رغبت اسلام کا حلقہ بگوش بننے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو رہے ہیں اس لئے مسلمانوں کو ان کی آمد سے بے حد مسرّت ہوئی سب سے پہلے مغیرۃ بن شعبہ نے ان لوگوں کو دیکھا دیکھتے ہی دوڑے کہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو بشارت سناؤں راستہ میں ابوبکر صدیق مل گئے ابوبکر صدیق کو جب علم ہوا تو مغیرہ کو خدا کی قسم دی اور کہا کہ مجھ کو اجازت دو کہ میں جا کر رسول اللہ ﷺ کو یہ بشارت سناؤں مغیرہ نے اجازت دے دی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر آں حضرت کو اس وفد کی آمد کا مژدہ سنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ٹھہرنے کے لئے خاص مسجد نبوی میں ایک خیمہ نصب کرا دیا۔ (تا کہ قرآن کو سُنیں اور نماز اور نمازیوں کو دیکھیں) وفد کی مہمانی اور اُن کی خبر گیری یہ سب خالد بن سعید بن العاص کے سُپرد تھی، جب تک خالد بن سعید اس کھانے میں سے نہ کھا لیتے تھے اس وقت تک وفد کے لوگ وہ کھانا نہ کھاتے تھے اور وفد کو جو کچھ آنحضرت ﷺ سے کہنا ہوتا تھا وہ انہیں کے واسطے سے کہتے تھے۔ چنانچہ وفد نے خالد کے واسطے سے عجیب شرطیں پیش کیں۔

(۱) نماز معاف کردی جائے۔

(۲) لات (جواُن کا بڑا بُت تھا) اس کو تین سال تک نہ توڑا جائے۔ بچے اور عورتیں اس پر بہت مفتون ہیں۔

(۳) ہمارے بُت خود ہمارے ہاتھوں سے نہ تُڑوائے جائیں آپ نے اوّل کی دو شرطوں سے قطعًا انکار کردیا اور یہ فرمایا:

لا خير في دين لا صلاة فيه ‖ اس دین میں کوئی بہتری نہیں جس میں نماز نہ ہو۔

تیسری شرط کی بابت فرمایا یہ ہوسکتا ہے سب نے اسلام قبول کیا اور وطن واپس ہوئے عثمان بن ابی العاص جو اس وفد میں سب سے کمسن تھے ان کو امیر اور حاکم مقرر فرمایا ان کو علم اور قرآن اور اسلامی مسائل کے سیکھنے کا سب سے زیادہ شوق تھا، اس لئے صدیق اکبر کے اشارہ سے آپ نے ان کو امیر مقرر کیا۔ اور انہی کے ہمراہ ابوسفیان بن حرب اور مغیرۃ بن شعبہ کو لات کے منہدم کرنے کے لئے روانہ کیا ابوسفیان کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے مغیرہ نے جا کر بُت پر پھاوڑا مارا ثقیف کی عورتیں برہنہ سر اور برہنہ پا یہ ماجرا دیکھنے کے لئے گھروں سے نکل پڑیں۔ مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بُت کو توڑ ڈالا اور بُت خانہ میں جو مال واسباب اور زیورات تھے وہ سب لے لیئے اوّل اس میں سے عروۃ بن مسعود ثقفی کے بیٹے ابو فلیح اور عروہ کے بھتیجے قارب بن الاسود کا قرض ادا کیا اور جو بچا وہ آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے آپ نے اسی وقت اس کو مسلمانوں میں تقسیم کردیا اور اللہ کا شکر کیا کہ اُس نے اپنے دین کی مدد فرمائی اور اپنے پیغمبر کو عزت دی۔ عروۃ بن مسعود کی شہادت کے بعد جب اہل طائف مسلمان ہوگئے تو وفد ثقیف کی حاضری سے پہلے ابو فلیح بن عروہ اور قارب بن الاسود، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ لات کے بُت خانے سے ہمارے باپ یعنی عروہ اور اسود کا قرضہ ادا کردیا جائے عروہ اور اسود دونوں حقیقی بھائی تھے عروہ تو اسلام لائے اور شہید ہوئے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ابو فلیح عروہ کے بیٹے ہیں اور اسود کافر مرا۔ قارب، اسود کے بیٹے ہیں۔ دونوں نے اپنے اپنے باپ کے قرضہ کی ادائیگی کی درخواست کی آپ نے فرمایا اسود تو مشرک مرا ہے قارب نے عرض کیا یا رسول اللہ

بے شک وہ مشرک مرا ہے مگر قرضہ تو مجھ پر ہے، آپ نے ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ لات کے بت خانہ سے جو مال برآمد ہو اوّل اس سے ابوفلیح اور قارب کا قرض ادا کرنا۔[1]

(۳) وفد بنی عامر بن صعصعہ

تبوک سے واپسی کے بعد بنو عامر بن صعصعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں عامر بن طفیل اور اربد بن قیس بھی تھے، سلسلۂ کلام میں ان لوگوں نے آپ سے ان لفظوں میں خطاب کیا۔ انت سیّدنا آپ ہمارے سردار ہیں، آپ نے فرمایا اپنی بات کہو شیطان تمہارے ساتھ مسخرہ پن نہ کرے۔ سردار صرف اللہ ہے ظاہر میں یہ تملق اختیار کیا اور درپردہ عامر نے اربد کو سمجھا دیا کہ میں، جب آپ کو باتوں میں لگالوں تو تم فوراً تلوار سے آپ کا کام تمام کر دینا عامر نے آپ سے گفتگو شروع کی، اے محمد مجھ کو آپ اپنا مخلص دوست بنا لیجئے آپ نے فرمایا ہرگز نہیں جب تک تو ایک خدا پر ایمان نہ لائے، عامر نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھ کو کیا عطا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا اسلام لانے کے بعد تیرے وہی حقوق اور احکام ہوں گے جو تمام مسلمانوں کے ہیں۔ عامر نے کہا آپ اپنے بعد حکومت اور خلافت مجھ کو عطا کر دیں۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں عامر نے کہا اچھا اہل بادیہ پر آپ حکومت کریں شہر اور آبادی کی حکومت میرے لیے چھوڑ دیں۔ ورنہ میں غطفان کو لے کر آپ پر چڑھائی کروں گا۔ اور مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں گا آپ نے فرمایا اللہ تجھ کو قدرت نہیں دے گا۔ گفتگو ختم ہوئی جب دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے تو آپ نے دعا فرمائی اے اللہ عامر بن طفیل کے شر سے مجھ کو بچا۔ اور اس کی قوم کو ہدایت دے جب باہر آئے تو عامر نے اربد سے کہا افسوس میں تیرا منتظر رہا مگر تو نے جنبش بھی نہ کی اربد نے کہا میں نے جب کبھی تلوار سونتنے کا ارادہ کیا تو کوئی نہ کوئی چیز درمیان میں حائل نظر آئی۔ ایک مرتبہ آہنی دیوار نظر آئی اور ایک مرتبہ ایک اونٹ نظر آیا جو میرے سر کو نگل جانا چاہتا ہے۔

جب یہ وفد آپ کے پاس سے واپس ہوا تو عامر بن طفیل تو راستہ میں بعارضۂ طاعون ہلاک ہوا عرب میں چونکہ بستر پر مرنا عار سمجھا جاتا ہے، اس لئے عامر نے کہا مجھ کو گھوڑے پر

[1] زرقانی، ج:۴، ص:۶۔۹۔

بٹھلا دو گھوڑے پر سوار ہوا اور نیزہ ہاتھ میں لیا۔ اور یہ الفاظ کہے یا ملک الموت ابرزلی اے موت کے فرشتے میرے سامنے آ یہ کہتا کہتا گھوڑے سے گر پڑا، اسی مقام پر اس کو دفن کر دیا گیا۔ جب وفد سرزمین بنی عامر میں پہنچا تو لوگوں نے اربد سے حالات دریافت کیئے۔ اربد نے کہا آپ کا دین ہیچ ہے۔ خدا کی قسم وہ شخص (اشارہ سوئے آں حضرت ﷺ) اگر اس وقت میرے سامنے ہو تو تیروں سے اس کو قتل کر کے چھوڑوں۔ دو دن نہ گزرے تھے کہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا۔ فوراً ہی آسمان سے اس پر ایک بجلی گری جس سے وہ داخل فی النار والسقر ہوا۔ عامر اور اربد یہ دونوں بدنصیب دولتِ اسلام سے محروم واپس ہوئے اور وفد کے باقی اکثر افراد دولت اسلام سے مالا مال ہو کر واپس ہوئے۔ ۱

(۴) وفد عبد القیس

یہ بہت بڑا قبیلہ تھا۔ بحرین کا باشندہ تھا اس قبیلہ کا وفد دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، پہلا وفد فتح مکہ سے بھی پہلے آیا پیشتر ۵ھ یا اس سے بھی پہلے حاضر ہوا اس مرتبہ وفد میں تیرہ چودہ آدمی تھے آپ نے فرمایا۔

مرحبا بالقوم غیر خزایا ولا ندامی | مرحبا ہے اس قوم کو جو نہ رسوا ہوئے اور نہ شرمندہ یعنی خوشی سے مسلمان ہو گئے لڑ کر مسلمان نہیں ہوئے جس سے ان کو ذلت یا ندامت ہوتی۔

وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے اور آپ کے مابین قبیلہ مضر کے مشرکین حائل ہیں صرف اشہر حُرم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں، جن مہینوں میں عرب لوٹ مار کو حرام جانتے ہیں اس لئے آپ ہم کو کوئی ایسا جامع اور مختصر عمل بتلا دیجئے کہ اُس کے کرنے سے ہم جنت میں داخل ہو سکیں اور اہل شہر کو بھی اسی کو دعوت دیں، آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لاؤ اور گواہی دو کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ اللہ کے لئے ادا کرو اور چار برتنوں میں نبیذ بھگونے سے منع فرمادیا۔ دباء ۲ اور نقیر اور حنتم اور مزفت۔

---

۱ زاد المعاد۔ ج:۳، ص:۲۹ ۲ دباء کدو کا تونبا۔ نقیر کھدی ہوئی لکڑی کا برتن اور حنتم سبز لاکھی گھڑیا۔ مزفت روغنی برتن۔

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے مسند احمد اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جب یہ وفد مدینہ پہنچا تو دیدار نبوی کے شوق میں یہ لوگ سواریوں سے کود پڑے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دستِ مبارک کو بوسہ دیا، اسی وفد میں اشج عبدالقیس بھی تھے جن کا نام منذر ہے یہ سب سے کم عمر تھے، انہوں نے اول تمام اونٹ بٹھلائے اور سب کا سامان ایک جگہ لگایا۔ پھر اپنے بُقچہ میں سے دو سفید دھلے ہوئے کپڑے نکالے وہ پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا آپ نے فرمایا تجھ میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتا ہے ایک حلم اور دوسرے وقار و تمکنت۔ اشج نے عرض کیا یارسول اللہ یہ دونوں خصلتیں مجھ میں بطور تصنع ہیں یا فطری اور جبلی ہیں آپ نے فرمایا بلکہ اللہ نے تجھ کو پیدا ہی ان خصلتوں پر کیا ہے اشج نے کہا۔ الحمد للّٰہ الذی جَبَلَنِیْ علی خلتین یحبهما اللّٰہ و رسوله۔ حمد ہے اُس ذات پاک کی جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا کیا جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

یہ پہلی مرتبہ کا بیان تھا دوسری مرتبہ وفد عبدالقیس ۸ھ یا ۹ھ میں حاضر خدمت ہوا اس وقت وفد میں چالیس آدمی تھے۔ صحیح ابن حبان کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس وقت یہ فرمایا۔

مالی اری الوانکم تغیرت	کیا ہوا کہ تمہاری رنگتوں کو بدلا ہوا دیکھتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ پہلے بھی آئے تھے[1]

(۵) وفد بنی حنیفہ ۹ھ

بنی حنیفہ کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں مشہور چالاک اور فتنہ پرداز مسیلمۂ کذاب[2] بھی تھا یہ وفد ۹ھ میں آیا مگر مسیلمہ مغرور تکبر کی وجہ سے حاضر بارگاہ نہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اُس کے پاس تشریف لے گئے اور ثابت بن قیس بن شماس آپ کے

[1] فتح الباری۔ ج:۸،ص:۶۷، زرقانی، ج:۴،ص:۱۳ [2] یہاں سے واپس جانے کے بعد مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے یہ جھوٹ بولا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنا شریک کرلیا ہے ۱۲۔ ابن ہشام۔

ہمراہ تھے۔ مسیلمہ نے کہا اگر آپ مجھ کو اپنی خلافت عطا فرمائیں اور اپنے بعد مجھ کو اپنا قائم مقام مقرر کریں تو میں بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں حضور پُرنور کے دست مبارک میں اس وقت کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ آپ نے فرمایا اگر تو یہ چھڑی بھی مانگے گا تو نہ دوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جو مقدر فرما دیا ہے تو اس سے سرمو تجاوز نہیں کر سکے گا اور غالباً تو وہی ہے جو مجھ کو خواب میں دکھلایا گیا ہے اور یہ ثابت بن قیس ہیں تجھ کو جواب دیں گے یہ کہہ کر آپ واپس تشریف لے آئے ابن عباس فرماتے ہیں میں نے ابوہریرہ سے دریافت کیا کہ آپ کو کیا خواب دکھلایا گیا۔ ابوہریرہ نے کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن لا کر رکھے گئے جس سے میں گھبرایا خواب ہی میں مجھ سے یہ کہا گیا کہ ان میں پھونک مارو میں نے پھونک ماردی وہ فوراً اُڑ گئے جس کی تعبیر یہ ہے کہ دو کذاب ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ ان دو میں سے ایک کذاب مسیلمہ ہوا اور دوسرا اسود عنسی [1] اسود عنسی آپ ہی کی زندگی میں قتل ہوا اور دوسرا کذاب یعنی مسیلمہ صدیق اکبر کے عہد خلافت میں قتل ہوا۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(فتح الباری باب وفد بنی حنیفہ ص ۷۰ ج ۸ و زرقانی ص ۱۹ ج ۴)

---

[1] اسود عنسی سود اللہ وجہہ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو آپ نے فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مع چند سواروں کے اُس کے قتل کے لئے روانہ فرمایا مرض الوفات میں اُس کے قتل کی خبر پہنچی۔ عبدالرحمٰن ثمالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارہ میں یہ اشعار کہے۔

لَعَمْرِیْ وَمَا عَمْرِیْ عَلَیَّ بِهَیِّنٍ لَقَدْ جَزِعَتْ عَنْسٌ لِقَتْلِ الْاَسْوَدِ

قسم ہے میری زندگی کی (اور میری قسم معمولی قسم نہیں) قبیلہ عنس اسود عنسی کے قتل سے گھبرا اٹھا۔

وَقال رسول اللّٰهِ سِیْرُوْا لِقَتْلِهٖ عَلیٰ خَیْرِ موعود واسْعَدِ اَسْعُدٍ [2]

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اُس کے قتل کے لئے جاؤ اور بہترین وعدہ اور خوش نصیبی کی بشارت دی۔

فسرنا الیه فی فوارس بُهمَةٍ علیٰ حین امر من وصاة محمد

پس ہم چند سوار اُس کے قتل کے لئے روانہ ہوگئے تاکہ آپ کے حکم اور وصیت کی تعمیل ہو۔ حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ ص ۳۱۳۔ عروہ کہتے ہیں کہ اسود عنسی۔ آں حضرت کی وفات سے ایک دن اور ایک رات قبل مارا گیا۔ اسی وقت آپ کو بذریعہ وحی کے اس کی خبر دی گئی آپ نے صحابہ کو اس سے مطلع کیا۔ اس کے بعد جب ابوبکر صدیق خلیفہ ہوگئے تب قاصد خبر لے کر آیا اور بعض کہتے ہیں کہ آپ کے دفن کے روز قاصد خبر لے کر آیا۔ (فتح الباری ص ۷۳ ج ۸ قصۃ الاسود العنسی۔)

[2] اسعد الاوّل افعل التفضیل والثانی جمع سعد بمعنی الیمن ضد النحس ۱۲

پھر ۱۰ھ میں مسیلمۂ کذاب نے آپ کے پاس خط بھیجا جس کا یہ مضمون تھا۔

من مسيلمة رسول الله الى محمد رسُوْل الله اما بعد فانى قد اشركت معك فى الْاَمروان لنا نصف الْاَرض وَلِقريش نصفها ولكن قريشا لا ينصفون وَالسَّلام	مسیلمہ خدا کے رسول کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف پس میں تیرے ساتھ کام میں شریک کر دیا گیا ہوں نصف زمین ہمارے لیے اور نصف قریش کیلیے مگر قریش کیلئے مگر قریش انصاف نہیں کرتے، والسلام۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ جواب لکھوایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ من محمد رسول اللّٰه الى مسيلمة الكذاب اما بعد فَالسلام على من اتبع الهدىٰ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ والعاقبة للمتَّقِيْنَ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمۂ کذاب کی طرف، سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے تحقیق زمین اللہ کی ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے عطا فرمائے اور اچھا انجام خدا سے ڈرنے والوں کا ہے۔

یہ واقعہ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد کا ہے[1]

(۶) وفدِ طے

قبیلۂ طے کا وفد جس میں پندرہ آدمی تھے۔ حاضر خدمت ہوا ان کا سردار زید الخیل تھا آپ نے اسلام پیش کیا سب نے طیب خاطر سے اسلام قبول کیا اور زید الخیل کا نام زید الخیر رکھا اور یہ فرمایا کہ عرب میں سے جس شخص کی میں نے تعریف سنی اس کو اُس سے کم ہی پایا سوائے تیرے۔[2]

۱؎ ابن اثیر۔ ج:۲، ص:۱۴۵۔ ۲؎ عیون الاثر۔ ج:۲، ص:۲۳۶

(۷) وفدِ کندہ

کندہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے ۱۰ھ میں اسّی سواروں کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ان کا سردار اشعث [۱] بن قیس تھا جب یہ لوگ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو جبّے پہنے ہوئے تھے جن کا سنجاف ریشم کا تھا، آپ نے فرمایا کیا تم مسلمان نہیں۔ انھوں نے عرض کیا کیوں نہیں بلا شبہ ہم مسلمان ہیں آپ نے فرمایا پھر تمہاری گردنوں میں یہ ریشم کیسا، انہوں نے اسی وقت ان کپڑوں کو پھاڑ کر پھینک دیا۔

مسئلہ: سنجاف اگر قلیل مقدار میں ہو مثلاً چار انگشت تو اس کا استعمال جائز ہے خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم سے اس کا پہننا ثابت ہے۔ غالباً اس مقام پر سنجاف حد سے متجاوز ہوگا اس لئے ممانعت فرمائی۔ [۲]

(۸) وفد اشعریین ۷ھ

اشعریین یمن کا ایک معزز اور بہت بڑا قبیلہ ہے جو اپنے جد امجد اشعر کی طرف منسوب ہے۔ اشعر کو اشعر اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے بدن پر بال بکثرت تھے اور اَشْعَر صیغۂ صفت ہے شعر (بمعنی بال سے) مشتق ہے جس کے معنی کثیر الشعر کے ہیں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ کے ہیں یہ لوگ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ یہ رجز پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔

غدا نلقی الاحبہ	محمد او حزبہ
کل دوستوں سے جا ملیں گے	یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے گروہ سے

اِدھر آپ نے صحابہ کو خبر دی کہ ایک جماعت آ رہی ہے جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہے، چنانچہ اشعریین کا وفد آپ کی خدمت میں پہنچا آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اہل یمن آ گئے۔ جن کے دل نہایت رقیق اور نرم ہیں۔ (یعنی قساوت سے بالکلیہ پاک ہیں، فوراً حق کو قبول کرتے ہیں سنگ و خشت نہیں کہ کسی موعظت و حکمت کا ان پر اثر نہ

[۱] اشعث بن قیس آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے مگر ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر تائب ہوئے اور جنگ قادسیہ اور مدائن اور جلولاء اور نہاوند میں شریک رہے ۴۰ھ یا ۴۲ھ میں کوفہ میں انتقال کیا۔ عیون الاثر ص ۲۴۲

[۲] زاد المعاد۔ ج: ۳، ص: ۳۴

ہو، یہی وجہ ہے کہ) ایمان یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی ہے۔ (یعنی ان کی رقت قلب اور نرم دلی کا یہ ثمرہ ہے کہ ان کے قلوب ایمان و عرفان کے معدن اور علم و حکمت کے سرچشمہ ہیں) نبی امی فداہ نفسی وابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم و شرف و کرم نے سچ فرمایا۔ رقت قلب ہی تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے اور قساوت قلب ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ (نعوذ باللہ من القسوۃ، آمین)

چونکہ اہل یمن اکثر بکریاں رکھتے ہیں اس لئے آگے ارشاد فرمایا سکون اور اطمینان وقار اور تواضع بکریوں والوں میں ہے اور فخر اور خُیَلاء یعنی اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ اونٹ والوں میں ہے اور مشرق کی جانب اشارہ فرمایا۔

وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس لئے حاضر خدمت ہوئے ہیں کہ تفقہ فی الدین حاصل کریں اور تکوین عالم کی ابتداء اور آغاز کو دریافت کریں آپ نے فرمایا سب سے پہلے خدا تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا (یعنی تکوین[1] عالم کی ابتداء پانی اور عرش سے ہوئی اوّل پانی پیدا کیا اور پھر عرش) پھر آسمان وزمین کو پیدا کیا اور ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھدیا۔

نکتہ: ابن عساکر فرماتے ہیں۔ توحید اور اصول دین اور حدوث عالم میں کلام کرنا اور مسائل کلامیہ کی تحقیق و تدقیق خاندان اشعریین میں نسلاً بعد نسل جاری رہی حتیٰ کہ امام ابو الحسن اشعری (جو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں) میں یہ چیز خوب ظاہر اور نمایاں ہوئی اور علم کلام میں اہلِ سنّت والجماعۃ کے بلا کلام پیشوا اور امام مانے گئے۔[2]

(۹) وفد ازد

قبیلۂ ازد کے پندرہ آدمیوں کا وفد جس میں صُرَد بن عبداللہ ازدی بھی تھے حاضر بارگاہ رسالت ہوکر مشرف باسلام ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرد بن عبداللہ کو ان پر امیر مقرر کیا اور گردونواح کے مشرکین سے جہاد کا حکم دیا۔ صرد نے مسلمانوں کی ایک جمعیت ساتھ لے کر شہر جرش کا محاصرہ کیا اسی حالت میں جب ایک مہینہ گزر گیا اور شہر فتح نہ ہوا تو صُرد بن عبداللہ محاصرہ چھوڑ کر واپس ہوئے اہل جرش ان کی واپسی کو ہزیمت اور شکست خیال کر کے ان کے تعاقب میں نکلے۔ جب جبل شکر پر پہنچے تو مسلمانوں نے پلٹ کر ان پر حملہ کر دیا جس سے اہل جرش کو شکست ہوئی۔

---

[1] اس مسئلہ کی اگر مزید تفصیل درکار ہے تو بخاری اور فتح الباری باب بدء الخلق اور البدایۃ والنہایۃ للحافظ ابن کثیر کی پہلی جلد کی مراجعت کریں ۱۲ منہ عفا عنہ۔

[2] فتح الباری۔ ج:۸، ص:۷۵

اہل جرش اس سے پیشتر دو شخص تحقیق حال کے لئے مدینہ بھیج چکے تھے آپ نے ان لوگوں کو جبل شکر کے واقعہ کی اسی روز اطلاع دی جس روز یہ واقعہ پیش آ رہا تھا جب یہ لوگ واپس ہوئے اور اپنی قوم سے تمام واقعہ بیان کیا تو قوم جرش کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوئے۔[۱]

(۱۰) وفد بنی الحارث

بنی الحارث نجران کا ایک معزز خاندان تھا ماہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو ان لوگوں کے پاس بھیجا کہ تین روز تک دعوتِ اسلام دیں اس کے بعد بھی اگر نہ مانیں تو مقاتلہ کریں ان لوگوں نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ خالد بن ولید نے اطراف و جوانب میں بھی مبلغین اسلام بھیج دیئے ہر جگہ لوگوں نے بغیر کسی مزاحمت کے دعوت اسلام کو قبول کیا۔ خالد بن ولید نے یہ خوشخبری لکھ کر آپ کی خدمت میں روانہ کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو لکھوا کر بھیجا کہ ان کا ایک وفد لے کر یہاں آ ؤ چنانچہ خالد بن ولید اُن کا ایک وفد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں قیس بن حصین اور یزید بن محجل اور شداد بن عبداللہ بھی تھے جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے یہ فرمایا:

من هؤلاء القوم الذين كانهم رجال الهند	یہ کون لوگ ہیں گویا کہ ہندوستان کے آدمی ہیں۔

عرض کیا ہم بنوالحارث ہیں گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں چونکہ یہ لوگ بڑے بہادر تھے مقابل پر ہمیشہ غالب رہتے تھے، اس لئے آپ نے ان سے دریافت فرمایا تم کس بناء پر لوگوں پر غالب رہتے ہو، بولے کہ ہم ہمیشہ متفق رہتے ہیں آپس میں اختلاف نہیں کرتے اور نہ آپس میں ایک دوسرے پر حسد کرتے ہیں اور کسی پر ابتداءً ظلم نہیں کرتے سختی اور تنگی کے وقت صبر کرتے ہیں، آپ نے فرمایا سچ کہتے ہو اور قیس بن حصین کو ان پر امیر مقرر کیا۔ اور ان کے جانے کے بعد عمرو بن حزم کو تعلیم دین

[۱] زرقانی ج:۴ ص:۳۲

اور صدقات وصول کرنے کے لئے ان کی طرف روانہ کیا۔ اور کتاب الصدقات یعنی ایک تحریر جس میں صدقات وزکوٰۃ کے احکام تھے لکھوا کر ان کو مرحمت فرمائی۔
یہ وفد ماہ شوال یا ذی قعدہ میں اپنی قوم کی طرف واپس ہوا واپسی کے بعد چار مہینے نہ گزرے تھے کہ آں حضرت ﷺ اس عالم سے رحلت فرما گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون[۱]

(۱۱) وفد ہَمدَان

ہمدان یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے، آں حضرت ﷺ نے اوّل خالد بن ولید کو بغرض دعوت اسلام ان کی طرف بھیجا چھ ماہ ٹھہرے رہے مگر کسی نے اسلام قبول نہ کیا بعد ازاں آپ نے حضرت علی کو والا نامہ دے کر روانہ کیا اور یہ فرمایا کہ خالد کو واپس بھیج دینا حضرت علی نے جا کر سب کو جمع کیا اور آپ کا والا نامہ سنایا اور دعوت اسلام دی ایک ہی دن میں تمام لوگ مسلمان ہو گئے حضرت علی نے بذریعہ تحریر کے اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور جوش مسرت میں کئی بار یہ فرمایا **السلام علی ھمدان**
(رواہ البیہقی عن البراء بن عازب باسناد صحیح)

یہ ۸ھ کا واقعہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف سے واپس ہوئے اس کے ایک سال بعد جب آں حضرت ﷺ تبوک سے واپس آئے تو عین اسی زمانہ میں ہمدان کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا یمن کی منقش چادریں اوڑھے ہوئے اور عدن کے عمامے باندھے ہوئے اور مہری اونٹوں پر سوار اس شان سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ آپ سے گفتگو کی آپ سے جو درخواست کی آپ نے اس کو منظور کیا اور ایک تحریر لکھوا کر دی اور مالک بن النمط کو جو اس وفد کے ارکان میں سے تھے ان کو وہاں کے مسلمانوں پر امیر مقرر کیا۔ یہ ابنِ ہشام کی روایت ہے اور سند اس کی ضعیف ہے۔ حسن بن یعقوب ہمدانی نے ذکر کیا ہے کہ اس وفد میں ایک سو بیس آدمی تھے واللہ اعلم[۲]

(۱۲) وفد مُزَینہ

۵ھ میں قبیلۂ مزینہ کے چار سو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام

[۱] زرقانی ص ۳۳ ج ۴ (ابن ہشام) [۲] زرقانی۔ ج: ۴، ص: ۳۴، ۲۷۰

ہوئے، چلتے وقت آپ سے درخواست کی کہ ہمارے پاس کھانے کا سامان نہیں کچھ زادراہ ہم کو عطا فرمایئے آپ نے حضرت عمر سے فرمایا ان کو زادراہ دے دو، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس بہت تھوڑی کھجوریں ہیں۔ان کے لئے کافی نہیں ہوسکتیں، آپ نے فرمایا جاؤ ان کو توشہ دے دو۔ حضرت عمران کو اپنے گھر لے گئے سب نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں لے لیں اور اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی (رواہ احمد وطبرانی والبیہقی)

کثیر بن عبداللہ المزنی اپنے باپ سے اور وہ ان کے جد سے راوی ہیں کہ سب سے پہلا وفد جو آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مزینہ کا وفد ہے کہ جس میں چار سو آدمی قبیلہ کے آئے حافظ عراقی الفیۃ السیر میں فرماتے ہیں۔

اَوَّلُ وَفْدٍ وَفَدُ والْمَدِیْنَہْ سَنَۃَ خَمْسٍ وَفَدُوْا مُزَیْنَہ

سب سے پہلا وفد جو مدینہ آیا وہ قبیلہ مزینہ کا وفد ہے جو ۵ھ میں آیا۔[۱]

(۱۳) وفد دوس

۷ھ میں قبیلہ دوس کے ستر اسی آدمی فتح خیبر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے مفصل واقعہ طفیل بن عمرو دوسی کے اسلام کے بیان میں گزر چکا ہے اور زرقانی ص ۳۷ ج ۴ مراجعت کی جائے۔

(۱۴) وفد نصارائے نجران

نجران۔ یمن میں ایک بہت بڑا شہر ہے مکہ مکرمہ سے سات منزل کے فاصلہ پر ہے تہتر قصبے اور گاؤں اس کے تابع اور ملحق ہیں سب سے پہلے نجران بن زید بن یشجب بن یعرب بن قحطان یہاں آکر آباد ہوئے اس لئے اُس کے نام سے یہ شہر موسوم ہوا۔ وہ اُخدود جس کا ذکر بروج میں ہے۔ وہ علاقہ نجران ہی کے کسی قصبہ یا گاؤں میں تھی۔[۲]

۹ھ میں[۳] نصارائے نجران کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا جس میں میں ساٹھ آدمی تھے ان میں سے چودہ آدمی ان کے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے رئیس الوفد اور

---

۱ زرقانی۔ ج:۴، ص:۳۴، ۳۷۔ ۲ شرح مواہب۔ ج:۴، ص:۴۱۔ ۳ کما ذکر ابن اسعد انہم وفدوا علی النبی ﷺ فی سنۃ تسع وسماہم۔ فتح الباری باب مناقب ابی عبیدۃ بن الجراح ص ۷۴ ج ۷

امیر قافلہ عبدالمسیح عاقب تھا[۱] اور سید ایہم[۲] بمنزلہ وزیر و مشیر اور منتظم قافلہ تھا اور اُن کا پیر پادری جس کو حَبر اور اسقف کہتے تھے وہ ابو حارثہ بن علقمہ تھا۔ ابو حارثہ اصل میں عرب تھا قبیلۂ بکر بن وائل سے تھا، عیسائی بن گیا تھا شاہان روم اس کے علم و فضل اور مذہبی صلابت اور دینی پختگی کی وجہ سے بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور بڑی بڑی جاگیریں دے رکھی تھیں اور گرجا کا امام مقرر کر رکھا تھا۔ یہ وفد بڑی آن بان کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی میں اتارا عصر کی نماز ہو چکی تھی کچھ دیر بعد جب ان لوگوں کی نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے اپنی نماز پڑھنی چاہی۔ صحابہ نے روکا مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑھنے دو چنانچہ مشرق کی طرف منہ کر کے ان لوگوں نے نماز پڑھی۔ دوران قیام میں مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی۔ (فتح الباری قصۂ اہل نجران ص ۷۳ ج ۸ و شرح المواہب ص ۴۱ ج ۴)

سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور ابنیت کے بارے میں مباحثہ اور مکالمہ شروع ہوا

(نصارائے نجران) اگر حضرت مسیح علیہ السلام ابن اللہ یعنی خدا کے بیٹے نہیں تو ان کا باپ کون ہے۔

(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو خوب معلوم ہے کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔

(نصارائے نجران) کیوں نہیں بے شک ایسا ہی ہوتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ تو خدا کے مماثل اور مشابہ ہونے چاہئیں حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ بے مثل اور بے چون و چگوں ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہمارا پروردگار حَیٌّ لَایَمُوْتُ ہے یعنی زندہ ہے کبھی اس پر موت نہیں آسکتی ہے۔ وان عیسی یاتی علیه الفناء اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت اور فنا آنے والی ہے۔

تنبیہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے کہ (ان عیسی یاتی علیه الفناء) صاف ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں مرے نہیں، زمانہ آئندہ میں ان پر موت اور فنا

[۱] عبدالمسیح نام ہے اور عاقب لقب ہے، ۱۲۔ ایہم نام ہے اور سید لقب ہے ۱۲۔ [۲] شرح مواہب۔ ج:۴، ص:۴۱

آئے گی۔ ورنہ نصاریٰ کے عقیدہ کے مطابق یہ الزامی جواب دیا جا سکتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام تمہارے زعم اور عقیدہ کے مطابق مقتول و مصلوب ہو چکے ہیں لہٰذا وہ خدا کیسے ہوئے کیا خدا بھی مقتول و مصلوب ہو سکتا ہے مگر چونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی زبان مبارک سے کوئی کلمہ اور کوئی حرف خلاف حق اور خلاف واقع نہیں نکل سکتا اس لئے جواب میں وہی ارشاد فرمایا جو بالکل حق اور واقعہ کے مطابق تھا کہ ان عیسیٰ یأتی علیه الفناء کہ عیسیٰ علیہ السلام پر زمانہ آئندہ میں موت آئے گی اور ابھی تک ان پر موت نہیں آئی بلکہ زندہ ہیں۔

(آں حضرت ﷺ) تم کو معلوم ہے کہ ہمارا پروردگار ہر چیز کا قائم رکھنے والا تمام عالم کا محافظ اور نگہبان اور سب کا رازق ہے کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے کسی چیز کے مالک ہیں

(نصارائے نجران) نہیں۔

(آں حضرت ﷺ) تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آسمان اور زمین میں کوئی شئ پوشیدہ نہیں کیا عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے کچھ زائد معلوم ہے جو ان کو خدا تعالیٰ نے بتلا دیا ہے۔

(نصارائے نجران) بے شک۔

(آں حضرت ﷺ) تم کو خوب معلوم ہے کہ حضرت مریم اور عورتوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں اور مریم صدیقہ نے ان کو اسی طرح جنا جس طرح عورتیں بچوں کو جنتی ہیں اور پھر بچوں ہی کی طرح ان کو غذا بھی دی گئی۔ وہ کھاتے پیتے بھی تھے اور بول و براز بھی کرتے تھے۔

(نصارائے نجران) بے شک ایسا ہی تھا۔

(آں حضرت ﷺ) پھر خدا کیسے ہوئے۔

یعنی جن کی تخلیق اور تصویر رحم مادر میں ہوئی ہو اور ولادت کے بعد وہ غذا کا محتاج ہو اور بول و براز کی حاجت اس کو لاحق ہوتی ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

نصارائے نجران پر حق واضح ہو گیا مگر دیدہ دانستہ اتباع حق سے انکار کیا۔ اللہ عز و جل نے اس بارہ میں آیتیں نازل فرمائیں۔

(تنبیہ): وفد نجران کا مفصل واقعہ حافظ ابن تیمیہ نے الجواب الصحیح ص:۵۵ ج ا تا ص:۶۶ ج:ا میں ذکر کیا ہے حضرات اہل علم اس کی مراجعت کریں ۱۲۔

الٓمّٓ ۝ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰیۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝ ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ [1]

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ ہے اور سارے عالم کی حیات اور وجود کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہے اس نے آپ پر ایک کتاب حق کے ساتھ نازل کی جو تمام کتب سابقہ کی تصدیق کرنے والی ہے اور قرآن سے پہلے اس نے توریت اور انجیل لوگوں کی ہدایت کیلئے اتاری اور اس نے معجزات بھی اتارے تحقیق جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اُن کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور بدلہ لینے والا ہے۔ تحقیق اللہ پر آسمان اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہی ہے کہ جو رحم مادر میں تمہاری صورتیں اور شکلیں بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

یہ تمام مباحثہ تفسیر درمنثور ص ۲ ج ۲ بحوالۂ ابن جریر و ابن ابی حاتم مفصل مذکور ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصارائے نجران پر اسلام پیش کیا انہوں نے کہا ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں آپ نے فرمایا تمہارا اسلام کیسے صحیح ہوسکتا ہے جب کہ تم خدا کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہو اور صلیب کی پرستش کرتے ہو۔ اور خنزیر کھاتے ہو نصارائے نجران نے کہا آپ حضرت مسیح کو اللہ کا بندہ بتلاتے ہیں کیا آپ نے حضرت مسیح جیسا کسی کو دیکھا یا سنا بھی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ

تحقیق عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی طرح ہے کہ مٹی سے ان کو پیدا کیا پھر کہا کہ ہوجا سو ہوگیا یہ بات اللہ کی طرف سے

[1] آیۃ ۱۔۶

رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝[1]

حق ہے پس شک کرنیوالوں میں سے مت ہونا پس اس علم اور حقیقت کے بعد بھی آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کوئی جھگڑا کرے تو یہ کہہ دیجئے کہ آؤ بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو اور مباہلہ کریں یعنی اللہ سے عجز وزاری کے ساتھ دعا مانگیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

مباھلہ

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ مباہلہ کے لئے تیار ہو گئے اور اگلے روز امام حسن اور امام حسین اور حضرت سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہراءؓ اور حضرت علی کو اپنے ہمراہ لے کر باہر تشریف لے آئے۔ نصارائے نجران اِن مبارک اور نورانی چہروں کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور آپ سے مہلت مانگی کہ ہم آپس میں مشورہ کرلیں اس کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوں گے۔ علیحدہ جا کر آپس میں مشورے کرنے لگے۔ سید ایہم نے عاقب عبدالمسیح سے کہا خدا کی قسم تم کو خوب معلوم ہے کہ یہ شخص نبی مرسل ہے تم نے اگر اس سے مباہلہ کیا تو بالکل ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے۔ خدا کی قسم میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ پہاڑ کے ٹلنے کی بھی دعا مانگیں تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں، خدا کی قسم تم نے ان کی نبوّت اور پیغمبری کو خوب پہچان لیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل قول فیصل ہے خدا کی قسم کسی قوم نے کبھی کسی نبی سے مباہلہ نہیں کیا مگر ہلاک ہوئے لہٰذا تم مباہلہ کر کے اپنے کو ہلاک مت کرو تم اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو صلح کر کے واپس ہو جاؤ۔ بالآخر انہوں نے مباہلہ سے گریز کیا اور سالانہ جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ

[1] آلِ عمران۔ آیۃ: ۵۹۔ ۶۱

نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عذاب اہل نجران کے سروں پر آ گیا تھا۔ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو بندر اور سور بنا دیئے جاتے اور تمام وادی آگ بن کر اُن پر برستی اور تمام اہلِ نجران ہلاک ہو جاتے۔ حتیٰ کہ درختوں پر کوئی پرندہ بھی باقی نہ رہتا۔[1]

دوسرے روز آں حضرت ﷺ نے ایک عہد نامہ تحریر کرایا۔ جس کا حاصل یہ تھا۔

(۱)۔ اہلِ نجران کو سالانہ دو ہزار حلہ ادا کرنے ہوں گے، ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں اور ہر حلہ کی قیمت ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم ہوگی۔

(۲)۔ اہلِ نجران پر آپ کے قاصد کی ایک مہینہ تک مہمانی لازم ہوگی۔

(۳)۔ یمن میں اگر کوئی شورش یا فتنہ پیش آ جائے تو اہل نجران پر تیس زرہیں اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریۃً (مانگے) دینے ہوں گے جو بعد میں واپس کر دیئے جائیں گے اور اگر کوئی شئے گم یا ضائع ہوگی تو اس کا ضمان ہم پر ہوگا۔

(۴)۔ اللہ اور اس کا رسول ان کے جان و مال کی حفاظت کا ذمّہ دار ہے، ان کے اموال و املاک ان کی زمین و جائداد اُن کے حقوق اُن کے مذہب اور ملّت اور اُن کے قسیس اور راہب اور ان کے خاندان اور ان کے متبعین میں کوئی تغیر اور تبدّل نہ ہوگا جاہلیت کے کسی خون کا ان سے مطالبہ نہ ہوگا۔ ان کی سرزمین میں کوئی لشکر داخل نہ ہوگا۔

(۵)۔ جو شخص ان سے حق کا مطالبہ کرے گا تو ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔

(۶)۔ جو شخص سود کھائے گا تو میرا ذمّہ اس سے بری ہے۔

(۷)۔ اگر کوئی شخص ظلم اور زیادتی کرے گا تو اس کے بدلہ میں دوسرا شخص ماخوذ نہ ہوگا۔

یہ اللہ اور اُس کے رسول کا ذمّہ ہے جب تک وہ اس پر قائم رہیں ابوسفیان بن حرب اور غیلان بن عمرو اور مالک بن عوف اور اقرع بن حابس اور مغیرۃ بن شعبہ نے اس عہد نامہ پر دستخط کئے۔[2]

نصارائے نجران یہ عہد نامہ لے کر واپس ہوئے اور چلتے وقت آپ سے یہ درخواست کی کہ کسی امانت دار شخص کو آپ ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ وہ ہم سے مال صلح لے کر واپس

---

[1] شرح مواہب، ج:۴، ص:۴۳ [2] زاد المعاد ص۴۰ ج ۳ اور ہدایت الحیاری فی رد الیہود والنصاریٰ ص ۴۴ میں یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے اور محمد بن اسحٰق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نجران سے آتے وقت پیش آیا اور اصابہ ص ۲۹۲ ج ۳ ترجمہ کرز بن علقمہ نجرانی میں بھی محمد اسحٰق کی روایت کے مطابق مذکور ہے۔

آجائے آپ نے فرمایا میں نہایت امانت دار شخص کو تمہارے ساتھ کروں گا یہ کہہ کر ابوعبیدۃ بن الجراح کو ساتھ جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ اس امت کا امین ہے۔[1]

یہ لوگ آپ کا فرمان لے کر نجران واپس ہوئے جب نجران ایک منزل رہ گیا تو وہاں کے پادری اور معززین نے ان کا استقبال کیا۔ وفد نے آپ کی تحریر پادری کے حوالے کی، پادری اس کے پڑھنے میں مشغول ہوگیا، اسی اثناء میں ابو حارثہ کے خچر نے جس پر وہ سوار تھا ٹھوکر کھائی اس کے چچازاد بھائی کرز بن علقمہ کی زبان سے نکلا تعس الابعد وہ کمبخت ہلاک ہو یعنی آنحضرت ﷺ (عیاذاباللہ) ابو حارثہ نے برہم ہو کر کہا تو ہی کمبخت ہے۔ خدا کی قسم وہ نبی مرسل ہے، یہ وہی نبی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے، کرز نے کہا کہ پھر ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ ابو حارثہ نے کہا ان بادشاہوں نے ہم کو جو کچھ مال و دولت دے رکھا ہے وہ سب واپس لے لیں گے۔ کرز نے کہا خدا کی قسم میں تو اپنی ناقہ کو مدینہ ہی جا کر کھولوں گا اور نہایت ذوق شوق کے ساتھ یہ اشعار پڑھتا ہوا مدینہ روانہ ہوا۔

الیك تعدو اقلقا وَ ضینها مُعْتَرِ ضًا فِیْ بَطْنِهَا جنینها
مخالفا دین النصارٰی دینها

یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور وہیں رہ پڑے اور کسی معرکہ میں شہید ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چند روز بعد سید ایہم اور عبدالمسیح عاقب بھی مدینہ منورہ حاضر خدمت ہوئے اور اسلام قبول کیا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ آپ نے دونوں کو ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر ٹھہرایا۔[2]

ایک ضروری تنبیہ

نجران میں دو فریق تھے ایک اُمیّین کا اور دوسرا انصاریٰ کا۔ فریق اوّل نے اسلام قبول کر لیا تھا، جیسا کہ وفد بنی الحارث کے بیان میں گزر چکا ہے اور فریق ثانی سے جزیہ پر صلح فرمائی۔ آں حضرت ﷺ نے حضرت علی کو نجران کی طرف فریق اوّل سے صدقات وصول کرنے کے لئے اور فریق ثانی سے جزیہ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا یہ مطلب نہیں کہ

---

[1] شرح مواہب۔ ج:۴، ص:۴۳۔ [2] شرح مواہب۔ ج:۴، ص:۴۳

ایک ہی فریق سے جزیہ اور صدقہ دونوں وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا تا کہ یہ اشکال ہو کہ ایک ہی فریق سے صدقہ اور جزیہ دونوں کیسے وصول کیے جا سکتے ہیں [1]

(۱۵) فروۃ بن عمرو جذامی کی سفارت کا ذکر

فروۃ بن عمرو جذامی۔ شاہ روم کی طرف سے معان اور ارض شام کا عامل اور والی تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو مسلمان ہو گیا اور ایک قاصد کو کچھ ہدیہ دے کر آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ رومیوں کو جب فروۃ بن عمرو کے اسلام کی خبر ہوئی تو اُس کو پھانسی دے دی فروۃ کو جب پھانسی پر لٹکانے لگے تو یہ شعر پڑھا۔

بَلِّغْ سَرَاةَ الْمُسْلِمِیْنَ بِاَنَّنِیْ   سلم لربی اعظمی و مقامی

مسلمانوں کے سرداروں کو یہ خبر پہنچا دو کہ میں مسلمان ہوں اور میری ہڈیاں اور جائے قیام سب اللہ کی مطیع ہیں [2]

(۱۶) قدوم ضمام بن ثعلبہ

بنو سعد کی طرف سے ۹ھ میں ضمام بن ثعلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اونٹ کو مسجد کے دروازہ کے قریب باندھ دیا اور خود مسجد میں داخل ہوئے اور دریافت کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں آپ اس وقت مجلس میں تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے صحابہ نے جواب دیا کہ یہ مرد مبارک جو تکیہ لگائے ہوئے ہے اُس شخص نے کہا اے عبد المطلب کے بیٹے آپ نے فرمایا میں نے سن لیا ہے۔ اُس نے کہا میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں اور سختی سے سوال کردوں گا آپ اپنے دل میں ناراض نہ ہوں، آپ نے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو۔ اُس نے کہا میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، آپ نے فرمایا ہاں۔ اے اللہ تو گواہ ہے پھر اس نے علیحدہ علیحدہ دریافت کیا کہ کیا اللہ نے دن رات میں پانچ نمازوں کا اور سال بھر میں ایک مہینہ کے روزوں کا اور مالداروں سے زکوۃ اور صدقہ لے کر فقراء پر تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے آپ نے

[1] زاد المعاد۔ ج:۳ ص:۴۴ [2] زاد المعاد۔ ج:۳ ص:۴۴

فرمایا ہاں اے اللہ تو گواہ ہے اس شخص نے کہا آپ جو کچھ اللہ کی طرف سے لائے ہیں، میں اُن سب پر ایمان لایا اور میں اپنی قوم کا قاصد اور فرستادہ ہوں اور میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے یہ صحیح بخاری کی روایت ہے صحیح مسلم میں ہے کہ اس شخص نے یہ کہا قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں اس میں کوئی کمی اور زیادتی نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

مسئلہ: اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کسی عالم یا کسی صاحب وجاہت کیلئے مجلس میں تکیہ لگا کر بیٹھنا جائز ہے۔ ۱

ضمام بن ثعلبہ جب آپ سے رخصت ہو کر اپنی قوم میں پہنچے تو سب کو جمع کر کے ایک تقریر کی، سب سے پہلا جملہ یہ تھا لات اور عزیٰ بہت بُرے ہیں۔

لوگوں نے کہا اے ضمام یہ لفظ زبان سے مت نکالو کہیں تم مجنون اور کوڑھی نہ ہو جاؤ۔ ضمام نے کہا افسوس صد افسوس خدا کی قسم لات وعزیٰ تم کو نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر۔ اللہ نے ایک رسول بھیجا اور اس پر ایک کتاب نازل کی جس نے تم کو ان خرافات سے چھڑا دیا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور میں آپ کے پاس سے یہ احکام سیکھ کر آیا ہوں۔ شام نہ ہونے پائی کہ قبیلہ کا کوئی مرد اور عورت ایسا باقی نہ رہا کہ جو مسلمان نہ ہو گیا ہو حضرت عمر اور ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے کسی قوم کے وافد اور قاصد کو ضمام بن ثعلبہ سے افضل اور بہتر نہیں پایا (رواہ ابن اسحٰق) ۲

(۱۷) وفد طارق بن عبداللہ محاربی و بنی محارب

طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں بازار ذی المجاز میں تھا کہ ایک شخص سامنے سے یہ کہتا ہوا نظر آیا۔

ایھا الناس قولوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه تُفلِحُوا ‖ اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے۔

اور ایک شخص اس کے پیچھے پیچھے ہے پتھر مارتا جاتا ہے اور یہ کہتا جاتا ہے۔

۱ فتح الباری ج:۱ ص:۱۳۹ ۲ شرح مواہب، ج:۴ ص:۴۷

یا ایھا الناس انہ کذاب فلا تصدقوہ | اے لوگو! یہ جھوٹا ہے اس کی تصدیق نہ کرنا۔

میں نے دریافت کیا یہ کون شخص ہے، لوگوں نے کہا یہ بنی ہاشم میں کا ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ پتھر مارنے والا ان کا چچا ابولہب ہے۔

طارق بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور آپ مدینہ ہجرت فرما گئے تو ہم مدینہ کی کھجوریں لینے کے لئے ربذہ سے چلے مدینہ کے قریب پہنچ کر ایک باغ میں اُترنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ ایک شخص دو پرانی چادریں اوڑھے ہوئے سامنے سے آیا اور ہم کو سلام کیا اور دریافت کیا کہ کہاں سے آرہے ہو۔ ہم نے کہا کہ ربذہ سے، اُس شخص نے کہا کہاں کا قصد ہے ہم نے کہا مدینہ کا، اُس نے کہا کس لئے، ہم نے کہا کھجوریں خریدنے کے لئے، ہم لوگوں کے پاس ایک سُرخ اونٹ تھا۔ اس شخص نے ہم سے دریافت کیا کہ کیا اس اونٹ کو اتنی کھجوروں کے معاوضہ میں فروخت کرتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں اتنی کھجوریں اس کے معاوضہ میں لیں گے، اس شخص نے اسی قیمت میں منظور کر لیا اور قیمت گھٹانے کی بابت کچھ نہیں کہا۔ اور اونٹ لے کر چلا گیا۔ ہم آپس میں کہنے لگے کہ بغیر قیمت لیے اونٹ ایسے شخص کے حوالہ کر دیا کہ جسے ہم پہچانتے بھی نہیں۔ ان میں کی ایک ہودج نشین عورت نے کہا میں نے اس شخص کے چہرہ کو دیکھا ہے خدا کی قسم اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کا ایک ٹکڑا تھا، یہ چہرہ کسی جھوٹے غدّار کا نہیں تم گھبراؤ نہیں میں قیمت کی ذمّہ دار ہوں۔

در دلِ ہر امتی کز حق مزہ است　　روء آواز پیمبر معجزہ است

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک شخص آیا اور کہا میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں، آپ نے یہ کھجوریں بھیجی ہیں ان کو کھاؤ اور ماپ لو ہم نے وہ کھجوریں خوب سیر ہو کر کھائیں اور پھر ماپا تو بالکل پوری پائیں۔

اگلے روز مدینہ میں داخل ہوئے آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے (غالباً جمعہ کا دن تھا) یہ کلمات ہم نے سُنے۔

تصدقوا فان الید العلیا خیر من الید السفلی امك وَ اباك وَ اختك وَ اخاك وَ ادناك ادناك ۱؎ (رواہ البیہقی والحاکم وغیرہما۔)

صدقہ اور خیرات کرو اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے، ماں اور باپ بہن اور بھائی اور قریبی رشتہ داروں کا زیادہ خیال رکھو۔

(۱۸) وفدِ تُجیب

تُجیب یمن میں قبیلۂ کندہ کی ایک شاخ ہے، قبیلۂ تجیب کے تیرہ آدمی صدقات کا مال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اس مال کو واپس لے جاؤ اور وہیں کے فقراء پر تقسیم کر دو، انہوں نے کہا ہم وہی مال لائے ہیں جو وہاں کے فقراء پر تقسیم کرنے کے بعد بچ رہا ہے صدیق اکبر نے کہا یا رسول اللہ تجیب جیسا وفد اب تک کوئی نہیں آیا آپ نے فرمایا بے شک ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، اس کا سینہ ایمان کے لئے کھول دیتا ہے ان لوگوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد مسائل دریافت کیئے آپ نے ان کو جوابات لکھوا دیئے اور حضرت بلال کو تاکید کی کہ اچھی طرح ان کی مہمانی کی جائے۔ چند روز ٹھہر کر واپسی کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا عجلت کیا ہے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ دل یہ چاہتا ہے کہ آپ کے دیدار پُر انوار اور آپ کی صحبت سے جو فیوض اور برکات حاصل ہوئے ہیں اپنی قوم کو جا کر ان کی اطلاع دیں، آپ نے ان کو انعام و اکرام دے کر رخصت فرمایا۔ چلتے وقت پوچھا کہ تم میں سے کوئی باقی تو نہیں رہ گیا۔ انہوں نے کہا ایک نوجوان لڑکا رہ گیا ہے۔ جس کو ہم نے سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ آپ نے فرمایا اس کو بلاؤ۔ وہ حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے میرے قبیلہ کے لوگوں کی حاجتیں پوری فرمائیں ایک میری حاجت ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے۔ اُس نوجوان نے کہا کہ میں فقط اس لئے گھر سے نکلا ہوں کہ آپ میرے لئے خدا تعالیٰ سے یہ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے اور مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی بنا دے۔ آپ نے دعا فرمائی۔

۱؎ زاد المعاد۔ ج:۳ ص:۴۵

اَللّٰھُمَّ اغفرلہٗ وَارحمہ و اجعل غناہ فی قلبہ اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اس کے دل کو غنی بنا اور اس کے بعد اس نوجوان کے لئے بھی انعام واکرام کا حکم دیا۔

۱۰ھ میں اس قبیلہ کے لوگ حج کے لئے آئے اور منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ نے اُس نوجوان کا حال دریافت فرمایا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اُس کے زہد اور قناعت کا عجب حال ہے، ہم نے اس سے بڑھ کر زاہد اور قانع نہیں دیکھا۔ کتنا ہی مال و دولت اُس کے سامنے تقسیم ہوتا ہو مگر وہ کبھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ وفات کے بعد جب اہلِ یمن اسلام سے پھرنے لگے تو اس نوجوان نے لوگوں میں وعظ کہا جس سے سب اسلام پر قائم رہے اور بحمد اللہ کوئی شخص اسلام سے نہیں پھرا۔ صدیق اکبر آنے جانے والوں سے ان کا حال دریافت کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو زیاد بن ولید کو لکھ کر بھیجا کہ اس نوجوان کا خاص طور سے خیال رکھیں۔[1]

(۱۹) وفدِ ھُذَیم

قبیلہ ہذیم کا وفد جب مسجد نبوی میں پہنچا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں مشغول تھے، یہ لوگ علیحدہ بیٹھ گئے نماز سے فارغ ہو کر آپ نے ان کو بلایا اور پوچھا کیا تم مسلمان نہیں، انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں آپ نے فرمایا پھر اپنے بھائی کے نماز جنازہ میں کیوں شریک نہیں ہوئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے یہ گمان کیا کہ جب تک ہم آپ سے بیعت نہ کریں اس وقت تک ہمارے لئے جنازہ وغیرہ میں شرکت جائز نہیں۔ آپ نے فرمایا تم مسلمان ہو جہاں بھی ہو۔ بعد ازاں ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور رخصت ہوئے ایک نوجوان جو سب سے کم عمر تھا اُس کو سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا تھا، آپ نے ہم کو واپس بلایا وہ نوجوان آگے بڑھا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہم میں سب سے چھوٹا اور ہمارا خادم ہے آپ نے فرمایا:

اصغر القوم خادمھم بارک اللّٰہ علیک۔	قوم میں کا چھوٹا اپنے بزرگوں کا خادم ہوتا ہے اللہ تجھ پر اپنی برکتیں نازل فرمائے۔

[1] ایضاً۔ نیز عیون الاثر۔ ج:۲، ص:۲۴۶

چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے وہی سب سے بہتر اور سب سے زیادہ قرآن کا عالم ہوا اور پھر آپ نے اسی کو ان پر امیر اور امام مقرر کیا اور آپ کے حکم سے چلتے وقت حضرت بلال نے ہم کو انعام واکرام دیا جب وطن واپس ہوئے تو تمام قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔[۱]

(۲۰) وفد بنی فزارہ

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد بنی فزارہ کے تقریباً چودہ آدمی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے آپ نے ان کے بلاد کا حال دریافت کیا لوگوں نے کہا یا رسول اللہ قحط کی وجہ سے تباہ ہیں آپ نے بارانِ رحمت کی دعا فرمائی۔[۲]

(۲۱) وفد بنی اسد ۹ھ

دس آدمی قبیلۂ بنی اسد کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، اوّل آپ کو سلام کیا بعد ازاں ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں بغیر آپ کے بلائے ہم خود بخود آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدَاكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔[۳]	آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتلاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان مت جتلاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان کی توفیق دی اگر تم سچے ہو۔

منّت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی منّت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

بعد ازاں ان لوگوں نے کہانت اور رمل کے متعلق آپ سے دریافت کیا آپ نے منع فرمایا۔[۴]

[۱] زاد المعاد۔ ج:۳،ص:۴۷ [۲] زرقانی۔ ج:۴،ص:۵۲ [۳] الحجرات، آیۃ:۱۷ [۴] عیون الاثر، ج:۲،ص:۲۵۰

(۲۲) وفدِ بَہرآءَ

یمن سے قبیلۂ بہراء کے تیرہ آدمی خدمت میں حاضر ہوئے مقداد بن اسودؓ کے مکان پر ٹھہرے حضرت مقداد نے ان کے آنے سے پہلے ایک بڑے پیالہ میں حیس[۱] بنایا تھا جب یہ مہمان آئے تو ان کے سامنے رکھ دیا۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اُس کے بعد بھی بچ رہا حضرت مقداد نے اپنی باندی سدرہ کے ہاتھ یہ پیالہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا آپ نے خود بھی تناول فرمایا اور تمام اہلِ بیت کو کھلایا اور پیالہ واپس فرما دیا۔ جب تک مہمان مقیم رہے برابر اسی پیالہ سے دو وقت سیر ہو کر کھاتے رہے، ایک دن مہمانوں نے بطور تعجب کہا اے مقداد ہم نے سنا ہے کہ اہل مدینہ کی خوراک تو نہایت معمولی ہے اور تم ہم کو روزانہ اس قدر لذیذ اور عمدہ کھانے کھلاتے ہو جو ہم کو اپنے گھر روزانہ میسر نہیں آسکتا مقدادؓ نے کہا یہ سب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت ہے اور واقعہ کی اطلاع دی، ان لوگوں کے ایمان وایقان میں اور زیادتی ہوگئی اور کچھ روز مدینہ ٹھہر کر مسائل واحکام سیکھے اور پھر اپنے گھر واپس ہوئے۔ چلتے وقت آپ نے ان کو زادِ راہ اور انعام دیا۔[۲]

(۲۳) وَفدِ عُذْرَہْ

عُذْرہ یمن کا ایک قبیلہ ہے ماہ صفر ۹ھ میں قبیلۂ عذرہ کے بارہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اھلاً ومرحبا کہا، ان لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرو اور اس امر کی شہادت دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف۔ بعدازاں ان لوگوں نے فرائض اسلام دریافت کیئے آپ نے فرائض اسلام سے ان کو خبر دی، ان لوگوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے ہم کو دعوت دی، اس کو ہم نے قبول کیا۔ ہم دل وجان سے آپ کے اعوان وانصار اور یار ومددگار ہیں یارسول اللہ ہم تجارت کے لئے شام جاتے ہیں جہاں ہرقل رہتا ہے، کیا آپ پر اس بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا شام عنقریب فتح ہو جائے گا اور ہرقل وہاں سے بھاگ جائے

---

[۱] حیس ایک قسم کا کھانا ہے جو کھجوریں اور پنیر کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔

[۲] زاد المعاد، ج:۳، ص:۴۸، ۴۹

گا۔ اور کاہنوں سے سوال کرنے سے اور ان کا ذبیحہ کھانے سے منع فرمایا اور کہا تم پر فقط قربانی ہے، چندروزرہ کر واپس ہوئے، چلتے وقت آپ نے ان کو ہدایا اور تحائف عطا فرمائے۔[۱]

(۲۴) وفد بَلِیّ

ماہ ربیع الاوّل ۹ھ میں وفد بلی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا آپ نے فرمایا: الحمد اللّٰہ الذی ھداکم للاسلم فکل من مات علی غیر الاسلام فھو فی النار۔

رئیس الوفد ابوالضبیب نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو مہمانی کا شوق ہے کیا اس میں میرے لئے کوئی اجر ہے، آپ نے فرمایا ہاں اس میں بھی اجر ہے، غنی ہو یا فقیر جس پر بھی تو احسان کرے وہ صدقہ ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مہمانی کی مدّت کتنی ہے، آپ نے فرمایا مہمانی تین دن ہے، اس کے بعد صدقہ ہے، مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کو تنگی میں ڈالے، تین روز ٹھہر کر یہ لوگ واپس ہوئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت ان کو زادراہ عطا فرمایا۔[۲]

(۲۵) وفد بنی مُرَّہ

تبوک کے بعد ۹ھ میں بنی مُرّہ کے تیرہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حارث بن عوف سردار وفد تھے، ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ ہی کے قوم کے ہیں لوی بن غالب کی اولاد سے ہیں، آپ مسکرائے اور بلاد کا حال دریافت کیا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ قحط سالی کی وجہ سے حالت تباہ ہے، آپ نے اسی وقت بارش کے لئے دعا فرمائی۔ جب یہ لوگ اپنے گھر واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اسی روز پانی برسا اور تمام بلاد سرسبز اور شاداب ہو گئے، چلتے وقت ہر ایک کو آپ نے دس دس اوقیہ چاندی اور حارث بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔[۳]

(۲۶) وَفدِ خَوْلَان

ماہ شعبان ۱۰ھ مین یمن سے قبیلہ خولان کے دس آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ اور اُس کے

[۱] زاد المعاد، ج:۳ ص:۴۸، ۴۹۔ [۲] عیون الاثر۔ ج:۲ ص:۲۵۱و۲۵۲ [۳] عیون الاثر ج:۲۔ ص:۲۵۱۔۲۵۲۔

رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے، دور دراز سے سفر طے کر کے زیارت کے شوق میں حاضر ہوئے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا یہ سفر ضائع نہیں ہوا ہر قدم پر تمہارے لئے نیکی ہے جو شخص میری زیارت کے لئے مدینہ حاضر ہوا قیامت کے دن وہ میری پناہ اور امان میں ہوگا۔ بعد ازاں خولان کے بُت (جس کا نام عم انس تھا) کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کیا ہوا۔ وفد نے عرض کیا الحمدللہ آپ کی ہدایت و تعلیم اُس بت پرستی کا نعم البدل ہوگئی۔ سوائے چند بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتوں کے کوئی پوجنے والا نہیں رہا اور انشاء اللہ تعالیٰ اب واپسی کے بعد اس کا نام و نشان ہی باقی نہ چھوڑیں گے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دین کے فرائض سکھائے اور یہ نصیحت فرمائی کہ عہد کو پورا کرنا۔ امانت کو ادا کرنا۔ پڑوسیوں کا خیال رکھنا۔ کسی پر ظلم نہ کرنا اور رخصت کے وقت بارہ اوقیہ چاندی ان کو عطا فرمائی، واپسی کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اُس بت کو منہدم کیا۔[۱]

(۲۷) وفد محارب

اس قبیلہ کے لوگ نہایت تندخو اور درشت مزاج تھے۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ایام حج میں لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے تو یہ لوگ نہایت سختی سے آپ کے ساتھ پیش آتے۔ اس قبیلہ کے دس آدمی اپنی قوم کے وکیل بن کر ۱۰ھ میں حاضر خدمت ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ کے مقابلہ میں میرے ساتھیوں میں مجھ سے زیادہ کوئی سخت اور اسلام سے دور نہ تھا میرے ساتھی مر گئے اور صرف میں زندہ ہوں اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھ کو باقی رکھا تا آنکہ میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی آپ نے فرمایا دل اللہ کے قبضہ میں ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا سے میرے لئے دُعا اور استغفار فرمایئے کہ میں نے جو کچھ آپ کی شان میں گستاخی کی اللہ اس کو معاف فرمائے۔ آپ نے فرمایا۔ اسلام، کفر کو اور جو کچھ کفر کی حالت میں ہوا ہے سب کو ڈھا دیتا ہے۔ بعد ازاں یہ لوگ اپنے گھر واپس ہوئے۔[۲]

[۱] زاد المعاد۔ ج:۳، ص:۵۰ عیون الاثر۔ ج:۲۔ ص:۲۵۳ [۲] زاد المعاد۔ ج:۳، ص:۵۰

(۲۸) وفد صُداء ۸ھ

۸ھ میں جعرانہ سے واپسی کے بعد آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مہاجر بن ابی امیہ کو صنعاء کی طرف اور زیاد بن لبید کو حضرموت کی جانب اور قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی کو چار سو سواروں کے ہمراہ قناۃ کی جانب روانہ فرمایا اور قیس بن سعد کو یہ بھی حکم دیا کہ یمن کے علاقہ صُداء پر بھی ضرور گزریں زیاد بن حارث صُدائی کو جب اس کا علم ہوا تو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ آپ لشکر کو واپس بلالیں میں اپنی قوم کے اسلام کا کفیل اور ذمہ دار ہوں آپ نے قیس بن سعد کو واپس بلالیا، زیاد بن حارث صدائی پندرہ آدمیوں کا وفد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سب نے اسلام قبول کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، آپ نے زیاد سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا، اے زیاد تیری قوم تیری بہت مطیع اور فرمانبردار ہے، زیاد نے عرض کیا یارسول اللہ۔ اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی ہدایت دی، بیعت کر کے یہ لوگ واپس ہوئے، تمام قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔ سو آدمی حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔[۱]

(۲۹) وفدِ غسّان

ماہ رمضان المبارک ۱۰ھ میں غسّان کے تین آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور عرض کیا کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ہماری قوم ہمارا اتباع کرے گی یا نہیں، آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چلتے وقت ان کو زادراہ اور جائزہ عطا فرمایا چونکہ ان کی قوم نے اسلام قبول نہ کیا تھا اس لئے ان لوگوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ دو آدمی تو اسی حالت میں وفات پا گئے اور تیسرے شخص جنگ یرموک میں ابوعبیدہ سے جا ملے اور ان کو اپنے اسلام کی اطلاع دی، ابوعبیدہ ان کا بہت اکرام واحترام کرتے تھے۔[۲]

(۳۰) وفدِ سَلامان

ماہ شوال ۱۰ھ میں قبیلۂ سلامان کے سات آدمیوں کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا قحط سالی کی شکایت کی، آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی۔ بعد ازاں زاد

۱ عیون الاثر۔ ج:۲، ص:۲۵۴۔ ۲ زرقانی۔ ج:۴

راہ اور جائزہ دے کر آپ نے ان کو رخصت فرمایا گھر میں پہنچ کر معلوم ہوا جس روز اور جس وقت آپ نے دعا فرمائی تھی اسی وقت یہاں پانی برسا[1]

(۳۱) وَفدِ بنی عبس

بنی عبس کے تین آدمی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کو ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اسلام بغیر ہجرت کے مقبول اور معتبر نہیں۔ ہمارے پاس کچھ مال اور مویشی ہیں جن پر ہمارا گزارا ہے۔ اگر اسلام بغیر ہجرت کے مقبول نہیں تو پھر ایسے مال میں کیا خیر و برکت ہو سکتی ہے ہم سب کو فروخت کر دیں اور ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں آپ نے ارشاد فرمایا:

اتقوا اللّٰه حیث کنتم فَلَنْ یَلتکُمُ اللّٰہ مِن اعمالکم شیئا	اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی رہو اللہ تمہارے اعمال کے اجر میں کمی نہ کرے گا[2]

(۳۲) وفد غامد

غامد یمن کا ایک قبیلہ ہے ۱۰ھ میں دس آدمیوں کا ایک وفد آیا اور بقیع میں اترا اور سامان پر ایک لڑکے کو چھوڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، آپ نے دریافت فرمایا کہ سامان پر کس کو چھوڑا، وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک کم عمر لڑکے کو چھوڑ آئے ہیں۔ فرمایا کہ ایک تھیلہ چوری ہو گیا ہے۔ ان میں سے ایک شخص بولا یا رسول اللہ تھیلہ تو میرا تھا، آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں وہ مل گیا ہے یہ لوگ اپنے سامان کے پاس پہنچے معلوم ہوا کہ لڑکا سو گیا تھا جب بیدار ہوا اور دیکھا کہ تھیلہ نہیں تو اس کی تلاش میں نکلا، دُور سے ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا جب یہ اس طرف بڑھا تو وہ شخص اس کو دیکھ کر بھاگا۔ اس مقام پر پہنچ کر دیکھا کہ زمین کھدی ہوئی ہے اس میں سے وہ تھیلہ برآمد ہوا ہم نے کہا بے شک آپ اللہ کے رسول برحق ہیں ابی بن کعب کو حکم دیا کہ ان کو قرآن سکھلائیں اور چلتے وقت شرائع اسلام لکھوا کر ان کو عطا فرمائے اور حسب معمول جائزہ دیا[3]

(۳۳) وَفدِ ازد

قبیلۂ ازد کے سات آدمیوں کا وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا، آپ کو ان کی وضع اور

---

[1] ایضاً [2] زاد المعاد۔ ج:۳ ص:۵۳۔ [3] ایضاً و زرقانی۔ ج:۴ ص:۶۳

ہیئت اور ان کا سکون و وقار پسند آیا۔ دریافت فرمایا کہ تم کون ہو۔ وفد نے عرض کیا ہم مؤمن ہیں آپ مسکرائے اور فرمایا ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ وفد نے کہا وہ پندرہ خصلتیں ہیں جن میں سے پانچ وہ ہیں جن پر آپ کے قاصدوں نے ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کا حکم دیا ہے اور پانچ وہ ہیں جن پر آپ کے قاصدوں نے ہم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور پانچ وہ ہیں جن پر ہم زمانۂ جاہلیت سے کاربند ہیں آپ نے ارشاد فرمایا وہ باتیں کونسی ہیں جن پر میرے مبلغین نے تم کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے، وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں کہ (۱) ایمان لائیں اللہ پر۔ (۲) اور اس کے تمام فرشتوں پر۔ (۳) اور اس کی اُتاری ہوئی تمام کتابوں پر۔ (۴) اور اس کے تمام پیغمبروں پر۔ (۵) اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یعنی قیامت اور یوم آخرت پر آپ نے فرمایا وہ پانچ باتیں کونسی ہیں جن پر میرے قاصدوں نے تم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔

(۱) لا الٰہ الا اللہ کہتے رہیں۔ (۲) نماز کو قائم رکھیں۔ (۳) زکوٰۃ ادا کریں۔ (۴) رمضان المبارک کے روزے رکھیں۔ (۵) اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کریں۔

آپ نے فرمایا وہ پانچ خصلتیں کونسی ہیں جن پر تم زمانۂ جاہلیت میں کاربند تھے۔ وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔

الشکر عِند الرخاء والصبر عند البلاء وَالرضی بمر القضاء والصدق فی مواطن اللقاء و ترکَ الشماتة بالاَعداد فقال رسول الله صَلی الله علیه وسلم حکماء علماء کادوا من فقههم ان

راحت اور فراخی کے وقت شکر اور مصیبت کے وقت صبر اور تلخ قضاء پر بھی راضی رہنا اور مقابلہ کے وقت ثابت قدمی اور دشمنوں کی مصیبت پر خوش نہ ہونا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑے حکیم اور عالم ہیں تفقہ اور سمجھ کی وجہ سے مقام نبوت سے بہت قریب ہیں، پھر ارشاد فرمایا میں تم کو پانچ خصلتیں اور

نکتہ: ۱؎ آپ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ حدیث مقام نبوت سے اتنا قریب نہیں جتنا کہ فقیہ مقام نبوت سے قریب اور نزدیک ہے، حافظِ حدیث کی مثال اس عاشق کی سی ہے کہ جس نے محبوب کے الفاظ بعینہ یاد کر لئے اور فقیہ کی مثال اس فہیم اور سمجھدار محب جان نثار کی ہے کہ جو اپنے محبوب کے اشارات اور کنایات اور اس کے رموز و اسرار کو خوب سمجھتا ۱۲

يكونوا انبياء ثُمَّ قَالَ وَ اَنا ازيد كم خمسافيتم لكم عشرون خصلة ان كنتم كما تقولون فلا تجمعوا مالا تاكلون و لاتبنوا مَالاَ تسكنون ولاَ تنافسوا في شيئٍ انتم عنه غدا تزولون واتقوا الله الذي اليه ترجعون و عليه تعرضون وارغبوا فيما عليه تقدمون و فِيهِ تخلدون۔

بتاتا ہوں تاکہ بیس خصلتیں پوری ہو جائیں (۱) جس چیز کو کھانا نہ ہو اس کو جمع نہ کرو (۲) جس میں رہنا نہ ہو اس کو بناؤ نہیں (۳) اور جس چیز کو کل چھوڑ کر جانے والے ہو اس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو (۴) اور اس خدا سے ڈرو کہ جس کی طرف تم کو لوٹنا اور اس کے سامنے پیش ہونا ہے (۵) اور اس چیز میں رغبت کرو جس میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے یعنی آخرت۔

یہ لوگ آپ کی وصیّت کو لے کر واپس ہوئے اور اس کو خوب یاد رکھا اور اس پر عمل کیا۔

(۳۴) وفد بنی المُنتَفِق

یہ وفد بارگاہ نبوی میں صبح کے بعد حاضر ہوا اتفاق سے اس روز آں حضرت ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے ایک طویل وعریض خطبہ دیا جس میں حشر ونشر اور جنّت وجہنم کے احوال بیان فرمائے خطبہ سے فارغ ہو کر ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور واپس ہوئے مفصّل خطبہ تقریباً دو ورق میں ہے۔ جس کو حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں ذکر کیا ہے۔

(۳۵) وَفدِ نَخَع محرم الحرام ۱۱ھ

نَخَع یمن کا ایک قبیلہ ہے ماہ محرم الحرام ۱۱ھ کے درمیانی عشرہ میں اس قبیلے کے دوسو آدمی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان میں ایک شخص زرارۃ بن عمرو بھی تھے، انہوں نے اس سفر میں متعدد خواب دیکھے جو آنحضرت ﷺ سے بیان کیے اور آپ نے ان کی تعبیر دی منجملہ ان کے ایک یہ خواب دیکھا کہ زمین سے ایک آگ نمودار ہوئی ہے جو میرے اور میرے بیٹے کے درمیان حائل ہوگئی۔ اور وہ آگ یہ پکار رہی ہے۔

لظی لظی بصیروا عمی	میں آگ ہوں میں آگ ہوں کوئی بینا اور
اطعمونی اکلکم اھلکم	کوئی نابینا مجھ کو کھانے کو دو میں تم کو کھاؤں گی
ومالکم	تم کو کھاؤں گی تمہارے اہل کو اور مال کو۔

آپ نے فرمایا ایک فتنہ ہوگا جس میں لوگ اپنے امام اور خلیفہ کو قتل کریں گے بدکار اپنے کو نیکوکار سمجھے گا مؤمن کا قتل پانی پینے سے زیادہ لذیذ ہوگا، اگر تیرا بیٹا پہلے مر گیا تو تو اس فتنہ کو پائے گا۔ اور اگر تو پہلے مر گیا تو تیرا بیٹا اس فتنہ کو پائے گا۔ زرارہ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا سے دُعا کیجئے کہ میں اس فتنہ کو نہ پاؤں۔ آپ نے ان کے لئے دُعا فرمائی زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو انتقال ہوا اور ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا فتنہ پیش آیا۔ زرارہ کا بیٹا باغیوں کے ساتھ تھا۔ واللہ اعلم (زاد المعاد ص ۵۹ ج ۲ زرقانی ص ۶۷ ج ۴)

سنہ ۱۰ھ

یمن میں تعلیم اسلام

سنہ ۹ھ یا سنہ ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن کے لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم دینے کی غرض سے روانہ فرمایا مگر دونوں کو ایک جگہ نہیں بھیجا۔ ابو موسیٰ کو یمن کی مشرقی سمت میں اور معاذ کو مغربی سمت یعنی عدن اور جَنَد کی اطراف و اکناف میں تعلیم و تبلیغ کا حکم دیا۔

سریۂ خالد بن ولید بسوئے نجران

سنہ ۱۰ ہجری کی ماہ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ میں آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو ایک سریہ کا سردار مقرر کر کے نجران اور اس کے اطراف و جوانب کی طرف روانہ فرمایا اور خالد کو یہ حکم دیا کہ قتال سے پہلے تین بار دعوت اسلام دینا اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تم

مدارج النبوۃ۔ ج:۲، ص:۵۰۱ فتح الباری، ج:۸، ص:۴۸

بھی ان کے اسلام کو قبول کرنا اور اگر وہ دعوت اسلام کے قبول کرنے سے انکار کردیں تب ان سے قتال کرنا لیکن خالد بن ولید جب نجران پہنچے اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو سب نے بے چون و چرا سمعاً وطاعۃً اسلام قبول کیا، خالد بن ولید ٹھہر گئے اور ان کو اسلام کی تعلیم دینے لگے اور ایک خط کے ذریعہ آں حضرت ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی، آں حضرت ﷺ نے جواب میں یہ تحریر کرایا کہ نجران کے قبیلۂ بنی حارث بن کعب کا وفد ہمراہ لے کر مدینہ آئیں۔ آپ کی تحریر کے مطابق خالد بنی حارث کا وفد لے کر مدینہ حاضر ہوئے آپ نے ان کو نہایت عزت و تعظیم کے ساتھ ٹھہرایا شروع ماہ ذی قعدہ ۱۰ھ میں جس وقت یہ لوگ مدینہ سے نجران واپس ہونے لگے تو آپ نے ان پر قیس بن حصن کو سردار مقرر کیا اور وفد کی روانگی اور واپسی کے بعد عمرو بن حزم کو بغرض تعلیم فرائض و سنن و احکام اسلام ووصولی صدقات ان کا عامل بنا کر روانہ کیا اور ایک فرمان لکھ کر ان کو عنایت کیا، وھو ہذا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ هذا بيان من اللّٰهِ وَ رسوله يَا ايها الَّذِيْنَ اٰمنوا اوفوا بالعقود عهد من محمّد النبيّ رسول اللّٰهِ لعمرو بن حزم حين بعثه الى اليمن امره بتقوى اللّٰه فى امره كله فان اللّٰه مع الذين اتقوا والّذين هم محسنون و وَامره ان ياخذ بالحق كما امره اللّٰه وان يُبشر الناس بالخير ويأمرهم به و يُعلم الناس القرآن وَ يفقههُمْ فِيْه، وَ يَنهى الناس فلا يمس القرآن انسان الا وهو طاهر و يخبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ہے اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو یہ عہد نامہ ہے محمد رسول اللہ کا عمرو بن حزم کے لئے جب ان کو یمن کی طرف عامل مقرر کر کے بھیجا، ان کو حکم دیا کہ تمام امور میں تقویٰ اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے اور ان کو حکم دیا کہ حق کو مضبوط پکڑیں جیسا کہ اللہ کا حکم ہے اور لوگوں کو خیر کا حکم دیں اور خیر کی بشارت سنائیں۔ اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور اس کے معانی سمجھنے کا طریقہ بتلائیں اور لوگوں کو منع کر دیں کہ کوئی شخص قرآن کو بغیر طہارت کے

الناس بالذی لھم والّذی علیھم ویلین للناس فی الحق ویشتد علیھم فی الظلم فان اللّٰہ کرہ الظلم ونھی عنہ فقال الالعنة اللّٰہ علی الظالمین و یُبَشر الناس بالجنة و بِعَمَلِھَا وَینذر الناس النار و عملھا وَیستالف الناس حتی یفقھوا فی الدین ویعلم الناس معالم الحج و سنتہ وفریضتہ وما امر اللّٰہ بہ وَالحج الا کبر الحج الا کبر وَالحج الاصغر ھوا لعمرة وینھی الناس ان یصلی احد فی ثوب صغیر اِلَّا ان یکون ثوبًا یثنی طرفیہ علی عاتقہ وَینھی الناس ان یحتبی احد فی ثوب واحد یفضی بفرجہ الی السَّماء و ینھی ان یعقص احد شعر راسہ فی قفاہ و ینھی اِذا کان بَیْنَ الناس ھیج عن الدُّعاء الی القبائل وَالعشائر ولیکن دعواھم الی اللّٰہِ عزوجل وحدہ لَاشریک لہ فمن لم یدع الی اللّٰہ ودعا الی القبائل والعشائر

ہاتھ نہ لگائے اور لوگوں کو ان کے منافع اور مضار سے باخبر کریں حق اور راہِ راست پر چلنے میں لوگوں پر نرمی کرنا اور ظلم کرنے کی حالت میں ان پر سختی کرنا تحقیق اللہ جل شانہٗ نے ظلم کو حرام کیا ہے اور اس سے منع کیا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے کہ لعنت ہو اللہ کی ظالموں پر اور لوگوں کو جنّت کی بشارت دینا اور اعمال جنّت سے خبر دینا اور جہنم سے ڈرانا اور اعمال جہنم سے آگاہ کرنا اور لوگوں کو اپنے سے مانوس بنانا تاکہ لوگ تم سے دین سمجھ سکیں اور لوگوں کو فرائض اور سنن اور احکام حج اور احکام عمرہ کی تعلیم دینا اور نماز کے متعلق لوگوں کو یہ بتلا دینا کہ کوئی شخص چھوٹے کپڑے میں اس کو پشت پر ڈال کر نماز نہ پڑھے مگر یہ کہ وہ اس قدر کشادہ ہو کہ اس کے دونوں مونڈھوں کو ڈھانک لیں اور لوگوں کو اس طرح کپڑا پہننے سے منع کر دیں کہ آسمان کے نیچے اس کی شرم گاہ کھلی رہے، اور اس سے منع کر دیں کہ کوئی شخص گردن کی جانب میں بالوں کا جوڑا نہ باندھے اور اس سے منع کر دیں کہ جب آپس میں لڑائی ہو تو قبیلہ اور خاندان قوم اور وطن کے نام پر نصرت اور حمایت کے لئے کوئی نعرہ نہ لگائیں بلکہ

فليقطعوا بالسيف حتى تكون دعواهم إلى اللّهِ وَحده لاشريك له ويامر الناس باسباغ الوضوء وجوههم وَ ايديهم الى المرافق وارجلهم الى الكعبين و يمسحون برؤسهم كما امرهم اللّهُ وَامر بالصَّلاة لوقتها واتمام الركوع والسجود والخشوع وَ يغلّس بالصبح و يُهَجّر بالهاجرة حِين تَمِيل الشمس و صلاة العصر وَالشمس في الارض مُدبرةً والمغرب حين يقبل اللّيل لا يُؤخر حتى تبدو النجوم في السَّماء وَالعشاء اول الليل وامر بالسعي الى الجمعة اذا نودي لَهَا وَالغسل عند الرواح اليها وامره ان يأخذ مِن الغنائم خمس اللّه وما كتب على المؤمنين في الصدقه مِن العقار عشر ما سقت العين وسقت السماء و على ماسقى الغرب نصف العشر و في كل عشر من الابل شاتان و في كل عشرين

ایک خدا کی طرف اور اس کے حکم کی طرف آنے کی لوگوں کو دعوت دیں اور جو شخص اللہ کی طرف نہ بلائے بلکہ قبیلہ اور خاندان یعنی قوم اور وطن کی طرف بلائے تو ان کی گردنوں کو تلوار سے سہلایا جائے یہاں تک کہ ان کا نعرہ اور آواز اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے دین کی طرف ہو جائے یعنی قبیلہ اور خاندان اور قوم اور وطن کے نعرہ سے باز آ جائیں اور لوگوں کو وضو کو پورا کرنے کا اور نماز اپنے وقت میں ادا کرنے کا حکم دیں اور نماز رکوع و سجود پوری طرح کریں اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کریں اور صبح کی نماز غلس (تاریکی) میں پڑھیں اور ظہر کی نماز زوال کے بعد پڑھیں یعنی زوال سے پہلے نہ پڑھیں اور عصر کی نماز اس وقت پڑھیں کہ جب آفتاب زمین پر اپنی دھوپ ڈال رہا ہو اور غروب کی طرف جا رہا ہو اور مغرب کی نماز رات کے آتے ہی پڑھیں اور اس قدر تاخیر نہ کریں کہ ستارے نکل آئیں اور عشاء کی نماز رات کے اوّل ثلث میں پڑھیں اور جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو دوڑ کر مسجد پہنچیں اور جمعہ میں جانے سے پہلے غسل کریں اور یہ حکم دیا کہ مال غنیمت

اربع شياه وفى كل اربعين من البقر بقرة وفى كل ثلاثين من البقر تبيع جذع اوجذعة و فى كل اربعين من الغنم سائمة وحدها شاة فانها فريضة الله التى افترض على المؤمنين فى الصدقة فمن زاد خيرا فهو خير له وانه من اسلم من يهودى اونصرانى اسلاما خالصا من نفسه و دان بدين الاسلام فانه من المؤمنين له مثل مالهم و عليه مثل ما عليهم و من كان على نصرانيته اويهوديته فانه لا يرد عنها وعلى كل حالم ذكرا و انثى حرا و عبد دينار واف او عوضة ثيابا فمن ادى ذلك فان له ذمة الله و ذمة رسوله و من منع ذالك فانه عدو لله و لرسوله و للمؤمنين جميعا صلوات الله على محمد والسلام عليه ورحمة الله و بركاته۔[1]

میں سے اللہ کا حق خمس نکال لیں اور مسلمانوں کی زمین کی پیداوار میں سے صدقہ وصول کریں جس زمین کو چشمہ کے پانی یا بارش کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو اس میں عشر (پیداوار کا دسواں حصّہ) واجب ہے اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو۔ اس میں نصف العشر ہے یعنی پیدوار کا بیسواں حصّہ واجب ہے اور دس اونٹوں میں دو بکریاں واجب ہیں اور بیس اونٹوں میں چار بکریاں واجب ہیں اور چالیس گایوں میں ایک گائے اور تیس گائے میں ایک تبیع اور چالیس بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ واجب ہے، یہ اللہ کا فرض ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر فرض کیا ہے اور جو فریضہ سے زیادہ دیدے تو وہ اس کے لئے اور بہتر ہے اور جو یہودی یا نصرانی سچے دل سے دین اسلام کو قبول کرے تو وہ اہل ایمان میں سے ہے اور اس کے حقوق اور احکام وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور جو اپنی یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہے اور اسلامی حکومت کی رعایا بن کر رہنا منظور ہو۔ مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام ہو ہر بالغ پر جزیہ کا دینا یا اسکے عوض کپڑے دینا

[1] سیرۃ ابن ہشام، ج:۴، ص:۲۴۱

اس پر لازم ہوگا۔ پس جو شخص جزیہ ادا کر دے وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں رہے گا۔ یعنی اس کی جان اور مال اور آبرو سب محفوظ رہے گی۔ اور جو شخص جزیہ دینے سے انکار کرے وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام مؤمنین کا دشمن ہے اللہ کی صلاۃ وسلام اور رحمتیں اور برکتیں ہوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

سریۂ علی کرم اللہ وجہہٗ بسوئے یمن

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے پہلے ماہ رمضان ۱۰ھ میں حضرت علی کو تین سو آدمیوں پر سردار مقرر کر کے یمن کی جانب روانہ فرمایا اور خود اپنے دستِ مبارک سے حضرت علی کے سر پر عمامہ باندھا جس کے تین پیچ تھے عمامہ کا ایک کنارہ بقدر ایک ہاتھ کے سامنے لٹکایا۔ اور بقدر ایک بالشت پیچھے چھوڑا اور یہ فرمایا کہ سیدھے چلے جاؤ کسی اور جانب توجہ مت کرنا اور وہاں پہنچ کر ابتداء بالقتال نہ کرنا۔ اوّل ان کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کرنا۔ خدا کی قسم تیرے ہاتھ سے ایک شخص ہدایت پا جائے تو یہ دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے حضرت علی، تین سو سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام قناۃ میں جا کر پڑاؤ ڈالا اور اسی جگہ سے صحابہ کی مختلف ٹولیاں، مختلف جوانب میں روانہ کیں لشکر اسلام کے سوار سب سے پہلے علاقہ مذحج میں داخل ہوئے اور بہت سے بچے اور عورتیں اور اونٹ اور بکریاں پکڑ کر لائے ان تمام غنائم کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا بعد ازاں ایک دوسری جماعت سے مقابلہ ہوا حضرت علی نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسائے تب حضرت علی نے ان پر حملہ کیا جس میں ان کے بیس آدمی مارے گئے اور یہ لوگ منتشر ہو گئے حضرت علی نے کچھ وقفہ کے بعد پھر ان کا تعاقب کیا اور دوبارہ ان کو اسلام کی دعوت دی، ان لوگوں نے اسلام کی

دعوت کو اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی قبول کیا۔ اور وعدہ کیا کہ ہم صدقات جو اللہ کا حق ہے وہ ادا کریں گے۔

بعد ازاں حضرت علی نے مال غنیمت کو جمع کیا اور خمس نکال کر باقی چار خمس غانمین پر تقسیم فرما دیئے اور اپنے بجائے کسی کو لشکر کا امیر مقرر کر کے عجلت کے ساتھ اپنے رفقاء سے پہلے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، کیونکہ حضرت علی کو یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ آں حضرت ﷺ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ ہو گئے ہیں اس لئے حضرت علی یمن سے سیدھے مکہ مکرمہ پہنچے اور آں حضرت کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔[1]

حجۃ الوداع

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد آ چکی مکہ فتح ہو گیا۔ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو چکے کفر اور شرک کی بیخ کنی ہو چکی وفود اور قبائل دور و دراز سے آ کر کفر و شرک سے تائب اور توحید و رسالت کا صدق دل سے اقرار کر چکے فرائض نبوت ادا ہو چکے احکام اسلام کی تعلیم قولاً اور عملاً مکمل ہو گئی ۹ھ میں ابوبکر صدیق کو بھیج کر خانہ کعبہ کو مراسم جاہلیت سے بالکلیہ پاک کرا دیا گیا۔

اب وقت آ گیا کہ آں حضرت ﷺ حج کے فریضہ کو خود عملی طور پر انجام دیں تاکہ اُمت کو ہمیشہ کے لئے معلوم ہو جائے کہ حج کس شان سے ہونا چاہئے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام کا کیا طریقہ تھا۔ مناسک حج میں اوّل سے آخر تک توحید و تفرید تھا اور کلمات شرکیہ اور رسوم جاہلیت سے بالکلیہ پاک اور منزہ تھا اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ تلبیہ میں ''لاشریک لک'' کا لفظ خاص طور پر کہتے تاکہ شرک کا ایہام بھی باقی نہ رہے۔ اس طرح تلبیہ کہتے لَبیك اَللّٰهُمَّ لَبیك لَا شَرِیْك لك لبیك، ان الحمد وَالنّعمة لك لا شریكَ لَكَ ہجرت سے پیشتر آں حضرت ﷺ نے متعدد حج فرمائے ہیں جامع ترمذی میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل دو حج کیے، ابن اثیر نہایہ میں فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے آپ ہر سال حج کیا کرتے تھے ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس امر کا صحیح علم نہیں ہو سکا کہ آپ نے کتنے حج کیے بہر حال یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ہجرت کے بعد ایک ہی حج کیا۔

---

[1] زرقانی۔ ج:۳، ۱۰۳

۹ھ میں حج کی فرضیت نازل ہوئی اس سال آپ نے صدیق اکبر کو امیر الحاج بنا کر مکہ روانہ فرمایا اس سال مسلمانوں نے صدیق اکبر کی زیر امارت حج ادا کیا۔ ماہ ذی القعدۃ الحرام ۱۰ھ میں آپ نے خود بنفسِ نفیس حج کا ارادہ فرمایا اور اطراف واکناف میں اعلان کرادیا گیا کہ امسال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لے جانے والے ہیں، چنانچہ ۲۵ ذی القعدۃ الحرام یوم شنبہ ۱۰ھ ظہر اور عصر کے درمیان میں آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے مہاجرین وانصار اور اصحاب جاں نثار کے بے شمار گروہ آپ کے ہمراہ تھے شمع نبوت کے اردگرد نوے ہزار یا ایک لاکھ چودہ ہزار یا اس سے بھی زائد پروانوں کا مجمع تھا ۴ ذی الحجۃ الحرام یکشنبہ کے دن آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ (شرح المواہب ص ۱۰۵ ج ۳)

ازواج مطہرات نو بیبیاں اور حضرت سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہراء آپ کے ہمراہ تھیں اور دیگر خواص اور خدّام خاص بھی ہمرکاب تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ جن کو آپ نے ماہ رمضان المبارک میں صدقات وصول کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا وہ مکہ میں آپ سے آملے۔ بعد ازاں آپ نے مناسک اور ارکان حج ادا فرمائے اور میدانِ عرفات میں ایک طویل خطبہ پڑھا۔ اوّل خدا تعالیٰ کی حمد وثنا کی بعد ازاں یہ ارشاد فرمایا۔

اے لوگو جو میں کہتا ہوں وہ سنو غالباً سال آئندہ تم سے ملنا نہ ہوگا۔ اے لوگو تمہاری جانیں اور آبرو اور اموال آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسا کہ یہ دن اور یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔ جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں اور جاہلیت کے تمام خون معاف اور ساقط ہیں۔ سب سے پہلے میں ربیعۃ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون جو بنی ہذیل پر ہے معاف کرتا ہوں جاہلیت کے تمام سود ساقط اور لغو ہیں تمہارے لیے صرف رأس المال ہے۔

سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا ربوا ساقط اور باطل کرتا ہوں۔ بعد ازاں زوجین کے باہمی حقوق بیان فرمائے پھر فرمایا کہ میں تم میں ایسی محکم چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ، قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا، بتلاؤ کیا جواب دو گے، صحابہ نے عرض کیا ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے ہم تک اللہ کا پیام پہنچا دیا اور خدا کی امانت ادا کی

اور اُمّت کی خیر خواہی کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کرکے یہ فرمایا:

اَللّٰھم اشھد ⁞ اے اللہ تو گواہ رہ۔

آپ خطبہ سے فارغ ہوئے اور حضرت بلال نے ظہر کی اذان دی، ظہر اور عصر دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں ادا کی گئیں۔ بعد ازاں آپ خداوند ذوالجلال کی حمد وثنا ذکر اور شکر استغفار اور دعاء میں مشغول ہوگئے اُسی اثناء میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [1] (فتح الباری وشرح المواہب) ⁞ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور ہمیشہ کے لئے دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا۔

۱۰ ذی الحجۃ الحرام کو منی میں پہنچ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (۶۳) اونٹ بقدر عمر شریف کے خود اپنے دستِ مبارک سے نحر فرمائے اور (۳۷) اونٹ حضرت علی نے آپ کی طرف سے قربانی کیے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں تقریباً اسی مضمون کا خطبہ دیا جو عرفات میں دیا تھا اخیر میں طواف الوداع کرکے اخیر ذی الحجہ میں عازم مدینہ ہوئے اور منیٰ میں سر مبارک منڈانے کے بعد موئے مبارک کو صحابہ میں تقسیم فرمایا تاکہ حضرات صحابہ کرام بطور تبرک ان کو اپنے پاس رکھیں چونکہ آپ کو اس حج کے بعد حج کی نوبت نہیں آئی اور منیٰ اور عرفات کے خطبوں میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ غالباً سال آئندہ تم سے ملنا نہ ہوگا۔ اس وجہ سے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں کہ آپ اپنی امت سے رخصت ہوئے۔ اور اس حج کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ حج فرض ہونے کے بعد اسلام میں یہ پہلا حج تھا۔

حجۃ الوداع کے واقعات اگر تفصیل سے بیان کیے جائیں تو اس کے لئے ایک ضخیم جلد درکار ہے اس لئے اس مقام پر انتہائی اجمال سے کام لیا گیا۔ حضرات اہل علم زاد المعاد اور شرح المواہب کی طرف رجوع فرمائیں۔

[1] المائدہ، آیۃ: ۳

خطبۂ غدیرِ خم [1]

جب آپ حج سے واپس ہوئے تو راستہ میں حضرت بریدۂ اسلمی نے حضرت علی کی کچھ شکایت کی۔ آپ نے غدیرِ خم پر (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) ایک خطبہ دیا جس میں یہ ارشاد فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں ممکن ہے کہ عنقریب میرے پروردگار کی طرف سے کوئی قاصد مجھے بلانے کے لئے آجائے اور میں اس دعوت کو قبول کروں، اشارہ اس طرف تھا کہ وفات کا زمانہ قریب آگیا ہے بعد ازاں اہل بیت کی محبت کی تاکید فرمائی اور حضرت علی کی نسبت فرمایا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے۔ خطبہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کو مبارک باد دی۔ اور حضرت بریدہ کا قلب بھی آپ سے صاف ہوگیا اور جو کدورت تھی وہ زائل ہوئی۔

اس خطبہ اور ارشاد سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ حضرت علی اللہ کے محبوب اور مقرب بندہ ہیں اُن سے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھنا مقتضائے ایمان ہے اور اُن سے بغض اور عداوت یا نفرت اور کدورت سراسر مقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔

حدیث کا مقصد فقط حضرت علی کی محبت کا وجوب اور اس کی فرضیت بیان کرنا ہے۔ امامت اور خلافت سے کوئی تعلق نہیں اور معمولی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ محبت اور خلافت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، محبت اور خلافت میں تلازم نہیں کہ جس سے محبت ہو وہ خلیفہ بلا فصل بھی ہو۔ محبت تو والدین اور اولاد اور بیبیوں اور سب دوستوں۔ سب ہی سے ہوتی ہے کیا سب خلیفہ ہو جائیں گے، حضرت عباس اور حضرت فاطمہ اور امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب ہی آپ کے محبوب نظر اور نور بصر ہونے کے علاوہ حضور پُر نور کے لختِ جگر بھی تھے اگر محبت، دلیل خلافت ہے تو امام حسن پہلے خلیفہ ہونے چاہئیں بلکہ اگر قُربِ قرابت پر نظر کی جائے اور یہ کہا جائے کہ خلافت کا دارومدار قُربِ قرابت پر ہے تو اس لحاظ سے مقدم حضرت فاطمۃ الزہراء ہیں اور پھر امام حسن اور پھر امام حسین اور پھر درجۂ چہارم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ حضرات شیعہ کے مسلک پر بھی حضرت علی خلیفۂ چہارم ہی بنتے ہیں اگر اہل سنت

[1] دیکھو شرح مواہب ص ۱۳ ج ۷

نے ان کو خلیفہ چہارم بنایا تو شکوہ کیوں ہے۔ نیز جس وقت غدیر خم پر آپ نے یہ خطبہ دیا، اس وقت صحابہ کرام اور اہل بیت بھی موجود تھے کسی نے بھی اس کا یہ مطلب نہیں سمجھا کہ حضور کے بعد حضرت علی خلیفہ بلافصل ہوں گے اور پھر دو ماہ کے بعد آں حضرت ﷺ کی وفات ہوگئی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت زیر بحث آیا جس میں وہ صحابہ بھی شریک تھے کہ جو غدیر خم کے اس خطبہ میں حاضر تھے۔ کسی نے بھی اس حدیث کو امامت علی کے لئے استدلال میں پیش نہیں کیا اور نہ حضرت علی نے اور نہ حضرت عباس نے اور نہ بنی ہاشم میں سے کسی شخص نے کسی وقت بھی حضرت علی کے استحقاق خلافت کے لئے اس حدیث کو پیش کیا۔

غرض یہ کہ غدیر خم کے خطبہ میں آں حضرت ﷺ نے حضرت علی اور اہل بیت اور عترت کی محبت کا حکم دیا ہے اور ان کی دشمنی سے منع فرمایا۔ سو الحمد للہ تمام اہل سنت والجماعت بہ ہزار دل و جان اہل بیت کی محبت اور تعظیم کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں مگر شیعوں کی طرح بے عقل نہیں کہ محبت کو دلیل امامت سمجھنے لگیں۔ محبت تو اہل بیت کے ہر فرد سے لازم ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حضور پرنور کے تمام قریبی رشتہ داروں کو امام اور خلیفہ بنانے لگیں۔

حجۃ الوداع سے واپسی

آں حضرت ﷺ حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر اخیر ذی الحجہ میں مدینہ منورہ پہنچے چند ہی روز گزرے تھے کہ ۱۰ھ ختم ہو کر ۱۱ھ شروع ہو گیا۔

جبریل امین کی آمد

حجۃ الوداع سے واپسی کے کچھ روز بعد جبریل امین ایک غیر معروف شکل میں سفید کپڑے پہنے ہوئے بارگاہ نبوت میں تشریف لائے اور آپ کے قریب نہایت ادب کے ساتھ دوزانوں ہو کر بیٹھ گئے اور ایمان اور اسلام اور احسان اور قیامت اور علامات قیامت کے متعلق سوالات کیے اور آپ نے جوابات دیئے جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا دیکھو کہ یہ کون شخص تھا۔ صحابہ دیکھنے کے لئے نکلے مگر کوئی نشان نہ پایا آپ نے فرمایا کہ یہ جبریل امین تھے جو تم کو دین کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے اور میں ان کو ہمیشہ پہچان لیتا تھا لیکن آج نہیں پہچانا۔

نکتہ: نبی اکرم ﷺ نے جبریل امین کو سدرۃ المنتہیٰ اور اُفق مبین پر اصلی شکل میں بھی دیکھا ہے۔ کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی اور اس کے علاوہ بے شمار مرتبہ آپ کی خدمت میں آئے۔ جبریل امین جس لباس اور جس صورت میں بھی آپ کے پاس آتے تو آپ پہچان لیتے کہ یہ حقیقت جبریلیہ ہے جو اس صورت میں جلوہ افروز ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش   من انداز قدت رامی شناسم
تو خواہی جامہٗ خواہی قبا پوش   بہر رنگے ترا من می شناسم

مگر اس مرتبہ ایک اعرابی اور بدوی کی صورت میں سائل بن کر مسائل پوچھنے آئے سفیر خداوندی ہونے کی حیثیت سے کوئی پیغام خداوندی لے کر نہیں آئے اس لئے آپ نے ابتداء جبریل امین کو نہ پہچانا جبریل امین کے مجلس سے اٹھنے کے بعد آپ نے ان کو پہچانا اس لئے کہ سائل کی صورت میں نمودار ہوئے تھے۔ سفیر خداوندی ہونے کی حیثیت سے وحی اور پیغام الٰہی لے کر نہیں آئے تھے ورنہ ضرور پہچانتے۔

شیخ عطار فرماتے ہیں:

جبریل از دست اوشد خرقہ دار
در لباس و جبہ شد زاں آشکار

۱۱ھ

آخری فوج ظفر موج

سریۂ اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ

۲۶ صفر المظفر یوم دوشنبہ ۱۱ھ کو آپ نے رومیوں کے مقابلہ کے لئے مقام اُبنا کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا، یہ وہ مقام ہے جہاں غزوۂ موتہ واقع ہوا اور جس میں حضرت اسامہ کے والد، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ وغیرہم شہید ہوئے۔ یہ آخری سریہ تھا اور آپ کی فرستادہ فوجوں کی آخری فوج تھی اسامۃ بن زید بن حارثہ کو

آپ نے اس لشکر کا امیر اور سردار مقرر کیا اور اس لشکر میں مہاجرین اوّلین اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو روانگی کا حکم دیا۔

چار شنبہ سے آپ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا، پنجشنبہ کے روز باوجود علالت کے آپ نے خود اپنے دست مبارک سے نشان بنا کر اسامہ کو دیا اور یہ فرمایا۔

اغز باسم اللّٰہِ وَ فی سبیل اللّٰہ فقاتل من کفر باللّٰہ۔	اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اللہ سے کفر کرنے والوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کرو۔

حضرت اسامہ نشان لے کر باہر تشریف لائے اور بریدۂ اسلمی کے سپرد کیا اور فوج کو مقام جُرف میں جمع کیا اور تمام جلیل القدر مہاجرین وانصار بسرعت وہاں آ کر جمع ہو گئے۔

حضرت عباس اور حضرت علی تو آپ کی تیمارداری کی غرض سے مدینہ واپس آ گئے اور ابو بکر و عمر، اسامہ سے اجازت لیکر آپ کو دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ جمعرات کے روز جب مرض میں شدّت ہوئی اور آپ عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف نہ لا سکے تو ابو بکر صدیق کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور اپنی جگہ ان کو امام مقرر کیا فوج مقام جُرف میں جمع تھی جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے۔ دوشنبہ کی صبح کو جب آپ کو سکون ہوا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھے کہ حضور پُرنور اچھے ہو گئے تو حضرت اسامہ نے روانگی کا قصد کیا اسی تیاری میں تھے کہ حضرت اسامہ کی والدہ ام ایمن نے آدمی بھیجا کہ آپ حالت نزع میں ہیں کچھ دیر نہ گزری تھی کہ یہ خبر قیامت اثر کانوں میں پہنچی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تمام مدینہ میں تہلکہ پڑ گیا اور سب افتاں وخیزاں مدینہ واپس آئے بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نشان لا کر حجرۂ مبارکہ کے دروازہ پر نصب کر دیا، آپ کی وفات کے بعد جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ باوجود مخالفت کے جیش اسامہ کو روانہ کیا اور جُرف تک خود مشایعت کے لیے گئے۔ اس طرح جیش اسامہ روانہ ہوا اور چالیس دن کے بعد مظفر ومنصور واپس آیا۔ معرکہ میں جو بھی مقابلہ پر آیا اس کو تہ تیغ کیا اور اپنے باپ (زید بن حارثہ) کے قاتل کو قتل کیا اور چلتے وقت ان کے مکانات اور باغات کو نذر آتش کیا۔ صدیق اکبر نے مدینہ سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا، جب مدینہ میں داخل ہوئے تو مسجد نبوی میں شکر کا دوگانہ ادا کیا اور پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔[1]

---

[1] الطبقات الکبریٰ۔ ج:۲،ص:۱۳۶

سفرِ آخرت کی تیاری

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ آخرت کی تیاری شروع فرما دی اور تسبیح وتحمید اور توبہ اور استغفار میں مشغول ہوگئے۔

سب سے پہلے جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کا قریب آجانا منکشف ہوا وہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو اب اللہ کی تسبیح و تحمید اور استغفار میں مشغول ہوجایئے تحقیق اللہ بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

یعنی جب فتح ونصرت آچکی جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا اور کفر اور شرک کا سر کچل دیا گیا اور توحید کا علم سر بلند ہوا، اور حق کو باطل کے مقابلہ میں فتح مبین حاصل ہوئی اور لوگ فوج کی فوج دین مبین میں داخل ہوگئے اور دنیا کو اللہ کا پیغام پہنچ گیا اور دین کی تکمیل ہوگئی تو آپ کے دنیا میں بھیجنے سے جو مقصد تھا وہ پورا ہوگیا اور آپ کا جو کام تھا وہ کر چکے، اب ہمارے پاس آنے کی تیاری کیجئے۔ بیت اللہ کا حج (زیارت) کر چکے، اب ربّ البیت کے حج (زیارت) کی تیاری کیجئے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو جس کام کے لئے دنیا میں بھیجا تھا وہ کام ختم ہوگیا جس نے آپ کو دنیا میں بھیجا تھا اب اس کے پاس واپس ہوجایئے اور اس کے پاس جانے کی تیاری کیجئے۔ یہ عالم فانی آپ کے رہنے کی جگہ نہیں آپ جیسی ارواح مقدسہ کے لئے ملاء اعلیٰ اور رفیق اعلیٰ کا لحوق اور اتصال مناسب ہے۔

چنانچہ آپ اٹھتے اور بیٹھتے اور آتے جاتے یہ پڑھتے تھے۔ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ اور کبھی

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ پڑھتے اور کبھی یہ پڑھتے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ۔

یہ تمام روایتیں تفسیر درمنثور ص ۴۰۸ ج ۶ میں مذکور ہیں۔ (سورۃ النصر)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے ایک بار فرمایا کہ جبریل امین ہر رمضان میں میرے ساتھ قرآن کریم کا صرف ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے لیکن اس رمضان میں دومرتبہ دَور فرمایا۔ میں گمان کرتا ہوں کہ میری روانگی کا وقت قریب آ گیا ہے، ہر سال آپ رمضان المبارک میں ایک عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

حجۃ الوداع میں جب یہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ نازل ہوئی تو آپ اشارۂ خداوندی کو سمجھ گئے۔

منتہائے کمال نقصان است گل بریزد بوقت سیرابی

اس لئے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرمایا کہ شاید اب اس کے بعد تم سے ملنا نہ ہو اور شاید پھر تمہارے ساتھ حج نہ کرسکوں اور پھر غدیر خم کے خطبہ میں فرمایا کہ میں بشر ہوں۔ (اور بشر کے لئے خلود ودوام نہیں۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ) شاید عنقریب میرے رب کا قاصد مجھے بلانے اور لینے کے لئے آجائے اسی بناء پر حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد ایک دن آپ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور آٹھ سال کے بعد شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی اور اُن کے لئے دعاء خیر فرمائی جیسا کوئی کسی سے رخصت ہوتا ہو بقیع سے واپس آ کر مسجد میں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ دیا کہ میں تم سے پہلے جارہا ہوں تاکہ تمہارے لئے حوض وغیرہ کا انتظام کروں اور میرا تم سے حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے اور میں اپنے اسی مقام پر حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور تحقیق مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں اور مجھ کو اپنے بعد اس کا اندیشہ نہیں کہ (تم مجموعی طور پر) سب کے سب شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یعنی پہلے کی طرح پوری قوم مشرک بن جائے، یہ اندیشہ نہیں البتہ خوف یہ ہے کہ تم دنیا کی حرص اور طمع اور باہمی تنافس میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آپس میں لڑو گے اور ہلاک ہو گے۔[1]

[1] زرقانی ج:۸ ص:۲۵۱، ۲۵۰، ۲۵۵

علالت کی ابتداء

ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ ایک بار شب کو اُٹھے اور اپنے غلام ابومویہبہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھ یہ حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لئے استغفار کروں، وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعۃً مزاج ناساز ہوگیا، سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہوگئی۔

یہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کا دن تھا اور بدھ کا روز تھا، اسی حالت میں آپ باری باری ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لے جاتے رہے، جب مرض میں شدّت ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ کے یہاں تشریف لے آئے۔ دوشنبہ کے روز حضرت عائشہ کے حجرہ میں منتقل ہوئے اور آئندہ دوشنبہ کو حضرت عائشہ ہی کے حجرہ میں رحلت فرمائے عالمِ آخرت ہوئے۔ تیرہ یا چودہ روز آپ علیل رہے جس میں سے آخری ہفتہ کی تیمارداری عائشہ صدیقہ کے حصّہ میں آئی۔[۱]

ایک روایت میں ہے کہ جب جبریل امین سورۂ نصر یعنی اذا جآء نصر اللہ الخ لے کر نازل ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اے جبریل اس سورۃ میں مجھے اپنی موت کی اطلاع دی گئی ہے، جبریل امین نے کہا وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى، رواہ الطبرانی من حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ[۲]

اثناء علالت میں آپ کو اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب اور طلیحۂ اسدی مدعیان نبوت اور لوگوں کے مرتد ہونے کی خبر معلوم ہوئی، آپ نے مرتدین سے جہاد کی وصیت اور تاکید فرمائی اور اسود عنسی کی سرزنش کے لئے انصار کی ایک جماعت روانہ فرمائی۔ آپ کی وفات سے ایک روز پیشتر اسود عنسی قتل کیا گیا۔[۳]

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ آپ مرض الوفات میں یہ فرماتے تھے کہ یہ اُسی زہر کا اثر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا، بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب بیمار ہوتے تو معوذات یعنی سورۂ اخلاص اور سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھ کر اپنے اوپر دَم کرتے اور پھر اپنا ہاتھ تمام بدن پر پھیر لیتے۔ عائشہ صدیقہ

[۱] زرقانی۔ ج:۸،ص:۲۵۱،۲۵۰،۲۵۵ [۲] ایضاً [۳] ابن الاثیر ج:۲،ص:۱۵۳

فرماتی ہیں کہ میں آپ کی آخری علالت میں معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی، مگر برکت کے لئے آپ ہی کا دستِ مبارک آپ کے بدن پر پھیر دیتی۔

حضرۃ سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا رونا اور ہنسنا

اسی بیماری میں آپ نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور سرگوشی کی حضرت فاطمہ رو پڑیں اس کے بعد کچھ اور سرگوشی کی تو ہنس پڑیں، عائشہ صدیقہ کہتی ہیں۔ کہ ہم نے آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ سے اس کا سبب دریافت کیا تو یہ کہا کہ اوّل آپ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ جبریل مجھ سے ہر سال رمضان میں قرآن کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے اس سال دو مرتبہ دور کیا میرا خیال ہے کہ اسی بیماری میں میری وفات ہوگی یہ سُن کر میں رو پڑی بعد ازاں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تو سب سے پہلے مجھ سے آملے گی۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی۔ چنانچہ چھ ماہ بعد ہی حضرت سیّدہ اس عالم سے رحلت فرما گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دوسری بار یہ فرمایا کہ تو بہشت کی تمام عورتوں کی سردار ہوگی۔[1]

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آں حضرت ﷺ جب بقیع سے تشریف لائے تو میرے سر میں درد تھا تو اس حالت میں میری زبان سے یہ لفظ نکلا۔ وا راساہ. ہائے میرے سر۔ کہ تو اب چلا یعنی شاید اس تکلیف میں موت آجائے۔ آپ نے فرمایا۔ بل انا اقول وا راساہ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہائے میرا سر۔ مطلب یہ تھا کہ میرے سر میں شدید درد ہے شاید یہی درد میری موت کا پیش خیمہ ہو اور اس کے بعد فرمایا اے عائشہ اگر تو مجھ سے پہلے مر جائے تو تیرا کیا نقصان ہے۔ میں تیرے کفن اور دفن کا انتظام کروں گا اور تیری نماز جنازہ پڑھوں گا اور تیرے لئے دعاءِ مغفرت کروں گا۔ عائشہ صدیقہ نے (بطور ناز) فرمایا گویا کہ آپ میری موت چاہتے ہیں کہ اگر میں اس جہان سے رخصت ہوگئی تو آپ اسی روز میرے ہی گھر میں کسی اور زوجہ کے ساتھ آرام کرنے والے ہوں گے مطلب یہ تھا کہ میرے مرنے کے بعد آپ مجھے بھول جائیں گے اور دوسری بیبیوں میں مشغول ہو جائیں گے، آپ یہ سن کر مسکرائے کہ یہ غافلات المؤمنات میں سے ہے، اسے خبر نہیں کہ میں ہی دنیا سے جا رہا ہوں اور یہ میرے بعد زندہ رہے گی۔[2]

[1] فتح الباری، ج:۸، ص:۱۰۳ [2] البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۵، ص:۲۲۴

واقعۂ قرطاس

وفات سے چار یوم پیشتر بروز پنجشنبہ جب مرض میں شدّت ہوئی تو جو لوگ حجرۂ نبوی میں حاضر تھے، ان سے فرمایا کاغذ قلم دوات لے کر آؤ تا کہ تمہارے لئے ایک وصیّت نامہ لکھوا دوں اس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے، یہ سن کر اہلِ مجلس اختلاف کرنے لگے، حضرت عمر نے کہا کہ آپ بیمار ہیں۔ درد کی شدّت ہے ایسی حالت میں تکلیف دینا مناسب نہیں۔ کتاب اللہ ہمارے پاس ہے (جو ہم کو گمراہی سے بچانے کے لئے) کافی ہے، بعض نے حضرت عمر کی تائید کی اور بعض نے کہا کہ دوات قلم لا کر لکھوا لینا چاہیے۔ اور یہ کہا، اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ۔ کیا آپ نے بیماری کی شدّت اور غفلت اور بیہوشی کی حالت میں معاذ اللہ کوئی لغو اور ہذیان کی بات کہی ہے خود آپ سے دریافت کر لو یعنی آپ اللہ کے نبی و رسول ہیں، آپ کی زبان اور دل خطا اور غلط سے معصوم اور مامون ہے معاذ اللہ اوروں کی طرح نہیں کہ جو بیماری کی حالت میں واہی تباہی بولنے لگتے ہیں، حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس زبان سے (کسی حالت میں) سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

یہ جملہ (اہجر استفہموہ) حضرت عمر کا مقولہ نہیں بلکہ اُن لوگوں کا ہے جن کی رائے حضرت عمر کے خلاف تھی، حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ حضور پُر نور کو لکھنے کی تکلیف نہ دی جائے اور بعض لوگ جن کی رائے یہ تھی کہ دوات قلم لا کر لکھوا لیا جائے ان لوگوں نے حضرت عمر کے جواب میں یہ کہا اہجر استفہموہ۔ اور مطلب یہ تھا کہ جب حضور پُر نور حکم دے رہے ہیں تو کیوں نہ لکھوا لیا جائے۔ معاذ اللہ حضور پُر نور کی زبان مبارک سے کسی ہذیان یا لغویات کا نکلنا ناممکن ہے اسی وجہ سے ان لوگوں نے اہجر بطور استفہام انکاری الزاماً کہا۔ خود اس کے قائل نہ تھے اور جن روایتوں میں یہ جملہ بدون حرف استفہام آیا ہے وہ بھی استفہام پر محمول ہیں اور حرف استفہام وہاں مقدر ہے۔

مجلس میں جب اختلاف زیادہ ہوا اور شور و شغب ہونے لگا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سے اُٹھ جاؤ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں جس حالت میں ہوں وہ

بہتر ہے اس سے کہ جس کی طرف تم مجھ کو بلا رہے ہو، بعد ازاں باوجود اس تکلیف کے آپ نے لوگوں کو تین چیزوں کی زبانی وصیّت فرمائی۔

(۱) مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو یعنی جزیرۂ عرب میں کوئی مشرک رہنے نہ پائے۔

(۲) وفود کو رخصت کے وقت جائزہ یعنی ہدیہ وتحفہ دیا کرو جس طرح میں ان کو جائزہ دیا کرتا تھا۔

(۳) تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا یا راوی بھول گیا۔ (بخاری ومسلم)

بعض کہتے ہیں کہ تیسری بات یہ تھی کہ قرآن پر عمل کرنا یا جیش اسامہ کو روانہ کرنا۔ یا میرے بعد میری قبر کو بُت اور سجدہ گاہ نہ بنانا۔ یا یہ کہ نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں کا خیال رکھنا۔[1]

ف: معلوم نہیں کہ جن باتوں کی آپ نے زبانی وصیّت فرمائی انہی کے لکھوانے کے لیے کاغذ قلم دوات منگوا رہے تھے یا ان کے علاوہ تھیں، واللہ اعلم۔

بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس بیماری کی حالت میں) یہ فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا تھا کہ ابوبکر اور اُن کے فرزند (عبدالرحمٰن) کو بُلانے کے لئے کسی کو بھیج دوں اور اُن کو وصیت کر دوں اور اُن کو اپنا ولی عہد بنا دوں تا کہ کہنے والے کچھ کہہ نہ سکیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کر سکیں لیکن پھر میں نے اپنا یہ ارادہ فسخ کر دیا اور یہ کہا کہ وصیّت کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ انکار کرے گا کہ سوائے ابوبکر کے کوئی اور خلیفہ ہو اور اہل ایمان بھی سوائے ابوبکر کے اور کسی کی خلافت کو قبول نہیں کریں گے اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے۔

معاذ اللّٰہ ان یختلف الناس علی ابی بکر	اللہ کی پناہ۔ کہ لوگ ابو بکر کی خلافت میں اختلاف کریں۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دلی منشا یہ تھا کہ آپ کے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں لیکن آپ نے قضاء وقدر اور اجماع پر چھوڑ دیا کہ قضاء وقدر سے یہی ہوگا کہ ابوبکر ہی خلیفہ ہوں گے اور مسلمانوں کے اہل حل وعقد کے اجماع اور اتفاق سے اُن کی خلافت منعقد ہوگی اور سب مسلمان انہی کی خلافت پر متفق ہوں گے۔ امام بخاریؒ کے کلام

[1] فتح الباری، ج:۸ص:۱۰۳

سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے صدیق اکبر کی خلافت لکھوانا مراد ہے، اس لیے کہ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں اس حدیث پر جو ترجمہ رکھا وہ یہ ہے، ''باب الاستخلاف''، معلوم ہوا کہ اس حدیث سے اشارہ خلافت کی طرف ہے، دیکھو زرقانی ص ۲۶۰ وقسطلانی ص ۲۶۰ ج ۱۰ وفتح الباری ص ۱۷۷ ج ۱۳

جس مجلس میں قرطاس کا واقعہ پیش آیا اور لوگوں کے اختلاف اور شور کی وجہ سے آں حضرت ﷺ نے یہ فرمادیا کہ میرے پاس سے اُٹھ جاؤ پیغمبر خدا کے سامنے اختلاف اور شور مناسب نہیں لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

لوگوں کے چلے جانے کے بعد آپ نے آرام فرمایا ظہر کی نماز کے وقت جب طبیعت کو کچھ سکون ہوا اور مرض کی شدّت میں کچھ افاقہ ہوا تو یہ ارشاد فرمایا کہ سات مشکیں پانی کی میرے سر پر ڈالو شاید کچھ سکون ہو۔ اور میں لوگوں کو وصیت کرسکوں، چنانچہ حسب الحکم آپ پر پانی کی سات مشکیں [1] ڈالی گئیں اسی طرح غسل سے آپ کو ایک گونہ سکون ہوا اور آپ حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی، یہ ظہر کی نماز تھی اور بعد ازاں آپ نے خطبہ دیا اور یہ آپ کا آخری [2] خطبہ تھا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ یہ خطبہ وفات سے پانچ شب یعنی چار روز پہلے تھا۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں اس حساب سے یہ خطبہ جمعرات کے روز ارشاد فرمایا۔[3]

آخری خطبہ

الغرض آپ نماز سے فارغ ہو کر منبر پر رونق افروز ہوئے حق جل شانہ کی حمد وثناء کے

---

[1] دارمی کی روایت میں ہے کہ یہ سات مشکیں مدینہ کے سات مختلف کنوؤں سے بھری گئی تھیں، کذا فی الاتحاف شرح الاحیاء ص ۲۸۸ ج ۲

[2] قال الحافظ ابن کثیر۔ وقد خطب عَلیه الصّلوة والسّلام فی یَوم الخمیس قبل ان یقبض عَلَیه السّلام بخمس أیاّم خطبة عظیمة بین فیها فضل الصدیق مِن سائر الصحابة مع ما کان قد نص علیه ان یؤم الصّحابة اجمعین کما سَیأتی بیانه مَع حضورهم کلهم ولعل خطبته هذه کانت عوضا عما اراد ان یکتبهٗ فی الکتاب وقد اغتسل علیه الصّلاة وَ السّلام بین یَدی هذه الخطبة الکریمة فصبوا علیّه من سبع قرب لم تحلل اوکیتهن وَ هذا من باب الاستشفاء کما وردت بها الاحادیث فی غیر هذا لموضع والمقصود انه علیه الصلوة والسّلام اغتسل ثم خرج فصلّی بالناس ثم خطبهم کما تقدم فی حدیث عائشة کذا فی البدایة والنهایة ص ۲۲۸ ج ۵

[3] زرقانی، ج: ۸، ص: ۲۵۸

بعد سب سے پہلے اصحاب احد کا ذکر فرمایا اور اُن کے لئے دعاء مغفرت کی۔ پھر مہاجرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم زیادہ ہو نگے اور انصار کم ہوں گے، دیکھو انصار نے مجھ کو ٹھکانہ دیا ان میں کا جو محسن اور نیکوکار ہو اس کے ساتھ احسان کرو اور ان میں سے جو غلطی کر گزرے تم اس سے درگزر کرنا۔

پھر فرمایا۔ اے لوگو اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو اختیار کرے یا خدا کے پاس کی نعمتوں یعنی آخرت کو اختیار کرے لیکن اُس بندہ نے خدا کے پاس کی نعمتوں کو یعنی آخرت کو اختیار کر لیا۔ ابوبکر چونکہ سب سے زیادہ علم والے تھے اس لئے سمجھ گئے کہ اُس بندہ سے حضور پُرنور ہی مراد ہیں سنتے ہی رو پڑے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ نے فرمایا اے ابوبکر ٹھہرو اور قرار پکڑو۔ پھر مسجد کی طرف لوگوں کے جتنے دروازے کھلے ہوئے تھے، اُن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ سب دروازے بند کر دیئے جائیں[۱] ایک ابوبکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے جان و مال صحبت و رفاقت کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے مجھ پر ابوبکر ہیں۔ ابوبکر سے بڑھ کر میرا کوئی محسن نہیں جس جس نے میرے ساتھ کوئی احسان کیا میں نے اس کی مکافات کر دی سوائے ابوبکر کے کہ اس کے احسانات کا بدلہ اور صلہ اللہ ہی اس کو قیامت کے دن دے گا۔ اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو اپنا جانی دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اُن سے اسلامی اخوت اور مودّت ہے جس میں وہ سب سے افضل اور برتر ہیں اور اس اخوت اور مودّت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر نہیں[۲]

الغرض آپ نے اس خطبہ میں صدیق اکبر کے وہ فضائل و کمالات بیان کیے جس میں کوئی دوسرا ان کا شریک و سہیم نہ تھا تا کہ لوگوں کے سامنے ان کی فضیلت اور برتری عیاں ہو جائے اور آپ کے بعد ان کی خلافت میں کوئی اختلاف نہ کر سکے اور اسی کی تاکید کے لئے

---

[۱] اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف جتنے دروازے ہیں بند کر دیئے جائیں مگر علی کا دروازہ کھلا رہے۔ رواہ احمد ونسائی۔ سو جاننا چاہیے کہ یہ حکم اس وقت تھا کہ جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی یعنی ابتداء ہجرت کا واقعہ ہے اور صدیق اکبر کے دروازہ کے سوا سب دروازوں کے بند کرنے کا حکم مرض الوفات کا واقعہ ہے جو آخری حکم ہے اور آخری حکم پہلے حکم کے لئے ناسخ ہوتا ہے ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

[۲] البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۵،ص:۲۲۹، فتح الباری، ج:۷،ص:۱۰، اتحاف شرح احیاء علوم الدین، ج:۱۰،ص:۲۸۷

افضل العبادات یعنی نماز کی امامت اُن کے سپرد کی، چنانچہ صحابہ نے ابوبکر سے بیعت کرتے وقت یہی کہا کہ اللہ کے رسول نے جس شخص کو ہمارے دین (نماز) کے لئے پسند فرمایا ہم ان کو اپنی دنیا (خلافت و امارت) کے لئے کیوں نہ منتخب اور پسند کریں[1]

پھر اسی خطبہ میں یہ فرمایا کہ جیش اسامہ کو جلدی روانہ کرو اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ (ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ منافقین تھے) اسامہ کی امارت اور سرداری پر معترض ہیں کہ بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا کیا گیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ انہی لوگوں نے اس سے پہلے اس کے باپ (زید) کی امارت اور اُس کی سرداری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ خدا کی قسم اس کا باپ زید بھی امارت اور سرداری کا اہل تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اسامہ بھی امارت کا اہل ہے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہے۔

اور یہ فرمایا کہ لعنت ہو اللہ کی یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا، مقصود آپ کا اپنی امت کو آگاہ اور خبردار کرنا تھا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔

اور فرمایا، اے لوگو مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے خوف زدہ ہو کیا کوئی نبی مجھ سے پہلے اپنی امت میں ہمیشہ رہا ہے جو میں تم میں ہمیشہ رہوں (کما قال تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا سے ملنے والا ہوں اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم بھی خدا سے ملنے والے ہو، میں مسلمانوں کو وصیّت کرتا ہوں کہ مہاجرین اوّلین کے ساتھ خیر اور بھلائی کا معاملہ کریں۔ اور مہاجرین اولین کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ اور عمل صالح پر قائم رہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

اور اے مسلمانو! میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیّت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ خیر اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا۔ انصار نے اسلام اور ایمان کو ٹھکانہ دیا۔ اور مکانوں اور

---

[1] زرقانی، ج:۸، ص:۲۵۴

زمینوں اور باغوں اور پھلوں میں تم کو اپنا شریک بنایا اور باوجود فقر و فاقہ کے تم کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی۔ (کما قال تعالیٰ وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ)

اور فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور تم بھی مجھ سے آ کر ملو گے حوضِ کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔

اس کے بعد منبر سے اتر آئے اور حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نمازِ جماعت اور صدیق اکبر کو نماز پڑھانے کا حکم

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جب تک طاقت رہی اُس وقت تک آپ برابر مسجد میں تشریف لاتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ پنجشنبہ کی مغرب کی نماز تھی جس کے چار روز بعد، بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہو گیا صحیح بخاری میں ام فضل رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی جس میں والمرسلات پڑھی اس کے بعد آپ نے ہم کو کوئی نماز نہیں پڑھائی۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی، جب عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ لوگ آپ کے منتظر ہیں، آپ نے کئی بار اُٹھنے کا قصد فرمایا مگر شدّت مرض کی وجہ سے بے ہوش ہو ہو جاتے تھے اخیر میں فرمایا کہ ابو بکر کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ عائشہ صدیقہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ابو بکر بہت رقیق القلب ہیں یعنی نرم دل ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو (اُن پر ایسی رقت طاری ہو گی کہ) لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے اور گریہ وزاری کی وجہ سے لوگوں کو اپنی قراءت نہیں سُنا سکیں گے لہٰذا آپ عمر کو نماز پڑھانے کے لئے کہہ دیں۔ حضرت عائشہ نے ظاہر تو یہ کیا مگر دل میں یہ تھا کہ جو شخص آپ کی جگہ کھڑا ہو گا لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے، اس لئے آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ تم یوسف کے ساتھ والیاں ہو (کہ زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے) ابو بکر کو حکم دو کہ وہی

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۵، ص:۲۲۹

نماز پڑھائیں، صحیح بخاری میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے کے بعد عائشہ صدیقہ نے تین بار انکار کیا مگر آپ نے ہر بار تاکید اور اصرار کے ساتھ یہی فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہی نماز پڑھائیں، چنانچہ ابوبکر نماز پڑھانے لگے۔

امام غزالی قدس اللہ سرہ نے احیاء العلوم میں عائشہ صدیقہ کا کلام معرفت التیام نقل کیا ہے جس میں عائشہ صدیقہ نے اپنی دلی منشاء کو ظاہر فرمایا ہے کہ وہ اپنے جلیل القدر باپ کی امامت کو کیوں ناپسند کرتی تھیں۔

قالت عائشة رضی اللّٰه عنها مَا قلت ذَالكَ وَلا صرفته عن ابی بکر الا رَغبة عن المخاطرة وَالهلكة الا ما سلم اللّٰه و خشیت ایضا ان لایکون من الناس رجلا صَلّی فی مقام النّبی صَلی اللّٰه عَلیه وَسلم وهو حی الا ان یشاء اللّٰه یحسدونه و یبغون علیه و یتشاء مون به فاذا الامر امر اللّٰه وَالقضآء قضاء ه و عصمه اللّٰه مِن کل ماتخوفت علیه من امر الدنیا والدین۔

عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ میں اپنے باپ کی امامت سے اس لئے انکار کرتی تھی کہ میرا باپ دنیا سے بالکل علیحدہ رہے اس لئے کہ عزت و وجاہت خطرہ سے خالی نہیں ہوتی، اس میں ہلاکت کا اندیشہ ہے مگر جس کو اللہ صحیح وسالم رکھے وہی دنیا کے فتنہ سے بچ سکتا ہے اور نیز یہ بھی اندیشہ تھا کہ جو شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کی جگہ پر کھڑا ہوگا۔ تو لوگ اس پر حسد کریں گے اور عجب نہیں کہ حسد میں اس پر کوئی زیادتی بھی کریں اور ان کو منحوس بھی سمجھیں پس جب اللہ کا حکم اور اس کی قضاء وقدر یہی ہے کہ میرا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام بنے اور اُن کی جگہ پر امامت کرے تو پھر دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے باپ کو دنیا اور دین کے ہر خوفناک امر سے محفوظ اور مامون رکھے۔

سبحان اللہ یہ ہے صدیقہ بنت صدیق کی فہم وفراست کہ وہ اس امامت ونیابت کو آئندہ خلافت اور امارت کا پیش خیمہ سمجھے ہوئے ہیں اور دل و جان سے اس کوشش میں ہیں کہ

میرے باپ نہ امام بنے اور نہ امیر یہ امامت صغریٰ اور امامتِ کبریٰ میرے باپ سے ہٹ کر کسی اور کے پاس چلی جائے تا کہ میرا باپ دین و دنیا کے فتنہ سے بالکلیہ محفوظ ہو جائے۔ یہ تو بیٹی کا حال تھا اور باپ یعنی ابو بکر صدیق کا حال بیعت کے وقت کے خطبہ سے معلوم کرو۔

فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے اس امارت و خلافت کی نہ کبھی دل سے تمنا کی اور نہ کبھی زبان سے دعاء مانگی مسلمانوں پر فتنہ کے خوف سے اسے قبول کر لیا۔

صدیق اور صدیقہ کی یہی شان ہوتی ہے کہ ان کا دل مال و جاہ کی طمع سے بالکل پاک اور منزّہ ہوتا ہے۔ مگر سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ کا نبی اور اس کا رسول جس کے امام بنانے پر مصر ہو وہ بالیقین امام المتقین ہوگا اور اس کا ظاہر و باطن امارت اور خلافت کی طمع سے بالکل منزّہ ہوگا اور کسی فتنہ کی مجال نہ ہوگی کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

اللہ کے رسول نے جس شخص کو اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا سمجھ لو کہ جو عنایات ربانی اور تائید آسمانی نبی کے ساتھ تھیں وہ اس کے قائم مقام کی بھی ضرور معین اور دستگیر ہوں گی، اس لئے کہ اللہ کا رسول بدون حکم خداوندی اپنا نائب اور قائم مقام نہیں مقرر کر سکتا۔

جس طرح کسی بادشاہ کا اپنی زندگی میں کسی کو اپنا تخت اور چتر سپرد کر دینا اس کو ولی عہد بنانے کے مرادف ہے۔

اسی طرح امام المتقین کا کسی کو اپنے مصلّے پر امامت کے لئے کھڑا کر دینا یہ اس کے مرادف ہے کہ یہ شخص اللہ کے رسول کا ولی عہد اور اس کا جانشین ہے۔

شنبہ یا یکشنبہ کو مزاج مبارک کچھ ہلکا ہوا تو حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے آپ مسجد میں تشریف لائے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس وقت ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، آپ ابو بکر کی بائیں جانب جا کر بیٹھ گئے اور باقی نماز لوگوں کو آپ نے پڑھائی اب آپ امام تھے اور ابو بکر آپ کی اقتدا کرنے لگے اور باقی نمازی ابو بکر کی تکبیروں پر نماز ادا کرنے لگے۔

(بخاری شریف)

یہ ظہر کی نماز تھی اور حضور پرُنور کی یہ امامت آخری امامت تھی س کے بعد مسجد کی حاضری سے بالکلیہ انقطاع ہو گیا اور ام فضل کی روایت میں جو یہ گزرا ہے کہ حضور کی آخری نماز مغرب کی نماز تھی، اس سے مستقل امامت کی نفی مراد ہے کہ از اوّل تا آخر جس نماز میں

امامت اور قراءت فرمائی ہو وہ مغرب کی نماز ہے۔ ہفتہ کے روز حضرت اسامہ اور دیگر صحابہ جن کو جہاد پر مامور فرمایا تھا آپ سے ملنے کے لئے آئے اور آپ سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے مدینہ سے ایک کوس چل کر مقام جُرف میں پڑاؤ ڈالا، تعمیل ارشاد کے لئے روانہ ہو گئے مگر آپ کی علالت کی وجہ سے کسی کا قدم نہیں اٹھتا تھا۔ یکشنبہ کو پھر مرض میں شدّت ہو گئی حضرت اسامہ یہ خبر سنتے ہی پھر افتاں وخیزاں آپ کو دیکھنے کے لئے مدینہ واپس آئے دیکھا تو مرض کی شدّت ہے آپ بات نہیں کر سکتے حضرت اسامہ نے جھک کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیا، آں حضرت ﷺ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے پھر اسامہ پر رکھ دیئے، اسامہ کہتے ہیں میں سمجھا کہ آپ میرے لئے دعاء فرما رہے ہیں بعد ازاں اسامہ جُرف میں واپس آ گئے جہاں پڑاؤ تھا۔[1]

ابنِ سعد طبقات میں اور زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ اسی روز یعنی یکشنبہ کے دن لدود کا واقعہ پیش آیا۔

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ مرض کی شدّت میں ذات الجنب سمجھ کر آپ کے منہ میں دوا ڈالی، آپ اشارہ سے منع بھی فرماتے رہے، مگر ہم یہ سمجھے کہ غالباً یہ طبعی ناگواری ہے جیسا کہ مریض عموماً دوا کو ناپسند کرتا ہے، بعد میں جب آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا، تمہاری سزا یہ ہے کہ سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے سوائے عباس کے کہ وہ اس میں شریک نہ تھے۔[2]

یوم الوصال

یہ دوشنبہ کا روز ہے۔ جس میں آپ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اسی دوشنبہ کی صبح کو آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا دیکھا کہ لوگ صف باندھے ہوئے صبح کی نماز میں مشغول ہیں صحابہ کو دیکھ کر آپ مسکرائے چہرۂ انور کا یہ حال کہ گویا مصحف شریف کا ایک ورق ہے یعنی سپید ہو گیا ہے ادھر صحابہ کی فرط مسرت سے یہ حالت کہ کہیں نماز نہ توڑ ڈالیں۔

[1] طبقات ابنِ سعد، ج:۲، ص:۱۳۶ [2] فتح الباری، ج:۸، ص:۱۱۲

صدیق اکبر نے ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹیں آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے آپ زیادہ کھڑے نہ ہو سکے حجرہ کا پردہ ڈال دیا اور اندر واپس تشریف لے گئے (رواہ البخاری)

آں حضرت ﷺ کا پردہ اٹھا کر نمازیوں کی طرف دیکھنا یہ چہرۂ انور کی آخری جلوہ افروزی تھی اور صحابۂ کرام کے لئے جمالِ نبوّت کی آخری زیارت کا آخری موقع تھا۔ عشّاق کی زبان حال سے وقت یہ شعر پڑھ رہی تھی ۔

وکنت اریٰ کالموت من بَیْنِ سَاعةٍ
فَکَیْفَ بِبَیْنِ کان مَوْعِدُہٗ الْحَشْرُ

میں تو ایک گھڑی ہی کی جدائی کو موت سمجھتا تھا پس اس جدائی کا کیا پوچھنا کہ جہاں لقاء کا وعدہ حشر کے بعد ہو۔

صدیق اکبر جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو سیدھے حجرۂ مبارکہ میں گئے اور آپ کو دیکھ کر عائشہ صدیقہ سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو اب سکون ہے جو کرب اور بے چینی پہلے تھی وہ اب جاتی رہی اور چونکہ یہ دن صدیق اکبر کی دو بیبیوں میں اس بیوی کی نوبت کا دن تھا جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر رہتی تھیں۔ آں حضرت ﷺ سے اجازت لیکر وہاں چلے گئے [1]

اور ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ صدیق اکبر نے عرض کیا۔

یَا نبی اللّٰہ اِنی اراك قد اصبحت بنعمة مِن اللّٰہ و فضل کما نحب والیوم یوم بنت خارجة افآتیھا قال نعم	یا نبی اللہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے اللہ کی نعمت اور فضل سے اچھی حالت میں صبح کی ہے اور آج میری ایک بیوی حبیبہ بنت خارجہ کی نوبت کا دن ہے اگر اجازت ہو تو وہاں ہو آؤں آپ نے فرمایا ہاں چلے جاؤ۔

اور دوسرے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ کو سکون ہے تو وہ بھی اپنے گھروں کو واپس ہو گئے [2]

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۵، ص:۲۴۴ [2] ابن ہشام ج:۴ ص:۳۰۲

حضرت علی حجرۂ مبارکہ سے باہر آئے لوگوں نے آپ کا مزاج دریافت کیا حضرت علی نے کہا بحمد اللہ اب اچھے ہیں لوگ مطمئن ہو کر منتشر ہو گئے، حضرت عباس نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ اے علی خدا کی قسم تین دن کے بعد تو عبدالعصا (لاٹھی کا غلام) ہو گا یعنی اور کوئی حاکم ہو گا۔ اور تم اس کے محکوم ہو گے، خدا کی قسم میں یہ سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس بیماری میں وفات پائیں گے بہتر ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اس بارہ میں دریافت کر لیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو گا۔ اگر ہم میں سے ہو گا تو معلوم ہو جائے گا۔ ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیّت فرما دیں گے۔ حضرت علی نے کہا ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے متعلق انکار فرما دیں تو پھر ہم ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جائیں گے، خدا کی قسم میں آپ سے اس بارہ میں ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔[1]

عالَمِ نزع

لوگ تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو افاقہ اور سکون ہے منتشر ہو گئے کچھ دیر نہ گزری تھی کہ عالم نزع شروع ہو گیا۔ عائشہ صدیقہ کے آغوش میں سر رکھ کر لیٹ گئے، اتنے میں حضرت عائشہ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہاتھ میں مسواک لیے آ گئے۔ آپ اُن کی طرف دیکھنے لگے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے لئے مسواک لے لوں، آپ نے اشارہ فرمایا ہاں، میں نے کہا اس کو نرم کر دوں آپ نے اشارہ سے فرمایا ہاں میں نے چبا کر وہ مسواک آپ کو دی۔ اسی وجہ سے عائشہ صدیقہ بطور فخر اور بطور تحدیث بالنعمۃ یہ کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر وقت میں میرا آبِ دہن آپ کے آبِ دہن کے ساتھ ملا دیا اور آپ کی وفات میرے حجرہ میں اور میری نوبت کے دن میں اور میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان ہوئی۔

فائدہ: ملا علی قاری نے مشائخ طریقت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص مسواک پر مواظبت کرے تو مرتے وقت اس کی زبان پر کلمۂ شہادت جاری ہو جاتا ہے اور افیون کھانے والے کی زبان پر جاری نہ ہو گا۔

آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا درد سے بیتاب ہو کر بار بار ہاتھ اُس پیالہ

[1] البدایۃ والنہایۃ ج:۵ ص:۲۲۷

میں ڈالتے اور مُنہ پر پھیر لیتے اور یہ کہتے جاتے تھے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ ان للموت سکرات اللہ سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں، پھر چھت کی طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر یہ فرمایا اللّٰھم فی الرفیق الاعلیٰ. اے اللہ میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں (یعنی حظیرۃ القدس) جو انبیاء و مرسلین کا مسکن ہے وہاں جانا چاہتا ہوں۔

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں بار بار آپ سے سُن چکی تھی کہ کسی پیغمبر کی رُوح اُس وقت تک قبض نہیں کی جاتی کہ جب تک اس کا مقام جنّت میں اس کو دکھلا نہ دیا جائے اور اس کو اختیار نہ دیا جائے کہ دنیا و آخرت میں سے جس کو چاہے اختیار کرے۔

جس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمات نکلے میں اسی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ ہم میں نہ رہیں گے آپ نے ملاء اعلیٰ اور قرب خداوندی کو اختیار کر لیا ہے، الغرض آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے (اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی) اور رُوح مبارک عالم بالا کو پرواز کر گئی اور دستِ مبارک نیچے گر گیا۔

تاریخ وفات

یہ جان گداز اور رُوح فرسا واقعہ جس نے دنیا کو نبوت و رسالت کے فیوض و برکات اور وحی ربّانی کے انوار و تجلیات سے محروم کر دیا بروز دوشنبہ دو پہر کے وقت ۱۲/ربیع الاوّل کو پیش آیا۔

اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کی وفات ماہ ربیع الاوّل میں بروز دوشنبہ کو ہوئی اختلاف دو امر میں ہے ایک یہ کہ کس وقت وفات ہوئی دوسرے اس امر میں کہ ربیع الاوّل کی کونسی تاریخ تھی۔

مغازی ابن اسحٰق میں ہے کہ چاشت کے وقت آپ کا وصال ہوا اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں زہری اور عروۃ بن زبیر سے مروی ہے کہ زوال کے وقت وصال ہوا یہی روایت زیادہ صحیح اور یہ اختلاف معمولی اختلاف ہے چاشت اور زوال میں کچھ زیادہ فصل نہیں، البتہ تاریخ وفات میں اختلاف شدید ہے، مشہور قول کی بنا پر ۱۲/ربیع الاوّل کو وفات ہوئی۔ موسیٰ بن عقبہ اور لیث بن سعد اور خوارزمی نے یکم ربیع الاول کو تاریخ وفات بتلایا ہے اور کلبی اور ابو

مخنف نے دوم ربیع الاوّل تاریخ وصال قرار دیا ہے۔ علاّمہ سہیلی نے روض الانف میں اور حافظ عسقلانی نے شرح بخاری میں اسی قول کو مرجح قرار دیا ہے۔ [1]

عمر شریف

انتقال کے وقت آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال کی تھی۔ یہی جمہور کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور بعض پینسٹھ اور بعض ساٹھ بتلاتے ہیں۔ [2]

صحابہ کا اضطراب [3]

اس خبر قیامت اثر کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ قیامت آ گئی سنتے ہی صحابہ کے ہوش اُڑ گئے تمام مدینہ میں تہلکہ پڑ گیا جو اس جاں گداز واقعہ کو سنتا تھا ششدر و حیران رہ جاتا تھا۔ ذی النورین عثمان غنی ایک سکتہ کے عالم میں تھے، دیوار سے پُشت لگائے بیٹھے تھے، شدت غم کی وجہ سے بات تک نہیں کر سکتے تھے، حضرت علی کا یہ حال تھا کہ زار و قطار روتے تھے، روتے روتے بے ہوش ہو گئے عائشہ صدیقہ اور ازواجِ مطہرات پر جو صدمہ اور الم کا پہاڑ گرا اس کا پوچھنا ہی کیا۔ حضرت عباس بھی پریشانی میں سخت بے حواس تھے، حضرت عمر کی پریشانی اور حیرانی سب ہی سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور بآواز بلند یہ کہنے لگے کہ منافقین کا گمان ہے کہ حضور پُرنور انتقال کر گئے، آپ ہرگز نہیں مرے بلکہ آپ تو اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر خدا تعالیٰ کے پاس گئے اور پھر واپس آ گئے، خدا کی قسم آپ بھی اسی طرح ضرور واپس آئیں گے اور منافقوں کا قلع قمع کریں گے، حضرت عمر جوش میں تھے تلوار نیام سے نکالے ہوئے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ یہ کہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ابوبکر صدیق وصال کے وقت موجود نہ تھے، دو شنبہ کی صبح کو جب دیکھا کہ آپ کو سکون ہے تو عرض کیا یا رسول اللہ بحمد اللہ اب آپ کو سکون ہے اگر اجازت ہو تو گھر ہو آؤں، آپ نے فرمایا اجازت ہے، صدیق اکبر آپ سے اجازت لے کر گھر چلے گئے جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر تھا، صدیق اکبر تو گھر چلے گئے اور

---

[1] فتح الباری۔ ج:۸، ص:۹۸، زرقانی۔ ج:۳، ص:۱۱۰ [2] فتح الباری۔ ج:۸، ص:۱۱۴

[3] اتحاف شرح احیاء العلوم ج:۱۰، ص:۲۹۷

زوال کے وقت حضور پُرنور کا وصال ہوگیا۔ حضرت ابوبکر کو جب اس جان گداز حادثہ کی خبر پہنچی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی کے دروازہ پر گھوڑے سے اُترے اور حزین و غمگین حجرۂ مبارکہ کی طرف بڑھے اور عائشہ صدیقہ سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے آں حضرت ﷺ بستر مبارک پر تھے اور تمام ازواجِ مطہرات آپ کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ ابوبکر صدیق کی آمد کی وجہ سے سوائے عائشہ صدیقہ کے سب نے منہ ڈھک لیا اور پردہ کرلیا۔ صدیق اکبر نے چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا اور پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور روئے اور یہ کہا وانبیاہ۔ واخلیلاہ۔ واصفیاہ تین مرتبہ ایسا کیا کما رواہ احمد وغیرہ

(کمافی الاتحاف شرح الاحیاء ص ۳۰۰ ج ۱۰)

اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو دومرتبہ[1] موت کا مزہ نہیں چکھائے گا جو موت آپ کے لئے لکھی گئی تھی وہ آ چکی یہ کہہ کر حجرۂ شریفہ سے باہر آئے دیکھا کہ عمر جوش میں بھرے ہوئے ہیں، صدیق اکبر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ انتقال کر گئے ہیں۔ اے عمر کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔

اب تمام لوگ حضرت عمر کو چھوڑ کر صدیق اکبر کے پاس جمع ہوگئے۔

[1] صدیق اکبر کا مقصود ان لوگوں کا رد کرنا تھا جو یہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ دوبارہ پھر زندہ ہوں گے۔ اور منافقین کے ہاتھ پیر کاٹیں گے کیونکہ اگر ایسا ہو تو آپ کی وفات اور موت دو بار ہو جائے گی، اس لئے ابوبکر صدیق نے کہا کہ جو موت آپ کے لئے لکھی ہوئی تھی وہ آ چکی اب دنیا میں دوبارہ موت نہیں آئے گی اور اللہ تعالیٰ آپ پر دو موت جمع نہ کرے گا جیسا کہ پہلی امت میں بنی اسرائیل کے لوگ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور ایک منزل میں پہنچ کر غضب الٰہی سے مر گئے پھر اپنے نبی کی دعاء سے زندہ ہوئے اور پھر اپنے وقت پر مرے تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں موت کا دومرتبہ مزہ چکھایا جن کا قصہ اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ میں مذکور ہے اور جیسا کہ اس شخص نے موت کا دومرتبہ مزہ چکھا کہ جس کا ایک قریہ پر گزر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال کے لئے مردہ بنا دیا اور پھر اس کو زندہ کیا جس کا قصہ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّعَلٰی قَرْيَةٍ...... فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ میں مذکور ہے خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح ان لوگوں نے دنیا میں دومرتبہ موت کا مزہ چکھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر دو موتوں کو جمع نہ کرے گا۔ اس حدیث کی شرح میں اور بھی قول ہیں تفصیل کیلئے فتح الباری ص ۹۱ ج ۳ کتاب الجنائز و زرقانی شرح مواہب ص ۲۷۸ ج ۸ اور مدارج النبوۃ ص ۵۵۸ ج ۲ تقطیع خرد دیکھیں و شرح قسطلانی ص ۱۶ ج ۲ دیکھیں

صدّیق اکبر کا خطبہ

صدیق اکبر منبر نبوی کی جانب بڑھے اور بآواز بلند لوگوں سے کہا کہ خاموش ہو کر بیٹھ جائیں سب لوگ بیٹھ گئے صدیق اکبر نے حمد وثناء کے بعد یہ خطبہ پڑھا۔

أمّا بعد من كان منكم يعبد الله فان الله حي لايموت ومن كان منكم يعبد محمّدا ﷺ فان محمدا قدمات قال الله تعالىٰ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○ وقد قال اللّٰه تعالىٰ لمحمد صلّى اللّٰه عليه وسلم اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ وقال الله تعالىٰ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وقال اللّٰهُ تعالىٰ۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وقال تعالىٰ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ وقال انّ اللّٰهَ عَمَّر

اما بعد جو شخص تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا سو جان لے کہ تحقیق اللہ زندہ ہے اور اس پر موت نہیں آسکتی اور اگر بالفرض کوئی شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو جان لے کہ محمد ﷺ وفات پا گئے اور نہیں ہیں محمد مگر اللہ کے ایک رسول جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم دین اسلام سے واپس ہو جاؤ گے اور جو شخص دین اسلام سے واپس ہوگا تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو انعام دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب بنا کر یہ کہا ہے کہ بے شک آپ مرنے والے ہیں اور یہ سب لوگ بھی مرنے والے ہیں، سب چیز فنا ہونے والی ہے، صرف خداوند ذوالجلال والاکرام کی ذات بابرکات باقی رہے گی، ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ قیامت کے دن سب کو اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا۔ اور

محمدا ﷺ وابقاه حتّٰی اقام دین اللّٰه و اظهر امر اللّٰه و بلغ رسالة اللّٰه وجاهد فی سبیل اللّٰهِ ثمّ توفاه اللّٰه علیٰ ذالِكَ وقد تَرَكَكُمْ علیٰ الطریقة فلن یَهْلكَ هالك الا مِن بعد البینة والشفاء فمن كان اللّٰه ربه فانّ اللّٰه حی لَایموت و من كان یعبد محمّدًا و ینزله الها فقد هلك الٰهةُ فاتقوا اللّٰه ایها النّاس واعتصموا بدینكم و توكلوا علیٰ ربكم فان دین اللّٰه قائم وان كلمة اللّٰه تامة وان اللّٰه ناصر من نصره و معزّ دینه وان كتاب اللّٰه بَیْن اظهرنا وهو النور والشفاء وبه هدی اللّٰه محمَّدا ﷺ و فیه حلال اللّٰه و حَرامه وَ اللّٰه لانبالی من اجلب علینا من خلق اللّٰه ان سیوف اللّٰهِ لمسلولة ما وضعنا ها بعد ولنجا هدن من خالفنا كما جاهدنا مَع رَسُول اللّٰه ﷺ فلا یَبْغِین احد الا علی نفسه [1]

ابوبکر صدیق نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی عمر دراز کی اور ان کو باقی رکھا، یہاں تک کہ اللہ کے دین کو قائم کر دیا اور اللہ کے حکم کو ظاہر کر دیا اور اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلالیا، اور رسول اللہ ﷺ تم کو سیدھے اور صاف راستہ پر چھوڑ کر دنیا سے گئے ہیں۔ اب جو ہلاک اور گمراہ ہوگا وہ حق واضح ہونے کے بعد گمراہ ہوگا، پس اللہ تعالیٰ جس کا رب ہو تو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے اس کو کبھی موت نہیں آسکتی اور جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اور اُن کو خدا جانتا تھا تو جان لے کہ اُس کا معبود تو ہلاک ہو گیا۔ اے لوگو اللہ سے ڈرو اور اللہ کے دین کو مضبوط پکڑو اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھو تحقیق اللہ کا دین قائم اور دائم رہے گا اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور اللہ اس شخص کا مددگار ہے جو اس کے دین کی مدد کرے اور اللہ اپنے دین کو عزت اور غلبہ دینے والا ہے اور اللہ کی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے اور وہی نور ہدایت اور شفاء دل ہے اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو راستہ بتلایا اور اس میں اللہ کے حلال وحرام کردہ چیزوں

[1] البدایة والنہایة۔ ج:۵، ص:۲۴۳۔ زرقانی۔ ج:۸، ص:۲۸۰

کا ذکر ہے خدا کی قسم ہمیں اس شخص کی ذرہ برابر پروا نہیں جو ہم پر فوج کشی کرے (یہ باغیوں اور مرتدین کی طرف اشارہ تھا) تحقیق اللہ کی تلواریں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں وہ اس کے دشمنوں پر تنی ہوئی ہیں۔ وہ تلواریں ہم نے ابھی تک ہاتھ سے رکھی نہیں اور خدا کی قسم ہم اپنے مخالف سے اب بھی اسی طرح جہاد کریں گے جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی معیت میں کیا کرتے تھے پس مخالف خوب سمجھ لے اور اپنی جان پر ظلم نہ کرے۔

صدیق اکبر کا ان آیات کی تلاوت کرنا تھا کہ یکلخت حیرت کا عالم دور ہو گیا اور غفلت کا پردہ آنکھوں سے اٹھ گیا اور سب کو یقین ہو گیا کہ آں حضرت ﷺ کا وصال ہو گیا اس وقت حالت یہ تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں نے اس سے پہلے یہ آیت سنی ہی نہ تھی جسے دیکھو وہ انہی آیتوں کی تلاوت کر رہا تھا۔ (زرقانی وطبقات ابن سعد)

حضرت عمر فرماتے ہیں میری حالت بھی یہی ہوئی کہ گویا میں نے آج ان آیتوں کو پڑھا ہے اور اپنے خیال سے رجوع کیا۔[1]

شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم خوب جانتے تھے کہ آپ پر ایک دن ضرور موت آنے والی ہے لیکن ان کا گمان یہ تھا کہ جو صورت حال پیش آئی ہے وہ موت نہیں بلکہ کسی باطنی مشغولی کی بناء پر فقط حواس ظاہری کا تعطّل ہے جیسا کہ حضور پُر نور کو اثناء وحی میں واقع ہوتا تھا، صدیق اکبر کے خطبہ سے فاروق اعظم کا یہ خیال جاتا رہا اور حقیقت حال ان پر منکشف ہو گئی اور اپنے خیال سے رجوع فرما لیا، دیکھو قرۃ العینین ص ۲۷۰ ج ۱۱ ایسے نازک وقت اور جانکاہ حادثہ میں ایسی ثابت قدمی اور ایسا استقلال صدیق اکبر ہی کا کمال تھا

[1] تفسیر قرطبی۔ ج:۴، ص:۲۲۳

ہم ان کے زور کے قائل ہیں، ہیں وہی شہ زور جو عشق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں

اور ایک روایت میں ہے کہ صدیق اکبر کو جب آں حضرت ﷺ کی وفات کی خبر پہنچی تو فوراً اپنے مسکن سے جو سنح میں تھا روانہ ہو گئے اور کیفیت یہ تھی کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور سینہ سانس سے پانی کے گھڑے کی طرح ہل رہا تھا اسی حالت میں صلاۃ وسلام پڑھتے ہوئے حجرۂ مبارکہ میں داخل ہوئے مگر باوجود اس بے مثال حزن وملال کے عقل اور گویائی میں ذرہ برابر اختلال نہ تھا۔

آپ کے چہرۂ انور کو کھولا پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور زار وقطار روتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ حیات اور موت دونوں حالتوں میں پاکیزہ رہے آپ کی وفات سے نبوت اور وحی منقطع ہو گئی جو کسی اور نبی کی وفات سے منقطع نہیں ہوئی تھی آپ توصیف سے بالا اور برتر ہیں اور گریہ وزاری سے مستغنی ہیں آپ کی ذات بابرکات اس اعتبار سے خاص اور مخصوص ہے کہ آپ کی وفات سے لوگ تسلی حاصل کریں گے اور آپ عام بھی ہیں کہ ہم سب آپ کے رنج والم میں برابر ہیں اگر آپ کی موت آپ کی خود اختیار کردہ نہ ہوتی (اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو اختیار دیا تھا مگر آپ نے خود آخرت کو اختیار کیا) تو ہم آپ کی موت کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے اور اگر آپ ہم کو زیادہ رونے سے منع نہ فرماتے تو ہم آپ پر اپنی آنکھوں کا پانی ختم کر ڈالتے البتہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا ہٹانا اور مٹانا ہمارے اختیار میں نہیں ایک غم فراق اور دوسرے غم میں

وفی روایة ان ابا بکر رضی الله عنه لما بلغه اخبر وهو بالسنح جاء و عیناه تهملان وزفراته تتردد فی صدره و غصصه ترتفع کقطع الجرة وهو فی ذالك رضوان الله علیه جلد العقل والمقالة (ای ثابت العقل وَ القول) حتی دخل علیٰ رسُول الله ﷺ فاکب علیه و کشف وجهه و مسحه و قبّل جبینه وجعل یبکی و یقول بابی انت و امی طبت حیا و میتا وانقطع لموتك مالم ینقطع لموت احد من الانبیاء من النبوة فعظمت عن الصفة وجللت عن البکاء و خصصت حتی صرت مسلاة و عممت حتی صرنا فیك سواء ولولا ان موتك کان اختیارا منك لجدنا لموتك بالنفوس و لولا انك نهیت عن البکاء لانفدن عَلیك ماء الشؤون فاماما لانستطیع نفیه فکمَدوا دناف یتحالفان لایبرحان اللهم ابلغه عنا واذکرنا یا محمد عند ربك ولنکن من بالك کذافی الروض الانف ص۳۷۶ ج۲ و کذا ذکره الغزالی فی الاحیاء وقال الزبیدی قال العراقی رواه ابن ابی الدنیا فی کتاب الضراء من حدیث ابن عمر بسند ضعیف کذافی الاتحاف ص۲۹۹ ج۱۰

جسم کا لاغر ونحیف ہو جانا یہ دونوں چیز باہم ایک دوسرے کی حلیف ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں اے اللہ ہمارا یہ حال ہمارے نبی کو پہنچا دے اور اے محمد ﷺ ہم عاشقوں کو بارگاہ خداوندی میں یاد رکھنا امید ہے کہ ہم ملحوظ خاطر رہیں گے۔

اگر آپ[1] اپنے فیضِ صحبت سے ہمارے دلوں میں سکینت وطمانیت نہ چھوڑ کر جاتے تو ہم اس وحشتِ فراق کا کہ جو آپ ہم میں چھوڑ کر چلے گئے ہرگز ہرگز تحمل نہ کر سکتے۔

پھر ابوبکر حجرہ سے باہر آئے اور لوگوں کی تسلی کے لئے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس کا ایک کثیر حصہ صلاۃ وسلام پر مشتمل تھا اور آپ نے خطبہ میں یہ فرمایا۔

بقیہ خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ[2]

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ غَلَبَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَحْدَهٗ۔	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ نے اپنے نبی سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھایا اُس نے اپنے برگزیدہ بندہ کی مدد کی اور کافروں کی جماعتوں کو شکست دی پس حمد اور شکر ہے اُس وحدہ لاشریک لہٗ کا۔

[1] یہ اسی گزشتہ روایت کا بقیہ ہے جو صرف روض الانف میں مذکور ہے اور ماقبل کا حصہ روض الانف اور احیاء العلوم دونوں میں مذکور تھا اس لئے اس حصہ کے ختم پر دونوں کتابوں کا حوالہ دیدیا، اب روایت کا وہ بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ جو صرف روض الانف میں مذکور ہے وہی ہذہ فلولا ما خلفت من السکینۃ لَم نقم لما خلفت من الوحشۃ اللھم ابلغ نبیک عنا واحفظہ فینا ثُمَّ خرج لما قضی الناس غمرانھم وقام خطیبا فیھم بخطبۃ جلھا الصلاۃ علی النبی محمد ﷺ وقال فیھا اشھد ان لا الٰہ الاّ اللّٰہ وحدہ لاَ شریک لہٗ الی اٰخر الخطبۃ۔ الروض الانف ص ۳۷۶ ج ۲

[2] یہاں سے آخر تک جو خطبہ ہے وہ اتحاف شرح احیاء العلوم میں مذکور ہے، علاّمہ زبیدی اس خطبہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ رواہ بطولہ سیف بن عمر التمیمی فی کتاب الفتوح عن عمرو بن تمام عن ابیہ عن القعقاع قال ابن ابی حاتم سیف بن عمرالتمیمی متروک وَ اخرجہ ابن السکن من طریق ابراھیم بن سعد عن سیف بن عمر عن عمرو عن ابیہ وقال سیف بن عمر ضعیف قلت ھو من رجال الترمذی وھو وان کان ضعیفا فی الحدیث فھو عمدۃ فی التاریخ مقبول النقل کذافی الاتحاف ص ۳۰۲ ج ۱۰

واشهد ان محمد اعبده و رسوله و خاتم انبياء ه واشهد ان الكتاب كما نزل وان الدين كما شرع وان الحديث كما حدث وان القول كما قال وَان الله هو الحق المُبين۔

اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول اور آخری نبی ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کتاب الٰہی یعنی قرآن کریم اسی طرح موجود ہے جس طرح وہ نازل ہوا تھا اور دین اسی طرح ہے جس طرح مشروع ہوا تھا اور حدیث اسی طرح ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حادث اور ظاہر ہوئی تھی اور قول اسی طرح سے ہے جس طرح آپ نے فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ حق ہے اور حق کو واضح کرنے والا ہے۔

اللهم فصل على محمد عبدك و رسولك و نبيك و حبيبك و امينك و خيرتك وصفوتك فافضل ما صليت به على احد من خلقك اَللّٰهُمَّ وَ اجعل صلواتك و معافاتك وَ رحمتك و بركاتك علىٰ سيد المرسلين و خاتم النّبيين و امام المتقين محمّد قائد الخيرو امام الخير و رسول الرحمة اللهم قرب زلفة وعظم برهانه و كرم مقامهٗ وابعثه مقاما محمودا يغبطه به

اے اللہ پس تو اپنی خاص رحمتیں اور عنایتیں نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تیرے خاص برگزیدہ بندہ اور رسول اور نبی اور حبیب اور امین اور بہترین خلائق اور خلاصۂ عالم ہیں ان پر ایسی بہترین صلاۃ وسلام نازل فرما کہ جو تو نے اپنے کسی خاص بندہ پر نازل فرمائی ہو اور اے اللہ اپنی صلوات اور عافیت اور رحمت اور برکت نازل فرما سید المرسلین اور خاتم النبیین اور امام المتقین اور قائد خیر اور امام خیر اور رسول رحمت پر، اے اللہ ان کے قرب کو اور زیادہ فرما اور ان کی دلیل اور برہان کو عظیم فرما اور ان کے مقام کو مکرم فرما او ران

الاولون والاخرون وَ انفعنا بمقامه المحمود يَوم القيامة وَ اخلفه فينا في الدّنيا والاخرة و بلغه الدرجة والوسيلة مِنَ الجَنّة اَللّٰهُمَّ صل علىٰ محمد و علىٰ اٰل محمد و بارك علىٰ محمد واٰل محمد كما صليت و باركت علىٰ ابراهيم انّك حميد مجيدل

ثم قال ايها الناس من كان يَعبد محمّد افان محمدا قدمات ومن كان يعبد اللّٰه فاِنّ اللّٰه حي لم يمت و ان اللّٰه قد تقدم لكم في امره فلا تدعوه جزعًا وان اللّٰه تبارك و تعالىٰ قد اختار لنبيه عليه السلام ما عنده على ما عندكم و قبضه الىٰ ثوابه و خلف فيكم كتابه و سنة نبيه فمن اخذ بهما عرف و من فرق بينهما انكر۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کو مقام محمود (مقام شفاعت) میں کھڑا کر کہ جس پر تمام اوّلین اور آخرین رشک کریں گے اور قیامت کے دن ہم کو ان کے مقام محمود سے نفع دے اور دنیا و آخرت میں ہمارے لئے ان کے عوض اپنی رحمت فرما اور آپ کو جنّت میں درجات عالیہ نصیب فرما اے اللہ محمد اور آل محمد پر اپنی خاص الخاص رحمتیں اور برکتیں نازل فرما جیسے خاص رحمتیں اور برکتیں تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر نازل کیں انک حمید مجید۔

پھر ابو بکر صدیق نے یہ کہا کہ اے لوگو! جو تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا سو جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا سو اللہ تعالیٰ حی لا یموت ہے اس پر موت نہیں آسکتی وہ زندہ ہے مرا نہیں اور حق تعالیٰ نے آپ کی وفات کے متعلق پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے بجائے تمہارے اپنے قرب اور جوار کو پسند کیا اور دار کرامت کی طرف ان کو بلا لیا اور اُن کے بعد تمہاری ہدایت کے لئے اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو تم میں باقی

ل یہاں تک جو خطبہ نقل کیا گیا وہ اتحاف شرح احیاء العلوم ۳۰۲ سے نقل کیا گیا ہے لیکن سوائے درود شریف کے خطبہ کے کچھ جزء الروض الانف ص ۳۷۶ ج ۲ میں بھی مذکور ہیں اس کے بعد یعنی ثم قال ايها لنا من كان يعبد محمدا الخ سے لے کر ولا تستنظروه فيلحق بكم تک خطبہ اتحاف شرح احیاء اور روض الانف دونوں کتابوں میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا يشغلنكم الشيطان بموت نبيكم ولا يلفتنكم عن دينكم وعاجلوا الشيطان بالخزى تعجزوه ولا تستنظروه فيلحق بكم و يفتنكم [1]

چھوڑا پس جس نے کتاب اور سنت دونوں کو مضبوط پکڑا اُس نے حق کو پہچانا اور جس نے کتاب و سنت میں تفریق کی (مثلاً قرآن کو تو مانا اور سنت کو نہ مانا) تو اُس نے حق کو نہیں اپنایا اے ایمان والو! حق اور انصاف کے قائم کرنے والے ہو جاؤ اور شیطان لعین تم کو نبی کی موت کی وجہ سے دین سے نہ ہٹا دے شیطان کے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے خیر کو جلد لے لو اور خیر میں سبقت کر کے شیطان کو عاجز اور لاچار بنا دو اور شیطان کو اتنی مہلت نہ دو کہ وہ تم سے آ کر ملے اور تم کو کسی فتنہ میں مبتلا کرے۔

فلما فَرغ مِن خطبته قال يا عمر أأنت الّذى بلغنى عنك انّك تقول علىٰ باب نبى الله والّذى نفس عمر بيده مامات نبى الله اما علمت ان رسول الله ﷺ قال يوم كذا كذا و كذا وقالَ اللّٰهُ عزوجل فى كتاب انك ميت و انهم ميتون فقال عمرو الله لكانى لم اسمع بها فى كتاب الله

صدیق اکبر جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو عمر کو مخاطب بنا کر کہا اے عمر تو ہی وہ شخص ہے کہ جس کے متعلق مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو پیغمبر کے دروازہ پر یہ کہتا ہے کہ پیغمبر خدا نہیں مرے کیا تجھے معلوم نہیں کہ پیغمبر خدا نے اپنی وفات کے متعلق فلاں فلاں دن یہ فرمایا اور خدا تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ انك ميت وانهم ميتون حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میرا حال ایسا ہوا

[1] ثم قال ایها الناس من کان یعبد محمدا فان محمدا قدمات سے لے کر یہاں تک یعنی فیلحق بکم تک خطبہ کا یہ حصہ اتحاف شرح احیاء اور روض الانف دونوں کتابوں میں مذکور ہے اور اس کے بعد کا حصہ یعنی فلما فرغ من خطبته سے لے کر اخیر تک یہ حصہ فقط الروض الانف میں مذکور ہے، منہ عفا اللہ عنہ

تعالیٰ قبل الآن لما نزل بنا اشھد ان الکتاب کما نزل وان الحدیث کما حدث و ان اللّٰہ تبارک و تعالیٰ حی لایموت انا لِلّٰہِ وَ اِنا الیہ راجعون صلوات اللّٰہ علیٰ رسولہ و عند اللّٰہ نحتسب رسولہ۔[۱]

کہ گویا میں نے کتاب اللہ کی یہ آیت اس سے پہلے سنی ہی نہ تھی میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن اسی طرح ہے جس طرح وہ نازل ہوا اور حدیث اسی طرح ہے جس طرح وہ حادث اور صادر ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ حی لایموت ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اُس کے رسول پر اور ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ ہم کو اس مصیبت پر اجر ملے گا۔

سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع

ادھر تو یہ حادثہ جان گداز پیش آیا۔ اور کچھ یہ خبر ملی کہ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور آپ کی جانشینی کا مسئلہ درپیش ہے مہاجرین نے صدیق اکبر سے کہا کہ آپ بھی سقیفہ میں تشریف لے جائیں ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ ابوبکر اور عمر مع مہاجرین کے سقیفہ میں تشریف لے گئے (مفصل واقعہ انشاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے)

ابوبکر وعمر کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا عجلت میں کسی کے ہاتھ پر بیعت کر بیٹھیں اور بعد میں وہ فتنہ کا سبب بنے اور مسلمانوں کے لئے مصیبت بن جائے۔ جب اس مسئلہ کا تصفیہ ہو گیا اور بالاتفاق صدیق اکبر آپ کے خلیفہ اور جانشین مان لئے گئے تب اگلے روز آپ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے، سقیفہ میں اجتماع کا واقعہ دوشنبہ کی شام کو پیش آیا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات دوشنبہ کے روز زوال کے قریب ہوئی اس کے بعد صدیق اکبر سنح سے تشریف لائے اور خطبہ دیا۔ وغیرہ وغیرہ اس کے بعد کہیں شام کو سقیفہ میں اجتماع کا واقعہ پیش آیا۔

حضرات اہل بیت حجرۂ نبوی میں جمع تھے اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم انصار کے جمع ہونے کی خبر سن کر سقیفہ میں چلے گئے، ان حضرات کو یہ فکر تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو وصال

---

[۱] الروض الانف۔ ج:۲،ص۳۷۶

ہو گیا اور آسمان سے وحی کا اُترنا ختم ہوا اور حضور پُر نور ہم کو آنے والے فتنوں سے ڈراتے رہے ہیں مبادا اس وقت امّت میں تشتت اور افتراق کا کوئی فتنہ نہ قائم ہو جائے جس سے اسلام کا تمام نظام درہم و برہم نہ ہو جائے اور تیئیس سالہ نبوت میں جو اسلام کا نظام قائم ہوا ہے خدانخواستہ وہ باہمی افتراق کی نذر نہ ہو جائے اور امّت کا شیرازہ منتشر ہو جائے جس کا جوڑ پھر مشکل ہو۔

اگر کسی بادشاہ کا انتقال ہو جائے تو جب تک اس کا کوئی جانشین نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام نہیں کیا جاتا، ایسے وقت میں تجہیز و تکفین کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہوتا جتنا کہ جانشینی کا مسئلہ اہم ہوتا ہے، خیر خواہانِ حکومت کو یہ فکر ہوتی ہے کہ انتظام مملکت میں خلل نہ آنے پائے غنیم موقع پا کر بے خبری میں حملہ نہ کر بیٹھے جس میں تمام ملک کی تباہی اور بربادی کا اندیشہ ہے بلکہ بسا اوقات بنظر مصلحت بادشاہ کی وفات کو بھی چھپا لیتے ہیں اور جانشینی کے بعد اس کا اعلان کرتے ہیں اور شیعہ حکومتوں میں بھی یہی قاعدہ ہے۔

اور اگر بادشاہ کے انتقال کے بعد سلطنت میں دو امیر ہو جائیں تو وہ سلطنت ضرور برباد ہو جائیگی ایک سلطنت میں دو خلیفہ کا ہونا موجب خرابی اور باعث بربادی ہے اور آپ کی وفات کے بعد منافقین اور کفار کی طرف سے غدر اور شور و شر کا احتمال اور اندیشہ تھا ایسے وقت میں شیرازۂ اسلام کی حفاظت اوّلین کام تھا بایں نظر شیخین۔ (صدیق اکبر اور فاروق اعظم) نے یہ گمان کیا کہ تجہیز و تکفین کوئی مشکل کام نہیں اور اہل بیت (گھر والوں) سے متعلق ہے سب صحابہ کا اس میں شریک ہونا ضروری نہیں غلامانِ اہل بیت بھی یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

اور آں حضرت ﷺ نے اس تیئیس سالہ مدّت میں جو مصیبتیں اسلام کے سربلند کرنے اور کفر کے سرنگوں کرنے میں اٹھائیں اب اُن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اس وقت آں حضرت ﷺ دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے ہیں اب اگر آپ کے ان مہمات کے لئے کوئی صحیح جانشین مقرر نہ ہوا تو اندیشہ ہے کہ طرفۃ العین میں ریاست اسلام کا کارخانہ درہم و برہم ہو جائے اور سالہا سال کی محنت و مشقت اور غزوات اور سرایا اور تبلیغ اور دعوت میں جو تکلیفیں اٹھائیں وہ یکلخت سب رائگاں ہو جائیں اور سرے سے پھر کفر کا جھنڈا کھڑا ہو جائے اور شیطان علیہ اللعنۃ حسب سباق لوگوں کو اپنی راہ پر لگا لے اور نبوت آپ پر ختم ہو چکی ہے تو اگر پھر ویسی ہی تاریکی دنیا میں پھیل جائے تو پھر کہاں سے آفتاب ہدایت نکلے گا۔

چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ چارہ نبود در مقامش از چراغ

اس لئے ابوبکر وعمر کو یہ فکر ہوئی کہ بجرد وفاتِ آں حضرت کوئی آپ کا جانشین مقرر ہو جائے تا کہ اسلام کی ریاست اور سیاست کا کام بدستور جاری ہے اور اسلام کی بات جوں کی توں بنی رہے۔ اور کوئی منافق اور دشمن اسلام (جو اسی تاک میں ہیں) سر نہ اٹھا سکے اسی میں تمام امت کی صلاح اور فلاح مضمر ہے ابوبکر وعمر کو تو یہ فکر تھی اور تجہیز و تکفین کی طرف سے بسبب اہلِ بیت کے بے فکر تھے نیز تمام صحابہ کرام کو یہ معلوم تھا کہ وفات سے انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ میں کوئی تغیر نہیں آتا، اس لئے تاخیر دفن کا کوئی اندیشہ نہ کیا اور کمال دانش مندی سے فتنہ اور فساد کا دروازہ بند کر دیا اور مسلمانوں کو افتراق سے بچا لیا۔ تجہیز و تکفین میں اگر کچھ تاخیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں اگر اسلام کی ریاست کا انتظام نہ ہوا تو نہ معلوم کہ دم کے دم میں کیا کیا خرابیاں برپا ہو جائیں اور پھر تجہیز و تکفین بھی حلاوت سے نہ ہو سکے۔

سدا دور دوراں دکھاتا نہیں گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

چنانچہ انصار اس بات پر آمادہ تھے کہ ایک سردار ان میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو یہ ایک عظیم فتنہ تھا، ایک سلطنت میں دو امیروں کا ہونا یہی سلطنت کی بربادی کا باعث ہے اس لئے ابوبکر وعمر نے اس طرف خاص توجہ کی اور جب جانشینی کا مسئلہ طے ہو گیا تب اطمینان کے ساتھ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے رضی اللّٰہ عنھم و جزاھم من الاسلام والمسلمین خیرا خیرا امین۔

چشم بداندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

ابوبکر صدیق تو سقیفہ میں رفع فتنہ کے لئے گئے تھے مگر تقدیر کی کسی کو کیا خبر لوگوں نے ابو بکر ہی کو گھیر لیا۔ اور زبردستی خلیفہ بنا لیا، بتاؤ اس میں ابوبکر کا کیا قصور ہے وہ بیچارے تو بہت کچھ ٹالتے رہے مگر ان کے ہوتے ہوئے لوگوں کی نظر میں کوئی جچا ہی نہیں ابوبکر صدیق کو تو اپنی خلافت کا وہم و گمان بھی نہ تھا فقط رفع فتنہ مدنظر تھا ان کو کیا خبر تھی کہ خلافت میرے ہی سر پڑ جائے گی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

تجہیز و تکفین اور غسل

صدیق اکبر کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ جب غسل کا ارادہ کیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کپڑے اتارے جائیں یا نہیں، ہنوز ابھی کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ یکلخت سب پر ایک غنودگی طاری ہوگئی اور غیبی طور پر یہ آواز سنائی دی کہ اللہ کے رسول کو برہنہ نہ کرو کپڑوں ہی میں غسل دو چنانچہ پیرہن مبارک ہی میں آپ کو نہلایا گیا۔ اور بعد میں وہ نکال لیا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ غسل دے رہے تھے اور حضرت عباس اور اُن کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ اور شقران پانی ڈال رہے تھے۔[۱]

غسل کے بعد سحول کے بنے ہوئے تین کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ اور وہ پیراہن جس میں آپ کو غسل دیا گیا وہ اُتار لیا گیا۔[۲]

تجہیز و تکفین کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کہاں دفن ہوں، صدیق اکبر نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پیغمبر اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی روح قبض ہوتی ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

چنانچہ اسی جگہ آپ کا بستر اٹھا کر قبر کھودنا تجویز ہوا۔ لیکن اس میں باہم اختلاف ہوا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے، مہاجرین نے کہا مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودی جائے انصار نے کہا مدینہ کے طریقہ پر لحد تیار کی جائے ابوعبیدہ بغلی قبر اور ابوطلحہ لحد کھودنے میں ماہر تھے۔ یہ طے پایا کہ دونوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا جائے جونسا شخص پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے۔ چنانچہ ابوطلحہ پہلے آپہنچے اور آپ کے لئے لحد تیار کی۔[۳]

اور قبر کو کوہان کی شکل پر بنا دیا گیا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

فائدہ: ہر نبی کا مدفن۔ اُن کے محل وفات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ محل وفات میں اُن کو دفن کیا جائے اور اگر کسی عارض کی وجہ سے دوسری جگہ دفن ہوں تو یہ اور بات ہے۔

۱۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۵، ص:۲۶۰ ۲۔ اتحاف۔ ج:۱۰، ص:۳۰۴ ۳۔ زرقانی۔ ج:۸، ص:۲۸۹۔۲۹۲۔ طبقات ابن سعد۔ ج:۲، ص:۵۹

نماز جنازہ

سنن ابنِ ماجہ میں عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ منگل کے روز جب آپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو جنازہ شریف کو قبر کے کنارہ پر رکھ دیا گیا ایک ایک گروہ حجرہ شریفہ میں آتا تھا اور تنہا نماز پڑھ کر باہر واپس آجاتا تھا کوئی کسی کی امامت نہیں کرتا تھا الگ الگ بغیر امام کے نماز پڑھ کے واپس آجاتے تھے۔

شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ لوگوں نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے، آپ نے فرمایا جنازہ پڑھو لوگوں نے کہا کس طرح ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ لوگوں کا ایک ایک گروہ حجرہ میں جائے اور تکبیر کہے پھر درود اور دُعاء پڑھے اور باہر آجائے پھر دوسرا گروہ داخل ہو اور اسی طرح تکبیر کہیں اور پھر درود اور دعا کے بعد واپس آجائیں اسی طرح سب لوگ نماز پڑھیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپ پر حقیقۃً نماز جنازہ پڑھی گئی اور یہی جمہور کا مسلک ہے (انتہیٰ کلامہ) اور اسی کو امام شافعیؒ نے کتاب الام میں جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی بلکہ لوگ حجرۂ شریفہ میں فوج فوج داخل ہوتے تھے اور صلاۃ وسلام اور درود دعاء پڑھ کر واپس آجاتے تھے۔

چنانچہ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ ابو بکر اور عمر ایک گروہ کے ساتھ حجرۂ نبوی میں داخل ہوئے اور جنازہ نبوی کے سامنے کھڑے ہو کر یہ پڑھا۔

السَّلام عَليك اَيُّهَا النَّبِیّ ورحمة اللّٰهِ اللّٰهُمَّ انا نشهد انه قد بلغ ما انزل اليه و نصح لامته وجاهد فی سبيل اللّٰهِ حتی اعز اللّٰه دينه و تَمّت كلمتهٗ فَاجْعَلنا يا الٰهنا ممّن	سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اُس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ پر اے اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ نے وہ سب کچھ پہنچا دیا جو اس پر اتارا گیا اور آپ نے اُمت کی خیر خواہی کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ نے اپنے دین کو

يتبع القول الذی انزل معه وَ اجمع بيننا وَ بَينه حتی يعرفنا و نعرفه فانه كان بالمؤمنين رؤفا رحيما لانبتغِیُ بالايمان بدلا ولا نشتری به ثمنا۔

غالب کیا اور اس کا بول بالا ہوا اے اللہ ہم کو ان لوگوں میں سے بنا جنہوں نے آپ کی وحی کا اتباع کیا اور ہم کو آپ کے ساتھ جمع کر آپ ہم کو اور ہم آپ کو پہچانیں آپ مسلمانوں پر بڑے مہربان تھے ہم اپنے ایمان کا کوئی معاوضہ اور قیمت نہیں چاہتے۔

لوگوں نے آمین کہی۔ جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتوں نے عورتوں کے بعد بچوں نے اسی طرح کیا۔[1]

تنبیہ: اس روایت میں صراحۃً ابوبکر وعمر کا نماز جنازہ پڑھنا مذکور ہے اور یہ امر متواتر اور قطعی ہے لہٰذا حضرات شیعہ کا یہ کہنا کہ خلفاء ثلاثہ جنازۂ رسول میں شریک نہیں ہوئے۔ سپید جھوٹ ہے اور خلاف عقل ہے کہ خلفاء آپ کے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔

مسند بزار اور مستدرک حاکم میں ہے کہ آپ نے ایک روز مرض الوفات میں اہلِ بیت کو حضرت عائشہ کے گھر میں بلایا۔ اہل بیت نے دریافت کیا یارسول اللہ آپ کے جنازہ کی نماز کون پڑھائے۔ آپ نے فرمایا کہ جب میری تجہیز وتکفین سے فارغ ہو جاؤ تو تھوڑی دیر کے لیے حجرہ سے باہر چلے جانا سب سے پہلے مجھ پر جبریل نماز پڑھیں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت پھر باقی فرشتے اس کے بعد تم ایک ایک گروہ کر کے اندر آنا اور مجھ پر صلاۃ وسلام پڑھنا۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ نے آپ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

اس آیت میں ہر مسلمان کو صلاۃ وسلام کا فرداً فرداً حکم ہے۔ جس طرح آپ کی حیات میں صلاۃ وسلام بغیر امام اور بغیر جماعت کے فرض تھا۔ اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی بغیر کسی جماعت اور امام کے صلاۃ وسلام کا فریضہ فرداً فرداً ادا کیا گیا۔[2]

فائدہ: ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ تیس ہزار آدمیوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ، ج:۵،ص:۲۶۵ [2] زرقانی شرح موطا۔ ج:۲،ص:۱۶۔ شرح مواہب۔ ج:۸،ص:۲۹۱

تدفین

دوشنبہ کو دوپہر کے وقت آپ کا وصال ہوا یہ وہی دن اور وہی وقت تھا کہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔ چہار شنبہ کی شب میں آپ دفن ہوئے، جمہور کا یہی قول ہے اور بعض روایات اس بارے میں صریح ہیں جن میں تاویل کی گنجائش نہیں بعض کہتے ہیں کہ سہ شنبہ کو مدفون ہوئے۔

حضرت علی اور حضرت عباس اور اُن کے دونوں صاحب زادے فضل اور قثم نے آپ کو قبر میں اتارا۔ جب دفن سے فارغ ہوئے تو کوہان کی شکل میں آپ کی تربت تیار کی اور پانی چھڑکا۔[1]

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دفن سے فارغ ہو کر کفِ افسوس ملتے ہوئے اور خون کے آنسو بہاتے ہوئے اور اس مصیبت کبریٰ پر انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے گھروں کو واپس ہوئے۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ فیہ العفاف و فیہ الجود والکرم
الا یا ضریحًا ضم نفسا زکیّۃ عَلیک سلام اللّٰہِ فی القرب والبعد
علیک سلام اللّٰہ ما ھبت الصّبا وَمَا ناح قمری علی البان والرند
وَمَا سجعت ورق و غنت حمامۃ وَمَا اشتاق ذو وجدالی ساکنی نجد
ومالی سوی حسبی لکم اٰل احمد
امرغ من شوقی علیٰ بابکم خدی[2]

لطائف ومعارف

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بیان قارئین کرام نے پڑھ لیا اب ہم اس کے متعلق کچھ لطائف ومعارف ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ ج:۲، ص:۷۶۔ [2] سیرۃ حلبیہ ص ۳۸۹ ج ۳ انشد ہا الحافظ الدمیاطی عن غیرہ ۱۲

(۱)

سفرآخرت کی تیاری حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت ہے۔ حضرات انبیاء کو اپنے زمانہ وفات کے قریب ہونے کا علم، وحی خداوندی اور اشارات غیبیہ سے ہوجاتا ہے۔

میان عاشق و معشوق رمزیست کراما کاتبین راہم خبر نیست

اور عباد صالحین کو بذریعہ الہام اور رؤیائے صالحہ کے بعض اوقات اپنی وفات کی آمد کی اطلاع ہوجاتی ہے نبوت ختم ہوگئی مگر رؤیائے صالحہ اور رؤیائے صادقہ ہنوز امت میں باقی ہیں کہ جس کے ذریعہ بعض اوقات آئندہ پیش آنے والے واقعات کبھی صراحۃً اور کبھی بطور رمز اور اشارات بتلادیئے جاتے ہیں مگر یہ امر ضرور ملحوظ خاطر رہے کہ خواب دیکھنا کسی کے اختیار میں نہیں خواب دکھلانا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس کو چاہیں اور جس وقت چاہیں اور جتنا چاہیں اور جس طرح چاہیں دکھلائیں اور نہ چاہیں تو نہ دکھلائیں اور کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہیں۔ ع

کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

اور عامہ مومنین کو کبھی بذریعہ خواب اور کبھی بتقاضائے عمر اور کبھی بابتلاء بیماری تنبہ ہو جاتا ہے کہ وقت قریب آگیا ہے اور کبھی اپنے ہمعصروں اور ہمعمروں کے انتقال کو دیکھ کر خیال آجاتا ہے کہ میرے ہم عمر اب دنیا سے جارہے ہیں، مجھے بھی تیاری کرلینی چاہیے اور موت کی آمد آمد کی خبر اور اطلاع کا سب سے واضح اور روشن ذریعہ ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ جانا اور بڑھاپے کا آجانا ہے کہ جس کے بعد حجت ختم ہوجاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَ كُمُ النَّذِيْرُ۔

بہر حال تنبہ کا فقط ایک ذریعہ نہیں بہت سے ذرائع سے موت کی تیاری کرسکتا ہے پھر یہ خیال کرنا چاہیے کہ حضرات انبیاء کرام اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں معصوم ہیں ان کی مغفرت قطعی اور یقینی ہے اور ہم گنہگار و نابکار و نالائق و ناہنجار تو سراپا جرم وقصور ہیں ہمیں تو تیاری میں کوئی کسر ہی نہ چھوڑنی چاہئے جس قدر ممکن ہو توبہ اور استغفار کریں اور یہ دعاء کیا کریں۔ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيِّ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ اٰمِيْنَ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

(۲) واقعۂ قرطاس

واقعۂ قرطاس کے متعلق حضرات شیعہ فاروق اعظم پر یہ طعن کرتے ہیں کہ آخری وقت میں پیغمبر خدا کو وصیت کرنے سے منع کیا اور کاغذ نہ لکھنے دیا اس طرح آپ کی نافرمانی اور حکم عدولی کی

جواب

یہ ہے کہ اس حکم کے مخاطب خاص حضرت عمر نہ تھے بلکہ تمام حاضرین حجرہ سے کاغذ قلم دوات لانے کو فرمایا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ حجرۂ نبوی کے حاضرین اکثر حضرات اہل بیت ہی تھے جن میں حضرت علی اور حضرت عباس بھی تھے اگر حضرت عمر کاغذ اور قلم دوات نہیں لائے تو حضرت علی اور حضرت عباس کو کس نے منع کیا تھا، جب حضرت علی اور حضرت عباس بھی کاغذ و قلم و دوات نہ لائے تو معلوم ہوا کہ حضرت علی و حضرت عباس کی بھی یہی رائے تھی جو حضرت عمر کی تھی کہ ایسی تکلیف اور بیماری کی شدّت میں حضور پُر نور کو تکلیف نہ دی جائے، پس اگر یہ حکم وجوب اور فرضیت کے لئے تھا تو تمام حاضرین گنہگار اور فرمان نبوی کے مخالف ہوئے حضرت عمر کی کیا خصوصیت کہ جو خاص انہی کو مورد طعن بنایا جائے۔

نیز اس گفتگو کے بعد۔ آں حضرت ﷺ پانچ روز اس عالم میں تشریف فرما رہے نہ تو حضور نے دوبارہ کاغذ قلم دوات حاضر کرنے کا حکم دیا اور نہ حضرات اہل بیت اور نہ دیگر اصحاب میں سے کسی نے اس بارہ میں کچھ عرض کیا، معلوم ہوا کہ یہ کوئی امر واجب نہ تھا ورنہ حضور پُر نور خود ضرور لکھوا دیتے لقولہ تعالیٰ۔ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔ اور حضرت امیر بھی ان پانچ دن میں کسی نہ کسی وقت کاغذ قلم دوات لا کر اس امر وجوبی کی تعمیل کر لیتے اور نافرمانوں کے زمرہ میں نہ رہتے۔ حضرت عمر حجرۂ نبوی کے دربان و پاسبان تو نہ تھے کہ کوئی شخص بغیر حضرت عمر کی اجازت کے کاغذ و قلم لا کر لکھوا نہ سکے حضرت عمر کی یہ گزارش ایسی تھی جیسے حضرت علی کو رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں صلح نامہ میں سے لفظ رسول اللہ مٹانے کو کہا مگر حضرت علی نے نہ مانا پس حضرت علی کا یہ حکم نہ ماننا صورۃً اگرچہ معصیت ہو مگر در حقیقت کمال محبت اور کمال عظمت ہے جس پر ہزاروں طاعتیں قربان ہیں۔

اور حضرت عمر کا یہ فرمانا کہ حَسْبُنَا کتاب الله ۔ ہمیں قرآن کافی ہے اُس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں حدیث کی حاجت نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے جس میں تمام ضروری اُمور بتلا دیئے گئے ہیں، اب دین کا کوئی تازہ حکم باقی نہیں رہا غالباً آپ کو بمقتضائے شفقت یہ اندیشہ ہے کہ ہم آپ کے بعد گمراہی میں نہ مبتلا ہو جائیں یعنی ہمارے دین میں خلل نہ واقع ہو جائے ۔ حضرت عمر نے از راہ محبت وشفقت عرض کیا ۔ یا رسول اللہ آپ اس بیماری میں تکلیف نہ برداشت فرمائیں کتاب اللہ ہم کو گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے ۔ پس حضرت عمر کی یہ گزارش عین محبت اور عین خیر خواہی ہے معاذ اللہ نافرمانی اور حکم عدولی نہیں ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کے متعلق کوئی تحریر لکھوانا چاہتے تھے تو ہم یہ عرض کریں گے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ابوبکر کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے یا حضرت امیر کی بصورت اوّل تو خود ہی آں حضرت نے اس کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور یہ فرمایا کہ یابی الله والمؤمنون الاابابکر ۔ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان سوائے ابوبکر کے کسی کی خلافت کو قبول ہی نہیں کریں گے، اس معاملہ کو آپ نے حق تعالیٰ پر اور پھر مسلمانوں کے اجماع اور اتفاق پر چھوڑ دیا ااور اگر حضرت علی کی خلافت لکھوانا منظور تھی تو حضرات شیعہ کے نزدیک اس کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ اس واقعہ سے پہلے ہزاراں ہزار لوگوں کی موجودگی میں غدیر خم کے میدان میں حضرت علی کی ولایت کا خطبہ فرما دیا تھا اور حضرت امیر کو ہر مؤمن اور مؤمنہ کا مولا بنا دیا تھا ۔ اور یہ قصہ تمام دنیا میں مشہور ہو گیا تھا پس اس شہرت اور تواتر اور اعلان عام کے بعد ایک خانگی نوشتہ کی جو ایک مختصر سے حجرہ میں چند اہل بیت کے سامنے ہو کیا ضرورت ہے ۔

(۳) امامت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ

مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صدیق اکبر کو نماز کا امام مقرر کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زمعہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم نے علیحدہ علیحدہ روایت کیا ہے ۔ آه

صحیح بخاری میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے تین بار انکار کیا مگر باوجود اس کے آں

حضرت ﷺ بار بار یہی فرماتے رہے کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں اور بے شمار احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے مسلمانوں کو اس امر کی تاکید فرمائی کہ نماز کا امام ایسے شخص کو مقرر کریں کہ جو علم اور قراءت اور ورع اور تقویٰ میں سب سے فائق ہو اور حضراتِ شیعہ کے نزدیک تو سوائے افضل اور اشرف کے کسی کو امام بنانا جائز ہی نہیں۔

اب ان ارشادات کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کا اپنی جگہ ابوبکر کو امام مقرر کرنا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حضور کی نظر میں ابوبکر ہی سب سے زیادہ اَعْلَم اور اَتْقیٰ تھے۔ جیسا کہ تمام مفسرین کا اجماع ہے سورۂ لیل کی یہ آیتیں وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الخ ابوبکر صدیق کے بارے میں نازل ہوئیں اور اس آیت میں اتقیٰ (سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار) سے ابوبکر مراد ہیں اور قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ حضرات شیعہ بتلائیں کہ اگر حضرت ابوبکر کافر تھے یا فاسق تھے یا منافق تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو کیوں امام بنایا اور بعض نمازوں میں کیوں ان کی اقتداء کی اور آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت امیر۔ شیخین اور حضرت عثمان کے پیچھے کیوں نمازیں پڑھتے رہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

وَالمقصود ان رسول اللّٰه ﷺ قدم ابابكر اماما للصحابة كلهم فى الصلاة التى هى اكبر اركان الاسلام العملية قال الشيخ ابوالحسن الاشعرى و تقديمه له امر معلوم بالضرورة من دين الاسلام قال و تقديمه له دليل على انه أعلم الصحابة و اقرأهم لمَا ثبت فى الخبر المتفق عَلىٰ صحته بين العلماء انّ رسول

مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدیق اکبر کو تمام صحابہ کا امام مقرر کیا کہ ان کو نماز پڑھائیں اور ظاہر ہے کہ اسلام کے ارکان عملیہ میں سب سے بڑا رکن نماز ہے امام ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ میں ابو بکر کو امامت کیلئے مقدم کرنا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ابوبکر تمام صحابہ سے علم اور فضل میں بڑھے ہوئے یعنی سب سے افضل ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ قوم کی امامت وہی شخص کرے جو کتاب اللہ کا سب

اللّٰـہِ ﷺ قـال یَـوُم الـقـوم اقـرأهـم لكتاب الله فان كانوا فـی الـقـراءة سـواء فـاعـلـمهم بـالسـنّة فـان كـانوا فی السنة سواء فاكبرهم سنا فان كانوا فـی الـسـن سـواء فـاقـدمـهم مسـلـمًا (اسلاماً) قلت و هذا من كلام الاشعری رحمه الله مـمّـا يـنـبـغـی ان يّكتبُ بمَاء الذهب ثم قد اجتمعت هٰذه الـصـفـات كـلها فی الصديق رضی اللّٰه عنه وارضاه[1]

سے زیادہ عالم ہو اور اگر کتاب اللہ کے علم میں سب برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت کرے کہ جو سنّت نبوی کا سب سے زیادہ عالم ہو اور اگر علم سنت میں سب برابر ہوں تو پھر جو عمر میں سب سے بڑا ہو (حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان بوڑھے سے شرماتا ہے) اور اگر عمر میں بھی برابر ہوں تو جو اسلام لانے میں مقدم ہو وہ امامت کرے اور اس حدیث کی صحت پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام اشعری کا یہ کلام آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور ابو بکر صدیق تو ان تمام صفات کے جامع تھے۔

حضرات شیعہ کو اس امر کا اقرار ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس نبی اکرم ﷺ کے حجرۂ مبارکہ میں برابر آمد و رفت رکھتے تھے مگر آپ نے سوائے ابو بکر کے کسی اور شخص کو امامت کا حکم نہیں دیا۔

صحابہ کرام نے اس امامت سے صدیق اکبر کی خلافت پر استدلال کیا اور ابن عساکر نے علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ حضور پُر نور نے ابو بکر کو امامت کا حکم دیا اور ہم موجود تھے۔ غائب نہ تھے اور تندرست تھے بیمار نہ تھے پس جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے دین کے بارہ میں ہمارا امام بنانا پسند کیا ہم اس کو دنیا کے معاملہ میں اپنا امام بنانا کیوں نہ پسند کریں۔

نیز آں حضرت کا اپنے آخری خطبہ میں صدیق اکبر کے دریچہ کے سوا تمام دریچوں کے بند کرنے کا حکم دینا وغیرہ وغیرہ یہ سب ابو بکر صدیق کی افضلیت اور اُن کی خلافت کے اشارات تھے جو اہلِ نظر کے نزدیک عبارات اور تصریحات کے قائم مقام ہیں۔

[1] البدایۃ والنہایۃ ج:۵ ص:۲۳۶

(۴) ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ مسند احمد میں سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے۔

امر رسول اللّٰہ ﷺ بسد الابواب الشارعة فی المسجد و ترك باب علی (مسند ص ۱۷۵ ج ۱)

نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف جتنے دروازے کھلے ہوئے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں اور صرف حضرت علی کا دروازہ چھوڑ دیا۔

سو مسند کی یہ روایت صحیحین کی روایت کے معارض ہے کہ جس میں یہ تصریح ہے کہ سوائے ابوبکر کے تمام دروازے اور دریچے بند کر دیئے جائیں۔

جواب یہ ہے

کہ مسند احمد کی روایت صحیحین کی روایت کے ہم پلہ نہیں اور اگر بالفرض مسند احمد کی روایت صحیح بھی ہو تو صحیحین کی حدیث سے منسوخ ہوگی اس لئے کہ وہ مرض الوفات کے زمانہ کا حکم ہے جو آخری حکم ہے اور حضرت علی کے متعلق جو حکم ہے وہ سابق حکم ہے یہ اس وقت کا حکم ہے کہ جب مسجد تعمیر ہو رہی تھی اور حضرت علی مسجد کی طرف کے دروازہ سے آتے اور جاتے اور نکلتے تھے اور یہ کلمہ کہ سوائے ابوبکر کے مسجد کی طرف تمام دریچے بند کر دیئے جائیں یہ حکم وفات سے تین روز پہلے کا ہے اور آخری حکم سابق حکم کے لئے ناسخ ہوتا ہے۔

(۵) مدّتِ امامتِ ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام زہری ابوبکر ابن ابی سبرة سے راوی ہیں کہ صدیق اکبر نے لوگوں کو سترہ نمازیں پڑھائیں اور بعض کا قول یہ ہے کہ بیس نمازیں پڑھائیں واللہ اعلم[۱]

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ حسن[۲] بصری کی ایک مرسل روایت میں یہ آیا ہے کہ آں

---

[۱] قال الزهری عن ابی بکر بن ابی سبرة ان ابا بکر صلّی بهم سبع عشرة صلاة وقال غیره عشرین صلاة واللّٰه اعلم۔ کذا فی البدایة والنهایة ص ۲۳۵ ج ۵

[۲] روایت کی اصل عبارت یہ ہے۔ وفی مراسیل الحسن البصری ان رسول اللّٰه مرض عشرة ایّام صلے ابو بکر بالناس تسعة ایام منها ثم خرج رسول اللّٰه فی الیوم العاشر منها یهادی بین رجلین اسامة والفضل بن عباس حتی صلی خلف ابی بکر رواه الدار قطنی ففی هذا الحدیث انه مرض عشرة ایام وهو غریب کذافی الروض الانف ص ۳۶۹ ج ۲

حضرت ﷺ دس دن بیمار رہے۔ جن میں سے نو دن ابو بکر نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر آں حضرت ﷺ دسویں دن اسامہ اور فضل بن عباس کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے اور ابو بکر کے پیچھے نماز ادا کی اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث غریب ہے۔

(۶) تاریخ وفات

اس پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ آں حضرت ﷺ کی وفات دوشنبہ کے دن ربیع الاوّل کے مہینہ میں ہوئی لیکن اختلاف اس میں ہے کہ جس دن حضور پُرنور روحی فداہ کی وفات ہوئی اس دن کونسی تاریخ تھی مشہور یہ ہے کہ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ تھی لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں آپ کا وقوف عرفات بالاتفاق جمعہ کے دن تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ جمعہ کے دن تھی اور ذی الحجہ کی پہلی تاریخ پنجشنبہ کو تھی تو ایسی صورت میں سال آئندہ میں دوشنبہ کو بارہویں ربیع الاوّل نہیں ہو سکتی خواہ تینوں مہینے یعنی ذی الحجہ اور محرم اور صفر تیس تیس دن کے مانے جائیں یا انتیس انتیس کے یا بعض تیس کے اور بعض انتیس کے اسی اشکال کی بناء پر بعض علما نے تاریخ وفات تیرھویں ربیع الاوّل مانی ہے اور بعض نے چودھویں اور بعض نے پندرھویں اور بعض نے سکوت کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن رجبؒ نے لطائف المعارف میں لکھا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ مکہ اور مدینہ کی تاریخوں میں اختلاف مطلع کی وجہ سے اختلاف ہوا اور مدینہ منورہ میں ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ پنجشنبہ کو ہوئی ہو تو دوشنبہ کو بارہویں ربیع الاوّل ہوگی واللہ اعلم مزید تفصیل اگر درکار ہو تو فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی قدس اللہ سرہٗ کی جلد سوم ملاحظہ کریں۔

فائدۂ علمیہ (۱)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بخاری کی یہ روایت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن صبح کی نماز میں شریک نہیں ہو سکے اور قدرت نہ ہونے کے باعث آپ واپس ہو گئے اس لئے کہ بخاری کے لفظ یہ ہیں وارخی النبی ﷺ الحجاب فلم یقدر علیه حتی مات امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ

آں حضرت ﷺ صبح کی نماز میں شریک ہوئے۔ مگر یہ راوی کا وہم ہے، اس لئے کہ بخاری ومسلم کی روایتوں میں اس کی تصریح ہے کہ آپ صبح کی نماز میں شریک نہیں ہوئے، راوی کو گزشتہ نماز ظہر کی شرکت کا التباس ہوگیا۔ آخری نماز جو آپ نے مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی وہ جمعرات کے دن ظہر کی نماز تھی جس کے بعد آپ نے خطبہ دیا تھا اور اس کے بعد جمعہ اور ہفتہ اور اتوار تین دن گزرے کہ آپ مسجد میں تشریف نہیں لا سکے، دوشنبہ کے روز صبح کے وقت حجرۂ شریفہ سے برآمد ہوئے مگر قدرت نہوئی اور واپس ہوگئے۔ [1]

اور حسن بصری کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ آں حضرت ﷺ دس روز بیمار رہے اور ابوبکر نے نو دن لوگوں کی امامت کی۔ [2]

فائدہ (۲)

دنیا سے رخصت ہوتے وقت پیغمبر خدا کا کسی کو اپنی جگہ امام مقرر کرنا اپنے مصلّے پر اس کو کھڑا کر دینا ایسا ہے جیسا کہ کوئی بادشاہ کسی کو اپنے تخت پر بٹھلا کر کہیں چلا جائے۔ پیغمبر خدا کی نماز کا بوریا تخت شاہی سے کہیں بالا اور برتر ہے اس لئے آپ کی وفات کے بعد صحابہ نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور دین ودنیا کا اُن کو امام اور ہادی اور ملجا بنایا۔ کیونکہ جس طرح نبی کا امت سے افضل ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح نبی کا خلیفہ اور جانشین وہی ہوسکتا ہے جو سب سے افضل ہوا فضلیت اور خلافت نبوت میں تلازم ہے خلافت راشدہ نبی کی جانشینی ہے کوئی دنیاوی ولی عہدی نہیں اس لئے صحابہ نے جس کو سب سے افضل سمجھا اُس کو آں حضرت کا خلیفہ بنایا۔

فائدہ (۳)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدیق اکبر حضور پُرنور کی اخیر حیات تک امام رہے اور شیعوں کا یہ کہنا کہ حضور نے ان کو امامت سے معزول کر دیا تھا بالکل غلط ہے۔ [3]

(۷) سقیفۂ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت

دوشنبہ کے روز دوپہر کے وقت آں حضرت ﷺ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی

[1] زرقانی ج: ۸، ص: ۲۷۴ [2] روض الانف، ج: ۲، ص: ۳۶۹ [3] زرقانی ج: ۸، ص: ۲۷۴

کی طرف رحلت فرمائی سنتے ہی تمام صحابہ کے ہوش اُڑ گئے اور تہلکہ عظیم برپا ہوگیا بعضوں کو تو یہ خیال ہوگیا کہ حضور پُرنور نے ابھی انتقال ہی نہیں فرمایا۔ یہ خیال فرطِ محبت کے سبب سے تھا نہ کہ نافہمی کی وجہ سے صدیق اکبر یہ خبر قیامت اثر سنتے ہی افتاں وخیزاں ونالاں وگریاں پہنچے اور صحابہ کو تسلّی دی۔

شام کے وقت ایک شخص نے ابو بکر کو آ کر یہ خبر دی کہ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں مجتمع ہیں۔ اور سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور بعض انصار یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر قریش میں سے، انصار کا گمان یہ تھا کہ استحقاق خلافت انصار کو ہے اس لئے کہ انصار نے دین کی مدد کی اور رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور آپ کے ساتھ ہوکر اعداء اللہ سے جہاد وقتال کیا بعضوں نے اس کی مخالفت کی باہم بحث و تکرار ہونے لگی۔

رفتہ رفتہ اس امر کی اطلاع ابو بکر وعمر کو پہنچی یہ دونوں بزرگ مع ابوعبیدۃ بن الجراح اس اختلاف کی روک تھام کے لئے سقیفہ کی طرف چلے مبادا کوئی فتنہ نہ کھڑا ہوجائے عاصم بن عدی اور عویم بن ساعدہ سے ملاقات ہوگئی۔ عاصم اور عویم نے ان کو وہاں جانے سے روکنے کا قصد کیا۔ لیکن یہ نہ رُکے اور جس قدر جلد ممکن ہوسکا سقیفہ میں جہاں انصار مجتمع تھے جا پہنچے اور باہم مباحثہ ہونے لگا۔

جب حضرت ابو بکر اور حضرت عمر، سقیفہ میں پہنچے تو حضرت سعد بن عبادہ وہاں موجود تھے کمبل اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔ مریض تھے انصار اُن کو اُن کے مکان سے نکال کر لائے تھے تا کہ اُن کو امیر بنائیں۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تقریر

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حمد وثناء کے بعد یہ فرمایا:

اما بعد فنحن الانصار و کتیبة الاسلام وَ انتم یا معشر قریش رهط بیننا وقد دفت	اما بعد۔ ہم انصار یعنی دین اسلام کے مددگار ہیں اور لشکر اسلام ہیں اور تم اے گروہ مہاجرین۔ تم ہم میں ایک قلیل جماعت ہو

الینا دافة من قومکم فاذاهم یریدون ان یغصبونا الامر

(یعنی تم اقلیت ہو اور ہم اکثریت میں ہیں) اور تحقیق تمہاری قوم کی ایک قلیل جماعت ہمارے یہاں پناہ گیر ہوئی اور اب وہ ہم سے ہمارا حقِ خلافت غصب کرنا چاہتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے اپنی تقریر میں یہ فرمایا:

یا معشر الانصار لکم ساقة و فضیلة لیست لاحد من العرب ان محمداً ﷺ لبث فی قومه بضع عشرة سنة یَدعوهم فما اٰمن به الا القلیل ما کانوا یقدرون علیٰ منعه ولاَ علی اعزازدینهٖ ولاَ علی دفع ضیم حتی اذا اراد اللّٰه بکم الفضیلة ساق الیکم الکرامة و رزقکم الایمان به و برسوله والمنع له وا صحابه وَالا عزازلهٗ ولدینه وَالجهاد لاعدائه فکنتم اشد الناس علیٰ عداوة حتی استقامت العرب لامر اللّٰه طوعًا و کرهًا واعطی البعید المقادة صاغرا فدانت لرسوله باسیافکم العرب و توفاه اللّٰه وهو عنکم

اے معشر انصار تم کو دین اسلام کے بارے میں ایسی سبقت اور فضیلت حاصل ہے جو عرب میں سوائے تمہارے کسی کو حاصل نہیں۔ آنحضرت ﷺ اپنی قوم میں تیرہ برس اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر اس مدّت میں بہت تھوڑے لوگ آپ پر ایمان لائے جن میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ آپ کی حفاظت کر سکتے اور نہ ان میں آپ کے دین کو عزت دینے اور سربلند کرنے کی طاقت تھی یہاں تک کہ ان میں یہ بھی طاقت نہ تھی کہ کسی دشمن کے ظلم کو اپنے سے ہٹا سکیں حق جل وعلا نے جب تم کو فضیلت دینا چاہی تو عزت و کرامت کا سامان تم تک پہنچایا اور تم کو ایمان لانے کی توفیق دی اور نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کی حفاظت تم سے کرائی اور اپنے دین کی عزت تم سے کرائی اور خدا کے دشمنوں سے تم نے جہاد کیا اور خدا کے دشمنوں پر تم سب سے زیادہ سخت ثابت ہوئے یہاں تک کہ

راض قريـر العين. استبدوا بهذا الامر دون الناس فانه لكم دونهم[1]

تمام عرب حکم خداوندی کے سامنے جھک گیا اور دور والوں نے بھی مجبور و مقہور ہو کر گردن ڈال دی اور تمہاری تلواروں سے تمام عرب رسول اللہ ﷺ کا فرمانبردار بنا اور پھر اللہ نے اپنے نبی کو وفات دی اور حضور پُرنور نے جس وقت دنیا سے رحلت کی تو وہ تم سے راضی تھے اور آپ کی آنکھیں تم سے ٹھنڈی تھیں پس تم ہی اس منصب خلافت کو حاصل کرو۔ یہ تمہارا ہی حق ہے۔ اوروں کا نہیں۔

حاضرین نے اس تقریر کو بہت پسند کیا اور ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ تقریر ختم ہونے کے بعد پھر اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی اور مہاجرین نے اس پر اعتراض کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اوّلین اصحاب ہیں کہ آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے اور آپ کا قبیلہ اور گروہ ہیں اور آپ کے ساتھ ہجرت کی یعنی خویش اور اقارب اور وطن سب کو خیر باد کہہ کے یہاں آئے اس پر بعض انصار نے یہ کہا کہ بہتر یہ ہے کہ دو امیر ہوں ایک مہاجرین میں سے اور ایک انصار میں سے اور دونوں امیر باہم صلاح و مشورہ سے خلافت کا کام انجام دیں سعد بن عبادہ نے سنتے ہی کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے۔

حضرت عمر نے چاہا کہ کچھ بولیں مگر صدیق اکبر نے اُن کو یہ کہہ کر (علی رسلک) اے عمر ٹھہرو خاموش کر دیا۔ حضرت عمر چونکہ صدیق اکبر کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے بیٹھ گئے اور صدیق اکبر نے تقریر شروع فرمائی۔

صدیق اکبر کی تقریر

صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد یہ فرمایا۔

[1] ابن اثیر ج:۲، ص:۱۲۵

ان اللّٰه قد بعث فينا رسُولاً شهيدا على امة ليعبدوه و يوحدوه وهم يعبدون من دونه اٰلهة شتى من حجر و خشب فعظم على العرب ان يتركوا دين اٰباء هم فخص اللّٰه المهاجرين الاولين من قومه بتصديقه و المواساة له وَالصبر معه على شدة اذى قومهم و تكذيبهم اياه و كل الناس لهم مخالف زار عليهم فلم يستوحشوا لقلة عددهم و شنف الناس لهم فهم اول من عبد اللّٰه فى هذه الارض و اٰمن باللّٰه وبالرسول وهم اولياء هٗ و عشيرته و احق الناس بهٰذ الامر من بعده لا ينازعهم الاظالم و انتمْ يا معشر الانصار من لاينكر فضلهم فى الدين ولا سبقتهم فى الاسلام رضيكم اللّٰه انصارا لدينه و رسوله وجعل اليكم هجرة فليس بعد المهاجرين الاولين عندنا بمنزلتكم فنحن الامراء وَ

تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا کہ جو امت کے نگرانی کرے تا کہ لوگ ایک اللہ کی عبادت کریں اور یہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے پتھر اور لکڑی کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کرتے تھے، عرب کو اپنے آبائی دین کا چھوڑنا بہت شاق اور گراں ہوا پس حق جل شانہ نے آپ کی قوم میں سے مہاجرین اوّلین کو توفیق خاص عطا فرمائی کہ سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی اور سب سے پہلے آپ کی خدمت کی اور آپ کے غمگسار بنے اور قوم کی طرف سے جو سخت سے سخت ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان پر صبر کیا حالانکہ اس وقت تمام لوگ ان کے مخالف تھے مگر باوجود قلّت تعداد کے لوگوں کی دشمنی سے گھبرائے نہیں اور اس حالت میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا پس مہاجرین اوّلین۔ تمام لوگوں میں سب سے اوّل ہیں جنہوں نے روئے زمین پر اللہ کی عبادت کی اور اللہ اور اس کے رسول پر سب سے پہلے ایمان لائے اور یہی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء اور عشیرہ ہیں یعنی آپ کے قرابت دار اور کنبہ دار ہیں اور یہی لوگ آپ کے بعد امر خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں اس معاملہ میں سوائے ظالم کے کوئی ان سے

انتم الوزراء لا تقاوَنون بمشورة ولا تقضى دونكم الامور [1]

نہیں جھگڑ سکتا اور اے گروہ انصار۔ تمہاری فضیلت اور دین اسلام میں سبقت کا کسی کو انکار نہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو پسند کیا کہ اپنے رسول کا اور اپنے دین کا انصار یعنی معین و مددگار بنایا اور اپنے رسول کو تمہاری طرف ہجرت کرائی پس مہاجرین اوّلین کے بعد ہمارے نزدیک تمہارا ہی مرتبہ ہے کسی اور شخص کا نہیں پس ہم امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر ہو بغیر تمہارے مشورے کے امور انجام نہیں دیئے جائیں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ صدیق اکبر نے انصار کے جواب میں یہ فرمایا۔

ماذ کرتم من خير فانتم اهل وَما تعرف العرب هذا الامر الا لهذا لحی من قریش هم اوسط العرب نسبا و دارا

بخاری شریف ص ۱۰۱۰ کتاب المحاربین۔

اے گروہ انصار تم نے جو اپنے محاسن اور فضائل بیان کیئے بیشک تم اس کے اہل ہو لیکن اہل عرب اس امر خلافت کو سوائے قبیلۂ قریش کے کسی اور کے لئے قبول نہیں کریں گے کیونکہ قبیلۂ قریش۔ باعتبار حسب ونسب کے اور باعتبار مکان کے سب سے افضل اور برتر ہے۔

صدیق اکبر کا مطلب یہ تھا کہ خلیفہ ایسی قوم سے ہونا چاہیے کہ جن کی سرداری اور شرافت حسبی ونسبی لوگوں میں مسلم ہوتا کہ لوگ اسی کی امارت پر متفق ہوسکیں اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے عار نہ محسوس کریں کیونکہ جب تک کسی قسم کی شرافت اور برتری اور بزرگی مسلم نہ ہو، اس وقت تک لوگ اطاعت پر آمادہ نہیں ہوتے بلکہ اس کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں صدیق اکبر کا منشاء یہ تھا کہ قریش کی فضیلت اور برتری تمام عرب میں مسلم ہے اور

[1] ابن اثیر ج:۲، ص:۱۲۵

اوس اور خزرج کو خاص عزت و وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اس لئے اگر انصار میں سے کسی کو امیر بنایا گیا تو قبائل عرب اس کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوں گے اور ملک کے عام باشندے ان کی امارت پر متفق نہ ہوں گے اور خلافت اور امارت کے لئے سب سے اہم اور ضروری امر یہ ہے کہ لوگ امیر سے راضی ہوں اور اس کی امارت پر مجتمع اور متفق ہوں۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ صدیق اکبر نے انصار کو مخاطب بنا کر یہ کہا:

یا معشر الانصار انا واللّٰہ ماننکر فضلکم ولا بلائکم فی الاسلام ولا حقکم الواجب علینا ولکن قد عرفتم ان ھذا الحی من قریش بمنزلۃ من العرب فلیس بھا غیرھم وان العرب لن تجتمع الا علیٰ رجل منھم فنحن الامراء وانتم الوزراء فاتقوا اللّٰہ ولا تصدموا الاسلام ولا تکونوا اول من احدث فی الاسلام الا وقد رضیت لکم احد ھذین الرجلین لی ای لعمر ولابی عبیدۃ فایھما بایعتم فھولکم ثقۃ الحدیث [1]

اے گروہ انصار خدا کی قسم ہم تمہاری فضیلت اور اسلام کی خدمت اور اعانت اور تمہارے حق واجب کے منکر نہیں۔ لیکن تم خوب جانتے اور پہچانتے ہو کہ قبیلہ قریش کو عزت و وجاہت کا جو مرتبہ ملک عرب میں حاصل ہے وہ کسی دوسرے قبیلہ کو حاصل نہیں ہے اور عرب کے باشندے سوائے قبیلہ قریش کے کسی اور شخص کی امارت پر متفق نہیں ہو سکتے (اور بغیر ملک کے اتفاق کے کارخانہ حکومت کا نہیں چل سکتا) اس لئے قریش امراء ہوں گے اور انصار وزراء ہوں گے پس اے انصار اللہ سے ڈرو اور اسلام میں سب سے پہلے بدعت جاری کرنے والے تم نہ بنو اور میری رائے یہ ہے کہ خلافت اور امارت کے لئے یہ دو آدمی پسندیدہ ہیں ایک عمر اور ایک ابوعبیدہ۔ ان میں سے جس کے ہاتھ پر بھی بیعت کرلو گے وہ تمہارا قابل وثوق اور قابلِ اطمینان امیر ہوگا۔

[1] کنز العمال۔ ج:۳، ص:۱۳۹

صدیق اکبر کی اس تقریر دل پذیر کے بعد حباب بن المنذر بن الجموح کھڑے ہوئے اور کہا کہ مناسب یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے صدیق اکبر نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ الایمة من قریش۔ خلفاء اور امراء قریش میں سے ہوں گے۔ علامہ قاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور چالیس صحابہ سے مروی ہے، کذا فی شرح الشمائل للعلامۃ القاری ۔[۱]

محمد بن اسحٰق راوی ہیں کہ صدیق اکبر نے اس وقت یہ فرمایا:

انه لا يحل ان يكون للمسلمين اميران فانه مهما يكن ذلكم يختلف امرهم و احكامهم و تتفرق جماعتهم و يتنازعون فيما بينهم هنالك تترك السنة و تظهر البدعة و تعظم الفتنة وليس لاحد على ذالك صلاح وان هذا الامر في قريش ما اطاعوا الله و استقاموا علىٰ امره قد بلغكم ذالك اوسمعتموه عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا اِنَّ اللّٰهِ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ فنحن الامراء و انتم الوزراء اخواننا في الدّين و انصارنا عليه۔ [۲]

تحقیق یہ امر بالکل روا نہیں کہ مسلمانوں کے دو امیر ہوں اس سے مسلمانوں کے امور اور احکام میں اختلاف پیدا ہوگا اور جماعت میں تفرقہ پڑ جائے گا اور آپس میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے اور اس وقت سنّت تو متروک ہو جائے گی اور بدعت ظاہر ہو جائے گی اور ایک عظیم فتنہ برپا ہوگا۔ اس میں مسلمانوں کی خیر نہیں اور یہ امر خلافت قریش میں رہے گا جب تک قریش اللہ کی اطاعت کریں اور اس کے حکم پر قائم رہیں اور یہ حدیث تم کو پہنچ چکی ہے یا تم خود نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے سن چکے ہو آپس میں نزاع نہ کرو بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہوگی۔ صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے پس ہم امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر ہو دینی بھائی ہو اور دین میں ہمارے معین اور مددگار رہو۔

[۱] ایضاً ص:۲، ص:۲۱۹

[۲] کنز العمال ج:۳، ص:۱۳۷۔

فاروق اعظم بولے افسوس۔[۱] دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سما تیں اور ایک عورت کے دو شوہر نہیں ہوتے یعنی ایک سلطنت کے دو امیر کیسے ہو سکتے ہیں۔ فاروق اعظم کا جواب عقلی تھا اور صدیق اکبر کا جواب نقلی تھا نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا صریح ارشاد نقل کر دیا اور بشیر بن سعد انصاری نے کہا کہ میں نے بھی یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی ہے اور دیگر انصار اور مہاجرین نے بھی اس حدیث کی تصدیق کی۔ حباب بن منذر وغیرہ جو انصار کی خلافت پر مصر تھے۔ اس حدیث کے سنتے ہی ان کا بھی خیال بدل گیا اور مجمع میں جو امارت کی بابت شور وغل برپا تھا وہ یکلخت رفع ہو گیا سب کے سب ایک خاموشی کی حالت میں ہو گئے۔

زید بن ثابت کاتب الوحی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے اس لئے آپ کا خلیفہ مہاجرین میں سے ہوگا جس طرح ہم نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے اعوان و انصار رہے اسی طرح ہم خلیفۂ رسول کے انصار اور مددگار بن کر رہیں گے اور پھر ابو بکر کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہ تمہارے خلیفہ ہیں ان سے بیعت کرو۔[۲]

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا اعتراف

قال الامام احمد حدثنا عفان ثنا ابو عوانة عن داؤد بن عبداللّٰه عن حميد بن عبدالرحمٰن قال توفي رسول اللّٰه و ابو بكر في صائفة من المدينة قال فجاء فكشف عن وجهه فقبله وقال فداك ابي وامي ما اطيبك حيا و ميتا

امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں راوی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہو گیا تو ابو بکر صدیق اس وقت اپنے گھر تھے فوراً آئے اور آپ کے چہرۂ انور سے چادر مبارک اٹھائی اور بوسہ دیا اور صحابہ کرام کو تسلی دی، بعد میں جب یہ خبر ملی کہ انصار سقیفہ میں جمع ہیں تو ابو بکر و عمر تیزی کے ساتھ انصار کے مجمع میں پہنچے اور ابو بکر نے کلام کیا۔ انصار کے فضائل

[۱] فاروق اعظم کا یہ کلام سیرت حلبیہ میں مذکور ہے، اصل عبارت یہ ہے۔ و في رواية (اى عن عمر) قلت سيفان في غمد واحد لا يكونان هيهات لا يجتمع فحلان في مغرس كذافي السيرة الحلبيه ص ۳۵۸ ووقع في حديث سالم بن عبيد عند البزار وغيره في قصة الوفات فقالت الانصار منا امير و منكم امير فقال عمر واخذ بيد ابي بكر۔ اسيفان في غمد واحد لا يصطلحا الخ كذافي فتح الباري ص ۲۵ ج ۷ مناقب ابي بكر رضي الله تعالى عنه

مات محمد ورب الكعبة فذكر الحديث قال فانطلق ابو بكر و عمر يتعاد ان حتى اتوهم فتكلم ابو بكر فلم يترك شيئا انزل فى الانصار الا ذكره قال ولقد علمتم ان رسول الله ﷺ قال لو سلك الناس واديا و سلكت الانصار واديا لسلكت وادى الانصار لقد علمت[1] يا سعد ان رسول الله ﷺ قال و انت قاعد قريش ولا ة هذا الامر خير الناس تبع لبرهم وفاجرهم تبع لفاجرهم فقال له سعد صدقت نحن الوزراء وانتم الامراء۔

ومناقب میں جو کچھ بھی نازل ہوا تھا ابوبکر نے ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں چھوڑی کہ جس کا اس مجلس میں ذکر اور بیان نہ کیا ہو اور یہ کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگ ایک وادی سے چلیں اور انصار دوسری وادی سے چلیں تو میں انصار کی وادی سے چلوں گا اور خدا کی قسم اے سعد تم کو خوب معلوم ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ تم نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے یہ فرمایا کہ قریش ہی اس امر خلافت کے والی اور متولّی ہوں گے، ان میں کے اچھے اچھوں کے تابع ہیں اور برے بروں کے تابع ہیں سعد بن عبادہ نے ابوبکر سے کہا کہ تم نے سچ کہا۔ ہم وزراء ہیں اور تم ہی امراء ہو۔

اس روایت میں صراحۃً موجود ہے کہ ابوبکر صدیق نے، سعد بن عبادہ کو قسم دے کر کہا کہ تمہاری موجودگی میں نبی کریم ﷺ نے کہا کہ امر خلافت کے والی قریش ہوں گے، سعد نے لقد صدقت کہہ کر صدیق اکبر کی تصدیق کی اسی وجہ سے حافظ ابن کثیر نے اس روایت کے لئے ایک خاص عنوان قائم فرمایا وہو ہذا۔ ذكر اعتراف سعد بن عبادة بصحة ماقاله الصديق يوم السقيفة [2]

[1] لقد علمت میں لام موطئہ للقسم ہے، اس لئے اس کا ترجمہ خدا کی قسم سے کیا گیا۔ (منہ عفا اللہ عنہ)
[2] البدایۃ والنہایۃ ج:۵: ص:۲۴۷

عبداللہ بن مسعود[۱] سے مروی ہے کہ جب انصار نے یہ کہا کہ منا امیر و منکم امیر ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے تو حضرت عمر نے یہ کہا اے معشر انصار تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ابو بکر لوگوں کی امامت کریں پس تم میں سے کون شخص ہے کہ جو ابو بکر پر پیش قدمی کرنا پسند کرے، انصار نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم ابو بکر پر پیش قدمی کریں رواہ النسائی وابو یعلی والحاکم وصححہ عن ابن مسعود۔ (کذا فی شرح الشمائل للعلامۃ القاری ص ۲۱۹ ج ۲)

مطلب یہ تھا کہ آں حضرت ﷺ کا خاص طور پر تاکید اور اصرار کے ساتھ ابو بکر کو امام بنانا اور اپنا قائم مقام مقرر کرنا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کی نظر میں سب سے افضل اور مقدم ابو بکر ہیں۔

اور شمائل ترمذی[۲] کی روایت میں ہے کہ جب انصار نے یہ کہا منا امیر و منکم امیر تو فاروق اعظم نے حضرت ابو بکر کی تین خصوصیتیں بیان کی اور علی الاعلان فرمایا کہ بتلاؤ کہ یہ تین خصوصیتیں سوائے ابو بکر کے کسی اور شخص میں بھی پائی جاتی ہیں۔

اوّل: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کو قرآن میں ثانی اثنین اذھما فی الغار فرمایا، ابو بکر کو نبی کریم کا ثانی بتلایا اور آپ کا یار غار بتایا۔ **(دوم)** یہ کہ ابو بکر کو آپ کا صاحب خاص

۱۔ فی روایۃ النسائی و ابی یعلی والحاکم وصححہ عن ابن مسعود انہ قال لما قالت الانصار منا امیر و منکم امیر فاتاھم عمر بن الخطاب فقال یا معشر الانصار الستم تعلمون ان رسول اللہ ﷺ قد امر ابا بکر ان یؤم الناس فایکم یطیب نفسا ان یتقدم علی ابی بکر فقالت الانصار نعوذ باللہ ان نتقدم علی ابی بکر۔ کذا فی شرح الشمائل۔

۲۔ فقالت الانصار منا امیر و منکم امیر قال عمر من لہ مثل ھذہ الثلاث (ای الفضائل الثلاث التی لابی بکر) (۱) ثانی اثنین اذھما فی الغاز (۲) اذیقول لصاحبہ لاتحزن (۳) ان اللہ معنا۔ الحدیث فاثبت اللہ تعالیٰ فی ھذ الایۃ ثلاثۃ فضائل لابی بکر الاولی ثانی اثنین۔ والثانیۃ اثبات الصحبۃ لہ فی قولہ تعالیٰ اذ یقول لصاحبہ لاتحزن۔ الثالثۃ اثبات المعیۃ فی قولہ تعالیٰ ان اللہ معنا فاثباتہ تعالیٰ تلک الفضائل الثلاث بنص القرآن یؤذن باحقیقتہ للخلافۃ کذافی شرح الشمائل للشیخ عبد الرؤف المناوی وَ العلامۃ القاری ص ۲۲۰ ج ۲ وقال الحافظ العسقلانی فی الفتح ص ۲۵ ج ۷ ووقع فی حدیث سالم بن عبید عند البزار وغیرہ فی قصۃ الوفاۃ فقالت الانصار منا امیرو منکم امیر فقال عمرو اخذ بید ابی بکر اسیفان فی غمدو احد لا یصطلحان واخذ بید ابی بکر فقال من لہ ھذہ الثلاثۃ اذھما فی الغار من ھما۔ اذیقول لصاحبہ من صاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ مع من۔ ثم بسط یدہ فبایعہ ثم قال بایعوہ فبایعہ الناس، فتح الباری ص ۲۵ ج ۷ مناقب ابی بکر

اورمحبت بااختصاص فرمایا اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ۔ (سوم) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنی معیت خاص کوذکرفرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا۔ورنہ علم اوراحاطہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی معیت عام ہےاورسب کوشامل اورمتناول ہےوَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ۔ یہ تین فضیلتیں ابوبکر کے لئےنص قرآن سے ثابت ہیں جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر ہی سب سے افضل ہیں اوروہی سب سے زیادہ مستحق خلافت ہیں۔

(کذافی شرح الشمائل للعلامۃ القاری والشیخ المناوی ص ۲۲۰ ج ۲)

فاروق اعظم نے صدیق اکبر کی افضیلت کے دلائل میں فقط تین فضائل کے ذکر پر اکتفافرمایا کہ جوروزِ روشن کی طرح بالکل واضح تھے ورنہ آیت کے سیاق وسباق میں صدیق اکبر کی افضیلت کے اوربھی دلائل موجود ہیں۔ فاروق اعظم نے صرف تین پر اکتفافرمایااور سنئے(۱)۔ ان لا تنصروہ فقد نصرہ اللہ۔ اذ اخرجہ الذین کفروا اس آیت میں ابوبکرصدیق کے سواسب کوترک نصرت پرعتاب اورتہدید ہےاس لئے کہ ابوبکرصدیق تو آپ کے ساتھ تھے،اورآپ کے ناصرمددگارتھےابوبکرعتاب سے مستثنیٰ ہیں۔

دوم یہ کہ من جانب اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ابوبکرصدیق کی نصرت کومتضمن ہے کیونکہ ابوبکرصدیق آپ کے ساتھ تھے پس حضور پرُنورکی طرح ابوبکرمنصوراورمؤیدمن اللہ تھےوہی احق بالخلافۃ ہوں گے۔

سوم یہ کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ میں صحیح قول کی بناپرعلیہ کی ضمیرابوبکرصدیق کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت وطمانیت ابوبکرپرنازل کی اس لئے کہ ابوبکر صدیق ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں غایت درجہ حزین ومضطرب تھے اللہ تعالیٰ نے ان کواپنی خاص سکینت وطمانیت سے سرفرازفرمایا۔

چہارم یہ کہ اس آیت میں ابوبکرکوثانی اثنین بتلایا گیا ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکرصدیق کمالات علمیہ اورکمالات عملیہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی اورقائم مقام ہیں اورمقام وقرب اورغارِانواروتجلیات میں آپ کے رفیق اوریارغارہیں۔

پنجم یہ کہ اذیقول لصاحبہ میں ''صاحب'' سے باجماع مفسرین ابوبکرصدیق مراد ہیں۔ حق جل شانہ نے قرآن کریم میں خاص طورپرابوبکرصدیق کوآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب

یعنی رفیق خاص اور مُصاحب با اختصاص اور محبّ صادق وسراپا اخلاص بتایا اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر صدیق کی صحبت اور معیت اور رفاقت دائم اور مستمر ہے حیات دنیویہ میں آپ کے ساتھی اور رفیق ہیں اور عالم برزخ اور عالم آخرت اور میدان حشر اور حوضِ کوثر پر بھی آپ کے ساتھ ہوں گے اور جنت میں بھی آپ کے رفیق ہوں گے اسی وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر کے صحابی ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے اس قول "لصاحبہ" کا منکر ہے۔

ششم یہ کہ ابوبکر کے متعلق یہ فرمایا لاتحزن اے ابوبکر تم غمگین اور رنجیدہ نہ ہو، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق آں حضرت ﷺ کے عاشق جاں نثار اور غمگین وغمگسار تھے۔

ہفتم یہ کہ لاتحزن کے بعد ان اللہ معنا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص معیت کی بشارت دی جس کی تفصیل ہجرت کے بیان میں گزر چکی ہے۔ ہذا کلہ توضیح ما افادہ العلامۃ القاری فی شرح الشمائل[1]

بعد ازاں صدیق اکبر نے کہا کہ یہ عمر اور ابوعبیدہ دونوں یہاں موجود ہیں تم لوگ ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو عمر اور عبیدہ نے کہا۔ خدا کی قسم یہ ناممکن ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم امر خلافت کے والی بنیں۔ آپ تمام مہاجرین میں افضل ہیں اور نماز جو دین کا ستون ہے اور دین اسلام کا سب سے اعلیٰ اور افضل رکن ہے اس میں آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اور قائم مقام ہوئے اے ابوبکر آپ اپنا دست مبارک بڑھایئے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ تا کہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں عمر نے ابوبکر سے کہا کہ تم افضل ہو۔ ابوبکر نے جواب دیا انت اقوی منی۔ تم مجھ سے زیادہ قوی ہو اسی پر تکرار ہوتا رہا۔ آخر میں عمر نے کہا ان قوتی لك مع فضلك۔ یعنی میری قوت آپ کی فضیلت کے ساتھ مل کر کام کرنے میں ہے یعنی افضل تو امیر ہوگا اور اقوی اس کا وزیر با تدبیر ہوگا کذا فی شرح الشمائل للعلامہ القاری ص ۲۳۱ ج ۲، اس کے بعد پھر حضرت عمر نے صدیق اکبر سے کہا کہ لاؤ ہاتھ اور بیعت کے لئے بڑھاؤ، پس جب ان دونوں حضرات عمر اور ابو

[1] ج:۲، ص:۲۲۰

عبیدہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر ابوبکر سے بیعت کریں تو بشیر بن سعد انصاری نے سبقت کی اور اٹھ کر سب سے پہلے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی پھر حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ نے بیعت کی۔

جب حباب بن منذر نے دیکھا کہ بشیر بن سعد نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو چلّا کر یہ کہا کہ تو نے قرابت کا لحاظ نہ رکھا اور اپنے ابن عم (سعد بن عبادہ) کی امارت کو پسند نہ کیا اور اس پر رشک اور حسد کیا بشیر بن سعد نے جواب دیا کہ خدا کی قسم یہ بات نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ میں مہاجرین سے ان کا حق چھیننا پسند نہیں کرتا۔ پھر قبیلۂ اوس کے لوگ قبیلۂ خزرج کی امارت کو پسند نہیں کرتے تھے ان کو اندیشہ یہ تھا کہ اگر ایک مرتبہ سعد بن عبادہ کو امیر بنالیا اور امارت خزرج میں چلی گئی تو پھر قبیلۂ اوس کو اس فضیلت میں سے کبھی حصہ نہیں ملے گا۔ اسید بن حضیر قبیلۂ اوس کے نقیب اور سردار وہاں موجود تھے انہوں نے قبیلۂ اوس کے لوگوں کو مشورہ دیا کہ اٹھو اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرو، یہ لوگ اٹھے اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی ان کا بیعت کرنا تھا کہ حضرت سعد اور خزرج کا ارادہ درہم برہم ہو گیا۔

بعد ازاں چاروں طرف سے لوگ ابوبکر کی بیعت کے لئے اُمنڈ پڑے اور کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ رہی۔ سعد بن عبادہ ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے کسی نے کہا کہ دیکھو کہ کہیں سعد دب کر نہ مر جائے۔ حضرت عمر نے کہا اللہ اس کو مارے سعد اُٹھ کر گھر چلے گئے اور لوگ بیعت کر کے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔

بیعت خاصّہ کے بعد بیعت عامّہ

غرض یہ کہ ابوبکر صدیق باجماع مہاجرین وانصار خلیفہ منتخب ہو گئے اور بیعت کے بعد جلسہ ختم ہو گیا یہ بیعت دوشنبہ کی شام کو ہوئی جس دن آں حضرت ﷺ کا وصال ہوا یعنی ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ بوقت شام دوشنبہ کے دن یہ بیعت خاصہ تھی اور بیعت عامّہ وفات کے دوسرے دن بروز سہ شنبہ مسجد نبوی میں منبر پر ہوئی۔

بیعت ا سقیفہ کے دوسرے دن یعنی بروز منگل عامۃ الناس مسجد نبوی میں جمع ہوئے،

ا قال الحافظ ابن كثير قلت كان هذا (اى امر البيعة فى السقيفة) فى بقية يوم الاثنين فلما كان الغد صبيحة يوم الثلاثاء اجتمع الناس فى المسجد فتمت البيعه من المهاجرين والانصار قاطبة و كان ذلك قبل تجهيز رسول الله ﷺ تسليماً كذافى البداية والنهاية ص ۲۴۸ ج ۵۔

تمام اصحاب کبار اور مہاجرین وانصار موجود تھے پہلے حضرت عمر نے منبر پر بیٹھ کر ایک مختصر اور جامع تقریر کی اور حضرت ابوبکر خاموش بیٹھے رہے۔

بیعت عامّہ سے پہلے مسجد نبوی میں حضرت عمر کا خطبہ

حضرت عمر[۱] نے کہا مجھے اُمید تھی کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہم سب کے بعد ہوگی پس اگر محمد ﷺ وفات پا گئے (تو انشاء اللہ دین میں کوئی خلل نہیں آئے گا) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایک نُور ہدایت (قرآن) باقی رکھا ہے جو تمہاری ہدایت کا ذریعہ ہے اور حضور پُرنور کے بعد ابوبکر صدیق تم میں موجود ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے یار غار اور ثانی اثنین دو میں کے دوسرے ہیں اور آپ کے صاحب خاص اور رفیق بااختصاص ہیں تمام مسلمانوں میں زیادہ وہی تمام مملکت کے ولی اور حقدار ہیں پس اے مسلمانو اٹھو اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کرو۔[۲]

ایک روایت میں ہے کہ فاروق اعظم نے فرمایا اے مسلمانو بتاؤ سوائے ابوبکر کے کون ہے کہ جس کو اللہ نے ثانی اثنین اذہما فی الغار فرمایا ہو۔ اور کون ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا صاحب خاص فرمایا ہو۔ اذیقول لصاحبه اور کون ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر اس کے ساتھ ہو۔ ان الله معنا. مطلب یہ تھا کہ یہ وہ صفاتِ فاضلہ ہیں کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی فرد بشر ایسا نہیں کہ جو ان صفاتِ فاضلہ میں ابوبکر کا شریک اور سہیم ہو پھر استحقاق خلافت میں کیسے کوئی ان کا شریک اور سہیم ہوسکتا ہے خوب سمجھ لو

---

[۱] قال البخاری انبأنا ابراهیم بن موسیٰ ثنا هشام عن معمر عن الزهری اخبرنی انس بن مالك انه سمع خطبة عمر الاخیرة حین جلس علی المنبر و ذالك الغد من یوم توفی رسول الله ﷺ و ابوبكر صامت لایتكلم قال كنت ارجو ان یعیش رسول الله ﷺ حتی یَدْبُرنا یرید بذالك ان یكون اٰخرهم

[۲] البدایة والنهایة ج:۵،ص:۲۴۸

فان یك محمد قدمات فان الله عزوجل بین اظهر كم نور تهتدون به هدی الله محمد ﷺ وان ابابكر صاحب رسول الله وثانی اثنین و انه اولی المسلمین باسور كم فقو موافبا یعوه و كانت طائفه قَدَ بایعوا قبل ذلك فی سقیفة بنی ساعدة و كانت بیعة العامة علی المنبر۔

کہ جس کو حق جل شانہٗ ثانی اثنین فرمائیں وہ بلاشبہ لاثانی ہے لہٰذا اے مسلمانو۔ تم اس لاثانی کی طرف بڑھو اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرو رسول اللہ کے ہاتھ کے بعد یہ دوسرا ہاتھ ہے۔

شیخ فرید الدین عطارؒ منطق الطیر میں فرماتے ہیں:

خواجۂ اوّل کہ اوّل یار او ست ثانی اثنین اذہما فی الغار او ست
صدر دین صدیق اکبر قطب حق درہمہ چیز ازہمہ بردہ سبق
ہرچہ حق از بارگاہ کبریا ریخت در صدر شریف مصطفیٰ
اوہمہ در سینۂ صدیق ریخت لاجرم تابود ازو تحقیق ریخت
چوں تو کردی ثانی اثنینش قبول ثانی اثنین اوبود بعد از رسول

صدّیق اکبر سے بیعت لینے کی درخواست

حضرت عمر جب اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوبکر سے عرض کیا اِصْعَدِ الْمُنْبَرَ منبر پر چڑھیے صدیق اکبر نے تأمل کیا مگر حضرت عمر برابر اصرار کرتے رہے۔ تب صدیق اکبر منبر پر جا کر بیٹھے اور عامۃ الناس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔[1]

بیعت عامّہ کے بعد صدّیق اکبر کا پہلا خطبہ

صدیق اکبر حضرت عمر کے اصرار سے منبر پر بیٹھے مگر جس درجہ پر نبی اکرم ﷺ بیٹھا کرتے تھے، اُس کو چھوڑ کر ایک درجہ نیچے بیٹھے اور عامۂ مسلمین سے بیعت عامّہ لی۔ بیعت سے فراغت کے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا:

اما بعد۔ ایها الناس فانی قدولیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اسأت فقومونی الصدق امانة والکذب خیانة	اے لوگو! میں تمہارا والی اور امیر بنا دیا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرنا اور اگر کوئی بُرا کام کروں تو تم مجھ کو ٹھیک کر دینا صداقت۔ امانت ہے اور کذب خیانت

[1] اصل عبارت اس طرح ہے۔ قال الزهری عن انس بن مالك سمعت عمر یقول یومئذ لابی بکر اصعد المنبر فلم یزل به حتی صعد المنبر فبایعه الناس عامة کذافی البدایۃ والنہایۃ ص ۲۴۸ ج ۵

والضعيف فيكم قوى عندي حتى ازيح علته ان شاء الله تعالىٰ والقوى فيكم ضعيف حتى آخذ منه الحق ان شاء الله تعالىٰ لا يدع قوم الجهاد في سبيل الله الاضربهم الله بالذل ولا يشيع في قوم قط الفاحشة الا عَمَّهم الله بالبلاء اطيعوني مااطعت الله و رسوله فاذا عصيت الله و رسوله فلا طاعة لي عليكم قوموا الى صلاتكم يرحمكم الله و هذا اسناد صحيح[1]

ہے اور جو شخص تم میں ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے تا آنکہ اس کی تکلیف کو دور نہ کردوں یعنی اس کا حق نہ دلا دوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور جو تم میں قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اُس سے حق وصول نہ کرلوں جو قوم جہاد فی سبیل اللہ ترک کردیتی ہے اللہ اس قوم کو ذلیل کرتا ہے، اور جس قوم میں بے حیائی اور بدکاری شائع ہو جاتی ہے تو ساری قوم پر کوئی بلا اور مصیبت آتی ہے تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت نہیں اب نماز کیلئے اٹھو اللہ تم پر رحم فرمائے آمین۔

موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں اور حاکم نے مستدرک میں عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بتایا ہے۔

خطب ابوبكر فقال والله ما كنت حريصا على الامارة يوما وليلة قط ولا كنت راغبًا ولا سألتها الله في سرو علانية و لكنني اشفقت من الفتنة ومالي من الامارة من

صدیق اکبر نے خطبہ دیا اور یہ کہا خدا کی قسم میں امارت اور خلافت کا کبھی خواہشمند نہیں ہوا نہ دن میں نہ رات میں اور نہ کبھی اس کی طرف مائل ہوا اور نہ حق تعالیٰ سے علانیہ یا پوشیدہ طور پر میں نے کبھی امارت کی دعا مانگی البتہ مجھے یہ ڈر ہوا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۵،ص:۲۴۷۔ شرح الشمائل ج:۲،ص:۲۲۱۔ کنز العمال۔ ج:۳،ص:۱۲۹

راحة لقد قلدت امرا عظيما مالی به من طاقة ولا يدالا بتقوية اللّٰه كذافی شرح الشمائل للعلامة القاری[1]

جائے اس لئے بادل ناخواستہ میں نے امارت کو قبول کر لیا اور مجھے امارت میں کوئی راحت نہیں میری گردن پر ایک عظیم بوجھ ڈالا گیا جس کے اٹھانے کی اپنے اندر طاقت نہیں پاتا مگر یہ کہ اللہ میری مدد فرمائے۔

اور کنز العمال کی کتاب الخلافت پر صدیق اکبر کا خطبہ بایں الفاظ منقول ہے۔

عن ابی بكر انه قال يا ايها الناس ان كنتم ظننتم انی اخذت خلافتكم رغبة فيها اوارادة استيثار عليكم وعلى المسلمين فلا والذی نفسی بيده ما اخذتها رغبة فيها وا استيثارا عليكم ولا على احد من المسلمين ولا حرصت عليها ليلة ولا علانية ولقد امرا عظيما لا طاقة لی به الا ان يعين اللّٰه تعالىٰ ولوددت انها الى ای اصحاب رسول اللّٰه ﷺ على ان يعدل فيها فهی اليكم رد ولابيعة لكم عندی فادفعاو لمن احببتم فانما انارجل منكم رواه ابو نعيم فے فضائل الصحابة

صدیق اکبرؓ نے خطبہ دیا اور یہ کہا اے لوگو اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ میں نے یہ خلافت اس لئے قبول کی ہے کہ میں خلافت اور امارت میں راغب تھا یا میں مسلمانوں پر اپنی برتری اور فوقیت چاہتا تو قسم ہے اُس خداوند ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے اس ارادہ سے خلافت کو قبول نہیں کیا۔ خدا کی قسم میں نے امارت اور خلافت کی دن اور رات کی کسی ساعت میں کبھی حرص نہیں کی اور نہ ظاہر و باطن میں خدا ہی سے اس کی دعاء مانگی میری تمنا تو یہ تھی کہ میرے سوا کسی اور صحابی کو یہ منصب سونپ دیا جاتا جو مسلمانوں میں عدل کرتا۔ اور اب میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ یہ تمہاری خلافت اور امارت تم کو واپس ہے اور جو بیعت تم میرے ہاتھ پر کر چکے ہو وہ سب ختم ہے، اب جس کو چاہو یہ امارت اور خلافت سپرد کر دو تم میں کا ایک فرد میں بھی ہوں والسّلام۔

[1] شرح الشمائل۔ ج:۲،ص:۲۲۲۔

(۸) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت [1]

جب سب لوگ بیعت کر چکے تو صدیق اکبر نے مجمع پر ایک نظر ڈالی تو لوگوں میں حضرت علی اور حضرت زبیر کو نہ پایا فرمایا کہ میں اس مجمع میں علی اور زبیر کو نہیں دیکھتا ان کو بھی بلا لو۔ انصار میں سے کچھ لوگ اُٹھے اور حضرت علی اور حضرت زبیر کو بلا کر لائے۔

(کنز العمال ص ۱۳۱ ج ۳ کتاب الخلافۃ)

صدیق اکبر نے کہا اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور آپ کے داماد کیا تم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہو اور یہی حضرت زبیر سے کہا حضرت علی اور حضرت زبیر نے کہا اے خلیفۂ رسول اللہ آپ ہمیں ملامت نہ کریں ہم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا نہیں چاہتے اور عرض کیا۔

قال علی والزبیر ما غضبنا الا لانا اخرنا عن المشورة و انا نری ابا بکراحق الناس بها انه لصاحب الغار و انا لنعرف شرفه وخيره ولقد امره رسول الله ﷺ ان يصلى بالناس وهو حى۔ اسناد جيد ولله الحمد والمنة [2]

حضرت علی اور حضرت زبیر نے کہا کہ ہمیں کسی چیز کا رنج نہیں۔ خیال صرف اس بات کا ہے کہ خلافت کے مشورہ میں ہم کو شریک نہیں کیا گیا باقی ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ابو بکر ہیں وہ نبی کریم ﷺ کے یار غار ہیں اور ہمیں ان کا فضل اور شرف اور ان کی بھلائی بخوبی معلوم ہے اور تحقیق نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ان کو اپنی زندگی میں امام مقرر کیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں (یہ بھی اُن کے افضل ہونے کی دلیل ہے) اس روایت کی سند نہایت کھری ہے۔

---

[1] کنز العمال ج:۳ ص:۱۳۱۔ [2] البدایۃ والنہایۃ۔ ج:۵ ص:۲۵۰، ازالۃ الخفاء۔ ج:۱ ص:۳۱۲۔

و فی روایة انه رضیه لدیننا افلا نرضاه لدنیانا[1]	اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا۔ پس کیا ہم ابوبکر کو اپنی دنیائے دوں کے لئے پسند نہ کریں۔

اور یہ کہہ کران دونوں حضرات نے ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی خرجہ الحاکم
(ازالۃ الخفاء ص ۲۷ ج ۲)

صدیق اکبر نے حضرت علی اور حضرت زبیر سے معذرت کی اور یہ کہا کہ خدا کی قسم مجھے امارت کی ذرہ برابر حرص نہ تھی نہ کبھی دل میں اس کی رغبت ہوئی اور نہ کبھی حق تعالیٰ سے ظاہراً اور پوشیدہ امارت کی دعا مانگی مگر مجھ کو فتنہ[2] کا اندیشہ ہوا یعنی یہ اندیشہ ہوا کہ اگر معاملہ کو تمہاری آمد تک مؤخر رکھوں تو مبادا کوئی فتنہ کھڑا ہو جائے۔[3]

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کو نہ کسی نے پوچھا اور نہ بلایا تو حضرات شیعہ بتلائیں کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر کو کس نے پوچھا اور کس نے بلایا تھا خود ہی فتنہ کے خوف سے چلے گئے تھے، نیز خلافت کا کام ان کی نظر میں کوئی بڑا کام نہ تھا کہ جس کے واسطے یہ انتظار کرتے کہ فلاں کو آ جانے دو اور فلانے کو تشریف لانے دو۔

بہر حال حضرت علی اور حضرت زبیر نے ابتداہی میں صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

وقد صحح ابن حبان وغیره من حدیث ابی سعید الخدری	ابن حبان وغیرہ نے ابوسعید خدری کی اس روایت کو صحیح بتایا ہے جس میں یہ بیان کیا ہے

[1] شرح الشمائل۔ ج:۲،ص:۲۲۲ [2] قال الامام احمد حدثنا علی بن عباس ثنا الولید بن مسلم اخبرنی یزید بن سعید عن عبدالملک بن عمیر عن رافع الطائی رفیق ابی بکر الصدیق فی غزوة ذات السلاسل قال وسألته عما قیل فی بیعتهم فقال وهو یحدثه عما تقاولت به الانصار وما کلمهم به وما کلم به عمر بن الخطاب الانصار وما ذکرهم به من امامتی ایاهم بامر رسول الله ﷺ فی مرضه فبایع نیٔ لذلك و قبلتها منهم و تخوفت ان تکون فتنة بعد هاردة و هذا اسناد جید قوی و معنی هذا نه رضی الله عنه انما قبل الامامة تخوفا ان تصع فتنة اربی من ترکه قبولها رضی الله عنه و ارضاه کذافی البدایة والنهایة ص ۲۴۷ ج ۵ اور ایک روایت ہے۔ فقال رای ابوبکر ان رسول الله ﷺ قبض والناس حدیث عهد بکفر فخفت علیهم ان یرتد واوان یختلفو افد خلت فیها و انا کاره ولم یزل بی اصحابی فلم یزل اعتذر حتی عذرته رواه ابن راهویه والعدنی والبغوی و ابن خزیمة کذافی کنز العمال ص ۱۲۵ ج ۳

[3] ازالۃ الخفاء ج:۲،ص:۲۷،سیرت حلبیہ ،ج:۳،ص:۳۶۰

وغیرہ ان علیا بایع ابابکر فی اوّل الامر[۱] | کہ حضرت علی نے شروع ہی میں ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صحیح اور حق یہی ہے کہ حضرت علی نے شروع ہی میں ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، حضرت علی کسی وقت بھی صدیق اکبر سے جدا نہیں ہوئے تمام نمازیں ابوبکر کے پیچھے پڑھتے تھے۔[۲]

نیز ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ سے بھی منقول ہے کہ حضرت علی نے شروع ہی میں ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جس کو حاکم کے علاوہ ابوداؤد طیالسی اور ابن سعد اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔[۳]

اور صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضرت علی نے چھ ماہ بعد جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا تب ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی بعض علماء نے بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے اور امام بیہقی نے ابن حبان کی روایت کو ترجیح دی ہے اور بعض علماء نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت علی نے ایک بیعت تو شروع ہی میں کر لی تھی لیکن جب بعد میں فدک کا واقعہ پیش آیا اور رنجش اور ملال کی نوبت آئی اور پھر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی علالت کی وجہ سے حضرت علی کا حضرت ابوبکر کے پس آنا جانا بھی کم ہو گیا تو لوگوں کو یہ وہم ہو گیا کہ حضرت علی صدیق اکبر کی خلافت سے راضی نہیں تو اس وہم کے دور کرنے کے لئے حضرت علی نے مجمع عام میں دوبارہ بیعت کی تو یہ دوسری بیعت درحقیقت پہلی بیعت کی تجدید تھی۔[۴]

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء کی وفات کے بعد حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے گھر تشریف لائیں لیکن کوئی دوسرا شخص آپ کے ہمراہ نہ ہو۔ (اشارہ حضرت عمر کی طرف تھا کہ وہ سخت ہیں اور ابوبکر نرم ہیں) حضرت عمر نے سنا تو کہا کہ خدا کی قسم آپ تنہا نہ جائیں۔ ابوبکر صدیق نے کہا خدا کی قسم میں ضرور جاؤں گا، مجھے یہ توقع نہیں کہ وہ میرے ساتھ کچھ کریں گے، چنانچہ حضرت ابوبکر

---

۱ فتح الباری، ج:۷، ص:۳۷۹۔ ۲ البدایۃ والنہایۃ، ج:۵، ص:۲۴۹۔ ۳ فتح الباری، ج:۷، ص:۳۷۹۔
۴ فتح الباری ج:۷، ص:۳۷۹۔

تشریف لے گئے تو حضرت علی نے حمد و ثناء کے بعد کہا:

انا قد عرفنا فضلك وما اعطاك الله لم ننفس عليك خيرا ساقه الله اليك ولكنك استبددت[1] علينا بالامر وكنا نرى لقرابتنا من رسول الله ﷺ ان لنا في هذا الامر نصيبا حتى فاضت عينا ابي بكر فلما تكلم ابوبكر قال والذي نفسي بيده لقرابة رسول الله ﷺ احب الي ان اصل قرابتي واما الذي شجر بيني و بينكم من هذه الاموال فلم آل فيها عن الخير ولم اترك امرا رأيت رسول الله ﷺ يصنعه فيها الا صنعت فقال علي لابي بكر موعدك العشية للبيعة فلما صلى ابوبكر الظهر قي المنبر فتشهد و ذكر شأن علي و تخلفه عن البيعة و عذره بالذي اعتذر اليه ثم استغفر و تشهد علي فعظم[2] حق ابي

اے ابو بکر ہم آپ کے فضل اور شرف کو خوب جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور جو خیر اور عزت یعنی خلافت اللہ تعالیٰ آپ کی طرف کشاں کشاں لایا ہے ہمیں اس پر ذرہ برابر رشک اور حسد نہیں لیکن ہمیں شکوہ اس کا ہے کہ خلافت کا معاملہ ہم سے بغیر مشورہ کیے اکیلے ہی طے کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کی قرابت کی وجہ سے مشورہ میں ہمارا بھی حق ہے، حضرت علی اسی قسم کے گلے اور شکوے کی باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ابوبکر صدیق کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے ابوبکر صدیق بولے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قرابتوں کی پاس داری مجھے اپنی قرابتوں کی پاس داری سے کہیں زیادہ محبوب ہے اور ان اموال فدک و بنی نضیر کے بارہ میں باہم جو اختلاف پیش آیا سو ان میں میں نے خیر اور بہتری میں کوئی کمی نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو ترک نہیں کیا جس طرح

[1] قوله ولكنك استبددت بالامر قال المازري ولعل عليا اشار الى ان ابا بكر استبد عليه بامور عظام كان مثله عليه ان يحضره فيها ويشاوره اوانه اشار الى انه لم يستشر في عقد الخلافة له اولا۔ والعذر لابي بكر انه خشي من التأخر عن البيعة الاختلاف لما كان وقع من الانصار كما تقدم في حديث السقيفه فلم ينتظر ه فتح الباري ص ۳۷۹، ج ۷

[2] البداية والنهاية ج:۵،ص:۲۴۹

بکر وجدت انه لم يحمله على الذى صنع نفاسة على ابى بكر ولا انكار الذى فضله الله به ولكنا كنانرى لنا فى هذا الامر نصيبا فاستبد علينا فوجدنا فى انفسنا فسر بذالك المسلمون وقالوا اصبت۔ [1]

آپ ان اموال کا انتظام کرتے تھے اسی طرح میں نے بھی کیا حضرت علی نے صدیق اکبر سے کہا کہ میرا آپ سے یہ وعدہ ہے کہ زوال کے بعد بیعت کے لئے حاضر ہوں گا، ابوبکر صدیق ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر منبر پر چڑھے اور خدا کی حمد وثناء کی اور اس کے بعد حضرت علی کی شان کو اور ان کی بیعت نہ کرنے کو اور ان کی تاخیر کے عذر کو بیان فرمایا اور استغفار کے بعد منبر سے اتر آئے۔

ان کے بعد حضرت علی نے اللہ کی حمد وثناء کی اور پھر حضرت ابوبکر کے فضائل اور حقوق بیان کیے اور ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ کہا کہ مجھ سے جو کچھ تاخیر ہوئی اس کی وجہ معاذ اللہ یہ نہ تھی کہ مجھے صدیق اکبر کی خلافت پر کچھ شک تھا اور نہ یہ وجہ تھی کہ مجھے اُن کی فضیلت اور برتری سے کوئی انکار تھا بلکہ صرف اتنی بات تھی کہ اس معاملہ میں ہمارا بھی کچھ حق تھا۔ کہ ہم سے کچھ رائے لیتے لیکن ابوبکر نے استبداد سے کام لیا اور ہمارے بلا مشورہ یہ معاملہ طے کر لیا۔ اس لئے ہم اپنے دل میں رنجیدہ ہوئے مسلمان حضرت علی کی یہ گفتگو سن کر خوش ہو گئے اور سب نے اَصَبْتَ اور اَحْسَنْتَ کہا۔

ان تمام روایات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت علی کو صدیق اکبر کی افضلیت اور اہلیت خلافت میں ذرہ برابر شک نہ تھا اور نہ ذرہ برابر خلاف صدیقی پر کوئی حسد یا رشک تھا اور بصد رضاء ورغبت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو شکوہ شکایت تھی وہ بنابر محبت تھی۔ غیروں سے شکایت نہیں ہوتی، بلکہ اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کا دل حضرت ابوبکر کی محبت سے لبریز تھا اور اُن کی افضلیت میں کوئی شک وشبہ نہ تھا، بیعت سے علیحدگی کا سبب معاذ اللہ کوئی رشک وحسد نہ تھا بلکہ ایک محبانہ ومخلصانہ شکوہ تھا اور بطور ناز تھا۔ حقیقت اس کی کچھ نہ تھی۔ ابوبکر صدیق سقیفہ میں اپنی بیعت لینے نہیں گئے تھے

[1] فتح الباری ج: ۷، ص: ۳۷۸

بلکہ مہاجرین وانصار کے باہمی نزاع کو رفع کرنے گئے اور وہاں جانے کے بعد خود اپنی بیعت کی درخواست نہیں کی۔ بلکہ حاضرین نے بالاتفاق خود اُن کے ہاتھ پر بیعت کی ایسی حالت میں اگر بیعت نہ لیتے تو فتنہ اور فساد کا اندیشہ تھا اور خطرہ تھا کہ بات اختیار سے باہر نہ ہو جائے، ایسے نازک اور ناگہانی حالت میں یہ کہنا کہ فلانے کو نہیں بلایا اور فلانے سے مشورہ نہیں کیا مناسب نہیں صدیق اکبر نے حضرت علی کو جب یہ باتیں بتلائیں تو سارا گلہ اور شکوہ دم کے دم میں دور ہو گیا اور دل وجان سے ابوبکر سے بیعت کی۔

علامہ حلبی سیرت حلبیہ میں فرماتے ہیں کہ جب مہاجرین اور انصار جمع ہو گئے تو صدیق اکبر نے حضرت علی کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا جب حضرت علی آ گئے تو یہ فرمایا:

ما خلفك يا علي من امر الناس قال خلفني عظيم المعتبة ور ايتكم استقليتم برايكم فاعتذر اليه ابو بكر رضي الله عنه بخوف الفتنة لواخر ثم اشرف على الناس وقال ايها الناس هذا علي بن ابي طالب لابيعة لي في عنقه وهو بالخيار عن امرا لا وانتم بالخيار جميعا في بيعتكم فان رأيتم لها غيري فانا اول من يبايع فلما سمع ذلك علي كرم الله وجهه زال ما كان قد داخله فقال اجل لانرى لها غيرك امد يدك فبايعه هو والنفر الذين كا نوامعه الخ[1]

اے علی تم کو اس بیعت کے معاملہ سے کسی چیز نے مؤخر رکھا حضرت علی نے کہا ایک بڑے شکوہ اور رنج نے ہم کو مؤخر رکھا کہ تم نے ہم سے بغیر مشورہ کیے یہ معاملہ طے کر لیا۔ ابوبکر صدیق نے معذرت کی کہ وہ وقت نہایت پریشانی اور اضطراب کا تھا اگر اس امر کو ملتوی رکھا جاتا تو اندیشہ فتنہ کا تھا اور پھر صدیق اکبر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے لوگو یہ علی بن ابی طالب تمہارے سامنے ہیں ابھی تک میری بیعت کا قلادہ اُن کی گردن میں نہیں اُن کو پورا اختیار ہے کہ چاہے میرے ہاتھ پر بیعت کریں یا نہ کریں اور اے مسلمانو تم اگرچہ میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہو لیکن تم کو بھی پورا اختیار ہے کہ اپنی بیعت کو

[1] سیرۃ حلبیہ ج:۳،ص:۳۶۰

واپس لے لو اور اگر میرے سوا کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہو تو تم کو اختیار ہے جس کو چاہو دوبارہ اپنا امیر بنالو۔ اس دوسرے امیر کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والا میں ہوں گا۔ صدیق اکبر کا یہ کلام سنتے ہی حضرت علی کے تمام شکوے اور شکایات یکلخت دل سے دور ہو گئے اور یہ کہا کہ ابوبکر ہم تم سے زیادہ کسی کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے۔ اپنا ہاتھ بڑھاؤ حضرت علی نے اور اُن کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب نے صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

سعد بن عبادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بیعت

سقیفۂ بنی ساعدہ میں سب لوگوں نے ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی مگر سعد بن عبادہ نے بیعت سے انکار کر دیا اور گھر چلے گئے کچھ روز تک صدیق اکبر نے اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ سعد سے ضرور بیعت لینی چاہئے۔ بشیر بن سعد نے کہا تن تنہا آدمی ہے اس سے درگزر کرو اور ان کی حالت پر رہنے دو ایک دفعہ انکار کر چکے ہیں دوبارہ چھیڑنے سے اندیشہ ہے کہ اُن کا کنبہ اور قبیلہ اُن کی حمایت کے لئے کھڑا ہو جائے اور کشت وخون کی نوبت آجائے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ مگر سعد اس واقعہ کے بعد نہ تو ابوبکر کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتے تھے (کسی اور مسجد میں نماز پڑھتے ہوں گے) اور نہ اُن سے بات کرتے تھے یہاں تک کہ ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ ابوبکر کے انتقال کے بعد سعد شام چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ امام طبری فرماتے ہیں کہ سعد نے بھی تھوڑی دیر کے بعد اسی دن ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی واللہ اعلم۔

صدّیق اکبر کا خلافت سے دستبرداری کا ارادہ

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فتنہ اور اختلاف کے اندیشہ سے اور پھر لوگوں کے اصرار

سے خلافت کو قبول تو فرمالیا مگر دل پر صدمہ گزرا کہ تو نے اس بار امانت یعنی خلافت کو کیوں اپنے سر رکھا اور رنجیدہ اور غمگین اپنے گھر میں بیٹھ گئے فاروق اعظم ؓ[۱] جب صدیق اکبر کے پاس گئے تو صدیق اکبر نے فاروق اعظم کو بہت ملامت کی اور شکوہ و شکایت کی کہ تو نے مجھ کو اس بلا میں پھنسایا۔ لوگوں میں فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے، فاروق اعظم نے تسلّی دی اور کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد معلوم نہیں۔ کہ والی اور حاکم اگر اجتہاد کرے اور صواب کو پہنچے تو اس کے لئے اس فیصلہ میں دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد میں خطا واقع ہو جائے تو اس لئے ایک اجر ہے یہ سُن کر صدیق اکبر کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا، (ابن راہویہ وخیثمہ فی فضائل الصحابۃ) ھب۔

ایک روایت میں ہے کہ بیعت کے بعد صدیق اکبر تین دن تک دروازہ بند کیے گھر میں بیٹھے رہے، جب مسجد میں تشریف لاتے تو منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں۔

ایها الناس قد اقلتكم بيعتكم فبايعوا من احببتم كل ذلك يقوم اليه علي بن ابي طالب فيقول لا واللّٰه لانقيلك ولا نستقيلك من ذالذي يؤخرك وقد قدمك رسول اللّٰه ﷺ[۲]	اے لوگو! میں تمہاری بیعت واپس کرتا ہوں جس سے چاہے بیعت کرلو۔ بار بار کہتے ہر بار حضرت علی کھڑے ہوتے اور یہ جواب دیتے خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہم نہ آپ کو واپس کریں گے اور نہ آپ سے واپس لیں گے، کون ہے جو آپ کو پیچھے ہٹائے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آگے کیا۔

[۱] روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں عن موسیٰ بن ابراهيم عن رجل من آل ربيعة انه بلغه ان ابابكر حين استخلف قعدفي بيته حزينا فدخل عليه عمر فاقبل عليه يلومه و قال انت الذي كلفتني هذا الامر و شكا اليه الحكم بين الناس فقال له عمر اوما علمت ان رسول اللّٰه ﷺ قال ان الوالي اذا اجتهد فاصاب الحق فله اجران وان اجتهدفا خطاء الحق فله اجر واحد فكانه سهل على ابي بكر۔ ابن راهويه و خيثمة في فضائل الصحابه هب۔ كنز العمال ص ۱۳۵ ج ۳ كتاب الخلافة

[۲] کنز العمال، ج:۳، ص:۱۴۰

حکایت

عن یحی بن سعید عن القاسم بن محمد قال توفی رسول اللّٰہ ﷺ و عمرو بن العاص بعمان او بالبحرین فبلغتھم وفاۃ رسول اللّٰہ ﷺ و اجتماع الناس علی ابی بکر فقال لہ اھل الارض من ھذا الذی اجتمع الناس علیہ ابن صاحبکم قال لا قالوا فاخوہ قال لا قالوا فاقرب الناس الیہ قال لا قالوا فماشأنہ قال اختارو اخیرھم فامّروہ فقالوا لن یزالوا بخیر ما فعلوا ھذا (ابن جریر)[1]

یحیٰ بن سعید قاسم بن محمد سے راوی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو عمرو بن العاص اس وقت عمان یا بحرین میں تھے، جب وہاں یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ کا وصال ہوگیا اور لوگوں کے اتفاق سے ابوبکر خلیفہ ہوگئے تو وہاں کے باشندوں نے عمرو بن العاص سے پوچھا کہ جس شخص کی خلافت پر لوگ متفق ہوئے۔ یہ کون شخص ہے کیا یہ شخص تمہارے نبی کا بیٹا ہے عمرو بن العاص نے کہا نہیں لوگوں نے کہا کہ کیا پھر ان کا بھائی ہے عمرو بن العاص نے کہا کہ یہ آپ کا بھائی بھی نہیں لوگوں نے کہا کہ کیا پھر یہ شخص تمہارے نبی کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے عمرو بن العاص نے کہا نہیں لوگوں نے کہا پھر یہ کون شخص ہے کہ جس کو لوگوں نے متفقہ طور پر اپنا امیر بنایا عمرو بن العاص نے کہا کہ جو شخص سب سے افضل اور بہتر تھا لوگوں نے اس کو منتخب کیا اور اس کو اپنا امیر بنالیا تو وہاں کے لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ ہمیشہ خیر میں رہیں جب تک ایسا کرتے رہیں گے۔

[1] کنز العمال، ج:۳، ص:۱۳۶

خلفاء راشدین کے بارہ میں جولوگ تعصب رکھتے ہیں اُن کے بارے میں شیخ فرید الدین عطار قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں۔

اے گرفتارِ تعصب ماندۂ — دائما در بغض و در حب ماندۂ
در خلافت نیست میل اے بیخبر — میل کے آید ز بو بکر و عمر
میل گر بودے دراں دو مقتدا — ہر دو کردندے پسر را پیشوا
کے روا داری کہ اصحاب رسول — مردنا حق را کنند از جان قبول
یا نشاندش بجائے مصطفےٰ — بر صحابہ نیست ایں باطل روا
اختیار جملہ شان گر نیست راست — اختیار جمع قرآن بس خطا است
بلکہ ہرچہ اصحابِ پیغمبر کنند — حق کنند و لائق حق در کنند
گر خلافت ازہوا می راندی — خویش رابر سلطنت بنشاندی

حکایت

چوں عمر پیش اویس آمد بجوش — گفت افگندم خلافت راز دوش
ایں خلافت گر خریدارے بود — می فروشم گر بدینارے بود
چوں اویس ایں حرف بشنوداز عمر — گفت تو بگذارو فارغ درگزر
تو بیفگن ہر کہ می خواہد زراہ — باز برگیر و ورودتا پیش گاہ
چوں خلافت خواست افگندن امیر — آں زماں برخاست ازیاران نفیر
جملہ گفتندش مکن اے پیشوا — خلق را سرگشتہ ازبہر خدا
عہدۂ درگردنت صدیق کرد — آں نہ برعمیا کہ بر تحقیق کرد
گر تو می پیچی سراز فرمان او — ایں زماں از تو برنجد جان او
چوں شنودایں حجت محکم عمر — کار ازیں حجت بروشد سخت تر
از زمان تو صحابہ خستہ اند — در زبان بت پرستان رستہ اند
در فضولی می کنی دیوان سیاہ — گوئے بردی گر زبان داری نگاہ[1]

[1] منطق الطیر۔ ص:۲۸۔۳۱

(۹) مسئلہ وصایت

تمام مہاجرین اور انصار کے اتفاق سے صدیق اکبر کا خلیفہ بننا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آں حضرت ﷺ نے کسی شخص کے لئے خلافت کی وصیت نہیں فرمائی تھی کہ فلاں شخص میرے بعد خلیفہ ہوگا اور نہ صراحۃً کسی شخص کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تھا نہ ابوبکر کو اور نہ علی کو البتہ صدیق اکبر کی خلافت کے متعلق اشارات فرمائے اور تمام زندگی ابوبکر کے ساتھ وہ معاملہ رکھا جو بادشاہ کا ولی عہد کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رسول اللہ ﷺ کے وصی اور خلیفہ تھے صحیحین میں ہے کہ حضرت عائشہ کے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو اپنا وصی بنایا تھا، حضرت عائشہ نے کہا کون کہتا ہے۔ آخر وقت میں میں آپ کو اپنے سینہ سے لگائے بیٹھی تھی، اسی حالت میں آپ کا وصال ہوگیا مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے حضرت علی کے متعلق کب وصیت کی۔

(۱) صحیحین میں ہے کہ جب فاروق اعظم کے خنجر مارا گیا اور لوگ آپ کی زندگی سے ناامید ہوئے تو عرض کیا گیا۔

الا تستخلف یا امیر المؤمنین فقال ان استخلف فقد استخلف من هو خير منی یعنی ابا بکر و ان اترک فقد ترک من هو خير منی یعنی رسول الله ﷺ	اے امیر المؤمنین آپ کسی شخص کو اپنا خلیفہ کیوں نہیں بنا دیتے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیفہ بنادوں تو اس میں کوئی حرج نہیں صدیق اکبر جو مجھ سے بہتر تھے انہوں نے وفات کے وقت اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا اور اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ رسول ﷺ نے بھی کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا۔

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مرض الوفات میں عرض کیا گیا۔

الاتستخلف علينا فقال ما استخلف رسول الله ﷺ فاستخلف ولكن ان يرد الله بالناس خيرا فسيجمعهم بعدی علی خيرهم كما جمعهم بعد نبيهم علی خيرهم اخرجه البيهقی و اسناده جيد۔

اے امیر المؤمنین آپ ہم پر کسی کو خلیفہ کیوں نہیں بنا دیتے۔ حضرت علی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا پس میں کیوں خلیفہ بناؤں لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ لوگوں کے ساتھ خیر کا ہوگا تو میرے بعد لوگوں کو کسی بہتر آدمی پر متفق اور مجتمع کر دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کی وفات کے بعد لوگوں کو ایک بہترین خلق یعنی ابوبکر پر متفق اور جمع کر دیا۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا اور اسناد اس کی نہایت جید ہے۔

(۳) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علی سے آں حضرت ﷺ کے مرض الوفات میں کہا کہ تم خدا کی قسم تین روز کے بعد عبد العصا (لاٹھی کے غلام) ہو گے یعنی آپ کی وفات قریب ہے لہٰذا تم آں حضرت ﷺ دریافت کر لو کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ حضرت علی نے کہا:

انی لا اسئله ذلك

تحقیق میں اس بارے میں آپ سے کچھ دریافت نہیں کروں گا۔

(۴) سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ راوی ہیں کہ حضرت علی نے ایک مرتبہ یہ خطبہ دیا۔

يا ايها الناس ان رسول الله ﷺ لم يعهد الينا فی هذه الامارة شيئا حتی راينا من الرأی ان نستخلف ابابكر فاقام و استقام حتی مضی لسبيله ثم ان ابابكر رای من

اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں امارت اور خلافت کے بارے میں کوئی وصیت نہیں فرمائی آپ کی وفات کے بعد سب کی متفقہ رائے سے ابوبکر خلیفہ مقرر ہوئے اور خلافت کا کام نہایت عمدگی سے انجام دیا یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوئے پھر

الرأی ان یستخلف عمر فاقام و استقام حتی مضی لسبیله هذا کله من البدایة والنهایة۔	ابوبکر نے اپنی رائے سے عمر کو خلیفہ مقرر کیا عمر نے نہایت خوبی سے خلافت کا کام انجام دیا یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوئے۔

(۵) صحیحین میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خطبہ دیا اور یہ فرمایا کہ جو شخص یہ گمان کرے کہ ہمارے پاس سوائے کتاب اللہ کے اور اس صحیفہ کے جس میں دیات وغیرہ کے احکام ہیں۔کوئی اور کتاب اور کوئی وصیّت نامہ ہے تو وہ بالکل جھوٹ بولتا ہے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت علی کی خلافت کی وصیت کی تھی اہل سنت کہتے ہیں کہ اگر آں حضرت ﷺ نے حضرت علی کو خلافت کے لئے نامزد کیا ہوتا تو ناممکن اور محال تھا کہ صحابہ کرام اس پر عمل نہ کرتے۔ صحابہ کرام جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے جان و مال خویش واقارب سب قربان کردیئے ان کی نسبت یہ بدگمانی کہ انہوں نے دیدہ و دانستہ رسول اللہ ﷺ کی وصیّت کو رد کر دیا۔ یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے جو صحابہ کرام کی توصیف سے بھرا پڑا ہے۔ نیز اگر حضرت علی یا حضرت عباس وغیرہ کسی کی خلافت کے متعلق کوئی نص یا وصیّت ہوتی تو وہ قطعاً متواتر ہوتی اس کا چھپا رہنا عادۃً محال تھا ضرور وہ نص مجلس میں پیش ہوتی، جیسے ابوبکر صدیق نے انصار کے سامنے جب حدیث پیش کی "الائمۃ من قریش" تو انصار نے فوراً اس کی اطاعت کی اور اپنی امارت کے خیال کو چھوڑ دیا۔ نیز اگر خلافت کے بارے میں کوئی نص ہوتی تو کوئی نہ کوئی تو اس مجلس میں یہ کہتا کہ تم لوگ کیوں اس قدر لڑ رہے ہو۔ حضور پُر نور نے تو فلاں شخص کو امامت اور خلافت کے لئے معین اور نامزد کر دیا ہے نبی کریم ﷺ اگر سوائے ابوبکر کے کسی اور کو مثلاً حضرت علی یا حضرت عباس کو مقرر کر جاتے تو یہ ناممکن تھا کہ صحابہ میں سے کوئی بھی اس کو ظاہر نہ کرتا سقیفۂ بنی ساعدہ کا اجتماع۔ خلیفہ ہی کی تعیین کے لئے تو تھا وہاں اس لئے جمع ہوئے تھے، اگر خلافت کے بارے میں کوئی نص ہوتی تو انصار منا امیر و منکم امیر نہ کہتے اور نہ سقیفۂ میں کسی زبان سے یہ نکلا کہ حضور پُر نور غدیر خم کے خطبہ میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے حضرت علی کی خلافت کی طرف اشارہ فرما چکے ہیں اب اس بحث کی ضرورت نہیں۔ نیز اگر حضرت علی کے پاس اپنی خلافت کی کوئی نص یا وصیّت موجود ہوتی تو

صحابہ کرام کے سامنے اس کو ضرور پیش کرتے اور اگر نہ مانتے تو ابوبکر و عمر سے جہاد و قتال کرتے جیسے حضرت معاویہ سے قتال کیا، خصوصاً جب کہ ابوسفیان نے حضرت علی سے یہ کہا کہ تم بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاؤ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور اگر تم چاہو تو ابوبکر کے مقابلہ میں تمام میدان سواروں اور پیادوں سے لاکر بھر دوں۔

حضرت علی نے نہایت سختی سے جواب دیا کہ جاؤ مجھے تمہاری نصیحت کی ضرورت نہیں تم مسلمانوں میں فتنہ اور فساد کرنا چاہتے ہو۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی کے پاس کوئی نص یا وصیت موجود نہ تھی اور وہ دل و جان سے صدیق اکبر کی خلافت کو خلافت حقہ اور خلافت راشدہ سمجھتے تھے اور اُن کی خلافت کے خلاف لَب کشائی کو فتنہ اور فساد سمجھتے تھے۔

حضرت علی کے نزدیک اگر صدیق اکبر کی خلافت حق نہ ہوتی تو ضرور ابوبکر سے مقابلہ اور مقاتلہ کرتے جیسے حضرت معاویہ سے کیا اس لئے کہ اسد اللہ الغالب ہونے کے بعد اعداء اللہ سے مقابلہ نہ کرنا غایت درجہ بزدلی اور ایمان کی کمزوری ہے، پس حضرت علی کا یہ سکوت اگر بوجہ لاچاری اور مجبوری تھا تو لاچار اور مجبور آدمی لائق امارت و خلافت نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی نے باوجود قدرت کے اپنی خلافت کی نص یا وصیت کو بنابر تقیہ ظاہر نہیں کیا تو یہ بزدلی بھی ہے اور نفاق بھی ہے اور بزدل اور منافق خلیفہ نہیں ہوسکتا۔[1]

حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کا خلفاء ثلاثہ کے ساتھ رہنا اور مسجد میں اُن کے پیچھے نمازیں پڑھنا اور انہی کے مطابق قرآن پڑھنا اور کسی بات میں سر مو اُن کے خلاف نہ کرنا یہ سب بنابر تقیہ تھا لیکن اشکال اور سوال یہ ہے کہ حضرت علی جب اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ دیتے تھے تو خلفاء ثلاثہ کے فضائل اور مناقب بیان کیا کرتے تھے سو اگر یہ بھی تقیہ سے تھا تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ امیر المؤمنین علی۔ کیسے شیر خدا تھے کہ خلفاء ثلاثہ کے انتقال کے بعد بھی اُن سے ڈرتے تھے اور ڈر کر ان کی تعریف کرتے تھے افسوس کہ شیر خدا ہو کر مردوں سے ڈرے اور خلیفہ اور بادشاہ ہونے کے بعد بھی انہی کے موافق احکام جاری کرے معاذ اللہ حضرت علی ایسے بزدل اور نامرد نہ تھے جیسے حضرات شیعہ کہتے ہیں۔

[1] البدایۃ والنہایۃ ج:۵، ص:۲۵۲

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی حقیقۃً شیر خدا تھے اوران کا ظاہر و باطن یکساں تھا حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ ان کا ظاہر و باطن مختلف تھا، بندہ تو ظاہر کو دیکھتا ہے دل کی خبر اللہ کو ہے، حضرت علی جب ظاہر میں برسرِ منبر خلفاء ثلاثہ کی تعریف فرماتے تو مسلمانوں کے ذمہ یہ فرض ہے کہ حضرت علی کو صادق اور راستباز سمجھیں، شیعوں کے نزدیک حضرت علی معصوم تھے اور معصوم کی اطاعت فرض ہے اور اس کی نافرمانی فسق ہے نیز یہ امر مسلمات فریقین سے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق اکبر کے ابتداء خلافت سے لے کر انتہا تک اور اسی طرح عہدِ فاروقی اور عہدِ عثمانی میں از اوّل تا آخر تمام آخر تا امور مہمہ میں خلفاء ثلاثہ کے مشیر خاص اور شریک حال رہے اور جس قدر لڑائیاں ہوئیں ان میں ان کا مشورہ شامل رہا اور مال غنیمت میں سے اپنا حصہ لیتے رہے اور نمازوں میں اُن کی اقتداء کرتے رہے اور مسائل دینیہ میں اُن کے ہم نوا اور ہم صفیر رہے یہ سب اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو دل سے حق سمجھتے تھے اور حیدر کرار صاحب ذوالفقار کے اس پچیس سالہ عمل کو تقیہ پر محمول کرنا، شیعہ ہی اس کی جرأت کر سکتے ہیں، ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے غلامانِ غلامان کی شان بھی اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے کہ ہم دل سے جن کو کافر و منافق و غاصب و خائن سمجھتے ہوں ظاہراً اُن سے یہ محبانہ اور دوستانہ معاملہ کریں اور اُن کے پیچھے نمازیں ادا کریں اور اُنہی کا بگاڑا ہوا قرآن پڑھتے رہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

رہا یہ امر کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو امارت اور خلافت کے لئے کیوں نہ مقرر فرما دیا۔ سو اس کا

جواب

یہ ہے کہ حضور پُر نور کے ذمہ امیر اور خلیفہ کی تعیین اور نامزدگی واجب نہ تھی یہ مسئلہ آپ نے مسلمانوں کے اجتہاد اور مشورہ پر چھوڑ دیا کہ اپنی صواب دید سے کسی کو اپنا امیر منتخب کر لیں اور اشارۃً اپنا منشاء مبارک اس طرح ظاہر فرما دیا کہ ابوبکر کو اپنی جگہ نماز کا امام مقرر کیا، یہ خلافت کی جانب اشارہ تھا اور جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ میرا یہ اشارہ صحابہ کے لئے کافی ہو گا۔ اس لئے ابوبکر کے لئے جو وصیت نامہ تحریر کرانا چاہتے تھے اس کا ارادہ بھی ترک کر دیا

کہ اب اس کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ قضاء وقدر میں یہ طے پا چکا ہے کہ مسلمان سوائے ابوبکر کے کسی پر متفق نہ ہوں گے۔

علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ حضور پُرنور نے جو کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا اس کی وجہ وہ ہے جو مسند بزار کی ایک حدیث میں مذکور ہے۔

عن حذيفة قال قالوا يا رسول الله الا تستخلف علينا قال ان استخلف عليكم فتعصوا خليفتي انزل عليكم العذاب واخرجه الحاكم فى المستدرك

حذیفہ راوی ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہم پر کوئی امیر اور خلیفہ کیوں نہ مقرر کر جائیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کر دوں اور پھر تم اس کی نافرمانی کرو تو تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔

(۱۰) مسئلہ خلافت میں اہل سنت اور اہل تشیع کے منشاء اختلاف کی مختصر تشریح

اہل سنّت اور اہل تشیع میں سب سے بڑا اختلافی مسئلہ مسئلہ خلافت ہے اس لئے ہم نہایت اختصار کے ساتھ یہ بتلانا چاہتے کہ منشاء خلاف کیا ہے۔ وہ یہ کہ شیعوں کے نزدیک خلافت کا دارومدار قرابت اور علاقہ مصاہرت (دامادی) پر ہے اس لئے شیعوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت جناب امیر کو ملنی چاہیے تھی کہ وہ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے اور داماد بھی تھے اہل سنّت یہ کہتے ہیں کہ خلافت نبوی کا دارومدار تقرب پر ہے نہ کہ قرابت (رشتہ داری) پر جو شخص سب سے زیادہ خدا اور اس کے رسول کا مقرب ہوگا۔ وہ شخص خلیفۂ رسول اور جانشین نبی ہوگا۔ خلافتِ نبوت کو قرابت اور مصاہرت یعنی رشتہ داری سے کیا علاقہ خلافت کا دارومدار اگر قرابت نسبی پر ہوتا تو آپ کے بعد خلیفہ یا تو آپ کے چچا حضرت عباس ہوتے یا آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء ہوتیں بلکہ حضرت فاطمہ ہوتیں اور کوئی مردان کی طرف سے کار خلافت کو انجام دیتا جیسا کہ دنیا کا دستور ہے اور حضرت فاطمہ کے بعد

امام حسن خلیفہ دوم ہوتے اور امام حسن کے بعد امام حسین خلیفہ سوم ہوتے اور امام حسین کے بعد اگر حضرت علی زندہ رہتے تو پھر حضرت علی خلیفہ چہارم ہوتے، غرض یہ اگر خلافت کا مدار قرابت پر ہو تو شیعوں کے اس قاعدہ کی بنا پر بھی حضرت علی خلیفہ چہارم ہی ہوتے ہیں پھر اگر اہل سنت نے حضرت علی کو خلیفہ چہارم بنایا تو کیا قصور کیا۔ حضرت علی کو جو خلافت ملی وہ مہاجرین اور انصار ہی کی بیعت سے ملی۔ حضرات شیعہ نے تو حضرت علی کو کچھ بھی نہیں دیا اور اگر علاقہ مصاہرت (دامادی) پر نظر کی جائے تو اس لحاظ سے حضرت عثمان غنی سب سے زیادہ خلافت بلافصل کے مستحق تھے اس لئے کہ حضرت عثمان آنحضرت ﷺ کے دوہرے داماد تھے کہ جن کے عقد میں پیغمبر کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئیں اور اسی وجہ سے وہ اہل اسلام میں ذی النورین کے لقب خاص سے مشہور ہوئے رہا یہ امر کہ حضرت عثمان ذی النورین کے عقد میں جو یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں آئیں وہ حضور پُرنور کے سامنے ہی انتقال کر گئیں سو یہ امر استحقاق خلافت کو زائل نہیں کرتا، اس لئے کہ اس سبب سے ان کو جو شرف خاص حاصل ہوا تھا وہ صرف نکاح سے حاصل ہو چکا تھا۔ بی بی کے زندہ رہنے اور نہ رہنے کو اس میں کوئی دخل نہیں جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد بھی حضرت علی کو شرف دامادی حاصل رہا۔ حضرت علی کا یہ شرف حضرت سیدہ کے وصال سے زائل نہیں ہو گیا۔

رہا یہ امر کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں صاحبزادیاں رقیہ، اُم کلثوم رسول اللہ ﷺ کی نہ تھیں بلکہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے پہلے شوہر سے پیدا ہوئی تھیں تو یہ صریح دھوکہ اور فریب ہے۔ ان کی کتاب کلینی شریف مطبوعہ لکھنؤ میں صاف لکھا ہوا موجود ہے۔

و تزوج خديجة وهو ابن بضع و عشرين سنة فولدله منها قبل مبعثه القاسم و رقية و زينب و ام كلثوم وولدله بعد المبعث الطيب والطاهر والفاطمة اصول كافي كليني ص۲۷۸ باب۔ مولد النبي ﷺ[1]

آں حضرت ﷺ نے بیس سال سے زیادہ عمر میں خدیجہ سے نکاح کیا اور قبل بعثت ان کے بطن سے قاسم اور رقیہ اور زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور بعثت کے بعد طیب اور طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئے۔ (اصول کافی کلینی باب مولد النبی ﷺ)

[1] اصول کافی کلینی ص: ۲۷۸

غرض یہ کہ حضرت فاطمہ کی طرح رقیہ اور ام کلثوم بھی آپ کی صاحبزادیاں تھیں جن میں سے حضرت فاطمہ کی پیدائش بعد بعثت ہوئی اور رقیہ اور ام کلثوم کی پیدائش قبل از بعثت ہوئی اور ولادت کے تقدم اور تأخر کو خلافت میں کوئی دخل نہیں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جو دامادی کا شرف حاصل تھا وہ حضرت سیّدہ کے وصال کے بعد بھی باقی رہا حضرت سیّدہ کے وصال سے دامادی کا شرف ختم نہیں ہوگیا اسی طرح حضرت عثمان کے دوہرے شرف دامادی کو سمجھو۔

مسئلہ خلافت میں حضرات شیعہ کی عجیب و غریب خرافات اور مضحکات اور مبکیات (ہنسانے والی اور رُلانے والی باتیں) ہیں اُن کو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، حضرات شیعہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ دو روز تک اپنے اہل و عیال کو ساتھ لئے ہوئے ایک ایک مہاجر اور انصار کے گھر مدد طلب کرتے ہوئے پھرے کہ دیکھو مجھے پیغمبر خدا نے اپنا خلیفہ بنا دیا تھا، ان لوگوں نے میری خلافت چھین لی تم میرا حق دلا دو مگر چار شخصوں کے سوا کسی نے مدد کا اقرار نہ کیا آپ نے ناچار ہو کر یہ کہا کہ تم چار شخصوں سے کیا ہوگا۔ اس قصہ کو اصلی آب و تاب کے ساتھ اگر دیکھنا ہو تو حق الیقین و تذکرۃ الایمہ میں دیکھیں۔

ہم اہل سنّت الجماعت غلامانِ غلامان سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ سارا قصّہ فرضی اور بے اصل ہے اور سراسر خلاف عقل ہے۔ اور حضرت علی جیسے سرخیل اولیاء عالم کی شان ولایت اور شان زہد کے سراسر منافی ہے۔

متروکات نبوی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی درویشانہ اور فقیرانہ تھی دو دو مہینہ تک گھر میں تو انہیں چڑھتا تھا پانی اور کھجور پر گزر تھا، کچے حجروں میں زندگی بسر فرماتے تھے کمبل پوش تھے اور بوریے اور ٹاٹ پر بیٹھتے تھے آپ کے پاس کیا رکھا تھا کہ جو وفات کے بعد وارثوں کے لئے چھوڑ جاتے۔

حضرت عمرو بن حارث جو اُم المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے فرماتے ہیں۔

ما ترک رسول اللہ ﷺ عند موتہ درھما ولا دینارا ولا عبدا ولا امۃ ولا شیئا الا بغلتہ البیضاء وسلاحہ و ارضا جعلھا صدقۃ۔ صحیح بخاری کتاب الوصایا۔

آں حضرت ﷺ نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا اور نہ دینار اور نہ غلام اور نہ باندی نہ اور کوئی شی مگر ایک سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جس کو اپنی زندگی ہی میں مسلمانوں کے لئے صدقہ (وقف) کر گئے تھے۔ (بخاری شریف)

عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس زمین کا ذکر ہے اس سے تین جائدادیں مراد ہیں۔

(۱) جائداد مدینہ، مدینہ کی جائداد سے بنو نضیر کی زمین مراد ہے، جو حق جل شانہ نے آپ کو بطور فئی عطا فرمائی تھی جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور یہ زمین برابر آپ کے قبضہ میں رہی اس زمین کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کا سالانہ خرچہ دیدیتے اور جو بچتا اُس سے ہتھیار اور گھوڑے اور سامان جہاد خریدتے ،(صحیح بخاری ص ۷۲۵ کتاب التفسیر سورۂ حشر)

(۲) خیبر کی زمین جو آپ کو سہم میں ملی تھی۔

(۳) فدک کی نصف زمین جو فتح خیبر کے بعد آپ کو اہل خیبر سے صلحًا حاصل ہوئی تھی خیبر اور فدک کی زمینوں سے جو آمدنی ہوتی اس کو وقتی اور نا گہانی ضروریات میں صرف فرماتے۔

یہ زمینیں رسول اللہ ﷺ کی سمجھی جاتی تھیں اور تاحین حیات آپ کے قبضہ میں رہیں حق جل شانہ کی طرف سے آپ کو اختیار تھا کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ مگر حضور پُر نور ان زمینوں کی آمدنی سے صرف بقدر نفقہ اہل وعیال لیتے تھے اور باقی کل آمدنی اسلام اور مسلمانوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں میں خرچ فرماتے تھے۔ اپنی عیش وعشرت کے لئے معاذ اللہ ایک پیسہ بھی خرچ نہ فرماتے تھے۔ ظاہراً ان جائدادوں میں آپ کا تصرف مالکانہ تھا مگر درحقیقت متولیانہ تھا۔ یہ زمینیں اللہ کی تھیں۔ یعنی وقف تھیں اور آپ بحکم خداوندی اس کے متولی تھے، اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتے تھے چونکہ خداوند ذوالجلال کی طرف سے یہ حکم تھا کہ ان زمینوں کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کا سالانہ نفقہ بھی دے دیا کرو اس لئے آپ بنی نضیر کی جائداد سے ازواج مطہرات کا سالانہ نفقہ دیدیا کرتے تھے۔

حضرات اہل بیت کو آپ کی وفات کے بعد یہ خیال ہوا کہ یہ زمینیں رسول اللہ ﷺ کی ملکیت اور ذاتی جائدادتھیں اس لئے بطور وراثت اہل بیت پر تقسیم ہونی چاہئیں چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خیبر اور فدک اور بنی نضیر کی جائدادوں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنا حصہ طلب کیا۔ صدیق اکبر نے عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے مال کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث بنتا ہے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب فی سبیل اللہ صدقہ اور خیرات ہے، البتہ جونفقہ اور خرچ ان میں مقرر ہے وہ بدستور اسی طرح رہے گا۔ اور جس جس کام میں نبی کریم ﷺ خرچ کرتے تھے ابوبکر بھی اس میں اسی طرح خرچ کرے گا۔ اور آل رسول اس مال میں سے اسی طرح کھائے گی جس طرح نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کھاتی تھی۔ اور خدا کی قسم۔ رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے ساتھ سلوک اور احسان مجھے اپنی قرابت کے سلوک، اوراحسان سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

صدیق اکبر کا یہ جواب حضرت سیّدہ رضی اللہ عنہا کو ناگوار خاطر گزرا اور رنجیدہ ہوئیں۔ نہ معلوم کیوں رنجیدہ ہوئیں صدیق اکبر نے تو حضرت سیّدہ کے والد محترم ﷺ کا صریح ارشاد سراپا ارشاد پیش کر دیا۔ ان کا عذر تو ظاہر ہے، مگر حضرت سیّدہ کے رنج و ملال کی کوئی یقینی وجہ سمجھ میں نہیں آئی صدیق اکبر کہہ تو گزرے مگر حضرت سیّدہ کے رنج و ملال کی وجہ سے بے چین اور بے تاب رہے۔

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنون را بلائے صحبت لیلیٰ بلائے فرصت لیلیٰ

صدیق اکبر نے عمل تو اسی پر کیا کہ جو نبی اکرم ﷺ سے سنا تھا کہ کسی کو اس جائداد میں سے بطور وراثت کچھ نہیں دیا حتیٰ کہ اپنی بیٹی عائشہ کو بھی اس میں سے کچھ نہیں دیا اور نہ حفصہ بنت عمر کو کچھ دیا اور نہ ازواج مطہرات کو کچھ بطور وراثت دیا۔ البتہ حضرت سیدہ کو راضی کر لیا اور ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے معذرت کی تا آنکہ حضرت سیّدہ صدیق اکبر سے راضی ہو گئیں۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر نے اولاً تقسیم میراث سے انکار فرمایا۔ اور بعدازاں غالباً حضرت سیّدہ نے صدیق اکبر سے یہ درخواست کی ہوگی کہ خیبر اور فدک کی زمینوں کا انتظام حضرت علی کے سپرد کر دیا جائے اور حضرت علی ہی اس کے ناظر اور نگران رہیں صدیق اکبر نے اس سے بھی انکار کر دیا کہ ان زمینوں کا میں خود ہی انتظام کروں گا جس طرح نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کرتے تھے حضرت سیّدہ کو بمقتضائے بشریت رنج اور ملال ہوا[۲،۱]

صدیق اکبر کی وفات کے بعد حضرت عمر نے دو سال تک ان زمینوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا دو سال کے بعد جب حضرت علی اور حضرت عباس نے اس بارے میں گفتگو کی تو حضرت عمر نے آں حضرت ﷺ اور صدیق اکبر کے طرز عمل کا حوالہ دیتے ہوئے تقسیم میراث سے تو صاف عذر کر دیا البتہ تالیف قلب کے لئے یہ صورت نکالی کہ مدینہ کی جائداد یعنی بنونضیر کی زمین کا انتظام تو حضرت عباس اور حضرت علی کے ہاتھ میں دے دیا کہ مشترکہ طور پر تم دونوں مل کر اس جائداد کا انتظام کرو اور ان دونوں سے یہ عہد لے لیا کہ تم اس کی آمدنی کو اُن ہی مصارف میں خرچ کرنا کہ جہاں جہاں رسول اللہ ﷺ خرچ کیا کرتے تھے اور دونوں سے اس کا اقرار لے لیا اس اقرار سے یہ بات ان پر واضح کر دی کہ یہ میراث نہیں بلکہ وقف ہے ان دونوں حضرات نے اس صورت کو منظور کر لیا۔ اور مشترکہ طور پر بغیر تملک کے دونوں مدینہ کی جائداد کے متولّی اور ناظم ہو گئے۔

۱۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ بما اخبرھا به الصديق انه قال لا نورث ما تركنا فهو صدقة فحجبها وغيرها من ازواجه و عمه عن الميراث بهذا النص الصريح فسألته ان ينظر علي في صدقة الارض التي بخيبر و فدك فلم يجبها الى ذلك لانه رأى ان حقا عليه ان يقوم في جميع ما كان يتولاه رسول الله ﷺ وهو الصادق البار الراشد التابع للحق رضي الله عنه فحصل لها وهي امرأة من البشر ليست براجية العصمة عتب و تغضب ولم تكلم الصديق حتى ماتت اه البداية و النهاية ص۲۴۹ ج۵ پھر حافظ ابن کثیر کتاب مذکور کے ص۲۸۹ ج۵ پر لکھتے ہیں۔ و كأنها سألته بعد هذا ان يجعل زوجها ناظرا على هذه الصدقة فلم يجبها الى ذلك لما قدمناه فتعتبت عليه بسبب ذلك وهي امرأة من بنات آدم تاسف كما يا سفون وليست براجية العصمة مع و جود نص رسول الله ﷺ و قد روينا عن ابي بكر رضي الله عنه انه ترضا فاطمة و تلاينها قبل موتها فرضيت رضي الله عنها۔ انتهى ثم ذكر حدث الاسترضاء فراجعه۔

۲۔ البدایہ والنہایہ۔ ج:۵، ص:۲۴۹

اور خیبر اور فدک کی جو زمینیں تھیں ان کا انتظام حضرت عمر نے اپنے پاس رکھا، اس طرح حضرت عمر نے آں حضرت کی متروکہ زمینوں کو دو حصّوں پر تقسیم کر دیا ایک اموال بنی نضیر یعنی جائداد مدینہ جس میں سے اہل بیت ازواج مطہرات کے سالانہ مصارف دیئے جاتے تھے اس کا انتظام تو حضرت علی اور حضرت عباس کے سپرد کر دیا اس لئے کہ دونوں حضرات اہلِ بیت کی ضروریات اور مصارف سے بخوبی واقف تھے اور اسی لئے یہ دونوں حضرات خواستگار تولیت ہوئے کہ وقف نبوی میں ذوی القربیٰ یعنی اقرباء نبوی کا بھی حق ہے بلکہ ان کا حق سب سے مقدم ہے اور یہ دونوں حضرات ذوی القربیٰ کے احوال اور اُن کی ضروریات سے بخوبی واقف تھے اس لئے حضرت عمر نے سمجھا کہ یہ جائداد ان کی تولیت میں دے دینا مناسب ہے اور لا نورث ما ترکنا صدقه کا گھر گھر چرچا ہو چکا ہے۔ اس لئے اب یہ اندیشہ نہیں کہ لوگ اس دینے کو میراث سمجھ جائیں گے اس لئے اموال بنی نضیر کو ان دونوں کی تولیت میں دے دیا اور دوسری جائداد یعنی فدک اور خیبر کی جائداد جس کی آمدنی مصالح عامّہ میں صرف ہوتی تھی اس کا انتظام بحیثیت خلیفہ ہونے کے حضرت عمر نے اپنے ہاتھ میں رکھا، چند روز تک دونوں حضرات حضرت علی اور حضرت عباس متفق رہے اور مل کر جائداد مدینہ کا انتظام کرتے رہے مگر کچھ عرصہ بعد دونوں میں اختلاف پیش آیا جیسا کہ جب ایک جائداد کے دو منتظم ہوں تو اختلاف رائے کی وجہ سے نزاع کا پیش آنا مستبعد نہیں اسی طرح حضرت علی اور حضرت عباس میں دربارۂ انتظام جائداد اختلاف اور نزاع پیدا ہوا فیصلہ کے لئے دونوں حضرت عمر کے پاس گئے اور یہ درخواست کی کہ تولیت تو تقسیم کر دیں کہ جائداد مدینہ کے ایک نصف کا منتظم اور متولّی حضرت علی کو بنا دیں اور جائیداد کے دوسر نصف کا متولّی اور منتظم حضرت عباس کو بنا دیں تاکہ اختلاف اور باہمی مخاصمت سے محفوظ ہو جائیں مگر حضرت عمر نے اس سے صاف انکار کر دیا اور یہ خیال فرمایا کہ اگر ہر ایک کی تولیت کا حصّہ الگ الگ کر دیا گیا تو یہ صورت تقسیم میراث کی صورت کے مشابہ ہوگی اس لئے حضرت عمر نے تقسیم تولیت سے صاف انکار فرما دیا اور یہ کہدیا کہ یہ تو قیامت تک بھی نہیں ہو سکے گا۔

(راجع اشعۃ اللمعات ص ۴۸۰ ج ۳ باب الفیٔ)

اور یہ فرمایا کہ اگر تم سے تولیت کا کام سرانجام نہ پا سکے تو یہ زمین مجھے واپس کر دو میں حسب سابق خود اس کا انتظام کر لوں گا۔

حضرت عباس اور حضرت علی کا منشأ یہ تھا کہ ہر ایک کو بقدر اپنے اپنے حصہ کے جداگانہ متولّی کر دیا جائے تا کہ نزاع اور اختلاف کی نوبت نہ آئے۔ تولیت کی تقسیم چاہتے تھے، میراث اور ملک کی تقسیم نہیں چاہتے تھے مگر حضرت عمر نے اس کو منظور نہ فرمایا کہ مبادا آئندہ چل کر اس تقسیم تولیت سے لوگ تقسیم میراث نہ سمجھ جائیں۔

چندروز تک یہ مشترکہ تولیت اسی طرح چلتی رہی بعد میں چل کر حضرت علی نے حضرت عباس کا قبضہ اٹھا دیا اور تمام جائداد پر حضرت علی قابض ہو گئے اور اپنی صواب دید سے اس کا انتظام فرمایا حضرت علی کا تنہا اس جائداد پر قابض ہو جانا یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ مال حضرت علی کے نزدیک بھی وقف تھا اور کسی کی ملک اور میراث نہ تھا، اس لئے کہ متولّی کا دوسرے متولّی کے قبضہ کو اٹھا دینا ظلم نہیں بلکہ بسا اوقات ایسا ہی قرین مصلحت ہوتا ہے، البتہ کسی کی ملک اور میراث پر قبضہ کر لینا یہ ظلم ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ شیعوں کے نزدیک معصوم اور اہل سنت کے نزدیک محفوظ ہیں ان سے کسی کی ملک اور میراث کا غصب اور تغلب ناممکن ہے، نیز اگر یہ میراث ہوتی تو اس میں حضرت عباس کے علاوہ ازواج مطہرات کا بھی حصہ تھا اس کا دینا بھی لازم اور ضروری تھا۔

حضرت علی اور حضرت عباس کا حضرت عمر سے اس بات کا خواستگار ہونا کہ آدھوں آدھ بانٹ کر دونوں کو جدی جدی زمین کا متولّی کر دیں یہ اس بات پر شاہد ہے کہ یہ جھگڑا فقط تولیت کا تھا میراث کا نہ تھا۔ میراث کے تقسیم کر دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایک شئ مشترک کو دو مالکوں میں تقسیم کر دینا عقلاً و نقلاً مستحسن ہے نیز حضرت عمر کا یہ عہد لینا کہ تم اس زمین میں وہی کرنا جو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کیا کرتے تھے خود اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر نے اُن کو متولّی کر کے دیا تھا ورنہ اس شرط کے کیا معنی۔ اگر میراث میں دیا ہوتا تو میراث تو وارثوں کی ملک ہوتی ہے اور مالک کو اپنی چیز کا اختیار ہوتا ہے کہ اپنے حصہ میں جو چاہے تصرف کرے اس سے اس قسم کے عہد لینے کے کیا معنی ورنہ ہر شخص سے بہ نسبت اراضی مملوکہ یہی عہد لیا جایا کرتا۔ پھر حضرت عمر کا یہ فرمانا کہ قیامت تک اس کے خلاف حکم نہ

دوں گا خود اس کی دلیل ہے کہ یہ ترکہ نبوی حضرت علی اور حضرت عباس کو بطور تولیت دیا تھا نہ بطور میراث اس لئے کہ تقسیم میراث میں کوئی حرج نہیں ہر وارث کو اس کا حصہ علیحدہ کر کے دے دینے میں کوئی قباحت نہیں۔

بلکہ

اوّل بار بھی حضرت علی اور حضرت عباس کا حضرت عمر کے پاس آنا محض طلب تولیت کے لئے تھا جیسا کہ لفظ اور ادفعھا الینا سے یہ بات خود ظاہر ہے اس لئے کہ دفع کے معنی کسی چیز کے حوالہ اور سپرد کر دینے کے ہیں بطور میراث اور بطور تملیک کوئی چیز دینے پر دفع کا لفظ نہیں بولا جاتا مگر صدیق اکبر نے بطور تولیت بھی دینا کسی کو گوارا نہ کیا کیونکہ حضرت فاطمہ کی طلب میراث کا قصہ تازہ تھا اور اس قصہ سے سب کے کان پُر تھے اس وقت اگر بطور تولیت ہی دے دیتے تو ہر کوئی اس دینے کو میراث ہی کا دینا سمجھتا اور یہی وجہ فی الجملہ موجب گرانی خاطر حضرت علی اور حضرت عباس معلوم ہوتی ہے اس لئے ان دونوں کو حضرت صدیق سے ایک درجہ کشیدگی تھی کہ وہ ان کی تولیت تک کے بھی روادار نہ ہوئے اور عجب نہیں کہ بمقتضائے بشریت ان دونوں کے دل میں خیال آیا ہو کہ اگر چہ یہ حدیث لا نورث ما ترکنا صدقة بلاشبہ صحیح ہے لیکن ہمارے استحقاق تولیت اور اہلیت وصلاحیت میں بھی کوئی تردد نہیں مگر با اینہمہ اس زمین کو صدیق اکبر نے اپنے ہی قبضہ میں رکھا ہے کوئی بات ضرور ہے۔

ان دونوں حضرات کا یہ خیال پیرایۂ حال سے یا کسی قال سے حضرت عمر کو مترشح ہوا اس لئے انہوں نے بطور تنبیہ وشکایت یہ فرمایا کہ کیا تم ابو بکر کو کاذب اور آثم اور خائن سمجھتے ہو جیسے اقارب اور احباب سے جب کوئی بے اعتنائی ظہور میں آتی ہے تو مبالغۃً یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ کیا تم مجھ کو اپنا بھائی یا دوست نہیں سمجھتے حالانکہ سویداء قلب میں ان کی محبت مرکوز ہوتی ہے مگر محض ظاہری طور اگر کوئی بات پیش آتی ہے تو ایسا کہہ دیا کرتے ہیں موقع تعریض وعتاب میں اس قسم کا محاورہ کلام اللہ میں استعمال ہوا ہے۔ کما قال تعالیٰ حتی اذا استیئس الرسل و ظنوا انهم قد کذبوا جاء هم نصرنا۔ یعنی یہاں تک کہ جب رسولوں کو ناامیدی ہونے لگی اور وہ یوں خیال کرنے لگے کہ نصرت وامداد کے جو وعدے ان سے کیے تھے وہ غلط تھے حضرات

انبیاء کو تہہ دل سے یقین تھا کہ وعد ہائے الٰہی قطعاً و یقیناً صادق ہیں ایک روز بلا شبہ امداد الٰہی ضرور بالضرور آنے والی ہے لیکن بمقتضائے بشریت جب انبیاء کرام کے دلوں میں بے اختیار بے چینی اور پریشانی پیدا ہوئی تو حق تعالیٰ نے اپنے محبین و مخلصین کو بطور شکایت وعتاب مبالغۃً یہ فرمایا کہ کیا امداد خداوندی میں ذرا تاخیر کی بنا پر یہ گمان کرنے لگے کہ معاذ اللہ خدا نے اپنے پیغمبروں سے غلط وعدے کیئے تھے موقع تعریض وعتاب میں مبالغۃً ایسا کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح حضرت عمر نے جب یہ دیکھا کہ حضرت علی اور حضرت عباس کے کلام سے صدیق اکبر سے رنج اور آزردگی کی بو آتی ہے تو حضرت عمر نے بطور شکوۂ محبانہ و مخلصانہ عتاب آمیز لہجہ میں مبالغۃً یہ فرمایا کہ کیا تم دونوں ابوبکر کو کاذب وخائن وغیرہ سمجھتے ہو واللہ ابوبکر تو بار اور راشد اور تابع للحق تھے حالانکہ حضرت عمر کو یقین تھا کہ حضرت علی اور حضرت عباس کے دل میں صدیق اکبر کی محبت ایسی پختہ اور راسخ ہے کہ کسی طرح بھی نکالے نہیں نکل سکتی اس لئے زبان سے ایسے کلمات کا نکالنا جن سے رنج اور آزردگی مترشح ہوتی ہے محبِ صادق کی شان کے مناسب نہیں۔

باغِ فدک کی حقیقت

باغ فدک ایک نہایت مختصر کھجوروں کا باغ تھا جس میں سے آں حضرت ﷺ اپنے اہل وعیال کو بقدر قوت لا یموت سال بھر کا نفقہ دے دیا کرتے تھے اور باقی جو کچھ بچتا تھا وہ فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے آپ کی وفات کے بعد جب حضرت صدیق اکبر آپ کے خلیفہ اور جانشین اوّل مقرر ہوئے تو اس وقت حضرت فاطمہ نے اس امر کی درخواست کی کہ یہ باغ مجھ کو وراثت میں دیدیا جائے، صدیق اکبر نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہم انبیاء کا نہ کوئی وارث ہوتا ہے اور نہ ہم کسی کے وارث ہوتے ہیں ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ اور وقف ہوتا ہے۔ حضرت سیّدہ یہ سن کر نادم یا غمگین ہوئیں اور پھر اس معاملہ میں کوئی کلام نہیں فرمایا۔

باغ فدک ایک معمولی سا باغ تھا کوئی لاکھوں یا کروڑوں کی جاگیر نہ تھی کہ جس کی نسبت یہ کہا جائے کہ خلیفۂ وقت نے اس عظیم الشان باغ کو اس لئے غصب کیا ہے کہ خلیفہ اور اس کی اولاد اس باغ کی آمدنی سے شاہانہ اور امیرانہ ٹھاٹ جمائے اور اس کی بے شمار

آمدنی سے عیش و عشرت کا سامان مہیا کرے کسی خلیفہ نے اس باغ کا اپنی اولاد کے نام بیعنامہ یا ہبہ نامہ نہیں لکھ دیا بلکہ مصارف شرعیہ میں اس کی آمدنی کو خرچ کرتے رہے یہاں تک کہ جناب امیر خلیفہ ہوئے تو وہ باغ حسب دستور آپ کی نگرانی میں آ گیا اور آپ نے بھی اس باغ کو حسب قاعدۂ مستمرۂ خلفاء سابقین بدستور قدیم جاری رکھا اور کسی قسم کے ذاتی تصرف کو اس میں دخل نہیں دیا اور جناب امیر نے اپنے دور خلافت میں اس باغ کا انتظام رکھا کہ جو سابق خلفاء کے زمانہ میں رہا اگر حضرات شیعہ کے قول کے مطابق کہ باغِ فدک اہل بیت کا حق تھا اور خلفاء سابقین نے اُس کو غصب کر رکھا تھا تو حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں اس غصب شدہ چیز کو اہلِ حق اور اہل استحقاق کو کیوں نہ واپس کر دیا۔

حضرات شیعہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ باغ فدک چونکہ غصب ہو چکا تھا اور ائمہ معصومین کا طریقہ یہ ہے کہ غصب شدہ چیز کو واپس نہیں لیتے تو حضرات اہلِ سنت جواب میں یہ عرض کریں گے کہ آپ کے نزدیک جیسے باغ فدک غصب ہو چکا تھا اسی طرح خلافت بھی تو غصب ہو چکی تھی تو کیا وجہ ہے کہ جناب امیر نے ایک معمولی چیز کو تو چھوڑ دیا اور بڑھیا چیز یعنی خلافت کو واپس لے لیا اور اس کے غصب شدہ ہونے کا ان کو خیال نہ آیا اور پھر ان مدعیان غصب کو یہ خیال نہیں آتا کہ خلفاء کرام نے زمانۂ خلافت میں فقیرانہ اور درویشانہ زندگی گزاری اور اہل بیت عظام کو بیک وقت پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ ہزار درہم دینار دیا کرتے تھے۔ ہر مرتبہ کا عطیہ کیا باغ فدک کی قیمت سے کم ہوتا تھا۔ کسی محاسب سے حساب تو کرا لیں۔ خیر اور عطایا کو جانے دو صرف ایک مرتبہ کے عطیہ کا شمار کر لو کہ جس وقت شہر بانو شہزادی ایران خلیفۂ برحق کے زمانۂ خلافت سراپا شوکت و عظمت میں مقید ہو کر آئیں تو خلیفہ وقت نے حضرت علی اور حسنین کو حصہ غنیمت دینے کے بعد تینوں کو تیس ہزار درہم دیئے اور اس کے علاوہ خاص امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہر بانو مع زیور جواہرات کے اُن کو عطا کی۔ جس کا ہر جوہر اور موتی اتنا قیمتی تھا کہ ایک موتی کی قیمت سے کم از کم سو باغ فدک خریدے جا سکیں۔ پس اگر بالفرض باغ فدک چھین ہی لیا تھا مگر جب اس کے بعد اس قدر بیش بہا عطایا اور ہدایا دیدیئے کہ جن سے ہزاروں باغ فدک خریدے جا سکیں تو حضرات شیعہ ہی انصاف کریں کہ کیا یہ شکوہ بیجا نہیں اگر کوئی شخص کسی کا ایک پیسہ چھین کر اس کو ایک ہزار دیدے تو کیا وہ مستحق شکر گزاری نہیں۔

حضرات شیعہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایران جس سے کروڑوں شیعہ صدہا سال سے پرورش پارہے ہیں وہ فاروق اعظم ہی کا تو فتح کیا ہوا ہے کیا اب تک غصب شدہ باغ فدک کا ضمان اور تاوان پورا نہیں ہوا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء نے جب صدیق اکبر سے نبی اکرم ﷺ کی متروکہ اراضی سے اپنا حصہ میراث طلب کیا تو صدیق اکبر نے فرمایا کہ انبیاء کرام کے متروکہ میں وراثت نہیں ہوتی وہ جو کچھ چھوڑیں وہ سب فی سبیل اللہ صدقہ ہے۔

فغضبت فاطمة بنت رسول الله ﷺ فهجرت ابابكر فلم تزل مهاجرته حتى توفيت۔ (بخاری شریف باب فرض الخمس)

اس پر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ناراض ہوگئیں اور ابو بکر کو چھوڑ دیا اور اسی ترک تعلق پر قائم رہیں یہاں تک کہ حضرت سیّدہ کی وفات ہوگئی

اب اشکال یہ ہے کہ حضرت سیّدہ اس ارشاد فیض بنیاد لا نورث ما ترکنا صدقة سننے کے بعد کیوں ناراض اور غصہ ہوئیں بجائے رضاء و تسلیم کے یہ برعکس معاملہ کیا گیا۔ صدیق اکبر تو ارشاد نبوی کی بناء پر مجبور اور معذور تھے۔

اور حضرات شیعہ کے نزدیک چونکہ حضرت سیّدہ معصوم تھیں اس لئے اشکال ان کے مسلک پر شدید ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ رسول اکرم و سرور عالم جیسے پدر بزرگوار کا جانکاہ صدمہ پیش آیا ہو دنیا کی ایک حقیر چیز کا قصہ چھیڑنا اور اس کو اس قدر طول دینا کہ اپنے باپ کے خسر اور ان کے جانشین سے سلام و کلام ترک کر دینا کس قدر شان عصمت کے خلاف ہے۔

اس شبہہ کا جواب جس طرح اہل سنت کے ذمہ ہے اسی طرح حضرات اہلِ تشیع کے ذمہ بھی ہے کہ وہ بتلائیں کہ حضرت سیّدہ کیوں ناحق غصہ ہوئیں۔ اہل سنت کو تو رد روافض کی طرح مدافعت خوارج کی بھی فکر ہے کہ مبادا کوئی خارجی حضرت سیّدہ کی شان مطہر میں یہ لب کشائی کرے کہ وفات نبوی عالم کے لئے ایک حادثۂ جانکاہ تھا۔ ایسے مصیبت کے وقت میں اوّل تو میراث کا مطالبہ ہی زیبا نہ تھا اور حضرت سیّدہ کی شان زہد سے بعید تھا اور اہل تشیع

کے نزدیک تو حضرت سیّدہ معصوم تھیں اور پھر جب ابو بکر صدیق نے حضور پُرنور کا ارشاد سراپا رشاد سنا دیا تو اس کو دل و جان سے تسلیم کرنا تھا غم و غصّہ کے کیا معنی۔ اس واقعہ میں صدیق اکبر پر کوئی اعتراض نہیں اشکال اور شبہ جو کچھ بھی ہے وہ حضرت سیّدہ کے متعلق ہے جس کا جواب فریقین (اہل سنت اور اہل تشیع دونوں) کے ذمّہ ہے اہل تشیع اپنی فکر کریں۔ ہم اہل سنت والجماعت غلامانِ غلامانِ خاندان اہل نبوت و سگانِ کوچۂ اہلِ بیت حضرت سیّدہ رضی اللہ عنہا کی براءت ونزاہت کے لئے جو کچھ عرض کرتے ہیں وہ سنیے۔

اہل سنت کا جواب

حضرت سیّدہ کی ناراضی کے متعلق روایات میں جو الفاظ آئے ہیں وہ مختلف ہیں بعض میں تو لفظ فغضبت فاطمة آیا ہے جیسا کہ گزرا اور بعض روایات بخاری و مسلم میں لفظ فوجدت فاطمة آیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری ص ۶۰۹ ج ۲۔ باب غزوۂ خیبر میں لفظ فوجدت فاطمة علی ابی بکر آیا ہے۔

اور لفظ وجدت جس طرح بمعنی غضب آتا ہے جو غصّہ پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح بمعنی حزنت بھی آتا ہے جو حزن و غم اور رنج و ملال پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت سیّدہ نے جب صدیق اکبر سے اپنا حصۂ میراث طلب کیا اور صدیق اکبر نے اُن کو پیغمبر ﷺ کی یہ حدیث سنا دی تو عجب نہیں کہ ان کو اس طلبگاری پر ایک گونہ ندامت اور رنج ہوا ہو۔ اس لئے کہ انبیاء والمرسلین اور اولیاء کاملین کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اُن سے کوئی ذرہ برابر بے اعتدالی یا کوئی سہو و غفلت۔ ظہور میں آجائے تو نادم اور شرمندہ ہوتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السّلام کا بھول کر گیہوں کھانے پر نادم ہونا اور حضرت نوح علیہ السلام کا بے خبری میں اپنے فرزند کے لئے دعاء نجات پر نادم ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا قتل پر شرمندہ ہونا خود قرآن کریم میں موجود ہے۔

پس عجب نہیں کہ حضرت سیّدہ کو اس پر ندامت ہوئی ہو کہ میں نے لاعلمی میں کیوں میراث کا سوال کیا۔ اگر مجھ کو پہلے سے لا نورث ما ترکنا صدقة کی خبر ہوتی تو ہرگز میراث کا سوال نہ کرتی۔ اور پھر اسی خجالت و ندامت میں حضرت سیّدہ کی علالت کا سلسلہ

شروع ہو گیا جس کے باعث صدیق اکبر کے ربط وضبط میں فرق آ گیا ہو اور ملنا جلنا بدستور سابق نہ رہا ہو اور حضور پُر نور کی وفات کا صدمۂ جانکاہ۔ وہ کسی وقت دل سے جدا نہ ہوتا تھا معاذ اللہ یہ نہ تھا کہ سلام وکلام کی بھی نوبت نہ آتی ہو۔ ایسی متارکت تو تین دن سے زیادہ حرام ہے چہ جائیکہ تمام عمر کے لئے ہو نیز سب کو معلوم ہے کہ صدیق اکبر حضرت سیّدہ کے محرم نہ تھے جن کے ساتھ ہمیشہ آپ کو کلام اور سلام کا اتفاق ہوتا ہو اور پھر اس معاملہ کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا گیا ہو کیونکہ غیر محرم سے بلاضرورت سلام وکلام درست نہیں۔

پس حضرت سیّدہ کی یکسوئی اور علیحدگی کی علت دراصل یہ ندامت اور اپنی علالت اور صدمہ مفارقت پدری ونبوی تھی ظاہر بینوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ علیحدگی اور یکسوئی بوجہ غصہ اور ناراضگی ہے، اس لئے ان روایت کرنے والوں نے اپنی سمجھ کے موافق لفظ غضبت سے روایت کیا یا نیچے کے راویوں نے وجدت کی اصل روایت کو بمعنی غضبت سمجھ کر لفظ غضبت کے ساتھ روایت بالمعنی کیا اصل اور صحیح روایت وجدت فاطمۃ بمعنی حزنت ہے اور غضبت فاطمۃ روایت بالمعنی ہے جس کو راوی نے غصہ اور ناراضگی سمجھ کر اپنی سمجھ کے موافق روایت کیا ہے دراصل غصہ اور ناراضگی نہ تھا بلکہ بمقتضائے بشری ایک طبعی جبلّی رنج اور آزردگی تھی جو اُن کے کمال بزرگی کی دلیل ہے اور وقتی اور عارضی طور پر کچھ شکر رنجی ہو جانا یہ شان نبوت کے بھی خلاف نہیں جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان پیش آئی اس کو جھگڑا نہیں کہہ سکتے ایسے امور پیش آہی جاتے ہیں اور پھر بہت ہی جلد زائل ہو جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات ازدیادِ محبت کا سبب بن جاتے ہیں اور پہلے سے زیادہ شیر وشکر ہو جاتے ہیں۔

(۲)۔ اور اگر ہم مان بھی لیں کہ حضرت فاطمہ زہراء اس بارے میں صدیق اکبر سے رنجیدہ اور آزردہ خاطر یا غصہ اور ناراض بھی ہوئیں تب بھی اس سے حضرت صدیق اکبر کا قصوروار ہونا ثابت نہیں ہوتا ممکن ہے کہ حضرت سیّدہ کسی غلط فہمی کی بنا پر ابوبکر کو قصوروار سمجھ کر ناراض اور غصہ ہو گئی ہوں کسی خیال کی بنا پر انبیاء ومرسلین کو باہم غصہ پیش آ جاتا ہے حالانکہ وہ بالیقین معصوم ہوتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ کا حضرت ہارون پر غصہ ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے پس جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں ماجور اور معذور

اور بے قصور تھے اسی طرح اس میراث کے مقدمہ میں حضرت فاطمہ اور حضرت صدیق دونوں کو بے قصور اور دونوں کو ماجور جانو۔

(۳) اور اگر اس پر بھی حضراتِ شیعہ صدیق اکبر کو قصوروار ٹھہرائیں تو یہ خیال کریں کہ جب حضرت صدیق تائب ہو گئے اور حضرت سیّدہ کے گھر جا کر اُن کو راضی کر لیا تو حضرات شیعہ کو بھی چاہئے کہ وہ بھی راضی ہو جائیں، حضرت سیّدہ اُن کے زعم میں معصوم ہیں اور معصوم کی اقتداء ضروری ہے اور معصوم کی مخالفت ناجائز ہے، پس جب کہ حضرت سیّدہ صدیق اکبر سے راضی ہو گئیں تو اب صدیق اکبر سے ناراضی اہل تشیع مذہب پر ناجائز ہوگی، حضرت سیّدہ کے راضی ہو جانے کے بعد اگر کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہوا کرے ہمیں اس کی فکر ہے اور نہ پروا۔

اب رہا یہ سوال کہ حضرت سیّدہ نے ایسے صدمے اور رنج کے وقت میراث کیوں طلب کی سو جواب یہ ہے کہ معاذ اللہ مقصود مال و منال نہ تھا بلکہ تبرک نبوی اور یادگار پدری پیش نظر تھا، نیز رزق حلال کی طلب اولیاء اور اتقیاء کا شعار ہے اور ظاہر ہے کہ متروکہ نبوی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مال حلال نہیں ہو سکتا کہ جس میں کسی قسم کی بھی حرمت یا کراہت کا بھی احتمال نہیں پس حضرت سیّدہ کو یہ خیال ہوا کہ اگر آپ کا متروکہ مجھ کو مل جائے تو بلاشبہ رزق حلال سے بے فکری ہو جائے اور آپ کا تبرّک اور آپ کی نشانی دل کی تسلّی کا سامان ہو۔

ایک ضروری تنبیہ

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت سیّدہ صدیق اکبر پر غصہ ہوئیں اور حدیث میں ہے کہ **فاطمة بضعة منی من اغضبها فقد اغضبنی** یعنی فاطمہ میرا لختِ جگر ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اُس نے مجھ کو ناراض کیا۔

سو جاننا چاہئے کہ صدیق اکبر اس میں داخل نہیں اس لئے کہ غضب اور اغضاب میں فرق ہے۔ غضب کے معنی غصہ ہونے کے ہیں اور اغضاب کے معنی دوسرے کو جان بوجھ کر ناراض کرنے اور غصہ دلانے کے ہیں سو صدیق اکبر نے معاذ اللہ حضرت سیّدہ کو ناراض نہیں کیا بلکہ ارشادِ نبوی کی تعمیل کی حضرت سیّدہ نہ معلوم کس وجہ سے ابو بکر سے ناراض ہوئیں۔

حضرات شیعہ ہی بتلائیں کہ بے وجہ کیوں غصہ ہوئیں اہلِ سنت تو اُن کے غصہ ہونے کے قائل ہی نہیں ہمارے نزدیک تو حضرت سیّدہ نے لاعلمی کی بنا پر میراث کا سوال کیا صدیق اکبر نے جب ارشاد نبوی سنایا تو اپنی اس غیر مناسب استدعاء اور ناحق طلب پر شرمندہ اور نادم ہوئیں اور بوجہ خجالت وندامت صدیق اکبر سے خلط وملط اور آمد وشد بھی سابق کے لحاظ سے کم ہوگئی لوگوں نے اس کو غصہ اور ناراضگی خیال کرلیا ورنہ صدیق اکبر حضرت سیّدہ کے کوئی محرم نہ تھے جن سے سلام وکلام کی رسم جاری ہوتی اور پھر منقطع ہو جاتی تو ناراضگی کا شبہ ہوتا، حضرت سیّدہ کا کلام محض ایک ضرورت کی بنا پر تھا، جب ضرورت نہ رہی تو کلام کی بھی ضرورت نہ رہی باقی حضرت علیؓ برابر صدیق اکبر کے شریک حال رہے اور برابر اُن کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور ادھر صدیق اکبر بوجہ کمال نیاز مندی در دولت پر حاضر ہوئے اور اس احتمال پر کہ شاید حضرت سیّدہ ناراض ہوگئیں عذر ومعذرت کی یہاں تک کہ حضرت سیّدہ کو راضی کر کے اپنے گھر واپس آگئے معاذ اللہ ابوبکر خلافت اور امارت کے نشہ میں نہیں پڑے رہے کہ حضرت سیّدہ کی خبر ہی نہ لیتے جگر گوشۂ رسول کے رنج اور آزردگی سے بیچین اور بے تاب ہوگئے اور درِ دولت پر حاضر ہوکر اُن کو راضی کیا اور اگر حضرات شیعہ اس گزارش پر بھی اکتفا نہ کریں اور پھر بھی ابوبکر کو قصوروار ٹھہرائیں تو پھر عرض یہ ہے کہ صدیق اکبر نے حضرت سیّدہ کو کیا ناراض کیا بلکہ حضرت علی نے جب ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا اس وقت حضرت سیّدہ کو ناراض کیا جس پر حضور پُرنور نے خطبہ دیا اور یہ ارشاد فرمایا فاطمة بضعة منی من اغضبها فقد اغضبنی اب آپ فرمایئے کہ حضرت علی نے کس بناء پر یہ ارادہ فرمایا تھا۔ صدیق اکبر کے پاس تو ارشاد نبوی لا نورث ما ترکنا صدقة کا سہارا تھا حضرت علی کے پاس کیا سہارا تھا علاوہ بریں بارہا خانگی اُمور میں حضرت سیّدہ اور حضرت علی میں باہم رنجش پیش آتی تھی، چنانچہ ایک روز اسی باہمی رنجش کے باعث حضرت امیر خفا ہوکر مسجد میں آ لیٹے تھے جس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوتراب کے لقب سے مشرف فرمایا۔

میراث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور عثمان غنی اور علی مرتضیٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہم

سے مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم یعنی گروہ انبیاء کے مال میں میراث نہیں، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات ہے۔

(۱) حکمت اس میں یہ ہے کہ خلق خدا کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت انبیاء نے دعوت حق اور تبلیغ دین میں جو کچھ بھی محنت اور مشقت اٹھائی وہ محض خدا تعالیٰ کے لئے تھی اس سے دُنیا مطلوب نہ تھی یہاں تک کہ اولاد کو بھی اس میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔

(۲) نیز انبیاء کرام۔ امّت کے حق میں روحانی باپ ہیں لہٰذا ان کا مال امّت کے تمام افراد کے لئے وقف ہوگا، کسی خاص فرد کے لئے مخصوص نہ ہوگا۔

(۳) نیز حضرات انبیاء کرام۔ ہر وقت بارگاہ خداوندی میں حاضر اور مقیم رہتے ہیں اور مالک حقیقی کی مالکیت ہر وقت اُن کی نظروں کے سامنے رہتی ہے اس لئے حضرات انبیاء کرام اپنے آپ کو کسی چیز کا بھی مالک نہیں سمجھتے جیسا کہ بزرگوں کا قول ہے۔

الانبیاء لا یشھدون ملکا مع اللّٰہ	یعنی انبیاء خدا کے سامنے کسی کی ملکیت کو نہیں دیکھتے۔

عوام کی نظروں سے مالک حقیقی کی ملکیت چونکہ پوشیدہ ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو مالک مجازی سمجھتے ہیں مگر انبیاء کرام اپنے کو مالک مجازی بھی نہیں سمجھتے جو چیز ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس کو خدا ہی کی تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خداوند ذوالجلال کے دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں ہم کو اس سے متمتع اور مستفید ہونے کی اجازت ہے۔ اسی وجہ سے ان اموال میں انبیاء کرام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور نہ وفات کے بعد ان میں میراث اور وصیّت جاری ہوتی ہے۔

حیات نبوی ﷺ

تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز اور عبادت میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگر چہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مؤمنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔

احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے کہ مُردے سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔ مقتولین بدر سے آپ کا خطاب فرمانا صحیحین اور تمام کتب حدیث میں مذکور اور مشہور ہے نیز حدیث میں ہے۔

ما من احدیمر بقبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الاعرفه ورد علیه السلام رواه ابن عبد البر صححه ابو محمّد عبد الحق	جو شخص اپنے مؤمن بھائی کی قبر پر گزرے جس کو مرنے سے پہلے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اس پر سلام کرے تو وہ مردہ بھی اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اس حدیث کو حافظ ابن عبد البر نے روایت کیا اور شیخ عبدالحق نے اس کو صحیح بتایا
وقال ﷺ ان المیت یعرف من یغسله و یحمله و یدلیه فی قبره رواه احمد وغیره۔[1]	نیز نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ تحقیق میت اُس شخص کو پہچانتا ہے جو اس کو غسل دے اور اس کو اٹھائے اور اس کو قبر میں اتارے اس حدیث کو امام احمد وغیرہ نے روایت کیا۔

مسند ابی یعلیٰ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون۔	انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و نیاز میں مشغول ہیں [2]۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو حسن فرمایا اور علامہ مناوی فیض القدیر شرح

[1] زرقانی۔ ج:۵، ص: ۳۳۴

[2] شیخ الاسلام دہلوی در شرح بخاری بعد نقل احادیث حیات انبیاء می فرماید۔ از ایں احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حسی و اجساد ایشان نیز ثابت باشند و بوسیدہ نگردند و آں حیات ہمچو حیات دنیا باشد باوجود استغناء از غذاء و با حصول قوت نفوذ در عالم چہ غذا از اسباب عادی است کہ در دنیا حیات بدان مشروط است و خدا تعالیٰ قادر است کہ بے آں نیز زندہ دارد و احداث و ایجاد بعضے احوال و اعراض در بدن کند کہ التفات (احتیاج بغذا مرتفع گردد۔) شرح شیخ الاسلام ص ۱۴۷ ج ۲، و کذا فی مدارج النبوہ ص ۶۷۵ ج ۲ کتاب الانبیاء، و راجعہ فقد فصل الکلام۔

جامع صغیر[1] میں فرماتے ہیں "ہذا حدیث صحیح" اور علامہ سیوطی مرقاۃ الصعود حاشیۂ سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں کہ حیاۃ انبیاء کے بارے میں احادیث درجۂ تواتر کو پہنچی ہیں اور انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء میں فرماتے ہیں۔

حیات النبی ﷺ فی قبرہ ہو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلک و تواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذلک۔

نبی اکرم ﷺ کی حیات اپنی قبر مطہر میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات اپنی اپنی قبروں میں علم قطعی اور یقینی سے معلوم ہے اس لئے کہ حیات انبیاء دلائل سے ثابت ہے اور احادیث متواتر اس پر شاہد ہیں۔

اور اس حدیث سے فقط انبیاء کرام کی حیات بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ بتلانا ہے کہ جس طرح انبیاء کرام اس حیات دنیویہ میں مشغول عبادت تھے اسی طرح اس حیات برزخیہ میں بھی مشغول عبادت ہیں بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کلام میں آخری قید محطّ کلام ہوتی ہے لہٰذا الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون میں مقصود کلام۔ صلاۃ اور عبادت فی القبر کا بیان کرنا ہے اصل حیات امر مفروغ ہے یصلون سے پہلے حیات کا ذکر محض تمہید کے لئے ہے اور مقصود یہ ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام مطہرہ اگرچہ اس عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو گئے لیکن وہی اجسام حسب سابق مشغول عبادت ہیں اور اعمال حیات اور اشغال زندگی بدستور جاری ہیں اور اعمال و اشغال میں نماز کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ایمان کے بعد درجہ نماز کا ہے اور نماز انبیاء کرام کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ غرض[2] یہ کہ حضرت انبیاء کرام کی حیات جسمانی ہے محض روحانی نہیں اس لئے کہ مرنے کے بعد روحانی حیات اور سمع اور ادراک حضرت انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے تمام افراد اور آحاد بشر کے لئے ثابت ہے اور حدیث سے مقصود انبیاء کرام کی خصوصیت اور ان کا امتیاز بیان کرنا ہے،

---

[1] ج:۳، ص:۱۸۴

[2] پوشیدہ نماند کہ دیدن آں حضرات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم وتکلم آنہا چنانچہ در حدیث مذکور بوضوح پیوستہ ناظر درآں ست کہ آنہا باشخاص واجساد دیدہ وقول مختار و مقرر جمہور ہم ایں است کہ انبیا بعد اذاقت موت زندہ اند بحیات دنیوی۔ تیسیر القاری ص ۲۶۲ ج ۳ باب ذکر ادریس علیہ السلام یعنی مانند حیات دنیوی بلکہ حیات برزخی او شان اعلیٰ واقوی است نہ حیات دنیویہ بمراتب کہ عقل از تصور آں قاصر است ۱۲

حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن تم مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔

كيف تعرض صلاتنا عليك وقد ارمت يقولون بليت فقال ان اللّٰه حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء اخرجه ابو داؤد وقال البيهقى له شواهد وقال العلامة القارى رواه ابن حبان فى صحيحه والحاكم و صححه وقال النووى اسناده صحيح اهـ[1]

ہمارا صلاۃ وسلام آپ پر کیسے پیش ہوگا حالانکہ وفات کے بعد آپ کا جسم بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے۔

صحابہ کا یہ سوال اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حیات سے جسمانی حیات مراد ہے۔ محض روحانی حیات مراد نہیں ورنہ اگر فقط روح مبارک پر درود کا معروض ہونا مراد ہوتا تو صحابہ کرام کا یہ سوال وقد ارمت کہ آپ کا جسم تو وفات کے بعد بوسیدہ ہو جائے گا اور پھر حضور پُرنور کا یہ جواب کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اجساد انبیاء کو حرام کر دیا ہے سب بے معنی ہو جائے محض روح پر اعمال پیش ہونے کے لئے جسم کا محفوظ رہنا ضروری نہیں آپ جواب میں یہ فرما دیتے کہ تمہیں جسم سے کیا بحث تمہارا صلاۃ وسلام تو میری روح پر پیش ہوگا محض روح پر اعمال کا پیش ہونا انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے یہ امر ثابت ہے کہ مردے کلام وسلام کو سنتے ہیں اور بعض ایام میں ان پر اُن کے اقارب کے اعمال پیش ہوتے ہیں جیسا کہ شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور للعلامۃ السیوطی میں اس پر مفصل کلام کیا ہے، روح متصل بالجسد پر قبر میں امت کے اعمال کا پیش ہونا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ ہذا توضیح ما قالہ العلامۃ القاری فی شرح المشکوۃ[2]

اور سنن ابن ماجہ میں ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جمعہ کے روز خاص طور پر مجھ پر کثرت

[1] مرقاۃ ج:۲ ص:۲۱۰ [2] ج:۲ ص:۱۰۹

سے درود پڑھا کرو، جمعہ کا دن یوم مشہود ہے جس میں ملائکۃ اللہ بکثرت حاضر ہوتے ہیں جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا وہ مجھ پر پیش کیا جائے گا۔ ابوالدرداء کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

و بعد الموت قال ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللّٰہ حی یرزق۔ رواہ ابن ماجہ قال الدمیری رجالہ ثقات کذا فی فیض القدیر[1]	کیا بعد موت کے بھی آپ پر ہمارا درود پیش ہوگا آپ نے فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ پس اللہ کا ہر نبی قبر میں زندہ ہے اور اللہ کی طرف سے اس کو رزق دیا جاتا ہے۔

وقال الزرقانی رواہ ابن ماجہ برجال ثقات عن ابی الدرداء مرفوعا۔ الخ زرقانی ص ۳۳۶ ج ۵

شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے کو ناپسند فرماتے تھے اور جو شخص مسجد نبوی میں آواز بلند کرتا تو اس کو یہ فرماتے۔

لقد اٰذیت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ۔	تحقیق تو نے آواز بلند کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں ایذاء پہنچائی۔

معلوم ہوا کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے نزدیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں اسی جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں اور جس طرح بحکم خداوندی لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ الآیہ۔ اس حیات دنیاویہ میں آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا ممنوع تھا اسی طرح اب اس حیات برزخیہ میں آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا ممنوع ہے۔

اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ حال تھا کہ اگر مسجد نبوی کے متصل مکانات اور دیوار میں کسی کیل اور میخ ٹھوکنے کی آواز حجرۂ نبوی تک پہنچتی تو عائشہ صدیقہ فوراً اس کے پاس یہ کہلا کر بھیجتیں۔

لا تؤذوا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیل اور میخ ٹھوکنے کی آواز سے تکلیف مت پہنچاؤ۔

[1] فیض القدیر۔ ج: ۲، ص: ۸۷۔

شیخ سبکی فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام اور سلف صالحین کا یہی عمل تھا کہ آپ کے ادب اور تعظیم میں مسجد نبوی میں آواز بلند نہیں کرتے تھے (کما قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی)

سیّد الملائکۃ المقربین سیّدنا جبریل امین ایک مرتبہ حضور پُرنور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بصد ادب آپ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر عرض کیا۔ اَدْنُو منك یارسول اللہ اجازت ہو تو آپ سے قریب ہو جاؤں۔ آپ نے اجازت دی جبریل امین نے حضور پُرنور کے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر آہستہ آواز سے عرض معروض کی۔

اور علیٰ ہذا مرض الوفات میں جب ملک الموت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بصد ادب و نیاز۔ پست آواز سے قبض روح کی اجازت چاہی۔ شفاء السقام ص ۱۵۴ ویؤیدذالک ما قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

من صلّی علیّ عند قبری سمعته و من صلّی علیّ نائیا بلغته	جو شخص میری قبر کے قریب سے مجھ پر درود پڑھتا ہے اُسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور دراز سے مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھ کو بذریعہ فرشتوں کے پہنچادیا جاتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قرب اور بعد کا یہ فرق حیات جسمانی کے اعتبار سے ہے نہ کہ حیات روحانی کے اعتبار سے۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

و ذلك لان لروحه تعلقا بمقر بدنه الشریف و حرام علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فحاله کحال النائم الذی ترقی روحه بحسب	اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کو آپ کے جسد اطہر کے مستقر یعنی قبر شریف کے ساتھ تعلق ہے اور زمین پر انبیاء کرام کے اجسام کو کھانا قدرۃً ممنوع ہے، پس قبر شریف میں آپ کا حال ایسا

قواها ماشاء الله له بحسب قدره عند الله فى الملكوت الاعلى ولها بالبدن تعلق و لذا اخبر بسماعه صلاة المصلى عليه عند قبره وذا لا ينا فيه مامرفي خبره حيث ما كنتم فصلوا على من ان معناه لا تتكلفوا المعاودة الى قبرى فان صلاتكم تبلغنى حيث كنتم ما ذالك الا لان الصلاة فى الحضور مشافهة افضل من الغيبة لكن المنهى عنه هو الاعتياد الرافع للحشمة المخالف لكمال الصيبة والا جلال اهـ[1]

ہے جیسے سونے والے کا حال ہوتا ہے کہ اس کی روح کو عروج ہوتا ہے۔ جس قدر جس درجہ اللہ کے یہاں اس کا مرتبہ ہوتا ہے اسی قدر اس کو عالم ملکوت میں عروج ہوتا ہے اور باوجود اس کے اس کی روح کو اس کے بدن سے تعلق رہتا ہے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جو میری قبر کے قریب سے مجھ پر صلاۃ وسلام پڑھے گا اس کو میں خود سنوں گا اور یہ حدیث مذکور اس حدیث کے منافی نہیں کہ جس میں یہ آیا ہے کہ تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود بھیجا کرو اس لئے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بار بار میری قبر پر حاضری کی مشقت اور کلفت مت اٹھاؤ تمہارا درود سلام مجھ کو ہر جگہ سے پہنچے گا۔

جس سے معلوم ہوا کہ حاضر ہو کر بالمشافہ صلاۃ وسلام۔ غائبانہ صلاۃ وسلام سے افضل ہے۔ البتہ ایسی بار بار حاضری جس سے بارگاہ نبوت کی عظمت وہیبت میں کمی آجائے اس کو منع فرمایا۔ اور مسند بزار میں بسند جید عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے کہ امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور آپ ان کے لئے دُعائے مغفرت کرتے ہیں۔[2]

ان تمام روایات سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام مبارکہ بوسیدہ اور بالیدہ ہونے سے محفوظ ہیں اور وفات کے بعد عبادات سے معطّل نہیں بلکہ نمازیں پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے اُن کو رزق ملتا ہے اور مزار مبارک پر جو شخص حاضر ہو کر صلاۃ وسلام پڑھتا ہے اس

[1] فیض القدیر ج:۶ ص:۱۷۰ [2] زرقانی ج:۵ ص:۳۳۷

کو خود سنتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر قبر ہی میں پیش کیے جاتے ہیں یہ تمام امور اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حضرات انبیاء کی حیات جسمانی ہے اور ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق قائم ہے غرض یہ کہ انبیاء کرام کی حیات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ اُمّت نے جسد اطہر کو وفات کے بعد قبر شریف میں ودیعت رکھا ہے اور شریعت نے مزار مبارک کی زیارت کی تاکید اکید کی ہے اور قبر مبارک ہی میں امّت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور قبر مبارک ہی میں آپ نماز ادا فرماتے ہیں اور قبر مبارک ہی میں آپ کو اللہ کی طرف سے رزق پہنچتا ہے اور اجسام مبارکہ کا قبروں میں دفن کیا جانا مشاہدہ اور معائنہ سے ثابت ہے جس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اور اجساد مطہرہ کا قبور سے دوسری جگہ منتقل ہونا کہیں ثابت نہیں اور احادیث متواترہ سے انبیاء کرام کی جو حیات ثابت ہے وہ حیات فی القبور ہے نہ کہ حیات فی السموات[1]

اور قبور میں اجسام ودیعت رکھے گئے ہیں تو ثابت ہو گیا کہ انبیاء کرام کی حیات جسمانی ہے اور روح کا اصل تعلق اجسام سے قبروں میں ہے۔ غرض یہ کہ ان روایات سے یہ امر خوب واضح ہو گیا کہ وفات کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مستقر قبر مبارک ہے کہ جہاں آپ کا جسد اطہر محفوظ ہے نہ کہ آسمان اور اسی مقام پر آپ کی روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق ہے اور اسی جگہ آپ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور بایں ہمہ آپ کی روح مبارک کو عالم علوی سے بھی تعلق ہے لہٰذا اگر آپ کی روح مبارک سیر وتفریح کے لئے اعلیٰ علیین اور ملکوت السموات والارض میں باذن خداوندی جہاں چاہے جائے تو وہ اس کے منافی نہیں حق تعالیٰ شانہ کو اختیار ہے کہ اپنے برگزیدہ بندہ کو جہاں چاہے سیر کرائے اور امور آخرت اور احوال برزخ کو احوال دنیا پر قیاس کرنا نادانی ہے۔

علامہ قاری شرح شفاء میں لکھتے ہیں[3]

المعتقد المعتمد انه صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبره كسائر الانبياء فی	وہ عقیدہ جس پر سلف وخلف کا اعتماد ہے وہ یہ کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اپنی قبر

[1] جذب القلوب۔ ص:۲۰۴
[2] قال الحافظ فی الفتح ج ۳ ص ۳۲۹ واما اجسادهم فهی فی القبور فتح الباری باب التلبية اذا انحدر فی الوادی۔
[3] ج:۲ ص:۱۴۲۔

قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لا رواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون و باعتبار القالب فرشیون واللہ سبحانہ اعلم با حوال ارباب الکمال ھذا شرح شفاء [1]

میں زندہ ہیں جیسے دوسرے انبیاء کرام خدا تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں اور اُن کی ارواح طیبہ کو بیک وقت عالم علوی اور عالم سفلی دونوں سے تعلق ہے جیسا کہ دنیوی زندگی میں دونوں عالم سے تعلق تھا یعنی وفات کے بعد بھی اسی طرح دونوں عالم سے تعلق قائم ہے قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے اعتبار سے فرشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ارباب کمال کے احوال کو خوب جانتے ہیں۔

درنیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کو تاہ باید والسلام

حضرات انبیاء کرام بلاشبہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و نیاز میں مشغول ہیں لیکن شب معراج میں۔ انبیاء کرام کو نبی اکرم ﷺ کی ملاقات کے لئے مسجد اقصیٰ میں جمع کر دیا گیا اور پھر جس کو چاہا آسمانوں پر بھی بلایا اور ظاہر یہی ہے کہ انبیاء کرام کی یہ ملاقات روح اور جسم دونوں کے ساتھ تھی جیسا کہ شیخ نور الحق دہلویؒ نے تیسیر [2] القاری شرح [3] بخاری میں لکھا ہے [4] یہ بھی ممکن ہے۔ کہ شب معراج میں انبیاء کرام کے اصل اجسام مبارکہ تو قبر میں مقیم ہوں اور مسجد اقصیٰ میں آپ کی ملاقات کے لئے ان کی ارواح مبارکہ کو اُن کے اجسام عنصر یہ کے ہم شکل بنا کر جمع کیا گیا ہو مگر ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ حضرات انبیاء ان ہی ابدان دنیویہ کے ساتھ جو اُن کی قبروں میں محفوظ اور صحیح سالم ہیں آپ کی ملاقات کے لئے

---

[1] پوشیدہ نماند کہ دیدن آنحضرت ﷺ انبیاء را صلوات اللہ وسلامہ علیہم و تکلم آنہا چنانکہ در حدیث مذکور بوضوح پیوستہ ناظر درآں است کہ آنہا باشخاص واجساد دیدہ وقول مختار ومقرر جمہور انیست کہ انبیاء بعد از اقت موت زندہ اند بحیات دنیوی کذافی تیسیر القاری ص ۳۱۲ ج ۳ باب ذکر ادریس علیہ السلام یعنی حیات انبیاء در برزخ مانند حیات دنیوی است بلکہ حیات برزخی آں بزرگان اعلیٰ واقوی است از حیات دنیویہ بمراتب کہ عقل از تصور آن قاصر است ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

[2] ج: ۲، ص: ۱۴۲ [3] ص: ۳، ص: ۲۶۲ [4] حافظ عسقلانی فتح الباری ص ۱۶۶ ج ۲ باب المعراج میں لکھتے ہیں واستشکل رویۃ الانبیاء فی السموات مع ان اجسادھم مستقرۃ فی قبورھم بالارض واجیب بان ارواحہم تشکلت بصور اجسادھم او احضرت اجسادھم لملاقاۃ النبی ﷺ تلک اللیلۃ تشریفا و تکریما و یویدہ حدیث عبد الرحمن بن ہاشم عن انس ففیہ وبعث لہ آدم ومن دونہ عن الانبیاء اھ

جمع ہوئے ہوں قدرت قدیمہ کے لحاظ سے لقاء روحانی و جسمانی اور زمینی اور آسمانی اور ہر قسم کا نقل مکانی سب برابر ہیں محض استبعاد طبعی سے احادیث نبویہ کو رد کرنا بے عقلی اور بے دینی کی دلیل ہے باقی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کس کیفیت اور کس شان سے ملاقات ہوئی۔ کس نکشاد و نکشاید بحکمت ایں معمارا۔

حدیث میں ہے کہ مومن کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے اور جنت کا باغ بنا دی جاتی ہے۔ پس اگر روضۂ اقدس کو نمونۂ فردوس بریں اور رشک علیین بنا دیا جائے تو کیا استبعاد ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایام محاصرہ میں عرض کیا گیا کہ شام چلے جائیں تاکہ وہاں اس فتنہ اور بلاء سے محفوظ ہو جائیں تو یہ فرمایا کہ میں دار ہجرت (مدینہ منورہ) اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور مجاورت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے مکان کے کواڑ بنوائے تو یہ حکم دیا کہ یہ کواڑ مدینہ سے باہر لے جا کر بنائے جائیں تاکہ اُن کے بنانے کی آواز مسجد نبوی میں نہ آئے اور اس آواز کی وجہ سے حضور پُرنور کو تکلیف نہ ہو (زرقانی شرح مواہب ص ۳۰۴ ج ۸ و شفاء السقام ص ۱۷۳)

ابو نعیم وغیرہ سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں کہ جن ایام میں واقعۂ حرہ پیش آیا مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی متنفس نہ تھا ان ایام میں جب نماز کا وقت آ جاتا تو میں قبر مبارک سے اذان کو سنتا اس کے مطابق نماز ادا کرتا۔ تین دن تک مسجد نبوی میں نماز نہیں ہوئی۔ میں قبر مبارک سے اذان کی آواز سن کر نماز پڑھتا تھا، (زرقانی شرح مواہب ص ۳۳۲ ج ۵)

یہ واقعہ بھی اس کی دلیل ہے کہ روح مبارک کا اسی جسد اطہر سے تعلق قائم ہے کہ جو روضۂ اقدس میں ودیعت رکھا گیا ہے سید سمہودی وفاء الوفاء باب ثامن کی فصل ثانی ص ۴۰۷ ج ۲ میں لکھتے ہیں۔

و اما ادلة حياة الانبياء فمقتضاها حياة الابدان كحالة الدنيا مع الاستغناء عن الغذاء و مع قوة النفوذ في العالم وقد اوضحنا المسئلة في كتابنا المسمى

حیاۃ انبیاء کے تمام دلائل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنے ابدان اور اجساد مطہرہ کے ساتھ زندہ ہیں جس طرح دنیا میں ابدان کے ساتھ زندہ تھے یعنی یہ کہ آپ کی حیات برزخیہ حیاتِ جسمانی ہونے میں حیات دنیویہ کے

بالوفا لما لحضرة المصطفى ﷺ اھ

مماثل اور مشابہ ہے فرق یہ ہے کہ عالم برزخ میں باوجود حیات جسمانی ہونے کے غذاء سے مستغنی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نفوذ کی قوت عطا فرمائی ہے اور ہم نے اس مسئلہ کی پوری توضیح اپنی کتاب الوفاء میں کی ہے۔ اھ

اور عہد صحابہ وتابعین سے لے کر اس وقت تک اُمّت کے تمام علماء وصلحاء کا یہ عمل رہا ہے کہ جو شخص زیارت نبوی کے لئے جاتا ہے اس کے واسطہ سے حضور پُرنور کی خدمت میں ہدیہ سلام بھیجتے ہیں اور بہت سے اولیاء اُمّت نے جب حضور پُرنور پر سلام پڑھا ہے تو حجرۂ مبارکہ میں سے وعلیک السلام کی آواز اپنے کانوں سے سُنی ہے۔ (فیض القدیر ص ۴۷۹ ج ۲۔)

جان می دہم در آرزو اے قاصد آخر بازگو
در مجلس آن نازنین حرفے کہ از ما می رود

یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ روح مبارک کو جسم اطہر کے ساتھ اسی قبر منور میں تعلق ہے اسی جگہ سلام پڑھا جاتا ہے اور اسی جگہ سے جواب سنا جاتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

شبہ یہ ہے کہ قرآن کریم صراحۃً آپ کی موت کے متعلق ناطق ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اور حضور پُرنور کا ارشاد ہے انی رجل مقبوض اور صدیق اکبر نے وفات کے دن یہ خطبہ دیا فان محمد اقدمات جس کو تمام صحابہ نے تسلیم کیا۔ پھر حیات نبوی کے کیا معنی۔

جواب

آں حضرت ﷺ نے بحکم كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ تھوڑی دیر کے لئے موت کا مزہ چکھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کر دیا اور زمین پر آپ کے جسم کو کھانا حرام کیا پس آپ

اب حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حیات شہداء سے کہیں اکمل اور افضل ہے۔ (کذافی شرح المواہب ومدارج النبوۃ باب پنجم ذکر فضائل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم [1])

قال الامام البیهقی فی کتاب الاعتقاد الانبیاء علیهم الصلاة والسلام بعد ما قبضوا ردت الیهم ارواحهم فهم احیاء عند ربهم کالشهداء [2]

امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی ایک مرتبہ قبض روح کے بعد پھر اُن کی ارواح ان کے ابدان میں واپس کر دی گئیں پس انبیاء کرام حق تعالیٰ کے پاس شہداء کی طرح (بلکہ ان سے بڑھ کر) زندہ ہیں۔

اور حیات شہداء کے متعلق علامہ آلوسی روح المعانی ص ۱۷ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔

و اختلف فی هذه الحیاة فذهب کثیر من السلف الی انها حقیقة بالروح والجسد و لکننا لا ندرکها فی هذه النشأة استدلوا بسیاق قوله تعالیٰ عند ربهم یرزقون و بان الحیاة الروحانیة التی لیست بالجسد لیست من خواصهم فلا یکون لهم امتیاز بذلک علی من عداهم و ذهب البعض الی انها روحانیة

حیات شہداء کی حقیقت میں علماء کا اختلاف ہے جمہور سلف کا مسلک یہ ہے کہ یہ حیات جسم اور روح کے ساتھ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شہداء کو خدا کے پاس رزق دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ رزق جسم کے لئے ہوتا ہے، نیز حیات روحانیہ شہداء کے ساتھ مخصوص نہیں روحانی حیات تو تمام مردوں کو حاصل ہے خواہ مؤمن ہوں یا کافر۔ پس آیت بل احیاء سے جسمانی حیات مراد نہ ہو بلکہ روحانی حیات مراد ہو تو پھر شہداء کا امتیاز اور خصوصیت کیا ہوئی حالانکہ مقصود آیت سے شہداء کا امتیاز اور اُن کی خصوصیت کا بیان کرنا ہے کہ جو ان کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسروں میں وہ خصوصیت نہ پائی جائے اور ظاہر ہے کہ وہ خصوصیت اور امتیاز حیات جسمانی ہے اور بعض علماء ادھر گئے ہیں کہ شہداء کی حیات روحانی ہے۔

[1] ج:۵،ص:۳۳۲ [2] ج:۱،ص:۱۶۹۔

پس جب کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے تو حضرات انبیاء کرام جو شہداء سے کہیں اعلیٰ اور افضل ہیں ان کی حیات بدرجہ اولیٰ جسمانی ہوگی۔

علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ شہید کو نبی سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ حاصل ہوسکے نیز شہداء کو یہ مرتبہ عالیہ (یعنی حیات جسمانی) کا مرتبہ نبی کی شریعت اور ملت کی حفاظت میں جانبازی اور سرفروشی کے صلہ میں ملا ہے۔ پس قیامت تک جو خدا کی راہ میں جہاد کرے گا اور شہید ہوگا تو ان تمام شہداء کا اجر نبی کریم کے نامۂ اعمال میں ثبت ہوگا اور آپ کا مقام ان تمام شہداء سے باعتبار حیات کے سب سے اعلیٰ اور ارفع ہوگا۔ اس لئے کہ دین کا سنگ بنیاد رکھنے والے حضور پُرنور ہیں لہٰذا آپ کی تنہا حیات تمام شہداء عالم کی حیات سے زیادہ قوی اور بلند ہوگی۔ (دیکھو شفاء السقام ص ۱۴۰) نیز یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید بھی ہیں چنانچہ۔

شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ شاذ و نادر ہی کوئی نبی ایسا ہوگا جہاں نبوت کے ساتھ شہادت جمع نہ کی گئی ہو پس انبیاء کرام نبی ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں اور شہید ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں کیونکہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ کے عموم میں داخل ہیں۔

اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت شہادت وفات پائی اس لئے کہ آپ کی وفات اس زہر کے اثر سے ہوئی ہے کہ جو یہود نے خیبر میں آپ کو دیا تھا۔ (رواہ البخاری)

اخرج احمد و ابو یعلی والطبرانی والحاکم والبیهقی عن ابن مسعود قال لان احلف تسعا ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قتل قتلا احب الی من ان احلف واحدة انه لم یقتل و ذلك ان الله اتخذه نبیا و اتخذه شهیدا۔[1]	امام احمد ابو یعلی اور طبرانی اور حاکم اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود یہ کہتے تھے کہ میں نو مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقتول ہوئے یہ بہتر ہے اس سے کہ میں ایک مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقتول نہیں ہوئے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی بنایا۔

[1] زرقانی ج:۵، ص:۳۳۲

بلکہ آں حضرت ﷺ تو سید الشہداء ہیں[1] تمام شہداء کے اعمال آپ کے نامۂ اعمال اور میزان میں ہیں پس آپ کی حیات تمام شہداء کی حیات سے اکمل اور اقویٰ ہوگی۔

علّامہ شہاب خفاجی فرماتے ہیں۔

الانبیاء والشھداء احیاء و حیاۃ الانبیاء اقوی اذالم یسلط علیھم الارض فھم کالنائمین والنائم لایسمع ولا ینطق حتی یتنبہ (حاشیہ حیاۃ الانبیاء للبیھقی۔)	انبیاء اور شہداء یہ دونوں گروہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں لیکن انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے بہت زیادہ قوی ہے اور جب زمین کو انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ پر مسلط نہیں کیا اور انبیاء کے اجساد مطہرہ بعینہ محفوظ ہیں تو سمجھ لو کہ انبیاء کرام بمنزلہ سونے والوں کے

ہیں اور سونے والا حالت نوم میں سننے اور جواب دینے سے معطّل رہتا ہے جب تک وہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔

حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلّق حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ کا کلام معرفت التیام

اہل سنّت والجماعت کے تمام سلف اور خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اُن کے اجسام مطہرہ تغیرات ارضی سے محفوظ ہیں اور مشغول عبادت ہیں۔ عرب اور عجم کے حضرات متکلمین اور محدثین اور مفسرین اور اولیاء عارفین اس موضوع پر مستقل رسالے اور مقالے لکھتے چلے آئے۔

تیرھویں صدی کے اخیر میں سرخیل اولیاء و عارفین و سرتاج حضرات متکلمین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ نے اس موضوع پر آب حیات کے نام سے ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی جو حقائق و معارف لدنیہ کا ایک عجیب و غریب خزینہ اور گنجینہ ہے۔

---

[1] سید سمہودی وفاء الوفاء ص ۴۰۵ ج ۲ میں لکھتے ہیں۔ لا شک فی حیاته ﷺ بعد وفاته و کذا سائر الانبیاء علیهم الصلاة والسلام احیاء فی قبورهم حیاة اکمل من حیاة الشهداء التی اخبر الله تعالیٰ بها فی کتابه العزیز و نبینا ﷺ سیّد الشهداء و اعمال الشهداء فی میزانه۔ اه

حسب ارشاد باری تعالیٰ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ تمام سلف اور خلف اس پر متفق ہیں کہ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے تمام حضرات انبیاء کرام پر موت طاری ہوئی اور اُن کی تجہیز و تکفین کی گئی اور مقابر میں دفن کیے گئے اس کے بعد حضرات متکلمین و محدثین یہ فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام ایک مرتبہ موت طاری ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیے گئے اور قیامت تک زندہ رہیں گے انبیاء کرام پر اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے موت طاری ہوئی مگر وہ موت دائم اور مستمر نہیں بلکہ عارض اور غیر مستمر تھی۔

اور مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی وفات اور ممات تو کتاب اور سنّت اور اجماع اُمّت اور مشاہدۂ عالم سے ثابت ہے جس کا اعتقاد ضروری ہے۔ اور انکار ناجائز ہے لیکن انبیاء کرام کی موت اور وفات کی حقیقت اور نوعیت اور کیفیت عامہ مؤمنین کی موت کی نوعیت اور کیفیت سے مختلف ہے عامۂ مؤمنین کی موت۔ مزیل حیات ہے اور انبیاء کرام کی وفات ساتر حیات ہے انبیاء کرام کی وفات اور ممات ظاہری ہے جس کے باطن میں اُن کی حیات مستور ہے جس طرح زیر پردۂ سحاب نور آفتاب مستور ہو جاتا ہے، اسی طرح زیر پردۂ ممات۔ انبیاء کرام کی حیات مستور ہو جاتی ہے۔ معاذ اللہ۔ مولانا کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ انبیاء کرام پر موت طاری ہی نہیں ہوئی بلکہ مولانا موت اور وفات کے اعتقاد کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں۔ مولانا کا تمام کلام۔ حضرات انبیاء کرام کے وفات اور موت کی نوعیت اور کیفیت کے تعیین میں ہے انبیاء کرام کی وفات سے ذرہ برابر انکار نہیں جیسے حضرات متکلمین کا یہ اختلاف کہ صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں یا لا عین اور لا غیر۔ یہ اتصاف کی نوعیت کی تعیین میں کلام ہے نفس اوصاف میں کلام نہیں اسی طرح حضرت نانوتوی کا تمام کلام انبیاء کرام کی وفات اور ممات کی تعیین میں ہے اور نفس موت کے اعتقاد کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ میں انبیاء کرام کو انھیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں پر حسب ہدایت کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضرور ہے[1] لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیر پردۂ موت۔ ظاہر بینوں کی نظر سے مستور ہے مثل اُمّت

[1] لطائف قاسمی ص ۳۔۴۔

کے ان کی موت میں زوال حیات نہیں۔ حضرات انبیاء زندہ ہیں اُن کی موت اُن کی حیات کے لئے ساتر ہے۔ رافع حیات اور دافع حیات نہیں ا

بلکہ موت کے وقت انبیاء کرام کی حیات اور بھی شدید ہو جاتی ہے، موتِ انبیاء کرام اور موتِ عوام میں ایسا فرق ہے جیسا کہ شمع یا چراغ کو کسی ہنڈیا میں رکھ کر اوپر سرپوش رکھدینے میں اور شمع اور چراغ کے گل ہو جانے میں فرق ہے۔ گل ہو جانے میں نور زائل ہو جاتا ہے اور ہنڈیا میں رکھکر سرپوش رکھدینے سے نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا بلکہ سرپوش رکھدینے سے تمام شعاعیں باہر سے سمٹ کر اس ظرف میں آجاتی ہیں بلکہ خود شعلۂ چراغ میں سما جاتی ہیں جس سے وہ نور اور شدید ہو جاتا ہے، پس عام مؤمنین کی موت سے ان کی حیات کا نور بالکل زائل ہو جاتا ہے اور انبیاء کرام کی موت سے ان کی حیات کا نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا اگرچہ ظاہر نظر میں فرق نہ معلوم ہو شمع اور چراغ گل ہو جائے یا کسی ظرف میں رکھدینے کی وجہ سے اس کا نور مستور ہو جائے باعتبار مکان کے اندھیرا دونوں صورتوں میں برابر ہے ۲

اور اس ظاہری موت کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلّہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا۔ ۳

(۱) اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح وسالم رہنا اور تغیر ارضی سے بالکلیہ محفوظ رہنا۔

(۲)۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی ازواج مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔

(۳)۔ اور اُن کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا۔ امور ثلاثہ میں سے ہر امر حیات انبیاء پر شاہد عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ارواح طیّبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلّق منقطع نہیں ہوا بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام کو اپنے ابدان سے اسی قسم کا تعلّق ہے جس قسم کا پہلے تھا بخلاف شہداء کے کہ موت سے انکی ارواح کا ان دنیاوی ابدان سے تعلّق منقطع ہو جاتا ہے اور ان ابدان کو چھوڑ کر ابدان جنّت سے تعلّق ہو جاتا ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہداء کے مال میں میراث جاری ہوئی اور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے مال میں میراث جاری

ا آب حیات از مولانا محمد قاسم۔ ص: ۴۲۔۴۳۔ ۲ آب حیات از مولانا محمد قاسم۔ ص ۴۲، ۴۳
۳ ایضاً۔ ص: ۴۳

نہوئی حالانکہ یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ سب کو عام ہے، عوام ہوں یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نیز شہداء کی ازواج کو بعد عدت معروفہ نکاح کی اجازت ہوئی جو انقطاع حیات پر دال ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی شان میں یہ حکم آیا وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا جو ابدی طور پر حرمت نکاح ازواج مطہرات پر دال ہے۔ معلوم ہوا کہ نکاح منقطع نہیں ہوا جیسا کہ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ بھی اسی پر دال ہے کہ علاقۂ زوجیت حسب سابق قائم ہے کیونکہ ازواجہٗ جمع زوجہ کی ہے جو صفت مشبّہ ہے دوام اور ثبوت پر دال ہے اور والد جسمانی کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت کو اسی طرح بیان فرمایا وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ نکح فعل ماضی ہے جو حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے جس سے منکوحیت کا زوال ہویدا ہے اور جب ازواج مطہرات کا نکاح ہی منقطع نہیں ہوا تو ازواج مطہرات منجملہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ہو جائیں گی[۱]۔

اور بقاء نکاح بے علاقۂ رُوح و جسد متصوّر نہیں شہداء میں باوجود حیات کے بوقت موت جسم خاکی سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا شہداء اور عامۂ مومنین کی موت میں فرق اتنا ہے کہ ارواح شہداء کو جسد اوّل سے تعلّق منقطع ہو جانے کے بعد اور ابدان سے تعلّق پیدا ہو جاتا ہے اور اس حساب سے ان کو حیات روحانی و جسمانی دونوں حاصل ہو جاتی ہیں اور باقی مؤمنین امت کے لئے اس نقصان کی کچھ مکافات نہیں کی جاتی بہر حال ابدان دنیا سے دونوں کو کچھ تعلّق نہیں رہتا۔ تو پھر اشیاء متعلّقہ ابدان دنیوی سے کہاں تعلّق رہ سکے گا کہ اُن کے اموال و ازواج جوں کے توں انھیں کے ازواج و اموال سمجھے جائیں اور کسی اور کو نکاح کی اجازت نہ ہو اور وارثوں کو تقسیم و تصرف کرنے کی اجازت نہ دیں کیونکہ مال اور ازواج ارواح کو بتقاضائے تعلّق جسمانی مطلوب ہوتے ہیں بذات خود مطلوب روحانی نہیں اس لئے بعد انقطاع علاقہ جسمانی ازواج و اموال کے ساتھ جو علاقہ تھا وہ بدرجہ اولےٰ منقطع ہو جائے گا اور باوجود حیات شہداء ان کی ازواج کو مثل ازواج دیگر مؤمنین امت بعد انقضائے عدت اختیار نکاح ہوگا اور اُن کے اموال متروکہ میں میراث بدستورِ معلوم جاری رہے گی موت شہداء کے حق میں موجب زوال حیات اوّل ہے اور وہ حیات جس کے تحقق پر کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں وہ حیات ثانی ہے اور

---

[۱] ایضاً۔ ص ۱۸۵

لفظ عندر بھم اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے ہاں علاقہ حیات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام منقطع نہیں ہوتا اس لئے ازواج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز اموال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بدستور آپ کے نکاح اور آپ ہی کی ملک باقی رہیں گے۔ اور اغیار کو اختیار نکاح ازواج اور ورثہ کو اختیار تقسیم اموال نہ ہوگا۔ بالجملہ موت انبیاء کرام اور موت عوام میں زمین وآسمان کا فرق ہے وہاں استتار زیر پردۂ موت ہے اور یہاں انقطاع حیات بوجہ عروض موت ہے اور شاید یہی وجہ ہو کہ جناب باری نے حضرت سرورِ عالم کو انك میت سے جدا خطاب فرمایا اور آپ کے سوا دوسروں کو وانهم میتون سے جدا خطاب فرمایا اور مثل جملۂ لاحقہ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ سب کو شامل کر کے اِنَّکُمْ مَّیِّتُوْنَ نہ فرمایا سو وہ موت اسی فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

پس جس طرح حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حیاتِ مؤمنین اُمّت میں فرق ہے اور جس طرح نوم نبوی اور نوم مؤمنین میں فرق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے تنام عینای ولاینام قلبی و کذلك الانبياء تنام اعينهم ولا تنام قلوبهم (بخاری شریف)

اسی طرح موت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور موت مؤمنین میں بھی فرق ہے۔ حدیث میں ہے کہ النوم اخوالموت۔ اور قرآن کریم میں ہے اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا۔ حق جل شانہ نے اپنے کلام پاک میں موت اور نوم دونوں کو ایک سلک میں کھینچا ہے اور دونوں کی حقیقت توفی اور امساک بیان فرمائی ہے۔

عامۂ مؤمنین کو بحالت خواب توفی وامساک روح کی وجہ سے ادراک وشعور میں جو تعطل ہوتا ہے وہ حضرات انبیاء کو بوقت خواب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے خواب میں اور وحی بیداری میں کچھ فرق نہیں ہوتا، انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل اُن کے بیدار رہتے ہیں اور ان کا خواب بمنزلہ وحی بیداری کے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا واقعہ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی اس پر شاہد عدل ہے عامۂ مؤمنین کی قوت علمیہ اور ادراکیہ بوقت خواب معطل ہو جاتی ہے مگر حضرات انبیاء کرام کی قوت علمیہ بوقتِ خواب بدستور باقی رہتی ہے[1] (یہاں تک حضرت مولانا نانوتوی کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا) حضرات اہلِ علم۔ اصل آب حیات کی مراجعت فرمائیں۔

[1] ایضاً ص ۲۱۸۔۲۲۰

اب یہ مؤلف حقیر سراپا تقصیر۔ اہلِ اسلام کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام[1] روحانی اور جسمانی حیثیت سے عامۃ البشر سے جدا اور ممتاز ہیں اور قرب خداوندی میں جبریل ومیکائیل اور ملائکہ مقربین سے افضل اور برتر ہیں حضرت آدم کو حق جل شانہ نے خاص اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور تاج خلافت کا ان کے سر پر رکھا اور اس جسم خاکی کو اجسام نورانیہ (ملائکہ) کا مسجود بنایا اور حضرات انبیاء کو جسمانی حیثیت سے عامۂ بشر پر امتیاز عطا کیا کہ اُن کے اجسام مبارکہ کو ایسا نظیف اور لطیف اور مطہر اور معطر پیدا کیا کہ ان حضرات کے اجسام سے جو پسینہ نکلتا تھا وہ اس درجہ خوشبودار ہوتا تھا کہ مشک اور عنبر بھی اس سے کمتر اور فروتر تھا۔

اخرج البیھقی وغیرہ عن عائشۃ قالت قلت یا رسول اللّٰہ انک تدخل الخلاء فاذاخرجت دخلت فی اثرک فما اری شیئا الا انی اجدرائحۃ المسک قال انا معشر الانبیاء تنبت اجسادنا علی ارواح اھل الجنۃ فما خرج منھا من شئ ابتلعتہ الارض۔ (خصائص کبری ۷۰ ج ۱)[2]

امام بیہقی وغیرہ نے عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ بیت الخلاء جاتے ہیں اور آپ کے بعد میں بیت الخلاء جاتی ہوں تو وہاں کوئی چیز مجھ کو نظر نہیں آتی اِلاّ یہ کہ مشک کی خوشبو پاتی ہوں آپ نے فرمایا۔ ہم گروہ انبیاء کی خاص شان ہے ہمارے اجسام کی پیدائش اور نشو ونما اہلِ جنت کی ارواح کے طور وطریق پر ہوتی ہے جو چیز بھی انبیاء کے بدن سے نکلتی ہے زمین اُس کو فوراً نگل لیتی ہے۔

[1] امام رازی نے تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۵ میں اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر میں حلیمی کا کلام نقل کیا ہے کہ انبیاء کرام قوائے جسمانیہ وروحانیہ میں تمام عالم سے ممتاز اور جدا ہوتے ہیں حضرات اہلِ علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں۔

[2] شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبری ص ۷۰ ج ۱ میں اس حدیث کے طرق اور اسانید پر کلام کیا اور یہ بتلایا ہے کہ یہ حدیث مستند اور معتبر ہے اور سات سندوں سے مروی ہے لہٰذا جن لوگوں نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں، خصائص کبریٰ ص ۷۰ ج ۱ اور علامہ قاری نے شرح شفا قاضی عیاض ص ۱۶۰ ج ۱ میں اس حدیث کو مستند اور ثابت قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ قال ابن وحیۃ بعد ان اوردھذا السند ثابت قیل وھواقوی مافی الباب آھ

یعنی انبیاء کرام کے اجسام اہلِ جنّت کی ارواح کی طرح نظیف اور لطیف اور پاکیزہ ہوتے ہیں جس طرح اہلِ جنّت کے جسم سے جو چیز نکلتی ہے وہ مشک وعنبر سے زیادہ پاکیزہ اور معطر ہوتی ہے اسی طرح انبیاء کرام کے اجسام سے جو چیز نکلتی ہے وہ بھی مشک وعنبر کی طرح معطر ہوتی ہے یعنی انبیاء کرام کے اجسام کی فطرت اور حقیقت اور مزاجی کیفیت اور ساخت وپرداخت اہل جنّت کے طور وطریق پر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے انبیاء کے اجسام مبارکہ وفات کے بعد اہل جنّت کے ارواح اور اجسام کی طرح بوسیدہ اور بالیدہ ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور اسی وجہ سے علماء کی ایک جماعت آں حضرت ﷺ کے فضلات اور بول وبراز کی طہارت کی قائل ہے،(دیکھو شرح شفاء قاضی عیاض للعلامۃ القاری) [۱]

حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے پچھنے لگوائے تو عبداللہ بن زبیر کو حکم دیا کہ یہ خون کسی ایسی جگہ ڈال آؤ کہ جہاں کسی کی نظر نہ پڑے عبداللہ بن زبیر اس خون کو پی گئے، جب واپس آئے تو آں حضرت نے دریافت فرمایا کہ اے عبداللہ کیا کیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں اس کو نہایت پوشیدہ جگہ میں رکھ آیا ہوں کہ جہاں کسی کی نظر نہیں پہنچ سکتی، آپ نے فرمایا شاید تو نے اس کو پی لیا ہے افسوس۔ (اخرجہ البزار وابویعلی والطبرانی والحاکم والبیہقی) [۲]

اور ام ایمن۔ اور ام یوسف کا بول نبوی پی جانا اور پھر ان کا کبھی بیمار نہ ہونا یہ بھی احادیث میں آیا ہے۔ [۳]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے اجسام اپنے باپ آدم علیہ السّلام کے جسم مبارک کا نمونہ ہیں کہ جو جنّت میں حق تعالیٰ کے دست قدرت سے پیدا ہوا اس لئے وفات کے بعد صحیح وسالم رہتے ہیں اور تغیرات ارضی سے محفوظ ہوتے ہیں جس طرح اہلِ جنّت کے اجسام تغیّر وتبدل سے محفوظ ہوں گے اسی طرح انبیاء کرام کے اجسام بھی وفات کے بعد تغیّر وتبدل سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ حضرت آدم کی اصلی اور محبوب ترین اولاد۔ انبیاء کرام ہیں اور حدیث میں ہے کہ الولد سر لابیہ پس عجب نہیں کہ ماخلقت بیدی کے انوار وبرکات اور بلاواسطہ دست قدرت سے تخلیق وتکوین کے آثار انبیاء کرام کو اپنے والد محترم حضرت آدم سے وراثت میں ملے ہوں اور جو چیز اصطفاء اور اجتباء کے لوازم میں

۱؎ ج:۱ص:۱۶۰ ۲؎ الخصائص الکبریٰ۔ ج:۱ص:۶۸ ۳؎ ایضاً۔ص۱۷

سے ہو اس کی توریث فقط مصطفین الاخیار کی حد تک محدود ہے اور سلامت اجساد انبیاء بعد الوفات اسی اصطفاء آدم کے لوازم میں سے ہو جس کی توریث خاص برگزیدہ بندوں کے لئے مخصوص کردی گئی ہو آں حضرت ﷺ کے جسمانی خصائص کی تفصیل اگر درکار ہو تو شرح شفاء قاضی عیاض اور خصائص کبریٰ کو ملاحظہ فرمائیں۔

جو شخص حضرات انبیاء کرام کی جسمانی وروحانی خصوصیتوں کو پیشِ نظر رکھے گا اس کو اس امر میں ذرہ برابر شک نہ رہے گا کہ حضرات انبیاء اگرچہ ظاہراً جنس حیات میں عامۃ البشر کے ساتھ شریک ہیں لیکن درحقیقت اور درپردہ حیات انبیاء کی حقیقت اور نوعیت اور کیفیت عامۃ الناس کی حیات سے بالکل مختلف اور جدا ہے اور تمام عالَم کی بیداری کو ان حضرات کی بیداری کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہوتی ہے، یہ تو انبیاء کرام کی حیات اور بیداری کا کچھ حال عرض کیا۔ اور انبیاء کرام کے خواب کا یہ حال ہے کہ بحالت خواب انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل ان کے بیدار ہوتے ہیں جیسا کہ بخاری شریف میں متعدد جگہ مذکور ہے اور بخاری شریف کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نوم انبیاء کا ناقض وضو نہیں

نوم النبی عندالامام الاعظم لاینقض الوضوء حتمافاعلم

اور حدیث میں ہے کہ:

مـاتثاء ب نبی قط وما احتلم قط	کسی نبی کو کبھی جمائی نہیں آتی اور نہ کسی نبی کو کبھی احتلام ہوا

کیونکہ تثاؤب اور احتلام شیطان کے تلاعب سے ہوتا ہے اور انبیاء کرام اس سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں[۱]

اور انبیاء کرام کا خواب وحی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا قصہ ہے اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَا ذَاتَرٰی اس کی صریح دلیل ہے یہ ناممکن ہے کہ انبیاء کرام کا خواب اضغاث احلام کے قبیل سے ہو اور اس ناچیز کا ایک شعر بھی ہے۔

خواب پیغمبر چو صبح[۲] صادق است   وحی بیداری چو روزِ روشن است

---

۱ ازرقانی شرح مواہب ج:۵۔ ص:۲۴۸   ۲ کمافی بدء الوحی من صحیح البخاری وکان لایری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

حدیث میں ہے۔

وكان النبي صلى الله عليه وسلم اذا نام لم نوقظه حتى يكون هو يستيقظ لانا لا ندري مايحدث له في نومه۔ (بخاري شريف باب الصعيد الطيب وضوء المسلم من كتاب التيمم ص ۴۹ ج ۱ وقسطلاني ص ۳٦ ج ۱ وفتح الباري ص ۳۸ ج ۱)

صحابہ کرام کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم جب سویا کرتے تھے تو ہم آپ کو جگاتے نہیں تھے یہاں تک کہ آپ خود ہی بیدار ہوں، اس لئے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ خواب کی حالت میں آپ کو من جانب اللہ کیا چیز پیش آرہی ہے اور اس حالت میں آپ پر کیا وحی نازل ہورہی ہے تو ہم آپ کو جگا کر اس وحی کے انقطاع کا سبب کیوں بنیں۔

موسیٰ علیہ السلام جب سوگئے تو حضرت یوشع نے فرمایا لا اُوقظہ میں موسیٰ علیہ السلام کو جگاؤں گا نہیں۔ (بخاری شریف)

پس جس طرح حضرات انبیاء کی حیات اوران کی بیداری اوران کا خواب عامۂ مؤمنین کے حیات اور بیداری اور خواب سب سے جدا اور ممتاز ہے اسی طرح سمجھو کہ انبیاء کرام کی وفات وممات بھی عامۂ مؤمنین کی وفات اور ممات سے جدا اور ممتاز ہے۔

حق جل شانہ نے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا میں۔ عامۃ الناس کی توفی کو دو قسموں پر منقسم فرمایا ہے ایک توفی نوم۔ اور ایک توفی موت۔ اور ظاہر ہے کہ انبیاء کرام کی توفی منام عامۃ الناس کی توفی منام سے بالکل جدا اور ممتاز ہے، بوقت خواب عامۃ الناس کے قوائے حسیہ اور قوائے علمیہ معطل ہوجاتے ہیں مگر حضرات انبیاء کرام کے قوائے اِدراکیہ بوقت خواب معطل نہیں ہوتے۔ ان حضرات کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار ہوتے ہیں یعنی ان حضرات کی غفلت بحالت خواب محض ظاہری ہوتی ہے اور باطنی طور پر اس میں بیداری اور ہوشیاری مستور ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرات انبیاء کی توفی موت۔ عامۃ الناس کی توفی موت سے جدا اور ممتاز ہوتی ہے اور منام کی طرح ان کی وفات اور ممات ظاہری ہوتی ہے جس کے پردہ میں حیات مستور ہوتی ہے۔

حضرات انبیاء کرام کے متعلق یہی اعتقاد ضروری ہے اور لازمی ہے کہ وہ بمقتضائے بشریت سوتے ہیں لیکن یہ اعتقاد ضروری نہیں کہ ان کا سونا ہمارے سونے کی طرح ہے بلکہ ان کے خواب میں بیداری مستور ہوتی ہے اسی طرح حضرات انبیاء کرام کے متعلق یہ اعتقاد ضروری اور لازمی ہے کہ حسب ارشاد باری كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ حضرات انبیاء کو بھی موت عارض ہوتی ہے لیکن یہ اعتقاد ضروری نہیں کہ ان حضرات کی موت ہماری موت کی طرح ہے اور جس طرح ہم موت کا مزہ چکھتے ہیں اسی طرح انبیاء نے موت کا مزہ چکھا ہے بلکہ ایسا اعتقاد سراسر خلاف ادب ہے جو بلاشبہ اپنے اندر گستاخی کو چھپائے ہوئے ہے، ہر شخص اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق موت کا مزہ چکھتا ہے

مرگ ہر یک اے پسر ہمرنگ اوست پیش دشمن دشمن و بر دوست دوست
خلق در بازار یکساں مے روند آں یکے در ذوق و دیگر درد مند
ہم چنیں در مرگ یکساں مے رویم نیم در خسراں و نیمے خسرویم

اور ابرار و احرار کی موت کا یہ حال ہوتا ہے، جس کو عارف رومی نے بیان کیا ہے

ظاہرش مرگ و بباطن زندگی ظاہرش ابتر نہاں پائندگی

حضرات عارفین کے اس قسم کے کلمات نقل کرنے سے صرف اتنا مقصود ہے کہ مولانا نانوتوی کی یہ تعبیر کہ انبیاء کرام کی وفات ساتر حیات تھی بالکلیہ مزیل حیات نہ تھی۔ یہ ایسی تعبیر نہیں کہ جو محل انکار بن سکے۔

مولانا نانوتوی۔ آب حیات اور اپنے مکتوبات میں اس امر کا صراحت کے ساتھ ذکر فرماتے کہ حسب ہدایت كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ انبیاء کرام کے حق میں نسبت موت کا اعتقاد ضروری اور لازم ہے کلام صرف اس کی نوعیت کی تعیین میں فرماتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جنس عام میں اشتراک کی وجہ سے یہ لازم نہیں کہ درجات اور مراتب اور صفات اور کیفیات میں بھی اتحاد ہو جائے۔ فرق مراتب بہرحال لازم ہے۔

گر فرق مراتب نکنی زندیقی

پس جس طرح انبیاء کرام کی نوم اور خواب میں اُن کی بیداری اور ہوشیاری مستور ہوتی ہے، اسی طرح اگر انبیاء کرام کی وفات میں اُن کی حیات مستور ہو تو کیا استبعاد ہے۔

حضرات اولیاء عارفین فرماتے ہیں کہ ممکنات موجود ہیں مگر ان کے وجود عارضی میں ان کا عدم ذاتی مستور ہے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

بشناس کہ کائنات رودرعدم اند ۔۔۔ ہل درعدم ایستادہ ثابت قدم اند

ممکنات کا وجود کوئی حقیقی وجود نہیں محض ایک نمود بے بود ہے۔

کل ما فی الکون وھم اوخیال ۔۔۔ اوعکوس فی المرایا اوظلال

اور برائے نام ہماری یہ ہستی ہماری نیستی کا آئینہ ہے جس میں سے قدم قدم پر عدم چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا نظر آتا ہے بخوان باب العلل۔ انسان جب بیمار ہوتا ہے تو اس وقت اس کو اپنی حیات میں موت نظر آنے لگتی ہے۔ اور یہ بیماری بمنزلہ آئینہ کے ہے جس میں سے انسان کو اپنی موت نظر آتی ہے جہاں کوئی مجبوری اور لاچاری پیش آئی تو اسی وقت اپنی قدرت حادثہ کے پردہ میں سے اپنا ذاتی عجز نظر آنے لگتا ہے اور جب کوئی دقیق اور غامض مسئلہ سامنے آتا ہے اور عقل اُس کے حل سے جواب دے بیٹھتی ہے تو اس وقت اپنے علم حصولی حادث کے پردہ میں سے اپنا جہل ذاتی نظر آنے لگتا ہے۔

پس اگر اسی طرح کسی عالم ربانی اور عارف یزدانی اور چودھویں صدی کے ایک مولوی معنوی یعنی مولانا نانوتوی کو اپنے نور بصیرت سے حضرات انبیاء کی وفات اور ممات کے پردہ میں سے اُن کی حیات ذاتی نظر آتی ہو تو کیا استبعاد ہے۔

اذالم تر الھلال فسلّم ۔۔۔ لاناس راوہ بالابصار

موت اور حیات بیشک ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن ایک ضد کا دوسری ضد کے تحت میں مستور اور مغمور ہونا بارگاہ انبیاء اور اولیاء میں مسلم ہے، عارف رومی فرماتے ہیں۔

درعدم ہستی برادر چوں بود ۔۔۔ ضداندر ضد کے مکنون شود

اور مولانا روم نے مثنوی میں شرح وبسط سے اس مسئلہ پر کلام فرمایا ہے یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ بداں الیٰ آخرہ۔

بات لمبی ہوگئی۔ اس نابکار و ناہنجار کا تو یہ حال ہے کہ جب سلف صالحین اور علماء ربانیین کی حیات طیبہ اور ان کی پاکیزہ زندگی کا خیال آتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زندگانی بمنزلہ موت کے ہے اور ہماری بیداری بمنزلہ خواب کے ہے یعنی ہماری یہ ناقص اور

مکدر حیات ہماری ممات کی ساتر ہے اور ہماری اس برائے نام بیداری میں ہمارا خواب غفلت مستور ہے ہمارا حال تو یہ ہے:۔

وَخبَّرنی البوابُ انك نائم فقلتُ اذا ستیقظت ایضا فنائم

اور عارف رومی کا یہ شعر زبان پر آ جاتا ہے۔

آزمودم مرگ من درزندگی است چوں رہم زیں زندگی پایندگی است

اقتلونی اقتلونی یا ثقات ان فی قتلی حیاتا فی حیات

یا منیر الخد یاروح البقاء اجتذب روحی وجُدلی باللقاء

امام قرطبیؒ حیات انبیاء کرام کے دلائل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

یحصل من جملته القطع بان موت الانبیاء انما هو راجع الی ان غیبوا عنابحیث لاندر کهم وان کانوا موجو دین احیاء ولا یراهم احد من نوعنا الا من خصه اللّٰه تعالیٰ بکرامة من اولیاء ہ انتهی۔ کذافی شرح المواهب للزرقانی ص ۳۳۴ ج ۵ و کذافی انباء الاذکیاء بحیاة الانبیاء للسیوطی ص ۱۴۹ ج ۲۔ از مجموعة رسائل سیوطی۔

ان تمام دلائل سے اس امر کا علم یقینی اور قطعی حاصل ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام کی موت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ کر دیئے گئے کہ ہم ان کا ادراک اور احساس نہیں کر سکتے اگر چہ وہ موجود اور زندہ ہیں اور ہماری نوع کا کوئی فرد ان کو دیکھ نہیں سکتا الا یہ کہ اللہ تعالےٰ اپنے کسی ولی کو بطور کرامت اور خرق عادت بحالت بیداری اپنے کسی نبی کی زیارت سے مشرف فرمائے۔

اور علامہ سبکی اور علامہ سیوطی اور علامہ زرقانی اور حافظ ابن قیم کے نزدیک بھی یہی مختار ہے کہ انبیاء کرام کی موت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ کر دیئے گئے وہ بلاشبہ زندہ ہیں اگر چہ ہم اپنی آنکھوں سے اُن کی حیات کا مشاہدہ نہیں کر سکتے جیسے سونے والا زندہ ہوتا ہے مگر ہم کو اس کی حیات کا ادراک اور شعور نہیں ہوتا تمام حضرات محدثین کا یہی مسلک ہے۔

اور امام بیہقی [۱] نے جزء حیات الانبیاء کے اخیر میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام کی موت من کل الوجوہ موت نہیں بلکہ اُن کی موت کی حقیقت صرف بیہوشی اور عدم احساس کا درجہ ہے۔

علامہ مناوی فیض القدیر ص ۱۹ ج ۵ میں فرماتے ہیں کہ موت کا اطلاق کبھی تعطّل عن الحواس والادراک پر آتا ہے جیسا کہ حدیث میں بیدار ہونے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ کا پڑھنا آیا ہے اس حدیث میں احیانا سے جگانا مراد ہے اور اماتنا سے سُلانا مراد ہے، موت کا اطلاق نوم پر کیا گیا ہے اور اسی طرح شیخ ابنِ علان مکّی نے شرح کتاب الاذکار میں لکھا ہے۔ (دیکھو شرح کتاب الاذکار) [۲]

اور علامہ زبیدی نے شرح قاموس [۳] (مادۂ موت) میں موت کے معانی اور اطلاقات پر مفصّل کلام کیا ہے حضرات اہل علم شرح قاموس کی مراجعت فرمائیں۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام ختم کن واللہ اعلم بالسلام

---

[۱] امام بیہقیؒ کی اصل عبارت ہے۔ فہم احیاء عند ربہم کالشہداء فاذا نفخ فی النفخۃ الاولی صعقوا ثم لا یکون ذلک موتا فی جمیع معانیہ الا فی ذھاب الاستشعار اھ ص ۱۴ [۲] شرح کتاب الاذکار۔ ج:۱، ص:۲۸۷ [۳] ج:۱، ص:۵۸۶

ازواجِ مطہّرات

قَالَ اللّٰه عزّوجل اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهَاتُهُمْ

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ نبی کو اہلِ ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے اور پیغمبر کی بیبیاں مومنین کی محترم مائیں ہیں۔

مومن کا وجودِ ایمانی اور اس کی حیات روحانی پیغمبر کے تعلق اور اتصال سے ہے اس لئے پیغمبر مومنین کے حق میں بمنزلہ روحانی باپ کے ہے۔

جیسا کہ ایک قراءت میں ہے کہ وھو اب لھم کہ وہ نبی بمنزلہ باپ کے ہے۔اور اس کی عورتیں عزت واحترام میں بمنزلہ ماؤں کے ہیں۔

قَالَ تعالی يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝[1]

اے پیغمبر کی عورتو! تم مثل اور عورتوں کے نہیں۔ اگر تم تقویٰ پر قائم رہو پس تمہارے تقویٰ کا مقتضی یہ ہے کہ تم بات کرتے وقت نرمی سے کام نہ لینا مبادا کوئی دل کا روگی تمہاری نرمی سے طمع اور لالچ میں پڑ جائے اور کہو بات، بات کے طریقے کے مُطابق جس میں نہ نرمی ہو اور نہ سختی ہو اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور پہلی جاہلیت کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرو اور قائم رکھو نماز کو اور زکوٰۃ دیتی رہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگی رہو۔ اے پیغمبر کے گھر والو۔ اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور

[1] سورۃ الاحزاب آیۃ: ۳۲،۳۴۔

کر دے اور تم کو خوب اچھی طرح سے پاک صاف کر دے اور جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو خوب یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ بھیدوں کا جاننے والا اور خبردار ہے۔

فوائد ولطائف

(۱) امہات المومنین کا عظیم الشان لقب انھیں ازواج کے ساتھ مخصوص ہے کہ جو آپ کی زوجیت میں رہیں باقی جن عورتوں سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن عروسی اور مقاربت سے پیشتر ہی ان کو طلاق دیدی ان کے لئے یہ لقب استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) اور اسی وجہ سے کہ ازواج مطہرات۔ مومنین کی محترم مائیں قرار دیگئی ہیں آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد کسی شخص کا ان سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام قرار دیا گیا کما قال اللہ تعالیٰ:۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا [1]

تمہارے لئے یہ ہرگز روا نہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو کسی قسم کی ایذاء اور تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ کبھی بھی آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے نکاح کرو البتہ تحقیق اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ہی بڑا گناہ ہے اگر تم اس قسم کی کوئی شئے ظاہر یا دل میں پوشیدہ رکھو تو جان لو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر شئے کو خوب جاننے والا ہے۔

ایک باغیرت اور باحمیت انسان کے لئے یہ تصور ہی باعثِ ایذاء اور موجب تکلیف ہے کہ اس کی بیوی اس کے بعد کسی اور کے نکاح اور زوجیت میں جائے اور ظاہر ہے کہ کائنات میں آں حضرت ﷺ سے بڑھکر کون غیور ہوسکتا ہے۔

[1] سورۃ الاحزاب، آیۃ ۵۳۔

دوم یہ ہے کہ جب وہ امہات المؤمنین قرار دی گئیں تو پھر کسی کی زوجیت میں جانا ان کی شان اور مرتبہ کے خلاف ہے۔

سوم یہ کہ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا عقلاً اور عرفاً ہر اعتبار سے قبیح اور مذموم ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَاقَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّ سَآءَ سَبِيْلًا۔[1]

تم ان عورتوں کو نکاح میں مت لاؤ جن کو تمہارے آباؤاجداد نکاح میں لا چکے ہیں مگر جو اس سے پیشتر ہو چکا سو ہو چکا۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ نہایت بیحیائی ہے اور خدا کے سخت غضب کا موجب ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً سے عقلی قبح کیطرف اشارہ ہے یعنی عقلاً کھلی ہوئی بے حیائی ہے کہ باپ کی منکوحہ کو اپنے نکاح میں لایا جائے۔

اور مقتا سے شرعی قبح کی طرف اشارہ ہے یعنی شرعاً یہ فعل نہایت مذموم ہے اور خدا کی سخت ناراضی کا سبب ہے۔

اور وَسَآءَ سَبِيْلًا سے عرفی قبح کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ طریقہ نہایت برا طریقہ ہے۔ براء بن عازب سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ماموں کو دیکھا کہ جھنڈا لئے جا رہے ہیں میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے جواب دیا کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے آں حضرت ﷺ نے مجھ کو اس لئے بھیجا ہے کہ اس کی گردن اڑا دوں اور اس کا تمام مال ضبط کر لوں۔ (رواہ عبدالرزاق وابن ابی شیبۃ واحمد والحاکم والبیہقی)

پس جبکہ جسمانی باپ کی منکوحہ کو نکاح میں لانا عقلاً شرعاً اور عرفاً ہر طرح قبیح اور مذموم ہے تو روحانی باپ یعنی پیغمبر روحی فداہ کی منکوحہ کو نکاح میں لانے کا تصور کس درجہ قبیح اور مذموم ہوگا۔

چہارم یہ کہ اگر عورت دوسرے شوہر کے سامنے پہلے شوہر کے کچھ محاسن اور مناقب ذکر کرے تو دوسرے شوہر کو طبعاً ناگوار ہوتا ہے۔ اس لئے شریعتِ اسلامیہ نے جسمانی اور

[1] النساء آیۃ:۲۲

رُوحانی باپ کی منکوحہ کو نکاح میں لانے کو سخت ممنوع قرار دیا تا کہ اپنے جسمانی اور رُوحانی باپ سے قلب میں کوئی کدورت نہ آنے پائے خصوصاً روحانی باپ یعنی پیغمبر سے کدورت تو کفر اور شقاوت کے مترادف ہے۔

پنجم یہ کہ ازواج مطہرات نے جو آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں رہ کر خصوصاً عورتوں کے متعلق خصوصی احکام اور مسائل معلوم کیے ہیں وہ لوگوں تک بلاشبہ اور تردّد کے پہنچ جائیں بالفرض اگر آپ کی وفات کے بعد دوسرے کی زوجیت میں جائیں تو ازواج مطہرات کی روایت کے استناد اور وثاقت میں طاعنین کو لب کشائی کا موقع مل جائے گا۔

(۳) آیت تطہیر اصل میں ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی جیسا کہ آیت کا سیاق وسباق اس کے لئے شاہد عدل ہے جس کے لئے نہ کسی تاویل کی حاجت اور نہ کسی توجیہ کی ضرورت اوّل سے آخر تک خطاب ازواج مطہرات کو ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے حضرت علی اور امام حسن اور حسین اور حضرۃ سیّدۃ النساء فاطمۃ الزّہراء کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا اور ان کو جمع کر کے یہ دُعا فرمائی اَللّٰھُمَّ ھٰؤلَاءِ اھل بیتی اذھب عنھم الرّجس وطھرھم تطھیرا۔ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی تو گندگی کو دور فرما اور ان کو پاک کر جس طرح آیۂ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ دراصل مسجد قبا کے بارے میں نازل ہوئی لیکن آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا کیونکہ وہ بدرجۂ اولی اس کی مستحق ہے۔ اسی طرح آیۂ تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی مگر چونکہ آپ کی آل واولاد بدرجۂ اتم اس کی مستحق تھی۔ اس لئے آپ نے ان کو بھی اس میں شامل فرمایا باقی ازواج تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہیں۔ ان کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ان آیات کا نزول ہی ازواج مطہرات کے بارے میں ہوا آیات میں اول سے آخر تک تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں۔ بلکہ اصل مقتضائے لُغت یہ ہے کہ ازواج اصالتاً داخل ہوں اور ذریت تبعًا کیونکہ اہل بیت کے معنی لُغت میں گھر والوں کے ہیں۔ اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے اور لفظ آل اصل میں اہل تھا اس لئے اس کا اصل مصداق بھی بیوی ہے۔

ازواج مطہرات کی تعداد اور ترتیب نکاح

آپ کی ازواج مطہرات گیارہ تھیں جن میں سے دو نے آپ کی حیات ہی میں انتقال کیا۔ ایک حضرت خدیجہ۔ دوسری حضرت زینب بنتِ خزیمہ اور نو بیبیاں حضور کی وفات کے وقت تھیں۔

عَن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسُول اللّٰه صَلی اللّٰه علیه وسلم ما تزوّجتُ شیئاً مِنْ نسائی وَلَا زَوجت شیئا من بناتی الابوحی جآء نی به جبرئیل عن ربی عزوجل اخرجه عبدالملك بن محمّد النّیسا بوری بسنده[1]

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نہ اپنا نہ اپنی کسی بیٹی کا اسوقت تک نکاح نہیں کیا جب تک جبریل امین اللہ عزوجل کے پاس سے وحی لے کر میرے پاس نہیں آگئے۔ اس روایت کو نیشاپوری نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے۔

اُم المؤمنین خدیجہ بنت خُوَیلد رَضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا

ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالاجماع آپ ﷺ کی پہلی بیوی ہیں اور بالاجماع پہلی مسلمان ہیں کوئی مرد اور کوئی عورت اسلام لانے میں آپ سے مقدم نہیں۔ حضرت خدیجہ قبیلۂ قریش سے تھیں۔ والد کا نام خویلد اور ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ سلسلۂ نسب قریش تک اس طرح پہنچتا ہے۔ خدیجہ بنتِ خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ قصی پر پہنچکر آں حضرت ﷺ سے سلسلۂ نسب مل جاتا ہے۔[2]

چونکہ حضرت خدیجہ جاہلیت کے رسم ورواج سے پاک تھیں اس لئے بعثت نبوی سے پیشتر وہ طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔

آپ کا پہلا نکاح ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو بیٹے پیدا

---

[1] عیون الاثر ج:۲، ص ۳۰۰ [2] الاصابہ ج:۴، ص ۲۸۱

ہوئے۔ ہند اور ہالہ دونوں مشرف باسلام ہوئے دونوں صحابی ہیں۔ ہند بن ابی ہالہ نہایت فصیح و بلیغ تھے حلیۂ نبوی کے متعلق مفصل روایت انہی سے مروی ہے۔

ابو ہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے نکاح میں آئیں جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ ہند بھی اسلام لائیں اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ مگر ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد عتیق کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت خدیجہ پھر بیوہ رہ گئیں [1]

نفیسہ بنت منیبہ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ بڑی شریف اور مالدار عورت تھیں جب بیوہ ہو گئیں تو قریش کا ہر شریف آدمی ان سے نکاح کا متمنی تھا۔ لیکن جب آں صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کا مالِ تجارت لے کر سفر میں گئے اور عظیم نفع کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت خدیجہ آپ کی طرف راغب ہوئیں اور مجھے آپ کا عندیہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ میں آپ سے آ کر ملی اور کہا کہ آپ کو نکاح سے کیا چیز مانع ہے آپ نے فرمایا میرے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ میں نے کہا کہ اگر آپ اس فکر سے کفایت کیے جائیں اور مال اور جمال اور کفاءت کی طرف آپ کو دعوت دی جائے یعنی پھر تو کوئی عذر نہ ہو گا۔ آپ نے فرمایا وہ کون ہے۔ میں نے کہا۔ خدیجہ آپ نے قبول کیا۔[2]

اصل وجہ یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ نبوت اور بعثت کا قریب ہوتا جاتا تھا اسی قدر آپ کی کرامتیں اور آپ کے ظہور کی بشارتیں ظاہر ہوتی جاتی تھیں کبھی علماء توریت اور انجیل کی زبان سے اور کبھی کاہنوں سے اور کبھی ہواتف اور غیبی آوازوں سے توریت اور انجیل کا جو عالم آپ کو دیکھتا تھا یہی کہتا کہ یہی نونہال اور یہی نوجوان وہ پیغمبر آخر الزمان ہونے والا ہے جس کی حضرت موسٰے اور حضرت عیسٰے نے پیشین گوئی کی ہے۔

حضرت خدیجہ کو ان واقعات کا خوب علم تھا۔ ابھی اپنے غلام میسرہ سے سفر شام کے واقعات اور راہب کا قصہ سُن چکی تھیں بحیرا راہب کا قصہ اس سے پیشتر پیش آ چکا تھا۔ ادھر ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل توریت و انجیل کے زبردست عالم تھے۔ نبی آخر الزمان کے ظہور کے منتظر تھے۔ جن کا مفصل واقعہ بعثتِ نبوی کے بیان میں گزر چکا ہے۔

[1] زرقانی ج: ۳، ۲۲۳ [2] الاصابہ ج: ۴، ص ۲۸۲

ان واقعات کی وجہ سے حضرت خدیجہ کے دل میں آپ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا اور اسی اثنا میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جاہلیت کی ایک عید میں مکہ کی عورتیں جمع ہوئیں اور ان میں حضرت خدیجہ بھی تھیں۔ دیکھتی کیا ہیں کہ یکا یک ایک شخص نمودار ہوا اور باآواز بلند یہ ندا دی۔

انه سيكون في بلد كن نبي يقال له احمد فمن استطاع منكن ان تكون زوجة له فلتفعل فحصبنه الا خديجة فاغضت على قوله رواه المدائني عن ابن عباس[۱]

اے عورتو! تمہارے شہر میں عنقریب ایک نبی ظاہر ہوگا جس کا نام احمد ہوگا۔ جو عورت تم میں سے اس کی بیوی بن سکے تو وہ اس کو ضرور کر گزرے۔ سب عورتوں نے اس ندا دینے والے کے سنگریزے مارے مگر حضرت خدیجہ نے کوئی سنگریزہ نہیں مارا بلکہ سُن کر خاموش ہو گئیں۔

حضرت خدیجہ کا قلب پہلے ہی سے اس سعادت کے حصول میں تمناؤں اور آرزوؤں کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ مگر اس ہاتف غیبی کی آواز نے اور آتش شوق کو بھڑکا دیا۔

ابن اسحٰق کی ایک روایت ہے کہ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ جب سفرِ شام سے واپس آئے اور تمام حالات اور واقعات اور نسطورا راہب کی گفتگو بیان کی تو حضرت خدیجہ نے سُن کر یہ فرمایا: ان كان ما قال اليهودي حقا ماذلك الا هذا۔ اگر اس یہودی کاہن کی بات سچی ہے تو پھر اس کا مصداق آپ ہی ہیں۔[۲]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عید میں عورتوں کے جمع ہونے کا واقعہ میسرہ کی واپسی سے پیشتر کا ہے۔ حضرت خدیجہ کا نام طاہرہ رکھا نہیں گیا بلکہ من جانب اللہ لوگوں سے ان کو طاہرہ کہلوایا گیا تھا تاکہ ان کی طہارت ونزاہت مشہور ہو جائے جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ کو امین کہلوایا گیا۔ تاکہ آپ کی امانت اور دیانت مسلم ہو جائے اور کسی کو اس میں کلام کی گنجائش نہ رہے۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ چونکہ خدیجہ اپنے زمانہ کی مریم تھیں اس لئے حضرت مریم کی طرح ان کو بھی وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ سے خاص حصہ ملا اور طاہرہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی طاہرہ

[۱] زرقانی۔ ج:۳، ص:۲۲۰ [۲] زرقانی ج:۱، ص:۲۰۰

اور مطہرہ خاتون کا میلان کسی طاہر اور مطہر ہی کی طرف ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس سے بڑھ کر کون سچا ہوسکتا ہے۔ اَلطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ

سب کو معلوم ہے کہ نبوت ورسالت کوئی بادشاہت نہیں۔ دنیا کی عیش وعشرت سے اسے ذرہ برابر تعلق نہیں۔ درہم ودینار کی یہ مجال نہیں کہ پیغمبر کے گھر میں کوئی شب گزار سکے۔ الّا یہ کہ کسی قرض خواہ کے انتظار میں ایک آدھی شب ٹھہر جاتے "اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند" ہفتے اور مہینے گزر جائیں کہ دن میں چولھا نہ سُلگے۔ اور راتیں گزر جائیں کہ گھر میں چراغ روشن نہ ہو اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ مال ودولت عیش وعشرت زر اور زیور کی محبت عورتوں کی فطرت میں داخل ہے۔

مگر بایں ہمہ حضرت خدیجہ کا تمام اشراف اور رؤساء مکہ کو باوجود اُن کی تمنا اور آرزو کے چھوڑ کر آنحضرت کی طرف مائل ہونا آپ کی طہارت اور نزاہت کی روشن دلیل ہے اور اسی سے حضرت خدیجہ کے فہم اور فراست کا اندازہ ہوسکتا ہے پیغمبر کی زوجیت کی خواہش اور تمنا کرنا معمولی عقل کا کام نہیں۔ انتہائی دوربین اور دور اندیش عقل اس تمنا پر آمادہ کرسکتی ہے۔ کیونکہ عقل بتلاتی ہے کہ پیغمبر کی زوجیت میں جانے کے لئے شرط ہے کہ دنیا سے ہاتھ دھوئے اور فقر اور فاقہ کے لحاف اور بچھونے کو کمخواب اور زربفت کے لحاف بچھونے سے زیادہ بہتر سمجھے۔ پیغمبر کی زوجیت کی تمنا۔ فقر وفاقہ کی تمنا ہے اور مصائب وآلام کو دعوت دینا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ مرنے کے بعد میرا مال اعقل الناس (سب سے عاقل اور سمجھدار کو دیا جائے) تو مرنے کے بعد اس شخص کو دیا جائے کہ جو دنیا میں سب سے زائد زاہد ہو (کذا فی تنبیہ المغترین للشعرانی ص ۵۰)

اس لئے کہ سب سے زیادہ عاقل وہی ہے کہ جو فانی کو چھوڑ کر باقی کو اختیار کرے اس سے زیادہ کون احمق ہوگا کہ جس نے آخرت کی لازوال نعمتوں کو دیکر ایک جیفہ اور مردار کو خرید لیا ہو فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔

حضرت خدیجہ نے یہ سب جان بوجھ کر اور خوب سوچ سمجھ کر اپنی طرف سے پیام کی ابتدا کی۔ اور رؤساء مکہ کی آرزؤں کو خاک میں ملا دیا۔ بھلا جس مبارک خاتون نے دنیا ہی کے ٹھکرانے کا عزم بالجزم کرلیا ہو تو وہ ابناء دنیا کو کہاں نظر میں لاسکتی ہے جب مال ہی سے کوئی علاقہ

نہیں رہا تو پھر اس کے فرزندوں سے کیا علاقہ کسی شریف اور رئیس کی ثروت اس خاتون کو اپنی طرف کب مائل کر سکتی ہے۔ کہ جو اپنی ہی دولت کو خدا کی راہ میں لٹانے کے لئے تیار بیٹھی ہو۔

آپ نے اپنے شفیق چچا ابو طالب کے مشورہ سے اس پیام کو قبول کیا حضرت خدیجہ کے والد خویلد کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمر بن اسد نکاح کے وقت زندہ تھے وہ اس تقریب میں شریک ہوئے۔

تاریخ معین پر ابو طالب معہ اعیان خاندان کے جن میں حمزہ بھی تھے۔ حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے اور شادی کی رسم ادا ہوئی۔ ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا (جو ابتداء کتاب میں گزر چکا ہے) اور پانسو درہم مہر مقرر ہوا۔[1]

نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال کی اور آں حضرت کی عمر ۲۵ سال تھی۔ مجلس عقد میں میں ورقہ بن نوفل بھی تھے۔ ابو طالب جب خطبۂ نکاح سے فارغ ہوئے تو ورقہ بن نوفل نے مختصر سی تقریر کی جو زرقانی میں مذکور ہے۔[2]

ولیمہ

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد حضرت خدیجہ نے ایک گائے ذبح کرائی اور کھانا پکوا کر مہمانوں کو کھلایا۔[3]

الحاصل

حضرت خدیجہ کی تمنا اور آرزو کا ابتدائی مرحلہ طے ہوا لیکن منزل مقصود (یعنی بعثتِ نبوی) ابھی دور ہے اور امید وبیم کی کشمکش اور انتظار کی بے چینی ہنوز بدستور ہے۔

چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت خدیجہ کے پاس گئے۔ حضرت خدیجہ دیکھتے ہی آپ کو لپٹ گئیں اور سینہ سے لگالیا۔ اور کہا

---

[1] زرقانی ج:۳، ص ۲۲۱ [2] زرقانی ج:۳، ص ۲۲۱ [3] زرقانی ج:۳، ص ۲۲۱۔

بابی وامی والله ما افعل هذا الشیٔ ولکنی ارجوان تکون انت النبی الذی ستبعث فان تکن هو فاعرف حقی ومنزلتی وادع الاله الّذی یبعثك لی قالت فقال لها وَاللّٰه لئن کنت اناهو قد اصطنعت عندی مالا اضیعه ابداوَان یکن غیری فان الاله الذی تصنعین هذا لاجله لایضیعك ابدًا [1]
(باب تزویج النبی صلّی اللّٰه علیه وسلم خدیجة وَفضلها)

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس فعل سے میری کوئی غرض نہیں۔ مگر یہ مجھ کو امید ہے کہ شاید آپ ہی وہ نبی ہوں جو عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں۔ پس اگر آپ ہی وہ نبی ہوئے تو بعثت کے بعد میرے حق کو یاد رکھیں اور جو خدا آپ کو نبوت سے سرفراز فرمائے اس سے میرے لئے دعا فرمائیں آپ نے جواب دیا اگر وہ نبی میں ہی ہوا تو جان لے کہ تو نے میرے ساتھ وہ احسان کیا ہے کہ جس کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ اور اگر میرے سوا کوئی اور ہوا تو سمجھ لے کہ جس خدا کے لئے تو یہ عمل کر رہی ہے وہ کبھی تیرے عمل کو ضائع نہ کریگا۔

زبیر بن بکار راوی ہیں کہ حضرت خدیجہ بار بار ورقہ بن نوفل کے پاس جاتیں اور آپ کے متعلق دریافت کرتیں ورقہ یہ جواب دیتے۔

مَااراہ الانبی هذِه الامة الّذی بشربه موسیٰ وعیسیٰ

میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسےٰ نے بشارت دی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خدیجہ نے ورقہ سے جا کر آپ کا حال بیان کیا تو ورقہ نے ایک قصیدہ کہا جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

هذِی [2] خُدیجةُ تَاتِینِیُ لِاُخبرها وَمالنا بخفی الغیب من خبر
بِاَنَّ اَحْمَدُ یَاتیهِ فیخبره جبریل انك مبعوث اِلی الْبشر

[1] فتح الباری۔ ج:۷، ص:۱۰۰ [2] ہذی کا اشارہ دراصل خدیجہ کی طرف نہیں بلکہ اس شوق اور انتظار کی طرف ہے کہ جس نے ان کو بے چین کر رکھا ہے گویا کہ ان کا شوق اور اضطراب ایک محسوس شئ ہے جس کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے

یہ خدیجہ بار بار میرے پاس آتی ہے کہ میں اس کو خبر دوں اور مجھ کو غیب کی خبر نہیں کہ جبریل آپ کے پاس اللہ کا پیام لیکر آئیں گے کہ آپ لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں

فقلت عَلیَّ الذی ترجین ینجزہ   لَکِ اِلّا لہ فرجی الخیر وانتظری

ورقہ کہتے ہیں میں نے خدیجہ کو جواب دیا کہ عجب نہیں کہ جس کی تو امید کرتی ہے اللہ اس کو پورا کرے تو اللہ سے خیر کی امید لگائے رکھ اور اس کی منتظر رہ (اصابہ ترجمہ ورقہ بن نوفل) ورقہ کے یہ اشعار مستدرک میں بھی مذکور ہیں حافظ ذہبی نے اس پر سکوت کیا ہے۔

ورقہ کے اور بھی قصائد ہیں جن سے ورقہ کے اشتیاق اور انتظار کا پتہ چلتا ہے[1]

اولاد

انھیں کے بطن سے آپ کی چار صاحبزادیاں زینب۔ رقیہ وامّ کلثوم وفاطمہ اور دولڑ کے پیدا ہوئے (جن کا مفصل بیان اولاد کے بیان میں آئندہ آئے گا)

اولاد ذکور صغر سنی ہی میں انتقال کر گئی البتہ صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور بیاہی گئیں۔

وفات

جب تک حضرت خدیجہ زندہ رہیں اس وقت تک آپ نے دوسرا عقد نہیں کیا۔ ۱۰ نبوی میں ہجرت سے تین سال پیشتر مکہ میں انتقال کیا۔ اور حجون میں دفن ہوئیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر میں اتارا نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی پچیس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

فضائل ومناقب

۱۔ بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ خدیجہ آپ کے لئے کھانا لئے آرہی ہیں جب آپ کے پاس آئیں تو ان کے پروردگار کی طرف سے اور پھر میری طرف سے ان کو سلام

[1] الروض الانف۔ ج:۱ ص ۱۲۵۔۱۲۷

کہہ دیجئے اوران کو جنت کے ایک محل کی بشارت دیدیجئے جو ایک ہی موتی کا بنا ہوا ہوگا۔ اوراس محل میں نہ کوئی شوروغل ہوگا اور نہ کسی قسم کی مشقت اور تکلیف ہوگی۔ یہ بخاری اور مسلم کی روایت تھی۔نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے سُن کر یہ جواب دیا۔

ان اللّٰہ ھوالسلام وعلی جبریل السَّلامُ وعلیك یا رَسُول اللّٰہ السَّلام ورحمة اللّٰہِ وَبرکاتہٗ وزادابن السنی من وجہ آخر وَعلیٰ من سمع السَّلام الاَّ الشَّیطان۔

تحقیق اللہ تعالیٰ تو خود ہی قدوس اور سلام ہیں یعنی اللہ پر کیا سلام بھیجا جائے البتہ اے جبریل آپ پر سلام ہو اور یارسول اللہ آپ پر بھی اللہ کا سلام ہو اوراس کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر نازل ہوں (کہ جن کے طفیل میں مجھ پر یہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہورہی ہیں۔ابن سنی کی روایت میں اسقدر اور اضافہ ہے کہ اس پر بھی سلام ہو جو اسکو سُن رہا ہو سوائے شیطان کے۔

طلبۂ حدیث اگر اس حدیث کے لطائف ومعارف معلوم کرنا چاہیں تو فتح الباری[۱] (باب تزویج النبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدیجۃ وفضلہا) اور زرقانی شرح مواہب[۲] کی مراجعت کریں۔ چونکہ ان لطائف ومعارف کا تعلق عربیت اور بلاغت سے ہے اس لئے ان کو چھوڑ دیا گیا۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کا کسی کو سلام کہلا کر بھیجنا یہ وہ فضیلت اور منقبت ہے کہ جس میں حضرت خدیجہ کا کوئی شریک اور سہیم نہیں،

۲۔علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورتوں میں سب سے افضل یہ تین عورتیں ہیں۔ حضرت خدیجہ اور حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ان تین میں کون افضل ہے۔حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی ایک مرفوع روایت سے یہ اشکال حل ہوجاتا ہے۔

وہ روایت یہ ہے:

---

۱ فتح الباری۔ج:۷ص:۱۰۵ ۲زرقانی۔ج:۳ص۲۲۲

سیّدة نساءِ العٰلمین مریم ثم فاطمة ثم خدیجة ثم آسیة قال وهذاحدیث حسن یرفع الاشکال	تمام عالم کی عورتوں کی سردار مریم ہیں پھر فاطمہ اور پھر خدیجہ اور پھر آسیہ امرأة فرعون۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے جس سے اشکال اُٹھ جاتا ہے۔

تفصیل اگر درکار ہو تو زرقانی شرح مواہب[1] اور فتح الباری اور تفسیر رُوح المعانی[2] کی مراجعت کریں۔

ام المؤمنین سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت خدیجہ کے انتقال کے کچھ ہی روز بعد حضرت سودہ آپ کے نکاح میں آئیں یہ بھی اشراف قریش میں سے تھیں انکا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سودہ بنت زمعۃ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔ (سیرۃ ابن ہشام وعیون الاثر)

لوئی بن غالب پر پہنچکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلۂ نسب ملجاتا ہے والدہ کا نام شموس بنت قیس بن عمرو بن زید انصاریہ ہے انصار میں سے قبیلۂ بنی النجار کی تھیں۔ ابتداء نبوت میں مشرف باسلام ہوئیں پہلا نکاح ان کے چچازاد بھائی سکران بن عمرو سے ہوا صحابہ نے جب دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کی تو سودہ اور سکران بھی ان مہاجرین میں تھے۔ جب مکہ واپس ہوئے تو راستہ میں سکران کا انتقال ہوگیا۔ ایک بیٹا عبدالرحمٰن نامی یادگار چھوڑا عبدالرحمٰن مشرف باسلام ہوئے اور جنگ جلولاء میں شہید ہوئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے انتقال سے نہایت غمگین اور پریشان تھے۔ ایک دن خولہ بنتِ حکیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ آپ کو خدیجہ کے نہ ہونے سے پریشان دیکھتی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں بال بچوں کی پرورش اور گھر کا انتظام اسی سے تھا۔ خولہ نے کہا کیا میں آپ کے لئے کہیں پیام نہ دوں آپ نے فرمایا مناسب ہے اور عورتیں ہی اس کام کے لئے زیادہ موزوں ہیں آپ نے فرمایا کس جگہ پیام دینے کا خیال ہے

[1] زرقانی۔ ج:۳۔ص:۲۲۳ [2] سورۂ آلِ عمران کی اس آیت یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰكِ وَطَھَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ کے تحت میں تفسیر روح المعانی کی مراجعت کریں

خولہ نے کہا اگر کنواری سے نکاح کرنا چاہیں تو آپ کے نزدیک تمام مخلوق میں جو سب سے زیادہ محبوب ہے۔اس کی بیٹی عائشہ سے نکاح فرمائیں اور اگر بیوہ سے چاہیں تو سودہ بنت زمعہ موجود ہے جو آپ پر ایمان لائی اور آپ کا اتباع کیا۔آپ نے فرمایا دونوں جگہ پیام دیدو۔خولہ اوّل سودہ کے پاس گئیں۔اور کہا مجھکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے تمہارا پیام دیکر بھیجا ہے۔سودہ نے کہا مجھ کو کوئی عذر نہیں۔مگر میرے باپ سے اس کا تذکرہ کرلو۔اور جاہلیت کے طریقہ پر ان کو سلام کرنا خولہ کہتی ہیں کہ میں ان کے باپ کے پاس پہنچی اور جاہلیت کے طریقہ پر اَنعِم صَبَاحًا کہا پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا خولہ ہوں۔آپ نے مرحبا کہکر دریافت کیا کہ کیسے آنا ہوا میں نے کہا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کا آپ کی بیٹی سے پیام لیکر آئی ہوں۔ آپ نے سنکر کہا ہاں بیشک وہ شریف کفو ہیں۔لیکن معلوم نہیں کہ سودہ کی کیا رائے ہے میں نے کہا وہ بھی آمادہ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آں حضرت تشریف لے گئے اور نکاح پڑھا گیا۔

حضرت سودہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کو جو اس وقت تک مشرّف با اسلام نہ ہوئے تھے جب ان کو اس کا علم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی۔ جب مشرف باسلام ہوئے تو اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوئے اور جب کبھی اس کا خیال آجاتا تو یہ کہتے کہ میں اس روز بڑا ہی نادان تھا کہ جس روز میں نے اپنے سر پر اس وجہ سے خاک ڈالی کہ آنحضرت ﷺ نے میری بہن سے نکاح فرمایا۔اس حدیث کو امام احمد نے سَند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔سنداس کی حسن ہے۔[۱]

چونکہ حضرت سودہ اور حضرت عائشہ کا نکاح قریب قریب ہی ہوا ہے اس لئے علماء سیر میں اختلاف ہے کہ کونسا نکاح پہلے ہوا صحیح اور راجح قول یہی ہے کہ حضرت سودہ کا نکاح پہلے ہوا اور چار سو درہم مہر قرار پایا۔[۲]

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔حضرت سودہ نے عرض کیا یارسول اللہ مجھ کو اپنی زوجیت میں رہنے دیجئے میری تمنا یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ مجھ کو آپ کی ازواج میں اُٹھائے اور چونکہ میں بوڑھی ہوگئی ہوں اس لئے اپنی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کیے دیتی ہوں آپ ﷺ نے اس کو منظور فرمایا۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے طلاق دیدی تھی۔ بعد میں رجوع فرمایا۔واللہ اعلم۔[۳]

۱؎ زرقانی۔ج:۳،ص:۲۲۷ ۲؎ زرقانی۔ج:۳،ص:۲۲ ۳؎ الاصابہ ج:۴،ص:۳۲۸

شکل وصورت

حضرت سودہ کا قد لانبا اور بدن بھاری تھا۔ مزاج میں ظرافت تھی کبھی کبھی آں حضرت کو ہنساتیں۔ ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عمر کے اخیر زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ (رواہ البخاری فی تاریخہ بسند صحیح)

بعض کہتے ہیں کہ ۵۴ھ میں وفات پائی۔ واقدی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے واللہ اعلم[1]

ام المومنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن ابیہا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق کی صاحب زادی ہیں والدہ ماجدہ کا نام زینب اور ام رومان کنیت[2] تھی۔ حضرت عائشہ کے خود کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام سے اُم عبداللہ اپنی کنیت رکھی حضرت سودہ کے بعد یا متصل ماہ شوال ۱۰ نبوی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔

خولہ بنت حکیم نے آپ کی طرف سے جا کر پیام دیا۔ (جیسا کہ پہلے گذرا) ابو بکر صدیق نے کہا کہ مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے جبیر سے عائشہ کا پیام دیا تھا جسکو میں منظور کر چکا ہوں

وَاللّٰہ ما اخلف ابو بکر وعداقط	اور خدا کی قسم ابوبکر نے کبھی کوئی وعدہ خلافی نہیں کی۔

ابوبکر صدیق یہ کہکر سیدھے مطعم کے گھر پہنچے اور مطعم سے مخاطب ہوکر کہا کہ نکاح کے متعلق کیا خیال ہے۔ مطعم کی بیوی بھی سامنے تھی مطعم نے بیوی سے مخاطب ہوکر کہا تمہاری کیا رائے ہے مطعم کی بیوی نے ابوبکر سے مخاطب ہوکر کہا کہ تمہارے یہاں نکاح کرنے سے مجھ کو قوی اندیشہ ہے کہ کہیں میرا بچہ صابی یعنی بے دین نہ ہوجائے اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارے دین

[1] الاصابہ ج:۴ ص ۳۳۸ [2] ام رومان قدیم الاسلام ہیں اسلام لائیں اور آں حضرت کے دست مبارک پر بیعت کی اور جب صدیق اکبر ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے تب ام رومان عبداللہ بن ابی بکر کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ گئیں مشہور قول یہ ہے کہ ۶ھ میں وفات پائی اور آنحضرت انکی نعش کو اتارنے کے لئے قبر میں اترے اور ام رومان کیلئے دعائے مغفرت کی۔ تفصیل کیلئے اصابہ ص ۴۵۰ ج ۴ ترجمہ ام رومان کی مراجعت کریں۔

میں نہ داخل ہو جائے۔ ابو بکر صدیق مطعم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے مطعم تم کیا کہتے ہو مطعم نے کہا میری بیوی نے جو کہا وہ آپ نے سُن لیا۔ جس عنوان سے مطعم اور اس کی بیوی نے متفقہ طور پر انکار کیا ابو بکر اس کو سمجھ گئے اور یہ محسوس کر لیا کہ وعدہ کی ذمہ داری اب مجھ پر باقی نہیں رہی۔ ابو بکر وہاں سے اُٹھ کر گھر آئے اور خولہ سے کہہ دیا کہ مجھ کو منظور ہے آں حضرت ﷺ جس وقت چاہیں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور نکاح پڑھا گیا۔ چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔

ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا آپ کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی ہجرت کے سات آٹھ مہینہ بعد شوال ہی کے مہینہ میں رخصتی اور عروسی کی رسم ادا ہوئی اس وقت آپ کی عمر نو سال اور کچھ ماہ کی تھی۔ ۹ سال آں حضرت ﷺ کی زوجیت میں رہیں۔ جس وقت آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی اڑتالیس سال آپ کے بعد زندہ رہیں۔ اور ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق دیگر ازواج مطہرات کے پہلو میں رات کے وقت بقیع میں دفن ہوئیں۔

وفات کے وقت ۶۶ سال کی عمر تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قاسم بن محمد۔ اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ بن ابی عتیق اور حضرت زبیر کے دونوں صاحبزادے عروہ اور عبداللہ ان لوگوں نے آپ کو قبر میں اتارا۔[۱]

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت قریب میں گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کسی عورت سے اس وقت تک نکاح نہیں کیا جب تک جبریل امین اللہ عزوجل کی طرف سے وحی لیکر نہ آگئے ہوں چنانچہ عائشہ صدیقہ کے نکاح میں بھی یہی صورت ہوئی۔ جامع ترمذی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ اللہ عزوجل نے آپ کا نکاح ابو بکر کی بیٹی سے کر دیا اور جبریل کے ساتھ عائشہ کی ایک تصویر بھی تھی جو مجھ کو دکھائی اور کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں یہ مضمون صحیحین کی روایتوں میں بھی آیا ہے۔[۲]

---

۱ زرقانی۔ ج:۳،ص:۲۲۹۔۲۳۶ ۲ زرقانی۔ ج:۳،ص ۲۳۴

یہ عالم الغیب کا واقعہ ہے اس سے عالم شہادت میں جواز تصویر پر استدلال کرنا سخت غلطی ہے۔ احادیث متواترہ سے تصویر کی ممانعت اور اس کے بنانے والے پر لعنت روز روشن کی طرح ثابت ہے جو شخص حرام سمجھ کر اس معصیت کا ارتکاب کرے وہ گنہگار ہے اور جو شخص تصویر کو حلال جانے اس پر کفر کا اندیشہ ہے وقال اللہ تعالیٰ وقاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ۔ الآیۃ

حضرت عائشہ اپنے باپ ابُو بکر کی بیٹی تھیں۔ باپ کے فہم وفراست اور مقام صدیقیت سے خاص حصہ پایا تھا۔ ام رومان آپ کی والدہ تھیں جن کی نسبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص حورعین کو دیکھنا چاہے وہ ام رومان کو دیکھ لے کما رواہ البخاری فی تاریخہ[۱] اس لئے خداوند ذوالجلال کی مشیت اور عنایت اس کی داعی ہوئی کہ اپنے پیغمبر کے یارغار اور محبّ جاں نثار کی دختر نیک اختر کو لڑکپن ہی سے پیغمبر کی زوجیت اور تربیت میں دیدیا جائے کیونکہ لوح قلب ہنوز بالکل پاک اور صاف ہے کوئی باطل نقش ابھی تک اس پر نہیں کھینچا گیا خود بچپن کا زمانہ تو معصومیت کا زمانہ ہے ماں باپ کی طرف سے بھی کسی نقش باطل کا امکان نظر نہیں آتا۔ باپ تو صدیق ہے۔ رشکِ ملائک ہے۔ اللہ جل جلالہٗ کی دائمی معیت اس کو حاصل ہے۔ ماں ہے کہ وہ حورعین کا نمونہ ہے ایسی ایسی صاف وشفاف لوح پر۔ علم نبوت کا جو بھی نقش ہوگا وہ ایسا محکم اور پائیدار ہوگا کہ کبھی نہ مٹ سکے گا۔ چنانچہ ۹ سال کی مدّت میں ایسا وسیع اور عمیق علم حاصل ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد اکابر صحابہ کو جب کوئی اشکال پیش آتا تو حضرت عائشہ کی طرف رجوع کرتے۔ عہد صحابہ میں حضرت عائشہ کا علم اور تفقہ اور تاریخ دانی مسلم تھی۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ احکام شرعیہ کا چوتھائی حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے۔

اُبوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو جب کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو حضرت عائشہ سے دریافت کرتے آپ کے یہاں ضرور اس کے متعلق کوئی علم دستیاب ہوتا۔ (رواہ الترمذی وصححہ)

علم

زہری فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عائشہ کے علم کا تمام امہات المومنین اور تمام عورتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم سب سے بڑھا رہے گا۔ اصابہ ترجمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

فصاحت وبلاغت کا یہ عالم تھا کہ حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی خطیب کو حضرت عائشہ سے زیادہ فصیح وبلیغ نہیں دیکھا (رواہ الطبرانی)

[۱] زرقانی۔ ج:۳، ص:۲۲۹

عرب کی تاریخ اور واقعات از بر تھے۔ اشعار بکثرت زبانی یاد تھے۔ جب کوئی بات پیش آتی تو کوئی شعر ضرور سنا دیتیں۔ کما رواہ ابوالزناد وغیرہ[1]

زُھد

یہ تو علم کا نمونہ تھا اب ایک واقعہ زہد کا بھی سُن لیجئے کیونکہ تمام فضائل وکمالات کا سرچشمہ دو ہی چیزیں ہیں ایک علم اور دوسرا زہد یعنی دنیا سے بے تعلقی جس طرح دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اسی طرح زہد تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی جڑ ہے اَللّٰھم زھدنا فی الدنیا وَرَغِّبْنَاَ فی الْاُخریٰ آمین یا رب العَالمین وہ واقعہ یہ ہے۔

ام درّہ۔ حضرت عائشہ کے پاس آتی جاتی تھیں۔ ام درّہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر نے دو بوریوں میں روپے بھر کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجے جو تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار درہم تھے۔ حضرت عائشہ اسی وقت ان کو تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئیں۔ جب شام ہوئی تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا' روزے سے تھیں جب شام ہوئی تو خادمہ سے افطاری منگائی خادمہ نے روٹی اور زیتون کا تیل لا کر رکھ دیا ام درہ نے کہا اگر آپ ایک درہم کا گوشت منگا لیتیں تو اچھا ہوتا۔ عائشہ صدیقہ نے فرمایا اگر یاد دلاتی تو منگا لیتی۔

عروہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ عائشہ صدیقہ ستر ستر ہزار درہم تقسیم کر دیتی تھیں اور کُرتی میں پیوند لگا ہوتا تھا۔[2]

انہی فضائل وکمالات کی بناء پر آں حضرت ﷺ سب سے زیادہ حضرت عائشہ سے محبت رکھتے تھے۔ اگر محض باکرہ ہونے کی وجہ سے محبت ہوتی تو حضرت خدیجہ کو بھول جاتے۔ مگر آپ کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ حضرت خدیجہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور جب کبھی کوئی جانور ذبح فرماتے تو حضرت خدیجہ کی ہمنشین عورتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اُن کے پاس ہدیۂ گوشت بھیجتے۔ جب تک وہ زندہ رہیں کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ اور حضرت عائشہ کے ہوتے ہوئے آپ نے آٹھ نکاح فرمائے۔ اور سب بیواؤں سے۔ معاذ اللہ اگر کوئی نفسانی خواہش ہوتی تو ایک بیوہ سے بھی نکاح نہ فرماتے۔ نیز حضرت ام سلمہ اور حضرت

[1] زرقانی ص: ۲۳۴ [2] صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۵

صفیہ۔ حسن و جمال میں حضرت عائشہ سے کہیں بڑھ کر تھیں۔ متعدد نکاح کرنے سے آپ کا مقصد صرف دین کی تعلیم تھا۔ کہ جو مسائل اور احکام عورتوں سے متعلق ہیں وہ ازواج مطہرات کے توسط سے امت کی عورتوں تک پہنچ جائیں۔ ازواج مطہرات کیا تھیں حقیقت میں مدرسۃ النسواں کی طالبات تھیں مسجد نبوی میں مردوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ اور گھر میں ازواج مطہرات کو کیونکہ یہی ازواج مطہرات آئندہ چل کر امت کی عورتوں کی معلمات بننے والی ہیں، ہر بیوی نے اپنی اپنی استعداد کے موافق علم حاصل ہو گیا۔ مگر عائشہ صدیقہ علم و فضل میں سب عورتوں سے سبقت لے گئیں۔ وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء اور ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد تمام عورتوں میں عائشہ صدیقہ سب سے افضل اور برتر مانی گئیں۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ حق جل وعلا نے اول یہ محاسن اور کمالات عائشہ صدیقہ کی فطرت میں ودیعت رکھے اور پھر اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ اس کو اپنی زوجیت میں لیں تاکہ آپ کی صحبت اور تربیت سے وہ فطری کمالات ظہور میں آئیں اور ان کے علم و فضل سے دنیا استفادہ کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اکابر صحابہ آپ سے مستفید ہوئے۔

فاروق اعظم اور عبداللہ بن عمر اور ابو ہریرہ اور ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ بن حکیم اسود بن یزید، ابوسلمۃ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم نے آپ کی شاگردی کی۔

کیا ان حالات اور واقعات کے بعد بھی کسی طاعن اور معترض کے لئے یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ معاذ اللہ یہ نکاح کسی نفسانی خواہش سے کیا گیا۔ خواہش نفسانی سے نہیں بلکہ حکم ربانی اور وحی آسمانی سے کیا گیا۔

فضائل و مناقب

ا۔ حضرت عائشہ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! یہ جبریل ہیں تم کو سلام کہتے ہیں میں نے کہا وعلیہ السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ دیکھتے ہیں اور میں نہیں دیکھتی۔

۲۔ ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں میں سے بہت لوگ کمال کو پہنچے مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمران۔ اور آسیہ زوجۂ فرعون کے کوئی عورت کمال کو نہیں پہنچی اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے۔ جیسا کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ان دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے کتاب المناقب باب فضل عائشہ میں ذکر کیا ہے۔

۳۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ چند خصلتیں مجھ کو من جانب اللہ عطا کی گئیں۔ سوائے حضرت مریم کے اور کسی عورت کو نہیں عطا کی گئیں اور خدا کی قسم میں بطور فخر نہیں کہتی یعنی اللہ کی نعمت کو بیان اور ظاہر کرنا مقصود ہے وہ خصلتیں یہ ہیں۔

(۱) آپ ﷺ نے میرے سوا کسی باکرہ سے نکاح نہیں فرمایا۔

(۲) نکاح سے پیشتر فرشتہ میری تصویر لیکر نازل ہوا اور آپ کو دکھا کر کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں اللہ کا حکم ہے کہ آپ ان سے نکاح کریں۔

(۳) اور جو شخص آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا میں اس کی بیٹی ہوں۔

(۵) آسمان سے میری براءت میں متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور میں طیبہ اور پاکیزہ پیدا کی گئی اور طیب اور پاکیزہ کے پاس ہوں اور اللہ نے مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔

(۶) میں نے جبریل کو دیکھا میرے سوا آپ کی ازواج میں سے کسی نے جبریل کو نہیں دیکھا۔

(۷) جبریل آپ پر وحی لے کر آتے تھے اور میں آپ کے پاس ایک لحاف میں ہوتی تھی۔ میرے سوا اور کہیں اس طرح وحی نازل نہیں ہوئی۔

(۸) میری باری کے دو دن اور دو رات تھے اور باقی ازواج کی باری ایک دن اور ایک رات تھی۔ ایک دن اور ایک رات تو خود حضرت عائشہ کی باری کا تھا ہی اور دوسرا دن حضرت سودہ کی باری کا تھا جو انھوں نے سن رسیدہ ہو جانے کی وجہ سے حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا۔

(۹) انتقال کے وقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

(۱۰) وفات کے بعد میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔

رواہ ابویعلی والبزار باختصار وفیہ مجالد وھو حسن الحدیث وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح [1]

[1] مجمع الزوائد۔ ج:۹، ص ۲۴۱

امّ المؤمنین حفصہ بنت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن ابیہا

حضرت حفصہ۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ کا نام زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا ہے۔ حضرت حفصہ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ جس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔ پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوا اپنے شوہر خنیس کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ غزوہ بدر کے بعد خنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔[1]

جب حضرت حفصہ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی سے ملکر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کردوں۔ حضرت عثمان نے کہا سوچ کر جواب دوں گا۔ اس کے بعد پھر ملاقات ہوئی حضرت عثمان نے عذر کر دیا۔ کہ میرا ارادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابو بکر سے ملا اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کردوں ابو بکر صدیق سُن کر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جس سے مجھ کو ملال ہوا۔ تین چار ہی دن گزرے ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پیام دیا۔ میں نے حفصہ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ اس کے بعد ابو بکر صدیق سے ملنا ہوا۔ حضرت ابو بکر نے کہا اے عمر شاید تم مجھ سے رنجیدہ ہو میں نے اس لئے جواب نہیں دیا تھا کہ مجھ کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود پیام دینے کا خیال ہے اس لئے سکوت کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور قبول کر لیتا مشہور اور راجح قول یہ ہے کہ ۳ھ میں آپ نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔[2]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دیدی جبریل علیہ السّلام وحی لیکر نازل ہوئے۔

ارجع حفصة فانّها صوامة قوامة وَانها زوجتك فى الجنّة	حفصہ سے رجوع کر لیجئے وہ بڑی روزہ رکھنے والی اور عبادت گذار عورت ہے اور جنت میں آپ کی بیوی ہے۔

آپ نے رجوع فرمالیا۔ (اخرجہ ابن سعد والطبرانی برجال الصحیح من مرسل قیس بن سعد)[3]

[1] زرقانی۔ ج:۳ص:۲۳۶ [2] الاصابہ۔ ج:۴ص:۲۵۳ [3] الاصابہ۔ ج:۴ص:۲۵۳

شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت معاویہ کا زمانہ خلافت تھا مروان بن حکم نے نمازِ جنازہ پڑھائی وفات کے وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے ہم نے مشہور قول کو لے لیا ہے تفصیل کیلئے ترجمۂ حفصہ کی مراجعت کریں۔[1]

ام المومنین زینب بنتِ خزیمہ ملقب بہ ام المساکین رضی اللہ عنہا

زینب آپ کا نام تھا چونکہ آپ بہت سخی اور فیاض تھیں اس لئے ایام جاہلیت ہی سے ام المساکین کہہ کر پکاری جاتی تھیں باپ کا نام خزیمہ بن الحارث ہلالی تھا۔ پہلا نکاح عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا ۳ھ میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے۔ عدت گزرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا پانسو درہم مہر مقرر ہوا نکاح کے دو تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں انتقال کے وقت ۳۰ سال کی عمر تھی۔[2]

ام المؤمنین ام سلمہ بنتِ ابی امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام سلمہ آپ کی کنیت تھی۔ ہند آپ کا نام تھا ابوامیہ قرشی مخزومی کی بیٹی تھیں ماں کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔ پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی سے ہوا انہی کے ساتھ مشرف باسلام ہوئیں اور انہی کے ساتھ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر وہاں سے مکہ واپس آ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی (جس کا مفصل قصہ ہجرت کے بیان میں گزر چکا)

ابوسلمہ۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک ہوئے غزوۂ احد میں بازو پر ایک زخم آیا ایک مہینہ تک اس کا علاج کرتے رہے زخم اچھا ہو گیا۔ غرۂ محرم الحرام ۴ھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسلمہ کو ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ ۲۹ روز کے بعد واپس ہوئے واپسی کے بعد وہ زخم پھر جاری ہو گیا۔ اسی زخم سے ۸ جمادی الاخری ۴ھ میں انتقال کیا۔[3]

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک بار میرے شوہر ابوسلمہ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول

---

[1] زرقانی۔ ج:۳ ص ۲۳۸ [2] زرقانی۔ ج:۳۔ ص ۲۴۹ عیون الاثر ج:۲ ' ۳۰۳ [3] عیون الاثر۔ ج:۲ ص۔ ۳۰۴۔

اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنکر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اناللہ پڑھے اور اس کے بعد یہ دُعا مانگے۔

اَللّٰھُمَّ عندكَ احتسب مصيبتي هٰذِهِ اللّٰهُمَّ اخلفني فِيها بخير منها	اے اللہ میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں اجر کی امید رکھتا ہوں اے اللہ تو مجھ کو اس کا نعم البدل عطا فرما۔

تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائیگا۔ (رواہ مسلم والترمذی وابوداؤد والنسائی)

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ابو سلمہ کے انتقال کے بعد یہ حدیث مجھ کو یاد آئی جب دعا پڑھنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال آیا کہ مجھ کو ابو سلمہ سے بہتر کون ملے گا۔ مگر چونکہ رُسول اللہ ﷺ کا ارشاد تھا اس لئے پڑھ لیا۔ چنانچہ اس کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ عدت گذرنے پر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کا پیام دیا جن سے دنیا میں کوئی بھی بہتر نہیں![1]

آں حضرت ﷺ نے جب نکاح کا پیام دیا تو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چند عذر پیش کیئے:

(۱) میرا سن زیادہ ہے۔

(۲) میں عیالدار ہوں یتیم بچے میرے ساتھ ہیں۔

(۳) میں بہت غیور ہوں (مبادا آپ کو میری وجہ سے کوئی ناگواری پیش آئے) آپ ﷺ نے یہ جواب دیا۔ میرا سن تم سے زیادہ ہے اور تمہاری عیال اللہ اور اس کے رسول کی عیال ہیں۔ اور میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ غیرت (۲ یعنی وہ نازک مزاجی اور شک کا مادہ جس کا تم کو اندیشہ ہے) تم سے جاتی ہے چنانچہ آپ نے دُعا فرمائی اور ویسا ہی ہوا۔ (عیون الاثر ص ۳۰۴ ترجمہ ہند بنت ابی امیۃ)

ماہ شوال ۴ھ میں آپ سے نکاح ہوا تو شوال کا آخر تھا کچھ راتیں باقی تھیں مسند بزار میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہر میں کچھ سامان بھی دیا جس کی قیمت دس درہم تھی۔

ابن اسحٰق راوی ہیں کہ ایک بستر بھی دیا جس میں بجائے روئی کے کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک رکابی اور ایک پیالہ اور ایک چکی دی[3]

[1] الاصابہ۔ ج:۴،ص:۴۳۵ [2] عیون الاثر۔ ج:۲،ص ۳۰۴ [3] زرقانی۔ ج:۳،ص:۲۴۱

وفات

سنِ وفات میں بہت اختلاف ہے امام بخاری تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں کہ ۵۸ھ میں انتقال کیا۔ واقدی کہتے ہیں کہ ۵۹ھ میں انتقال کیا۔[۱]

ابنِ حبان کہتے ہیں کہ ۶۱ھ میں انتقال کیا۔ حافظ عسقلانی نے اصابہ اور تقریب میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ ازواج مطہرات میں سب سے بعد میں حضرت ام سلمہ نے انتقال فرمایا۔ (اصابہ ترجمہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)[۲]

ابو ہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔ (اصابہ[۳] ترجمہ ہند بنتِ ابی امیہ[۴])

پہلے شوہر کے دونوں بیٹوں عمر اور سلمہ نے اور عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی امیۃ اور عبداللہ بن وہب بن زمعہ نے قبر میں اتارا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں، رضی اللہ تعالےٰ عنہا ورحمۃ اللہ علیہا (استیعاب ترجمہ ہند برحاشیۂ اصابہ)

فضل وکمال

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فضل اور کمال حسن اور جمال فہم اور فراست، عقل اور دانائی مسلّم تھی۔ حدیبیہ میں آں حضرت ﷺ نے صحابہ کو ہدی ذبح کرنے اور حلق کرانے کا تین بار حکم دیا۔ مگر کسی نے نہ ہدی ذبح کی اور نہ سر منڈایا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب خبر ہوئی تو فرمایا کہ یارسول اللہ صحابہ اس صلح سے بہت افسردہ دل ہیں آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ آپ اپنی ہدی ذبح کرلیں اور حلق کرالیں چنانچہ آپ کا ہدی ذبح کرنا تھا۔ کہ صحابہ نے فوراً اپنے جانوروں کو ذبح کرلیا او رحلق بھی کرالیا۔ یہ عقدہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے اور مشورہ سے حل ہوا۔ فجزاہا اللہ خیرا۔

حسن وجمال کا یہ حال تھا۔ کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ جب آں حضرت نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو مجھ کو اُن کے حسن وجمال کی وجہ سے بہت رشک ہوا۔[۵]

[۱] زرقانی ج:۳، ص:۲۴۱ [۲] اصابہ ج:۴، ص:۴۵۹ [۳] زرقانی ج:۴۔ص:۴۵۹
[۴] زرقانی ج:۳، ص:۲۴۲ [۵] الاصابہ ج:۴، ص:۴۵۹

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت جحش۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ[۱] بنتِ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ یعنی آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپ کے متبنّٰی اور آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں باہمی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے زید نے ان کو طلاق دے دی حضرت زید چونکہ موالی میں سے تھے اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک نہایت شریف اور معزز خاندان سے تھیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اور عرب کا یہ دستور تھا کہ موالی (آزاد کردہ غلاموں) سے مناکحت کو اپنے لئے باعثِ ننگ و عار سمجھتے تھے۔ اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب سے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کا پیغام دیا تو حضرت زینب اور اُن کے بھائی نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔

اس آیت میں مؤمن سے عبداللہ بن جحش یعنی حضرت زینب کے حقیقی بھائی مراد ہیں اور مؤمنہ سے خود حضرت زینب مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کسی مؤمن اور مومنہ کے لئے یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس آیت کے نزول کے بعد یہ دونوں راضی ہو گئے اور خدا کے حکم کے موافق زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہو گیا۔ نکاح تو ہو گیا مگر زید حضرت زینب کی نظر میں ذلیل اور حقیر رہے۔ اس لئے گھر میں باہم لڑائی ہوتی اور موافقت مزاجی نہ ہوئی اور زید ہمیشہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زینب کی بے اعتنائی کا شکوہ کیا کرتے اور عرض کرتے کہ میں زینب کو چھوڑ دیتا ہوں مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زید کو طلاق دینے سے منع فرماتے اور کہتے کہ تم نے میری خاطر سے اس تعلق کو قبول کیا ہے۔ اس لئے اب چھوڑنے سے اور ذلت ہوگی اور مجھے اپنے خاندان میں ندامت اور شرمندگی ہوگی۔ جب بار بار یہ جھگڑے اور قضیئے پیش آتے رہے تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر زید

[۱] اُمیمہ بنت عبدالمطلب کے اسلام میں اختلاف ہے سوائے ابن سعد کے اور کسی نے ان کے لئے اسلام ثابت نہیں کیا۔ محمد بن اسحٰق امیمہ کے اسلام کے منکر ہیں۔ دیکھو اصابہ ج ۴۔ ص ۲۴۲ ترجمہ امیمہ وزرقانی ص ۲۲۵ ج ۳

نے زینب کو طلاق دیدی تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ یہ لوگ یہ طعنہ دینگے کہ اپنے بیٹے کی جورو کو گھر میں رکھ لیا یعنی اس سے نکاح کرلیا۔ حالانکہ لے پالک یعنی متبنیٰ کسی طرح بیٹے کے حکم میں نہیں اور عرب میں مدت سے یہ ایک بُرا دستور چلا آرہا تھا کہ جس کو متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنالیں اس کی مطلقہ جورو سے نکاح کرنے کو غایت درجہ معیوب سمجھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس رسمِ بد کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور عمل سے توڑ دیں اور آپ کو بذریعے وحی آسمانی مطلع کردیا گیا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد زینب آپ کی زوجیت میں آئے گی تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کا وہ حکم نہیں کہ جو صلبی بیٹے کی بیوی کا حکم ہے غرض یہ کہ آپ کو بذریعہ وحی کے مطلع کردیا گیا کہ زینب تمہارے نکاح میں آئے گی۔ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدباطنوں کے طعن و تشنیع کے خیال سے کہ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے متبنیٰ کی جورو سے نکاح کرلیا۔ شرم کے مارے اس پیش گوئی کو کسی پر ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اس کو دل ہی میں پوشیدہ رکھا اور خیال کیا کہ خدا کی خبر بالکل حق اور صدق ہے۔ اپنے وقت آنے پر خود ظاہر ہوجائیگی۔ نیز خدا تعالیٰ کی طرف سے فی الحال اس پیشین گوئی کے اظہار اور اعلان کا بھی کوئی حکم اور اشارہ نہ تھا۔ اس لئے آپ نے اس امر تکوینی کو تو دل میں مخفی رکھا اور تشریعی طور پر زید کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینب کو طلاق نہ دینا اس لئے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور بیوی کی بے اعتنائی اور چیرہ دستی پر صبر کرو اگر کسی کو بذریعے وحی اور الہام یہ معلوم ہوجائے کہ تکوینی طور پر آیندہ چل کر یہ ماجرا پیش آنے والا ہے اور قضاء و قدر میں یہ مقدر ہو چکا ہے تو فی الحال تشریعی حکم کا اتباع کرنا ہوگا۔ قضاء و قدر اپنے وقت پر خود ظاہر ہوجائے گی۔

آخر کار ایک دن زید نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے تنگ آکر زینب کو طلاق دیدی ہے آں حضرت خاموش ہوگئے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ جب زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ہی کو حکم دیا کہ تم خود جاکر زینب سے میرے نکاح کا پیغام دو (تاکہ یہ امر خوب واضح ہوجائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ زید کی رضامندی سے ہوا ہے) حضرت زید آپ

کے نکاح کا پیغام لے کر زینب کے گھر گئے۔ اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوئے (حالانکہ حجاب اور پردہ کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا۔ مگر یہ ان کا کمال ورع اور کمال تقویٰ تھا) اور کہا اے زینب مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دیکر بھیجا ہے حضرت زینب نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک کہ میں اپنے پروردگار عزوجل سے مشورہ یعنی استخارہ نہ کرلوں۔ اسی وقت اٹھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لئے مخصوص کر رکھی تھی وہاں جا کر مشغول استخارہ ہو گئیں۔

چونکہ حضرت زینب نے اس بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا اور اسی سے خیر طلب کی کیونکہ وہی اہل ایمان کا ولی ہے اس لئے خدائے عزوجل نے اپنی خاص ولایت سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا۔ آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا۔ اب ضرورت ہوئی کہ زمین پر بھی اس کا اعلان ہو چنانچہ جبریل امین یہ آیت لیکر نازل ہوئے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا[1]	پس جب زید زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے اور ان کو طلاق دیدی تو اے نبی کریم ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت زینب کے گھر تشریف لے گئے اور بلا اذن داخل ہوئے (رواہ مسلم واحمد والنسائی فتح الباری ص ۴۰۰ ج ۸ کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ الاٰية۔)[2]

ایک روایت میں ہے کہ آں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں جب وحی کا نزول ہو چکا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کون ہے کہ جو جا کر زینب کو بشارت سنائے اور اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِلٰى آخرہ اخیر تک یہ آیتیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم پر تلاوت فرمائیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیتیں تلاوت فرما چکے تو مجھ کو یہ خیال آیا کہ

[1] الاحزاب۔ آیہ ۳۷ [2] زرقانی۔ ج ۳۔ ص: ۲۴۵

حضرت زینب میں جمال تو تھا ہی اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا۔[۱]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کے یہاں جانے سے پیشتر قاصد کے ذریعے سے حضرت زینب کو اطلاع کرادی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نکاح کے بارے میں یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں چنانچہ جس وقت حضرت زینب کو یہ خبر پہنچی تو سجدۂ شکر ادا کیا۔ رواہ ابن سعد عن ابن عباس بسند ضعیف[۲]

چونکہ حضرت زینب کو اس حکم ربانی اور وحی آسمانی کی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے اس اطلاع کے بعد آں صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان میں بغیر اذن کے داخل ہوئے کیونکہ زوجنا کہا۔ نکاح آسمانی کا یہ اعلان اور حضرت زینب کا اعلان کے بعد قولاً اور عملاً اس کو قبول کر لینا اور سجدۂ شکر بجالانا اور پیغام نکاح حضرت زید کے ذریعہ پہلے ہی جاچکا تھا یہ رسمی نکاح سے بڑھکر نکاح ہے گھر میں داخل ہونے کے بعد آپ نے دریافت کیا کہ تمہارا کیا نام ہے چونکہ حضرت زینب کا اصلی نام بَرّہ تھا' تو یہی کہا کہ میرا نام بَرّہ ہے آپ نے بجائے بَرّہ کے زینب نام تجویز کیا۔ (استیعاب لابن عبدالبر ترجمہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنھا)

اس واقعہ کے بعد منافقین نے زبان طعن درازکی اور کہنے لگے کہ پیغمبر ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ بیٹوں کی عورتوں سے نکاح حرام ہے اور دوسری طرف خود ہی اپنے بیٹے کی عورت سے نکاح کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان بدباطنوں کے جواب میں ارشاد فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں کسی کو انکا بیٹا نہ جانو ہاں وہ اللہ کے رسول ہیں اور اس لحاظ سے وہ سب کے روحانی باپ ہیں اور سب اُن کے روحانی بیٹے ہیں۔ اور وہ آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے نکاح کا قصہ محققین کے نزدیک اسی طرح ہے جس طرح ہم نے نقل کیا اور مخالفین اسلام اور بے دینوں نے جو یہ مشہور کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر زینب پر پڑ گئی اور آپ کا دل ان کی طرف مائل ہوگیا اور یہ فرمایا سبحان اللہ

---

[۱] الاصابہ ج:۴۔ ص ۳۱۳ [۲] الاصابہ ج:۴۔ ص ۳۱۳

مقلب القلوب اور تخفی فی نفسک سے دل میں زینب کی محبت کا چھپانا مراد ہے۔ سو یہ قصہ منافقین کا کذب اور افتراء ہے۔ اہل ایمان کو ہرگز ہرگز اسپر یقین نہ کرنا چاہیے۔ یہ قصہ ملاحدہ اور زنادقہ کے مفتریات اور مخترعات میں سے ہے جس کی کوئی سند نہیں جمہور مفسّرین نے اس قصہ کا موضوع اور کذب اور افتراء ہونا بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ قصہ بالکل بے اصل اور بے سند ہے اور خلاف عقل بھی ہے۔ اس لئے کہ زینب آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں لڑکپن سے آپ کے سامنے ہوتی تھیں اور بارہا آپ نے ان کو دیکھا تھا۔ آپ سے کوئی پردہ نہ تھا اور نہ پردہ کا حکم اب تک نازل ہوا تھا۔ اور حضرت زینب شادی کے بعد بھی آپ سے پردہ نہیں کرتی تھیں اور آپ کے سامنے آتی تھیں تو کیا آں حضرت ﷺ نے حضرت زینب کو زید سے نکاح کے بعد ہی پہلی بار دیکھا تھا اور اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اگر آپ کو ان کا حسن و جمال پسند تھا تو پہلے ہی زید سے کیوں نکاح کر دیا جس پر خود زینب اور ان کے ورثہ اور اولیاء بمشکل راضی ہوئے آپ نے خود ہی کیوں نہ ان سے نکاح کر لیا ان کے اعزّاء اور اقارب آپ سے نکاح کو بڑی خوشی کے ساتھ منظور کرتے۔

آں حضرت ﷺ کی نزاہتِ نظر و طہارتِ بصر

نیز عقل اور نقل سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اس کی بصر اور اس کی نظر طاہر اور مطہر اور پاک اور منزّہ ہوتی ہے۔

فتح مکہ کے دن آں حضرت ﷺ نے چند آدمیوں کا خون بہانا مباح فرمایا اور کہا کہ اگر یہ لوگ غلافِ کعبہ کو بھی پکڑیں تو ان کو نہ چھوڑنا اور قتل کر ڈالنا۔ انہی لوگوں میں سے ایک عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا ہاتھ پکڑ کر حضور پُرنور کی خدمت میں لیکر آئے اور بار بار عرض کیا کہ آپ ان سے بیعت لے لیں یعنی اُن کا قصور معاف کر دیں۔ آنحضرت ﷺ خاموش رہے آخر بڑے اصرار و الحاح کے بعد ان کی بیعت قبول کر لی پھر مجمع کی طرف متوجّہ ہو کر فرمایا۔ میں اس لئے خاموش رہا کہ تم میں سے کوئی شخص اُٹھ کر عبداللہ کی گردن مار دے کسی انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے آنکھ سے اشارہ کیوں نہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَن يَّكُونَ لَهٗ خَائِنَةُ الْاَعْيُنِ۔ یعنی کسی

پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اس کی آنکھ سے کوئی خیانت سرزد ہو۔ کما قال تعالیٰ یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ معلوم ہوا کہ نبی کی آنکھ خیانت سے پاک اور منزہ ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اسی طرح اس کی آنکھ بھی معصوم ہوتی ہے نیز قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ غض بصر یعنی نامشروع چیز کے دیکھنے سے نگاہ کو نیچی رکھنا ایمان کے مقتضیات میں سے ہے اور نبی اکرم تو اوّل المؤمنین ہیں جس طرح تمام عالم کا ایمان۔ آنحضرت ﷺ کے ایمان کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے اسی طرح تمام عالم کی نگاہوں کی عفت اور حیا اسی ذاتِ قدسی صفات کی عصمت مآب اور نزہت جناب کی نزاہتِ نظر اور طہارتِ بصر کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے۔

نیز آپ کا نفس قدسی صفات اور ملکی سمات تھا ہوائے نفسانی سے پاک اور منزہ تھا۔ اور آپ کا ہمزاد یعنی شیطان جو ہر شخص کے ہمراہ رہتا ہے۔ وہ آپ کا مسخر اور منقاد اور جبراً قہراً مسلمان یعنی آپ کا مطیع اور فرمانبردار بن چکا تھا۔ سوائے خیر کے کسی جانب اس کو میلان کی قدرت ہی نہ رہی تھی۔

آیت

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ کی تفسیر

ہمارے اس بیان سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ بدباطنوں کا یہ کہنا کہ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ سے زینب کی محبت کا دل میں چھپانا مراد ہے۔ بالکل غلط ہے اور سرتاپا دروغ بے فروغ ہے۔ بلکہ صحیح معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی کے یہ بتلایا تھا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد زینب آپ کے نکاح میں آئے گی پس جو چیز آپ دل میں چھپائے ہوئے تھے وہ یہی نکاح کی پیشین گوئی تھی جس کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے ''زوجنا کہا'' سے ظاہر فرمادیا اور ''تخشی الناس'' کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس کے اظہار سے شرماتے تھے۔ کہ کسی کو یہ حکم دیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ خشیت سے مراد شرمانا ہے یا ڈرنا ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ منافقین زبانِ طعن دراز کریں گے یا لوگ بدگمانی کر کے اپنی عاقبت خراب کرینگے

اور اس آیت کے یہ معنی امام زین العابدین اور سدی سے مروی ہیں اور حکیم ترمذی نے اس روایت کی تحسین میں اطناب (تطویل) فرمایا ہے۔ اور اسی کو حافظ عسقلانی[۱] نے فتح الباری تفسیر سورۃ الاحزاب میں اختیار فرمایا۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں امام زین العابدین کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

قال علماء نارحمة اللّٰهِ عَليهم وهذا القول احسن ماقيل فى هذه الآية وهوالّذى عليه اهل التحقيق من المفسرين وَالعلماء الراسخين كالزهرى والقاضى بكربن العلاء القشيرى والقاضى ابى بكربن العربى وغيرهم الخ قرطبى تفسير سورة احزاب

ہمارے علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت کی تفسیر میں سب سے بہتر قول یہی ہے جو کہا گیا۔ اور محققین مفسرین اور علمائے راسخین جیسے امام زہری اور قاضی بکر بن علاء قشیری اور قاضی ابوبکر بن عربی وغیرہم سب کا یہی قول ہے جو ہم نے بیان کیا۔[۲]

---

[۱] اصل عبارت یہ ہے جو اہل علم کے لئے ہدیہ کرتے ہیں۔

وقد اخرج ابن ابى حاتم هٰذِهِ القصة من طريق السُّدى فساقها سياقاً وَاضحا ولفظه بَلغنا اَنّ هٰذِه الأية نزلت فى زينب بنت جحش وان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وآله وسلّم اراد ان يزوجها زيد بن حارثه مولاه فكرهت ذالك ثُمّ انّهارضيت بما صنع رسول الله صلى اللّٰه عليه وآله وسلم فزوجها اياه۔ ثم اَعْلَمَ اللّٰه عزوجل نبيه صلى اللّٰه عليه وسلّم بعدانها من ازواجه فكانَ يستحى ان يّا مربطلا قها وَكان لايزال يكونُ بيّن زيد و زينب مايكون من الناس فامره رسول اللّٰهِ صلى اللّٰه عَليه وَسلم ان يمسك عليه زوجه وان يتقى اللّٰه وكان يخشى الناس ان يّعيبوا عليه ويقولوا تزوج امرأة ابنه وكان قدتبنى زيدًا وعنده من طريق على بن زيد عن على بن الحسين ابن علي قال اَعلَم اللّٰه تعالى نبيه صلى الله عليه وَسلم ان زينب ستكون من ازواجه قبل ان يّتزوجها فلما اتاه زيد يشكوها اليه وَقال له اتق الله وامسك عليك زوجك قال اللّٰهُ تعالىٰ قداخبرتك انى مزوجكها وتخفى فى نفسك ما اللّٰه مبديه وقد اطنب الترمذى الحكيم فى تحسين هذه الرّواية وقال انها من جواهر العلم المكنون وَكان لم يقف عَلى تفسير السدى الذى اور دته وَهو اوضح سياقاً واصح اسنادا اليه لضعف على بن زيد بن جدعان (ثم قال الحافظ) ووردت آثار اُخرى ونقلها كثير منِ المفسّرِين لاينبغى التشاغل بَها والذى اوردته منها هوالمعتمد والحاصل ان الّذى يُخفيه النّبىُ صَلّىَ اللّٰه عَلَيْه وسلم كان يحمله على اخفآء ذالك خشية قول الناس تزوج امرأة اينه وارادالله ابطالِ ماكان اهل الجاهلية عليه من احكام التبنى بامره ابلغ فى الابطال منه وهو تزوج امرء ة الذى يدعى ابنا ووقوعُ ذالك من امام المُسلِمين ليكون ادعى لقبولهم وانما وقع الخبط فى تاويل متعلق الخشية وَالله اعلم۔ فتح البارى ص۳۰۳ ج۸ تفسير سورة الاحزاب

[۲] تفسیر قرطبی۔ ج:۱۴ ص:۱۹۰

تاریخِ نکاح

حافظ ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۴ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں اور بعض کہتے ہیں ۵ھ میں آپ سے نکاح ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۳۵ سال کی تھی [1]۔

مہر

مہر چار سو درہم مقرر ہوا (سیرۃ ابن ہشام)

ابن اسحٰق لکھتے ہیں کہ یہ نکاح حضرت زینب کے بھائی ابواحمد بن جحش نے کیا تھا۔ بظاہر یہ گزشتہ حدیث کے معارض معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ بعد میں نکاح بھی پڑھا گیا ہو واللہ اعلم

ولیمہ

چونکہ یہ نکاح اللہ عزوجل نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا اور پھر اس کے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل فرمائیں اس لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا۔ جس قدر کہ حضرت زینب بنتِ جحش کے ولیمہ میں فرمایا ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلائی۔ لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے شدت حیاء کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا۔ لیکن مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے تاکہ سمجھ جائیں اور حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ نے آپ کو مُبارک باد دی کے بعد دیگر تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

[1] عیون الاثر۔ ج:۲ ص ۳۰۴

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَاْنِسِينَ لِحَدِيثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (احزاب:۵۳)

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں مت داخل ہو مگر جبکہ تم کو اذن دیا جائے کھانا کھانے کے لئے درآنحالیکہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو۔ لیکن جب تم کو بلایا جائے کہ اب کھانا تیار ہو گیا تو آجاؤ اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اُٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں مت لگ جاؤ اس سے خدا کے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ کہنے سے شرماتے ہیں اور اللہ کو حق بات کے کرنے سے کوئی حجاب نہیں اور اگر تم بی بیوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔ اس میں تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے۔

یہ بخاری اور مسلم کی متعدد روایتوں کا مضمون ہے جسکو ہم نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

فضائل ومناقب

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواج مطہرات سے بطور فخر کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے اولیاء نے کیا۔ اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں پر کیا۔

(رواہ الترمذی وصححہ من حدیث انس)

یہ حقیقت میں فخر نہ تھا بلکہ تحدیث بالنعمۃ تھی۔ فرط مسرت اور منعم کی محبت اس عظیم الشان نعمت کے اظہار پر آمادہ کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسکو سنتے تھے۔ اور سکوت فرماتے تھے۔

شعبی کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتی تھیں کہ یا رسول اللہ میں تین وجہ سے آپ پر ناز کرتی ہوں۔

(۱) میرے اور آپ کے جدامجد ایک ہی ہیں یعنی عبدالمطلب۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں۔ اس کا بھی مطلب وہی ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح مجھ سے آسمان پر فرمایا۔
(۳) جبریل امین اس بارہ میں مساعی رہے۔[1]

عن عائشة أنّها قالت كانت زَيْنب بنت جحش تساميني في المنزلة عِند رَسُوْل اللّه صَلَّى اللّٰه عَلَيه وسَلم ومارأيت امرأة قط خيراً في الدِيْن مِن زينب وَاتقىَ اللّه واصدق حديثا وَاوصل للرحم واعظم صدقة۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ زینب بنت جحش مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں میں نے اُن سے زیادہ کسی عورت کو دیندار اور خدا سے زیادہ ڈرنے والی اور سب سے زیادہ سچ بولنے والی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنیوالی اور سب سے زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔

اور زہری کی روایت میں اس قدر اور زیادہ ہے۔

واشدتبذلا لنفسها في العمل الذي تتصدق به و تتقرب به الى اللّٰه عَزّوجل (استيعاب لابن عبدالبر ترجمه زينب بنت جحش)

اور نہ اُن سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے والی عورت کو دیکھا۔

ورع

منافقین نے جب عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائی (جس کا مفصل واقعہ پہلے گزر چکا ہے) تو حضرت زینب کی بہن حمنہ بنتِ جحش بھی اپنی سادہ لوحی سے اسمیں شریک ہو گئیں۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے عائشہ صدیقہ کے متعلق حضرت زینب سے دریافت کیا تو حضرت زینب نے یہ جواب دیا۔

[1] زرقانی۔ ج:۳، ص ۲۴۶

یا رسول اللّٰہ احمی سمعی وبصری وَاللّٰہ ماعلمت علیھا الا خیرا رواہ البخاری ص ۳۶۵ ج ۱ کتاب الشھادات باب تعدیل النساء بعضھن بعضا

یارسول اللہ میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں خدا کی قسم عائشہ کے متعلق سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں جانتی۔

یعنی جو چیز میری آنکھ نے نہیں دیکھی اور کان نے نہیں سُنی وہ میں اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتی ہوں۔ اب تک میرا علم اور یقین ان کی بابت سوائے خیر کے کچھ نہیں۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت زینب۔ عائشہ صدیقہ کی سوکن تھیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ عائشہ صدیقہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اگر آپ چاہتیں تو اس وقت کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتیں جو عائشہ صدیقہ کو رسول اللہ ﷺ کی نظروں سے گرانے کا سبب بن سکتا لیکن ان کے کمال ورع اور کمال تقویٰ نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ سکوت ہی کر جائیں۔ بلکہ قسم اور حصر کے ساتھ فرمایا وَاللّٰہ ما عَلمتُ علیھا الا خیرا۔ یعنی خدا کی قسم میں نے تو عائشہ میں سوائے خیر اور نیکی کے کچھ جانا ہی نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے ان کے ورع اور تقویٰ کا اعتراف ان الفاظ میں مذکور ہے۔ فعصمھا اللّٰہ بالورع یعنی اللہ تعالےٰ نے ورع اور پرہیز گاری کی بدولت زینب بنت جحش کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا۔

اور ایک روایت میں عائشہ صدیقہ کے یہ الفاظ منقول ہیں۔[۱]

وان اللّٰہ عصمھا بالورع

تحقیق اللہ تعالےٰ نے ورع کی برکت سے ان کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا۔

عبادت

عبادت کا خاص ذوق تھا نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ جس وقت زید آں حضرت ﷺ کا پیام لیکر گئے۔ فوراً نماز استخارہ میں مشغول ہوگئیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مال فیئ مہاجرین

[۱] کمانی الاصابہ ص ۳۱۳ ج ۴۔ ترجمہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

پر تقسیم فرمارہے تھے کہ درمیان میں حضرت زینب بول پڑیں۔ حضرت عمر نے جھڑک دیا۔ آں حضرت نے فرمایا اے عمر تم ان کو رہنے دو۔ یعنی زینب سے کچھ تعرض مت کرو۔

اِنَّهَا اَوَّاهَةٌ	تحقیق یہ بڑی اوّاہ ہیں۔

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ اوّاہ کے کیا معنی آپ نے فرمایا کہ اواہ کے معنی خاشع اور متضرع کے ہیں اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَاِنَّ اِبْـرَاهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (رواه ابن عبدالبر وغيره) [1]	تحقیق ابراہیم بڑے بردبار اور نرم دل اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لیگئے اور حضرت عمر بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ دیکھتے ہیں کہ حضرت زینب نماز اور دعا میں مشغول ہیں آپ نے فرمایا۔

اِنَّهَا لَاَوَّاهَةٌ [2]	البتہ تحقیق یہ بڑی اوّاہ ہے یعنی بڑی نرم دل ہے۔ رواہ الطبرانی واسنادہ منقطع وفیہ یحیی بن عبداللہ الباہلی وہو ضعیف [3]

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زینب کے متعلق فرماتی ہیں:۔

كـانت صالحة صوّامة قوّامة صـنـاعًا تـصدق بذالك كله على الـمسـاكين۔ (اصابه ترجمه زينب بنت جحش)	بڑی نیک اور بڑی روزہ رکھنے والی اور بڑی تہجد گذار تھیں بڑی کمانے والی تھیں جو کماتی تھیں کل کا کل مساکین پر صدقہ کردیتی تھیں۔

زھد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب پہلی مرتبہ حضرت زینب کا سالانہ نفقہ بھیجا تو یہ سمجھیں کہ یہ سب ازواج مطہرات کا ہے اور یہ فرمایا اللہ عمر کی مغفرت فرمائے۔ بہ نسبت میرے وہ زیادہ تقسیم کرنے پر قادر تھا۔

---

[1] زرقانی۔ ج:۳، ص:۲۴۷
[2] البتہ اور تحقیق لام تاکید اور حرف تحقیق یعنی لفظ اِنّ کا ترجمہ ہے۔ اور لفظ ''بڑی'' اَوَّاهَةٌ کی تنوین تعظیم کا ترجمہ ہے۔
[3] مجمع الزوائد۔ ج:۹، ص:۲۴۷

قالوا هذا كله لك قالت سُبْحَانَ اللّٰهِ وَاستترت دونه بثوب

لوگوں نے کہا یہ سب آپ کا ہے حضرت زینب نے فرمایا۔ سبحان اللہ اور اپنے اور اس مال کے درمیان میں کپڑے کا ایک پردہ ڈال دیا ہے (تا کہ وہ مال نظر نہ آئے کیونکہ وہ اجنبی اور نامحرم ہے)

اور برزہ بنتِ رافع کو حکم دیا کہ اس کو ایک طرف ڈال دو اور ایک کپڑا اسپر ڈھانک دو اور فرمایا کہ اس کپڑے کے نیچے سے مٹھی بھر کر فلاں یتیم کو دے آؤ۔ اور پھر مٹھی بھر کر فلاں کو دے آؤ۔ جب اس طرح وہ مال تقسیم ہوتا رہا۔ اور برائے نام کچھ باقی رہ گیا تو برزہ نے کہا اللہ تعالےٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آخر ہمارا بھی اس مال میں کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا جو اس کپڑے کے نیچے ہو وہ تم لے لو برزہ کہتی ہیں جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو پچاسی درہم تھے جب مال سب تقسیم ہو چکا تو ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا مانگی۔

اللّٰهم لا يدركني عطاء عمر بعدعامی هذا

اے اللہ اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھ کو نہ پائے

چنانچہ سال گزرنے نہ پایا کہ انتقال ہو گیا۔ رواہ ابن سعد[1] (وابن الجوزی عن برزہ بنت رافع،)[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زینب کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم تھے۔ جو صرف ایک سال کے لئے ہوتا۔ جب وہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے آپ کے پاس آئے تو بار بار کہتی تھیں۔

اللّٰهم لا يدركني هذا المال من قابل فانّه فتنة[3]

اے اللہ یہ مال سال آئندہ میرے پاس نہ آئے تحقیق یہ بڑا فتنہ ہے۔

اور یہ کہہ کر اسی وقت تمام مال اپنے اقارب اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا حضرت عمر کو جب اطلاع ہوئی تو یہ فرمایا کہ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے خیر اور

---

[1] حافظ عسقلانی نے برزہ بنت رافع کے ترجمہ میں اس روایت کو مفصل سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اصابہ ص ۲۵۲ ج ۴ قسم ثالث ترجمہ برزہ بنت رافع [2] زرقانی۔ ج: ۳، ص: ۲۲۸ [3] فتح الباری ص ۲۲۸ ج ۳ کتاب الزکوۃ باب فضل صدقۃ الشیخ الصحیح کے ایک باب بعد اس کی تفصیل مطالعہ کریں۔

بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ فوراً ایک ہزار درہم اور روانہ کیئے اور سلام کہلا کر بھیجا کہ وہ (بارہ ہزار تو) آپنے خیرات کر دیئے۔ یہ ایک ہزار آپ اپنی ضرورتوں کیلئے رکھ لیں حضرت زینب نے وہ ایک ہزار بھی اسی وقت تقسیم کر دیئے۔ (اصابہ ترجمہ ام المؤمنین زینب بنت جحشؓ)

وفات

صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز اپنی ازواج مطہرات سے یہ فرمایا کہ تم میں سب سے جلد مجھے وہ ملے گی جس کا ہاتھ تم میں سب سے زیادہ لانبا ہوگا۔ آں حضرت ﷺ کا اشارہ سخاوت اور فیاضی کی طرف تھا لیکن ازواج مطہرات نے اس کو ظاہر پر محمول کیا چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات جب جمع ہوتیں تو باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتیں کہ کس کا ہاتھ لانبا ہے۔ حضرت زینب جو قد میں چھوٹی تھیں جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تب معلوم ہوا کہ حضرت زینب کا ہاتھ صدقہ اور خیرات میں سب سے لانبا تھا کیونکہ وہ اپنے دست و بازو سے کماتی تھیں دباغت کا کام جانتی تھیں اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ سب خدا کی راہ میں خیرات کر دیتی تھیں۔ کفن بھی زندگی ہی میں تیار کر لیا تھا۔ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ غالباً عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی میرے لئے کفن بھیجیں گے۔ ایک کفن کام میں لے آنا اور دوسرا صدقہ کر دینا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کے لئے بھیجے۔ حضرت عمر ہی کے بھیجے ہوئے کفن میں ان کو کفنایا گیا اور وہ کفن جو خود حضرت زینب نے تیار کر رکھا تھا ان کی بہن حمنہ نے صدقہ کر دیا۔

(اخرجہ ابن سعد)

عمرہ کہتی ہیں کہ جب حضرت زینب کا انتقال ہو گیا تو میں نے عائشہ صدیقہ کو یہ کہتے سنا:۔

لقد ذهبت حميدة متعبدة مفزع اليتامى والارامل	افسوس آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی اور عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کا ٹھکانہ تھی۔

سن بیس ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی

انتقال کے وقت پچاس یا ترپن سال کی عمر تھی اور جس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا تھا اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ (اصابہ ص ۳۱۴ ج ۴ ترجمہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنھا)

مسئلۂ حجاب پر ایک اجمالی نظر

تمام حضرات انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور پھر تمام حکماء عالم اور دنیا کے تمام اہل عقل و اہل غیرت کا اس پر اتفاق ہے کہ زنا ایک بدترین جرم ہے کہ جو غیرت اور ناموس کے لئے ایک عظیم عار ہے اور اخلاقِ ذمیمہ اور افعال شنیعہ کا سرچشمہ ہے اور ایک طرف یہ مشاہدہ ہے کہ عورتوں کے دیکھنے سے مردوں کے دلوں میں اُن کی شیفتگی اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے اور اس طرح عورتوں کو مردوں کو دیکھنے سے عورتوں کے دل میں مردوں کا عشق پیدا ہوتا ہے۔ جو بسا اوقات بغیر جائز طریقہ (یعنی بغیر نکاح کے) قضاء شہوت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور طرفین کی عزت و ناموس اور حسب و نسب کی تباہی اور بربادی کا سبب ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں جو کچھ پیش آرہا ہے وہ بیان سے مستغنی ہے۔ ''می باید دید و دم نمی باید زد'' لہٰذا حکمت اور غیرت کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ یہ دروازہ بند کیا جائے اس لئے شریعتِ مطہرہ نے زنا سے حفاظت کے لئے احکام صادر کیے۔

(۱) وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى	اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح زینت کر کے باہر نہ نکلو۔

(۲) اور اگر گھر میں بیٹھے بیٹھے غیر مرد سے بات چیت کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کا حکم یہ ہے۔

لَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا	یعنی اگر تم کو نامحرم مرد سے بات کرنے کی ضرورت ہو تو نزاکت اور نرمی کے ساتھ بات مت کرو مبادا جس کے دل میں شہوت کی بیماری ہو وہ تمہارے اندر طمع لگا بیٹھے اور بات کرو سیدھی۔

(۳) یہ حکم تو عورتوں کو ہوا مردوں کو یہ حکم ہوا۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذَالِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ

اور اے مردو جب تم عورتوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو یہ خصلت اور سوال کا یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں کی طہارت کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۴) اور مردوں کو یہ حکم دیا کہ کسی غیر عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھو۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ

(۵) شریعت نے عورت کی اذان اور اقامت اور اس کی امامت کو ممنوع قرار دیا۔

(۶) عورت کا جہری نماز میں جہراً پڑھنا ممنوع قرار دیا۔

(۷) عورت کا حج میں آواز کے ساتھ لبیک کہنا ممنوع قرار دیا۔

(۸) جوان عورت کا نامحرم مرد کو محض سلام کرنا ناجائز قرار دیا۔

(۹) اجنبیہ عورت سے بدن دبوانے کو ممنوع قرار دیا۔

(۱۰) آئینہ یا پانی میں جو اجنبیہ کا عکس پڑتا ہو اس کا دیکھنا ممنوع قرار دیا۔ اسی بناء پر عورت کے فوٹو کا دیکھنا اور بھی ناجائز ہوگا۔ کیونکہ پانی کے عکس سے فوٹو کا دیکھنا زیادہ باعث فتنہ ہے۔

(۱۱) اجنبی عورت کے تذکرہ کو بطور لذّت ممنوع قرار دیا۔

(۱۲) اجنبیہ عورت کے تصوّر سے لذات لینے کو حرام قرار دیا۔

(۱۳) حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنی ہی بیوی سے متمتع ہو اور تصور کسی اجنبیہ کا کرے تو وہ بھی حرام ہے۔

(۱۴) اجنبی مرد کے سامنے کا بچا ہوا طعام عورت کے لئے استعمال کرنا اگر بطور لذّت ہو تو مکروہ ہے۔ اور علیٰ ہذا اس کا عکس یعنی عورت کے سامنے کا بچا ہوا کھانا مرد کے لئے مکروہ ہے۔

(۱۵) اجنبیہ سے مصافحہ کرنا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا ممنوع قرار دیا۔ جیسا کہ بعضے جاہل پیر عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ عورتوں کو بیعت کیا جائے تو ان کی بیعت مِنْ وَّرَاءِ الْحِجَابِ (پس پردہ) سے ہوگی اور زبانی ہوگی دست بدست نہ ہوگی اہلِ عقل اور اہلِ غیرت۔ غور فرمائیں کہ زنا سے تحفظ اور عزت و ناموس کی حفاظت کا

اس سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے جو شریعت نے بتلایا۔ ہندوستان کی شرم و حیاء عفت و غیرت ضرب المثل تھی۔ ان دلدادگانِ تہذیب جدید نے اپنے لیکچروں سے اس پر پانی پھیر دیا ہے۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حدیث نبوی

حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طویل خطبہ مذکور ہے جس کا ایک جواہر پارہ یہ ہے النّسآءُ حبالة الشّیطان۔ (دیکھو فیض القدیر ص ۱۷۷ ج ۲)

یعنی عورت شیطان کا ایک جال ہے جس کے ذریعے وہ لوگوں کا شکار کرتا ہے جال میں پھنسا کر اس کی شہوت پرستی کا تماشا لوگوں کو دکھلاتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام کا قول ہے

امش وراء الاسد ولا تمش وراء المرأة	شیر کے پیچھے چل لینا مگر کسی عورت کے پیچھے نہ چلنا۔

یعنی شیر کے پیچھے چلنے میں اتنا خطرہ نہیں جتنا کہ عورت کے پیچھے چلنے میں خطرہ ہے اور بعض حکماء کا قول ہے۔

ایاك ومخالطة النّساء فان لحظات المرأة سَهمٌ وَلفظها سَمٌّ (فیض القدیر ص ۱۷۷ ج ۲)	عورتوں کے اختلاط سے اپنے آپ کو بچانا عورت کی نظر ایک تیر ہے اور اس کی بات سُم قاتل یعنی سنکھیا ہے۔

حجاب کے فوائد اور بے حجابی کے مفاسد

شریعت اسلامیہ نے حجاب کا حکم دیا۔

(۱) تا کہ زنا سے حفاظت ہو جائے (۲) اور تا کہ عفت مآب خواتین کا چہرہ اوباشوں کی ناپاک نظروں سے محفوظ ہو جائے (۳) اور تا کہ اُنکے حسب و نسب پر کسی قسم کا داغ نہ آنے پائے کہ کوئی بد باطن ان کی اولاد میں شک اور شبہ نہ ڈال سکے کہ یہ ان کی اولاد نہیں اور باپ

یقین کے ساتھ یہ کہہ سکے کہ یہ میرا بیٹا ہے یا میری بیٹی ہے بے پردہ عورت کی اولاد کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اولاد اسی کے شوہر کی ہے۔

مغربی ممالک کو دیکھ لیجئے کہ وہاں بے پردگی اور اختلاط مردوزن سے زنا اور اولاد زنا کی جو کثرت ہے وہ بیان سے باہر ہے عیاں راچہ بیان اسی بے پردگی کی وجہ سے یورپ میں زنا کی اس قدر کثرت ہوگئی ہے کہ کس کو صحیح النسب کہنا بہت مشکل ہے (۴) اور تا کہ مرد وعورت کا دل۔ شیطان کے وسوسوں سے پاک اور ستھرا رہے۔ جب مرد وعورت ایک دوسرے کی طرف نظر کرتے ہیں۔ تب شیطان کو دل میں بُرے خیالات ڈالنے کا موقعہ ملتا ہے۔ (۵) اور تا کہ عورت کی عفت شوہر اور خاندانی نظروں میں شبہ اور تہمت کے واہمہ سے بھی پاک رہے مرد جب یہ دیکھے گا کہ اس کی بیوی یا بہن یا بیٹی۔ کسی سے ہمکلام ہو رہی ہے تو اگر عقل اور غیرت والا ہوگا تو تلملا اٹھے گا۔ اور بے عقل اور بے غیرت سے ہمارا کوئی خطاب نہیں اللہ تعالیٰ ہم کو ایسے بے غیرتوں کا چہرہ نہ دکھلائے۔ آمین ثم آمین

ایسے بے غیرت لوگوں سے پردہ تو عقلاً واجب معلوم ہوتا ہے اور ایسوں کی صحبت اور مجالست عقلاً وشرعاً دونوں ناجائز ہے۔

حکایت

ابلیسِ لعین کا لوگوں کے پھنسانے کے لئے حق تعالیٰ سے دامِ محکم (مضبوط جال) دیئے جانے کی درخواست کرنا اور حق تعالیٰ کی طرف سے مختلف جالوں کا اس کے سامنے پیش ہونا۔ اور اخیر میں عورتوں کے دام اور جال کے پیش ہونے سے ابلیس کا خوش ہو جانا اور جوشِ مسرت میں اس کا اچھل جانا اور ناچنا اور رقص کرنا۔

عارف رومی قدس اللہ سرہ السامی مثنوی کے دفتر پنجم میں فرماتے ہیں

گفت ابلیسِ لعین دادار را
دام زفتے خواہم این اشکار را

ابلیس لعین جب بارگاہ خداوندی سے راندۂ درگاہ ہوا تو قسم کھائی فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ یعنی قسم ہے تیری عزت اور جلال کی میں البتہ ضرور گمراہ کروں گا اولادِ آدم کو اور ان کے بہکانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا۔

مگر تیرے خالص اور چیدہ اور برگزیدہ بندوں کو میں گمراہ نہ کر سکوں گا۔ بعد ازاں ابلیسِ لعین نے خدائے عادل سے یہ درخواست کی کہ مجھے انسان کا شکار کرنے کے لئے ایسا مضبوط جال درکار ہے کہ جس میں پھنسنے کے بعد وہ نکل نہ سکے حق تعالیٰ شانہٗ نے شیطان کے سامنے مختلف جال پیش کیے

زر و سیم و گلۂ اسپش نمود
کہ بدیں تانی خلائق را ربود

حق تعالیٰ نے سب سے پہلے شیطان کے سامنے سونے اور چاندی اور گھوڑوں کے گلہ کا جال پیش کیا اور یہ چیزیں دکھلا کر فرمایا کہ تو ان چیزوں کے ذریعے سے لوگوں کو پھانس سکتا ہے۔

کیونکہ لوگ بالطبع ان چیزوں کی طرف مائل ہیں ان چیزوں کے ذریعہ انسان کا شکار کرنا اور جال میں پھنسانا آسان ہے کما قال تعالیٰ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ

گفت شاباش و ترش آویخت لنج
شد ترنجیدہ و ترش ہمچوں ترنج

شیطان نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ ہاں یہ سیم و زر کا جال اچھا ہے مگر ترنج کی طرح تلخ اور ترش رو ہو گیا اور ترشی سے ہونٹ لٹکایا۔

پس جواہرہا زمعد نہائے خوش
کرد آں پس ماندہ راحق پیش کش

جب شیطان نے سیم و زر کے جال کو پسند نہ کیا تو حق تعالیٰ نے اس راندۂ درگاہ کے سامنے کانوں کے بیش بہا جواہرات کا جال پیش کیا۔

گیر ایں دام دگر را اے لعین
گفت زیں افزوں دہ اے نعم المعین

اور جواہرات سامنے کر کے یہ فرمایا کہ اے لعین یہ دوسرا دام ہے جا اسے لیجا شیطان نے

کہا اے نعم المعین (بہترین مددگار) اس سے بڑھ کر اور بہتر جال عطا فرمایئے سیم وزر کی طرح جواہرات کا جال بھی پورا مضبوط نہیں۔

چرب و شیرین و شرابات ثمین
دادش و پس جامۂ ابریشمین

بعدازاں حق تعالیٰ نے اس کو چرب اور شیریں کھانے اور آتشی شراب اور قیمتی ریشمین کپڑے دکھلائے کہ اچھا اس جال کو لیلے۔

گفت یارب بیش ازیں خواہم مدد
تا بہ بندم شان بحبل من مسد

شیطان بولا۔ اے مولا اس سے بڑھ کر جال چاہتا ہوں تا کہ بنی آدم کو ایسی مضبوط رسّی میں باندھوں کہ وہ اس کو توڑ نہ سکیں اور توڑ کر تیرے دروازہ کی طرف نہ دوڑ سکیں۔

تا کہ مستانت کہ نرّ و پُردل اند
مرد وارا ایں بندہا را بگسلند

تا بدیں دام و رسنہائے ہوا
مردِ تو گردد ز نامرداں جُدا

البتہ جو لوگ تیری شرابِ محبت سے مست ہیں۔ اور وہ واقع میں مردمیدان ہیں انکے دل تیری محبت سے لبریز ہیں وہ مردانہ وار میری ان رسّیوں اور بندھنوں کو توڑ کر پھینک دیں گے۔ اور سونے اور چاندی اور دنیا کی زیب وزینت کی طرف التفات نہ کریں گے۔ کما قال تعالیٰ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ اور اہل دنیا ان ہوا وہوس کے پھندوں میں پھنسیں گے۔ اور اس طرح تیری راہ کے جوانمرد نامردوں سے جُدا اور الگ ہو جائیں گے۔ اس لیے میں مضبوط جال چاہتا ہوں کہ مرد نامردوں سے جُدا اور ممتاز ہو جائیں۔

دام دیگر خواہم اے سلطان بخت
دام مرد انداز وحیلت ساز سخت

اے خداوند عالم میں اس سے بڑھ کر جال چاہتا ہوں کہ جو مردوں کو بھی ایسا عاجز کرنے والا ہو کہ انکا کوئی حیلہ اور تدبیر کارگر نہ ہو سکے۔

خمر و چنگ آورد پیش اونہاد
نیم خندہ زد بداں شد نیم شاد

حق تعالےٰ نے اس کے بعد شیطان کے سامنے ایک اور جال پیش کیا وہ یہ کہ شراب اور چنگ ورباب کا سامان اس کے سامنے رکھدیا۔ اس سامان کو دیکھ کر شیطان آدھا ہنسا اور آدھا خوش ہوا اور کچھ مُسکرایا اور سمجھا کہ یہ جال بھی اہلاک اور فساد دائمی کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے اس سے بڑھ کر جال کی درخواست کی۔

سوئے اضلال ازل پیغام کرد
کہ برآراز قعر بحر فتنہ گرد

نے یکے ازبند گانت موسیٰ است
پردہا در بحراواز گرد بست

آب ازہرسو عناں راواکشید
ازتگ دریا غبارے شد پدید

اور حق تعالےٰ سے اضلال ازلی کی استدعاء کی اور کہا کہ دریائے فتنہ کی گہرائی سے گرد و غبار اڑا دیجئے تا کہ اہل ہواوہوس دریائے فتنہ کوخشک سمجھکر اس میں قدم رکھیں، اور قبطیوں کی طرح اسمیں غرق ہوں جس طرح آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کوخشک کردیا اور سمندر میں گرد سے دیواریں قائم کردیں۔ اور پانی ہر طرف سے سمٹ کر آگیا۔ اور دریا کی گہرائی سے غبار بلند ہونے لگا۔ اسی طرح میرے لئے بھی دریائے فتنہ کوخشک کردے۔ اور اس کو میرے زیرفرمان بنادیجئے کہ جو فتنہ چاہوں اس کی گرد اڑا سکوں اور اولادِ آدم کو ہلاک کرسکوں۔ موسیٰ علیہ السلام آپ کے اسم ''ہادی'' کے مظہر تھے۔ اور میں اسم ''مُضِل'' کا مظہر ہوں۔ جس طرح آپ نے ان کی اتمام ہدایت کے لئے دریائے نیل کوخشک کرکے گمراہوں کوغرق کیا۔ اسی طرح میرے لئے اتمام اضلال کے لئے دریائے فتنہ کوخشک کردیجئے۔ اور دریائے فتنہ کومیرے لئے مسخر کردیجئے تا کہ کار اضلال مکمل ہوسکے۔ اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے ہدایت کا کام پورا ہوا۔ مجھ سے ضلالت (گمراہی) کا کام پورا ہوسکے۔

(ف) شاید ابلیس۔ کو موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا قبل از وقوع جو علم ہوا وہ غالبًا لوحِ محفوظ سے دیکھ کر ہوا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

دام محکم دہ کہ تا گردد تمام
وافگنم درکام ایشاں چوں لجام
درکمند آرم کشم شاں کش کشاں
تا کہ نتوانند سرپیچد ازاں

ابلیس نے کہا اے پروردگار کوئی ایسا محکم جال دیجئے کہ جس سے معاملہ ہی ختم ہو جائے اور کام ہی تمام ہو جائے اور میں ان کے منہ میں اس کو لگام کی طرح لگا دوں۔ اور اپنے جال میں پھنسا کر ان کو جدھر چاہوں کھینچتا پھروں اور وہ اس سے سر نہ پھیر سکیں۔ اور بازاروں اور گلیوں میں انکو لئے لئے پھروں تا کہ دنیا اُن کی شہوت رانی کا خوب تماشا دیکھ سکے۔

چونکہ خوبی زناں با او نمود
کہ زِ عقل و صبر مرداں می ربود

شیطان جب کسی جال سے بھی پورا خوش نہ ہوا تو حق جل شانہٗ نے اخیر میں عورتوں کا حسن و جمال اس کو دکھلایا کہ جو مردوں کی عقل اور صبر کو لے بھاگنے والا تھا اور فرمایا کہ اچھا یہ جال لیجا۔ اور اس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کر اور دریائے فتنہ کی گہرائی سے گرد و غبار اڑا۔

پس زد انگشتک برقص اندر فتاد
کہ بدہ زُوتر رسیدم بر مُراد

پس جس وقت عورتوں کے حسن و جمال کا جال شیطان کو دکھلایا گیا تو رقص کرنے لگا۔ اور ناچنے لگا اور چٹکیاں بجانے لگا اور عورتوں کے حسن و جمال کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہی وہ دریائے فتنہ ہے کہ جس سے کوئی صحیح سالم بچ کر نہیں گزر سکتا اور بولا کہ اے پروردگار یہ جال مجھ کو جلد دے دیجئے پس میں اپنی مراد کو پہنچ گیا لوگوں کے پھانسے کیلئے یہ بہترین جال ہے اور آگے اسی جال کے حال کا بیان ہے۔

چوں بدید آں چشمہائے پُرخمار
کہ کند عقل و خرد را در خمار

جب اس لعین نے دیکھا کہ عورتوں کی آنکھیں ایسی پرخمار ہیں۔ کہ عقل وخرد پر خمار (پردہ) ڈال دیتی ہیں۔

واں صفائے عارض آں دلبراں
کہ بسوزد چوں سپند ایں دل براں

اور اس نے دیکھا کہ ان حسین وجمیل دلبروں کے رخساروں کی صفائی اور خوبی دل کو حرمل کے مانند جلا کر رکھ دیتی ہے سپند حرمل کو کہتے ہیں جس کو بطور بخور آگ میں ڈال کر جلاتے ہیں۔

روو وخال وابرو ولب چوں عقیق
گوئیا خور تافت از پردہ رقیق

اور دیکھا کہ ان کا چہرہ اور خال اور ابرو اور عقیق کے مانند سرخ لب ایسے چمک رہے ہیں جیسے آفتاب باریک پردہ سے چمک رہا ہو۔

قد چوں سرو خراماں در چمن
خدّ ہمچوں یاسمین ونسترن

اور دیکھا کہ قد وقامت ایسا ہے جیسا کہ سرو چمن میں جھومتا ہو اور رخسار گل یاسمین اور نسترن کی طرح ہے۔

چوں کہ دید آں غُنج برجست او سبک
چوں تجلّی حق از پردہ تنک

جب ان سے یہ ناز وادا دیکھے تو اُچھل پڑا اور سمجھا کہ گمراہ کرنے اور وسوسہ کا بہترین جال ہے اور دراصل یہ باریک پردہ میں سے جمال کبریائی کا ایک پرتو تھا۔ اہل معرفت اور ارباب حقیقت نے اس فانی اور مجازی حسن وجمال کبریائی کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ عالم میں جہاں کہیں بھی حسن وجمال ہے وہ اسی نور السّمٰوات والارض کے حسن وجمال کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتَو ہے اور عالم کا ہر ہر ذرہ اسی کے حسن وجمال کا آئینہ ہے۔ لیکن یہ امر کہ کس آئینہ کی طرف نظر کرنا جائز ہے اور کس آئینہ کی طرف دیکھنا ناجائز ہے یہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلاۃ وَالسّلام نے بتایا۔ شریعت کہتی ہے کہ اپنی زوجہ کے حسن وجمال کی طرف تو نظر کرنا جائز ہے مگر دوسرے کی زوجہ کے حسن وجمال کی طرف تو نظر اٹھا کر دیکھنا قطعاً حرام ہے

حق تعالیٰ نے جو آئینہ تمکو دیا ہے اسکو دیکھو۔ دوسرے کے آئینہ کی استعمال کی اجازت نہیں حق تعالیٰ نے جو آئینہ تم کو دیا ہے صرف تم کو اس کے استعمال کی اجازت دی ہے اور اس کی اجازت نہیں کہ تم اپنا آئینہ دوسرے کو دکھلا سکو۔ چہ جائیکہ دے سکو۔ شریعت کہتی ہے کہ اپنی بیٹی اور بہن کی طرف چشم شفقت سے دیکھنا تو جائز ہے۔ اور چشم شہوت سے دیکھنا ناجائز ہے اور اپنے بیٹے کے حُسن و جمال کو بنظر محبت دیکھنا جائز ہے اور غیر کے لڑکے کے حسن و جمال کو دیکھنا زیر غور اور زیر نظر ہے جو شخص دوسروں کی بیوی بیٹی اور بہن کی طرف دیکھنے کو جائز قرار دیتا ہے وہ در پردہ دوسروں کو اپنی بیوی اور بہن کی طرف دیکھنے کی اجازت اور دعوت دیتا ہے جس پر کسی غیور کی غیرت ایک لمحہ کے لئے بھی راضی نہیں۔

عالمے شد والہ و حیران و دنگ
زاں کرشم وزاں دلالِ نیک شنگ

عورتوں کے ان کرشموں اور ناز و ادا اور شوخیوں کو دیکھ کر ایک دنیا مست و حیران اور دنگ رہ گئی۔ اس لئے شیطان کو سب سے زیادہ یہی جال پسند آیا۔ کہ گمراہ کرنے اور پھانسنے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ (حکایت ختم ہوئی)

(مثنوی دفتر پنجم صفحہ ۲۱۳ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔ مثنوی دفتر پنجم ص ۸۴ مطبوعہ کانپور)

حکایت مذکورہ کی اردو نظم

منقول از پیراہن یوسفی اردو ترجمہ منظوم مثنوی مولانا روم مصنفہ مولانا محمد یوسف علی شاہ صاحب گلشن آبادی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مطبع نول کشور

عرض کی ابلیس نے اللہ سے
دام دے اس صید کا بھاری مجھے
سیم و زر اور اسپ دکھلا کے اسے
کہ تو اس سے خلق کو لیجا سکے
منہ پھُلایا اور کہا کہ واہ واہ
ترش رو مثل ترنج ازبس ہوا

پس جواہر کان کے ازبسکہ خود
کردیئے ملعون پے حق نے پیش کش

دوسرا یہ دام لے تو اے لعین
بولا اس سے بڑھ کے دے تو اے معین

چرب وشیریں اور شرابِ آتشی
پس اُسے دی اور جامۂ ریشمی

بولا یارب اس سے بڑھ کر دے مدد
تا اُنھیں باندھوں بحَبْلٍ مِّن مَّسَدْ

تاکہ تیرے مست نرپرد جو ہیں
مرد کی مانند بندیں کاٹ دیں

تاکہ ساتھ اس جال ودام حرص کے
مرد تیرا ہو جدا نامرد سے

دوسرا چاہتا ہوں دام اے شاہ نجف
دامِ مرد انداز وحیلہ سازسخت

چنگ وبادہ آگے لا اسکے رکھا
خوش ہوا آدھا وہ اور آدھا ہنسا

گمرہی ازلی کا وہ سائل ہوا
گرد قعر بحر فتنہ سے تولا

نے کہ اک موسیٰ تیرے بندوں سے ہے
باندھے پردے بحر میں بس گرد سے

آب دریا ہر طرف سے ہٹ گیا
اور غبار اک تہہ سے دریا کے اُٹھا

دام دے مضبوط تا ہووے تمام
منہ میں ان کے ڈالوں میں مثل لگام

کھینچوں ان کو پھانس کر میں دام میں
تانہیں سر کو پھرا اس سے سکیں
جو بتائیں خوبیاں زن کی اُسے
کہ قرار وصبر مَرد ابتر کرے
بس لگا چٹکی بجانے ناچنے
کہ ملا مقصد مراتو جلد دے
جو کہ دیکھیں آنکھیں اس کی پُرخمار
کہ کرے عقل وخرد کو بے قرار
اور صفائی چہرۂ دلدار کو
کہ جلائے چوں سپند عاشق کو دو
خال وابرو دولب گویا کہ ہے
جلوۂ حق پردۂ باریک سے
قد ہے جو سرو چمن اندر چمن
اور رخ چوں یاسمین ونسترن
آن جو دیکھی تو تڑپا گود کے
چوں تجلی پردۂ باریک سے
عالم ایک حیران ہوا اور بسکہ دنگ
ان کرشموں سے کہ تھے وہ شوخ وشنگ

(حکایت ختم ہوئی پیرا ابن یوسفی ترجمہ منظوم مثنوی مولوی معنوی ص ۴۸ دفتر پنجم)

ام المؤمنین جویریہ بنت حارث بن ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت جویریہ حارث بن ضرار سردار بنی المصطلق کی بیٹی تھیں۔ پہلا نکاح مُسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا۔ جو غزوۂ مریسیع میں مارا گیا۔ اس غزوہ میں جہاں اور بہت سے بچے اور عورتیں گرفتار ہوئے۔ ان میں جویریہ بھی تھیں آں حضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اور چار سو درہم مہر مقرر کیا۔ آپ کی زوجیت میں آنے کا

مفصل قصہ غزوۂ بنی المصطلق کے بیان میں گزر چکا ہے ۵۰ھ میں انتقال کیا۔اس وقت آپ کا سن ۶۵ سال تھا مروان بن حکم نے جو اس وقت امیر مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔(اصابہ ترجمہ ام المؤمنین جویریہؓ) [1] عبادت کا خاص ذوق تھا۔عبادت کے لئے مسجد کے نام سے گھر میں ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔چنانچہ جامع ترمذی میں باسناد صحیح عبداللہ بن عباس۔حضرت جویریہ سے راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ علی الصباح تشریف لائے اور میں اپنی مسجد میں مشغول عبادت تھی۔آپ واپس چلے گئے قریب نصف النہار کے پھر تشریف لائے اور مجھ کو اسی طرح مشغول عبادت دیکھا۔فرمایا کیا تم اُس وقت سے اس وقت تک اسی حالت میں ہو۔میں نے کہا ہاں۔آپ نے فرمایا میں تم کو کچھ کلمات بتلائے دیتا ہوں وہ پڑھ لیا کرو۔وہ کلمات یہ ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَ خَلقِه ۳ بار سُبْحَانَ اللّٰہِ رضانفسه ۳ بار
سُبْحَانَ اللّٰہِ زِنَةَ عَرْشِه ۳ بار سُبْحَانَ اللّٰہِ مداد کلمَاتِه ۳ بار

مسلم اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرے بعد چار کلمے تین بار کہے ہیں۔اگر ان کو تیری تمام تسبیحوں کے ساتھ تولا جائے جو تو نے صبح سے اس وقت تک پڑھی ہیں تو وہ چار کلمات وزن میں بڑھ جائیں گے وہ کلمات یہ ہیں۔سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ عَدد خَلقِه وَرضانفسه، وزنة عرشه وَمداد کلمَاتِه
(زرقانی صفحہ ۲۵۵ ج ۳)

ام المومنین ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا

رَملہ آپ کا نام اور ام حبیبہ آپ کی کنیت تھی ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص تھا جو حضرت عثمان کی پھوپی تھیں۔بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا [2]
ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابتداء ہی میں مسلمان ہوئیں اور ان کے شوہر بھی اسلام لے

[1] الاصابہ۔ج:۴،ص:۲۶۵ [2] ان کا نام عبیداللہ تصغیر کے ساتھ ہے۔اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ان کے بھائی تھے وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔ام حبیبہ کے پہلے شوہر کا نام عبیداللہ تصغیر کے ساتھ ہے۔ان کا نام عبداللہ نہیں جیسا کہ بعض کتابوں میں غلطی سے لکھا گیا۔۱۲

آئے اور دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں جا کر ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ[1] رکھا اور اسی کے نام پر ام حبیبہ کنیت رکھی گئی۔ اور پھر اسی کنیت سے مشہور ہوئیں چند روز کے بعد عبید اللہ بن جحش تو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گیا۔ مگر ام حبیبہؓ برابر اسلام پر قائم رہیں۔

ام حبیبہ کہتی ہیں کہ عبید اللہ کے نصرانی ہونے سے پہلے میں نے اس کو نہایت بُری اور بھیانک شکل میں خواب میں دیکھا بہت گھبرائی جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے یہ خواب بیان کیا (کہ شاید متنبہ ہو جائے) مگر کچھ توجہ نہیں کی اور شراب و کباب میں برابر منہمک رہا۔ حتی کہ اسی حالت میں انتقال ہو گیا۔ چند روز کے بعد خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص یا ام المومنین [2] کہہ کر آواز دے رہا ہے جس سے میں گھبرائی عدت کا ختم ہونا تھا کہ یکا یک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا۔ رواہ ابن سعد (صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی صفحہ ۲۲ ج ۲)

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ اگر ام حبیبہ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بطور وکیل نکاح پڑھوا کر میرے پاس بھیجد و نجاشی نے اپنی باندی ابرہ کو ام حبیبہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک والا نامہ اس مضمون کا یعنی پیام کا آیا ہے اگر تم کو منظور ہو تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا لو ام حبیبہؓ نے اس پیام کو منظور کیا۔ اور خالد بن سعید بن العاص اموی کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ اور اس بشارت اور خوشخبری کے انعام میں ہاتھوں کے دونوں کنگن اور پیروں کی پازیب اور انگلیوں کے چھلّے جو سب نقرئی تھے۔ ابرہ کو دیدیئے جب شام ہوئی تو نجاشی نے حضرت جعفر اور تمام مسلمانوں کو جمع کر کے خود خطبۂ نکاح پڑھا۔ وہ خطبہ یہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْس السَّلَام الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ	حمد ہے خداوند قدوس اور خدائے غالب اور غرند اور جبار کی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق

[1] حبیبہ بھی صحابیہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ ہیں۔ اپنی والدہ ماجدہ حضرت ام حبیبہ کے ساتھ حبشہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ حبیبہ حبشہ میں پیدا ہوئیں یا مکہ میں واللہ اعلم اصابہ صفحہ ۳۰۵ ج ۴ ترجمہ ام المومنین رملہ بنت ابی سفیان۔

[2] ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ خواب دیکھ کر میں گھبرائی لیکن معاً ہی یہ تعبیر ذہن میں آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے نکاح فرمائیں گے۔

وَاَنَّـهُ الَّـذِي بشـربه عِيسىٰ بن مَرْيَم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّم اَمَّا بعد- فان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عَليه وسَلم كتب الى ان ازوجه ام حبيبة بنت ابى سفيان فاجبت الىٰ مادعا اِلَيْهِ رسول اللّٰـه صـلّى اللّٰه عَلَيـه وسَلَّمَ وقداصدقتها اربعماة دينار

ہیں۔ اور آپ وہی نبی ہیں جن کے عیسٰے بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے۔ امابعد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کردوں۔ میں نے آپ کے ارشاد کے مُطابق آپ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا۔

اور اسی وقت وہ چار سو دینار خالد بن سعید اموی کے حوالے کر دیئے اس کے بعد خالد بن سعید کھڑے ہوئے اور یہ تقریر فرمائی۔

الـحـمـد للّٰه احمده وَاستعينه وَاسْتغـفـره وَاشهـداَن لا الٰهَ الااللّٰـه وَحده لَاشـريْكَ لَـهٗ وَاشهـدان مـحـمَّـدًا عبده ورسوله ارسله بالهدىٰ ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون

الحمدللہ۔ میں اللہ کی حمد وثناء کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور رسول برحق ہیں۔ جن کو اللہ تعالے نے ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا ہے تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے اگر چہ مشرکین کو نا گوار ہو۔

امـا بـعـد- فـقـد اجبـت الـى مـادعـا اليـه رسـول اللّٰه صلى اللّٰـه عليـه وسلم وزوّجتـه ام حبيبة بنت ابى سفيان فبارك اللّٰه لرسـول اللّٰـه صلى اللّٰه عليه وسلّم

اما بعد میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام کو قبول کیا اور آپ سے ام حبیبہ کا نکاح کر دیا۔ اللہ تعالےٰ مبارک فرمائے۔

لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا نجاشی نے کہا کہ ابھی بیٹھیے۔ حضرات انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہیے۔ چنانچہ کھانا آیا اور دعوت سے فارغ ہو کر سب رخصت ہوئے مہر کی رقم جب حضرت ام حبیبہ کے پاس پہنچی تو ابرھہ کو بلا کر پچاس دینار اور دیئے ابرھہ نے یہ پچاس دینار اور وہ زیور جو پہلے دیا گیا تھا یہ کہکر سب واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو تاکید کر دی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں۔ اور آپ یقین کیجئے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی پیرو ہو چکی ہوں اور اللہ عز وجل کے لئے دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں۔ اور آج بادشاہ نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو اس سے میں ضرور آپ کے پاس ہدیہ بھیجیں۔ چنانچہ دوسرے روز ابرھہ بہت سا عود اور عنبر وغیرہ لیکر آپ کے پاس آئی ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ عود اور عنبر سب رکھ لیا اور اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائی۔ اس کے بعد ابرھہ نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے وہ یہ کہ آں حضرت ﷺ سے میرا اسلام کہدینا اور یہ عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہو گئی ہوں۔ میری روانگی تک ابرھہ کا یہ حال رہا کہ جب آتی تو یہی کہتی کہ دیکھو میری درخواست کو بھول نہ جانا چنانچہ جب مدینہ پہنچی تو یہ تمام حالات اور واقعات آپ سے بیان کیئے آپ مسکراتے رہے اخیر میں ابرھہ کا سلام پہنچایا آپ نے فرمایا وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ برکاتہٗ [۱]

۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا اور بعض کہتے ہیں کہ دمشق میں انتقال ہوا مگر صحیح یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا [۲]

چونکہ بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں لہذا اس حساب سے آں حضرت ﷺ کے نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۷ سال تھی اور وفات کے وقت ۷۴ سال کی تھی۔

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہ نے انتقال کے وقت مجھکو بلایا اور کہا کہ باہم سوکنوں میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ تم کو معلوم ہے۔ جو کچھ ہوا ہو وہ معاف کرنا۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے میں نے کہا سب معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اے عائشہ تم نے مجھ کو خوش کیا اللہ تعالیٰ تم کو خوش رکھے اور پھر ام سلمہ کو بلایا اور اُن سے بھی یہی گفتگو ہوئی (اخرجہ ابن سعد) اصابہ [۳]

---

۱ صفوۃ الصفوۃ۔ ج:۲،ص:۲۲۔ زرقانی ج:۳،ص۲۴۳ ۲ زرقانی۔ ج:۳،ص:۲۴۵۔
۳ الاصابہ۔ ج:۴۔ص:۲۳۶۔ صفوۃ الصفوہ ج۲،ص:۲۴

ام المومنین صَفِیّہ بنتِ حیی ابن اخطب رضی اللہ تعالےٰ عنہا

حضرت صفیہ۔ حیی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں حیی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السّلام کی اولاد میں سے تھا۔ ماں کا نام ضَرہ تھا پہلا نکاح سلام بن مشکم قرظی سے ہوا سلام کے طلاق دینے کے بعد کنانۃ بن ابی الحقیق سے نکاح ہوا۔ [۱] کنانہ غزوۂ خیبر میں مقتول ہوا۔ اور یہ گرفتار ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور یہی ان کا مہر قرار پایا۔ خیبر سے چل کر آپ مقام صہباء میں اترے جو خیبر سے ایک منزل ہے وہاں پہنچکر عروسی فرمائی اور یہیں ولیمہ فرمایا۔ [۲]

ولیمہ عجب شان سے ہوا چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا گیا۔ اور حضرت انس سے فرمایا کہ اعلان کردو کہ جس کے پاس جو کچھ سامان جمع ہو وہ لے آئے۔ کوئی کھجور لایا اور کوئی پنیر اور کوئی ستو لایا اور کوئی گھی لایا۔ جب اس طرح کچھ سامان جمع ہو گیا تو سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھا لیا اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی کچھ نہ تھا (بخاری و مسلم) مقام صہباء میں تین روز آپ نے قیام کیا۔ اور حضرت صفیہ پردہ میں رہیں جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو خود حضرت صفیہ کو اونٹ پر سوار کرایا۔ اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا کہ کوئی دیکھ نہ سکے گویا کہ یہ اعلان تھا کہ حضرت صفیہ ام المومنین ہیں۔ ام ولد نہیں۔ (بخاری و مسلم) [۳]

حضرت صفیہ جب آپ کی زوجیت میں آئیں تو آپ نے حضرت صفیہ کی آنکھ پر ایک سبز نشان دیکھا۔ فرمایا یہ کیسی سبزی ہے۔ حضرت صفیہ نے کہا ایک روز میں اپنے شوہر کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہی تھی کہ یہ خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آکر گرا ہے۔ یہ خواب میں نے اپنے شوہر سے بیان کیا۔ اس نے زور سے میرے ایک طمانچہ مارا اور کہا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔ اشارہ نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم کی طرف تھا۔ اخرجہ ابو حاتم والطبر انی برِجال الصحیح کلا ہما عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [۴]

حضرت صفیہ جب خیبر سے مدینہ آئیں تو حارثہ بن النعمان کے مکان میں اتاری گئیں اُن کے حسن و جمال کو سُنکر انصار کی عورتیں دیکھنے آئیں اور حضرت عائشہ بھی نقاب اوڑھ کر

۱ کسی شوہر سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ عیون الاثر ص ۳۰۷ ج ۲ ۲ عیون الاثر ج: ۲، ص: ۳۰۷

۳ زرقانی ج: ۳۔ صفحہ ۲۵۷ ۴ زرقانی۔ ج: ۳۔ ص: ۲۵۷۔

آئیں مگر آں حضرت نے پہچان لیا اور جب واپس ہوئیں تو پوچھا کہ اے عائشہ کیا دیکھا کہا ہاں ایک یہودیہ کو دیکھ آئی ہوں آپ نے فرمایا ایسا مت کہو وہ اسلام لے آئی ہے اور اس کا اسلام نہایت اچھا اسلام ہے۔ رواہ ابن سعد۔ اصابہ۔ ترجمہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱؎

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت صفیہ رو رہی ہیں۔ فرمایا کیوں روتی ہو کہا کہ عائشہ اور حفصہ مجھ کو چھیڑتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں زیادہ مکرم اور محترم ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کے چچا کی بیٹیاں بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو باپ میرے ہارون ہیں اور چچا میرے موسیٰ ہیں اور شوہر میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (اخرجہ الترمذی عن صفیۃ) ۲؎

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کو صفیہ سے اس قدر کافی ہے کہ وہ اتنی اور اتنی ہے یعنی اتنا چھوٹا قد ہے آپ نے فرمایا تو نے ایسا کلمہ کہا کہ اگر اس کو سمندر کے پانی میں ڈال دیا جائے تو سارے سمندر کو مکدر کر دے۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

ایک بار آپ سفر میں تھے کہ حضرت صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا حضرت زینب بنت جحش کے پاس اونٹ کچھ ضرورت سے زیادہ تھے آپ نے فرمایا اگر ایک اونٹ صفیہ کو دیدو تو بہتر ہے۔ انہوں نے کہا میں دونگی اس یہودیہ کو۔ آپ کو نا گوار گزرا اور دو یا تین مہینہ تک آپ اُن کے پاس نہیں گئے (رواہ ابن سعد) ۳؎

ایک بار تمام ازواج مطہرات مرض الوفات میں آپ کے پاس جمع ہوئیں حضرت صفیہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی میری یہ تمنا اور آرزو ہے کہ آپ کے بدلہ میں یہ تکلیف مجھ کو ہو جائے ازواج مطہرات نے آپسمیں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا۔

وَاللّٰہ انّھا لصادقۃ — خدا کی قسم البتہ تحقیق یہ سچی ہے۔ (اخرجہ ابن سعد بسند حسن)

۱؎ الاصابہ۔ ج:۴، ص:۳۴۷ ۲؎ ایضا الاصابہ ج:۴۔ ص:۳۴۷ ۳؎ اصابہ صفحہ ۳۴۷، ج ۴۔

ابوعمر بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ بڑی عقلمند اور بردبار اور صاحب فضل وکمال عورت تھیں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت صفیہ کی ایک باندی نے حضرت عمر سے جاکر یہ کہہ دیا کہ حضرت صفیہ ہفتہ کے دن کو بہت محبوب رکھتی ہیں۔ اور یہود کے ساتھ بہت سلوک کرتی ہیں۔ آپ نے حضرت صفیہ سے دریافت کر کے بھیجا۔ حضرت صفیہ نے کہا جب سے اللہ نے مجھ کو ہفتہ کے بدلہ میں جمعہ عطا فرمایا ہے۔ اس روز سے کبھی ہفتہ کو پسند نہیں کیا۔ رہے یہود سو اُن سے میری قرابتیں ہیں ان کی ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں حضرت عمر کو تو یہ جواب کہلا بھیجا اور اس کے بعد اس باندی سے دریافت کیا کہ تجھے اس کہنے پر کس نے آمادہ کیا۔ باندی نے اس وقت سچ سچ کہدیا کہ شیطان نے آمادہ کیا۔ حضرت صفیہ نے باندی سے فرمایا اچھا جاؤ تم آزاد ہو۔[۱]

سعید بن مسیب سے مرسلاً مروی ہے کہ جب حضرت صفیہ مدینہ آئیں تو آپ کے کانوں میں سونے کا کچھ زیور تھا۔ اس میں سے کچھ تو حضرت فاطمہ کو دیا۔ اور کچھ اور عورتوں کو۔ (اخرجہ ابن سعد بسند صحیح)[۲]

سُبحان اللہ پیغمبر کی زوجیت میں آئیں اور دنیا کا قصہ ختم کیا ماہ رمضان المبارک ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔[۳]

ام المومنین میمونہ بنتِ حارث رضی اللہ تعالےٰ عنہا

میمونہ[۴] آپ کا نام ہے باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔ ماہ ذی قعدہ ۷ھ میں جب آپ عمرۂ حدیبیہ کی قضاء کرنے کے لئے مکہ تشریف لائے اسوقت آپ کی زوجیت میں آئیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ آپ کی آخری بیوی تھیں جن کے بعد آپ نے پھر کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا آپ سے پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ ابورہم کے انتقال کے بعد آپ کی زوجیت میں آئیں۔ پانسو درہم مہر مقرر ہوا۔

---

۱ اصابہ صفحہ ۳۴۷ ج ۴ ۲ اصابہ ص ۳۴۷ ج ۴۔ ۳ زرقانی ج ۳ ص ۲۵۹ ۴ حضرت میمونہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ ہوتی تھیں۔ حضرت میمونہ کی بہن ام فضل عبداللہ بن عباس اور فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ اور حضرت عباس کی بیوی تھیں۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ سے پیام دیا تو حضرت میمونہ نے حضرت عباس کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت میمونہ سے آپ کا نکاح کر دیا۔ (رواہ احمد والنسائی)

روایات اس بارہ میں بہت مختلف ہیں کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے یا حلال تھے امام بخاری کے نزدیک یہی راجح ہے کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے۔

مکہ سے چل کر آپ مقام سرف میں ٹھہرے اور وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور عروسی دونوں مقام سرف ہی میں ہوئے اور ۵۱ھ میں مقام سرف میں اسی جگہ انتقال کیا جہاں عروسی ہوئی تھی۔ اور وہیں دفن ہوئیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی[1]

قبر میں عبداللہ بن عباس اور یزید بن اصم اور عبداللہ بن شداد اور عبیداللہ خولانی نے اتارا تین اوّل الذکر آپ کے بھانجے تھے اور چوتھے آپ کے پروردہ یتیم تھے[2]

یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جو آں حضرت ﷺ کی زوجیت میں رہیں۔ اور امہات المومنین کے لقب سے مشہور ہوئیں اور چند عورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن مقاربت سے پہلے ہی ان کو اپنی زوجیت سے جدا کر دیا۔ جیسے اسماء بنت نعمان[3] جونیہ اور عمرہ بنت یزید کلابیہ ان کا تذکرہ غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔

سراری یعنی کنیزیں

آں حضرت ﷺ کی چار کنیزیں تھیں جن سے دو مشہور ہیں:

۱۔ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

یہ آپ کی ام ولد ہیں آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم انہی کے بطن سے ہیں ماریہ قبطیہ کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

ماریہ قبطیہ نے حضرت عمر کے زمانۂ خلافت ۱۶ھ میں انتقال کیا اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

---

[1] اصابہ۔ ج:۴، ص ۴۱۱ [2] الاستیعاب۔ جلد:۴، ص ۴۰۸ [3] ان کے نکاح اور طلاق کا مفصل واقعہ اگر دیکھنا چاہیں تو فتح الباری ج ۹ صفحہ ۳۱۰ تا ص ۳۱۵ باب من طلق وھل یواجہ الرجل امرأتہ بالطلاق کی مراجعت کریں

۲۔ ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

ریحانہ۔ خاندان بنو قریظہ یا بنی نضیر سے تھیں اسیر ہو کر آئیں اور بطور کنیز آپ کے حضور میں رہیں۔ حجۃ الوداع کے بعد ۱۰ھ میں انتقال کیا۔ اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے اُن کو آزاد کر کے نکاح فرمایا تھا۔ واللہ اعلم

۳۔ نفیسہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا

نفیسہ اصل میں ام المؤمنین زینب بنت جحش کی جاریہ تھیں حضرت صفیہ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کے بارے میں حضرت زینب سے ناراض ہو گئے تھے۔ دو تین مہینہ تک آپ ناراض رہے۔ جب آپ راضی ہوئے تو حضرت زینب نے اس خوشی میں اپنی باندی نفیسہ آپ کو ہبہ کر دی تھی۔

ان کے علاوہ ایک اور کنیز تھیں جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

(زرقانی ص ۱۷۱ ج ۳ تا صفحہ ۲۷۴ ج ۳)

تعدّدِ ازدواج [۱]

تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ

---

[۱] ایک عورت کے لئے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجہ (۱) اگر ایک عورت چند مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ استحقاق نکاح ہر ایک کو قضاء حاجت کا استحقاق ہوگا اور اس میں غالب اندیشہ فساد اور عناد کا ہے۔ شاید ایک ہی وقت میں سب کو ضرورت ہو اور عجب نہیں کہ قتل تک نوبت پہنچے۔

۲۔ نیز مرد فطرۃً حاکم ہوتا ہے اور عورت محکوم اس لئے طلاق کا اختیار مرد کو ہے۔ جب تک وہ آزاد نہ کرے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی۔ جیسے باندی اور غلام خود آزاد نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ مالک کی طرف سے اعتاق (آزاد کرنا) نہ ہو۔ اسی طرح عورت بھی بغیر مرد کے آزاد کیے خود بخود نکاح سے آزاد نہیں ہو سکتی جب تک طلاق نہ ہو۔ غلاموں میں اگر اعتاق ہے تو یہاں طلاق ہے۔ پس اگر ایک عورت کے متعدد خاوند ہوں گے تو یہاں کہو کہ ایک عورت کے حاکم متعدد ہوں گے اور جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہوگی۔ اس لئے کہ ایک حاکم کے تحت تعدد محکوم ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ایک ایک حاکم کے تحت میں سو سو اور ہزار ہزار محکوم ہوتے ہیں۔ ایک بادشاہ کے تحت ملک کی رعایا ہوتی ہے۔ اس میں نہ کوئی ذلت ہے نہ کوئی مشقت لیکن اگر محکوم ایک ہو اور حاکم متعدد ہوں تو جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ ایک عورت کا متعدد شوہروں کے تحت میں رہنا عورت کے لئے انتہائی تحقیر اور تذلیل کا سبب ہے۔ نیز متعدد شوہروں کی خدمت بجالانا اور سب کو خوش رکھنا ناقابل برداشت مشقت ہے۔ اس لئے شریعت اسلامیہ نے ایک عورت کو دو یا چار مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا حتیٰ کہ حضرات انبیاء کرام بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دو بیویاں تھیں حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بھی متعدد بیویاں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بھی کئی بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السّلام کے بیسیوں بیویاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السّلام کے سو بیویاں تھیں اور توریت وانجیل اور دیگر صحفِ انبیاء میں حضرات انبیاء کی متعدد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں بھی تعدّد ازدواج کی ممانعت کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور حضرت یحیٰ علیہ السلام صرف یہ دو نبی ایسے گزرے ہیں کہ جنھوں نے بالکل شادی نہیں فرمائی۔ سو اگر ان کے فعل کو استدلال میں پیش کیا جائے تو ایک شادی بھی ممنوع ہو جائے گی۔ عیسے علیہ السّلام نے رفع الی السمآء سے پہلے اگرچہ شادی نہیں کی مگر نزول کے بعد شادی فرمائیں گے۔ اور اولاد بھی ہوگی جیسا کہ احادیث میں آیا

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

دی تاکہ عورت تحقیر اور تذلیل اور ناقابل برداشت مشقت سے محفوظ رہے پھر نہ معلوم کہ ایک عورت کے یہ چار شوہر ایک ہی مکان میں سکونت پذیر ہوں گے یا ایک محلّہ میں یا ایک شہر میں یا دوسرے شہر میں اور یہ ایک عورت ان چاروں شوہروں کی کس طرح خدمت بجالائے گی۔ جو عورتیں تعدد شوہری کے جواز کی قائل ہیں وہ ان سوالات کا جواب دیں۔

۳۔ نیز اگر عورت کے متعدد شوہر ہوں تو متعدد شوہروں کے تعلق سے جو اولاد پیدا ہوگی تو وہ کس کی اولاد ہوگی مشترکہ ہوگی یا منقسمہ۔ اور تقسیم کس طرح ہوگی۔ اگر ایک ہی فرزند ہوا تو چار باپوں میں کس طرح تقسیم ہوگا۔ اور اگر متعدد اولاد ہوئیں۔ اور نوبت تقسیم کی آئی تو بوجہ اختلاف ذکورت وانوثت وبوجہ تفاوت شکل وصورت اور بوجہ تباین خلق وسیرت اور بوجہ تفاوت قوت وہمت اور بوجہ تفاوت فہم وفراست موازنہ ممکن نہیں۔ جو ایک ایک کو لے کر اپنے دل کو سمجھائے اس تفاوت کی وجہ سے تقسیم اولاد کا مسئلہ غایت درجہ پیچیدہ ہو جائیگا اور نہ معلوم کہ باہمی نزاع سے کیا کیا صورتیں رونما ہوں۔

پھر بوجہ تساوی محبت جملہ اولاد ایک دوسری دقت پیش آئے گی کہ ایک کے وصال سے اتنا سرور نہ ہوگا جتنا کہ اوروں کے فراق سے رنج اٹھانا پڑے گا۔ پھر اس وجہ سے کہ خدا جانے کیا کیا فتنے برپا ہوں بہر طور اس نظام میں خرابیوں اور بربادیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس لئے شریعتِ حقہ نے ایک عورت کے لئے متعدد شوہروں کو ممنوع قرار دیا۔ ہندوؤں کی بعض قوموں میں ایک عورت کا پانچ پانڈوں کے نکاح میں ہونا جائز اور روا ہے۔ ان بے غیرتوں کو! اس کا احساس نہیں کہ ایک عورت کا کبھی کسی سے اور کبھی کسی سے ہم آغوش اور ہم کنار ہونا سراسر بے غیرتی اور بے حیائی ہے۔ اسلام عزت اور عفت اور عصمت کا مذہب ہے اس میں اس بے غیرتی کی کوئی گنجائش نہیں ہاں اگر کوئی عورت بے غیرت بن جائے تو اس کو اپنے نفس کا اختیار ہے۔ ہندوؤں کی طرح اگر اسکو پانچ پانڈے میسر آجائیں اور وہ اس کو قبول بھی کرلیں تو کرلے۔ تمام انبیاء کرام کے مسلمہ حکمتوں میں ایک حکمت یہ ہے کہ اِذَافَاتَكَ الحیاء فاصنع ماشئت جب تجھ سے حیاء جاتی رہی تو پھر جو چاہے کر۔

والسّلام خیر الختام

ہے۔ غرض یہ کہ علماء یہود اور علماء نصاریٰ کو مذہبی لحاظ سے تعدد ازدواج پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اسلام آیا اور اس نے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا۔ مگر اس کی حد مقرر کر دی کہ چار سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ نکاح سے مقصود عفت اور تحصین فرج ہے۔ یعنی پاک دامنی اور شرمگاہ کی زنا سے حفاظت مقصود ہے چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اُسکے حقوقِ زوجیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسّط کو ملحوظ رکھا نہ تو جاہلیت کی طرح غیر محدود وکثرت کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کُھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے بلکہ بَین بَین حالت کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی تا کہ:

ا۔ نکاح کی غرض وغایت یعنی عفت اور حفاظت نظر اور تحصین فرج اور تناسل اور اولاد بسہولت حاصل ہو سکے۔ اور زِنا سے بالکلیہ محفوظ ہو جائے اس لئے کہ قدرت نے بعض لوگوں کو ایسا قوی اور تندرست اور فارغ البال اور خوشحال بنایا ہے۔ کہ ان کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور بوجہ قوت اور توانائی۔ اور پھر خوشحالی اور تونگری کی وجہ سے چار بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دوسرے نکاح سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے تقویٰ اور پرہیزگاری اور پاکدامنی تو رخصت ہو جائے گی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

بلکہ

اگر ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں اور کروڑوں کی دولت موجود ہے اگر وہ اپنے خاندان کی چار غریب عورتوں سے اس لئے نکاح کریں کہ ان کی تنگدستی مبدّل بفراخی ہو جائے اور وہ غربت کے گھرانہ سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھرانے میں داخل ہوں اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطۂ نظر سے بلاشبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطۂ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی کا ثبوت ہوگا۔ جس دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانے سے ہر مہینہ دس ہزار مزدور اور دس ہزار

خاندان پر درش پاتے ہوں تو اگر اس دولتمند کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کی حرم سرائے میں داخل ہو جائیں اور عیش و عشرت اور عزت وراحت کے ساتھ ان کی عزت اور ناموس بھی محفوظ ہو جائے تو عقلاً و شرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔!

بلکہ

اگر کوئی بادشاہ یا صدرِ مملکت یا وزیر سلطنت یا کوئی صاحب ثروت ودولت بیمار پڑ جائے اور پھر بذریعہ اخبار کے یہ اعلان کرائے کہ چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور ہر عورت کو ایک لاکھ روپیہ مہر دوں گا اور ایک ایک بنگلہ کا ہر ایک کو مالک بنادوں گا جو عورت مجھ سے نکاح کرنا چاہے وہ میرے پاس درخواست بھیجدے۔

تو سب سے پہلے

انہی بیگمات کی درخواستیں پہنچیں گی جو تعدد ازدواج کے مسئلہ پر شور برپا کررہی ہیں۔ یہی مغرب زدہ بیگمات اور ہم رنگ میمات سب سے پہلے اپنے آپ کو اور اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کو لے کر امراء اور وزراء کے بنگلوں پر خود حاضر ہو جائیں گی اور عجب نہیں کہ ان بیگمات کا اتنا ہجوم ہو جائے کہ امیر یا وزیر کو انتظام کے لئے پولیس بلانا پڑ جائے۔ اور اگر کوئی امیر اور وزیران بیگمات کے قبول کرنے میں تامل کرے تو یہی بیگمات دلآویز طریقہ سے ان امیروں اور وزیروں کو تعدد ازدواج کے فوائد اور منافع سمجھائیں گی۔

۲۔ نیز عورت ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ خاوند سے ہم بستر ہو سکے کیونکہ اوّل تو لازمی طور پر ہر مہینہ میں عورت پر پانچ چھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام ماہواری جس میں مرد کو پرہیز کرنا لازمی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایام حمل میں عورت کو مرد کی صحبت سے اس لئے پرہیز ضروری ہوتا ہے کہ جنین کی صحت پر کوئی برا اثر نہ پڑے تیسرے یہ کہ بسا اوقات ایک عورت امراض کی وجہ سے یا حمل اور توالد اور تناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے منتفع ہو سکے۔ تو ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے

بہتر کوئی صورت نہیں کہ اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے ورنہ مرد اپنی خواہش کے پورا کرنے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کرینگے۔

حکایت

ایک بزرگ کی بیوی نابینا ہوگئی تو انھوں نے دوسرا نکاح کیا تا کہ یہ دوسری بیوی پہلی نابینا بیوی کی خدمت کر سکے۔

اہلِ عقل فتویٰ دیں کہ اگر کسی کی پہلی بیوی معذور ہوجائے اور وہ دوسرا نکاح اس لئے کرے تا کہ دوسری بیوی آ کر پہلی بیوی کی خدمت کر سکے اور اس کے بچوں کی تربیت کر سکے تو کیا یہ دوسرا نکاح عین مروت اور عین انسانیت نہ ہوگا۔

۳۔ نیز بسا اوقات عورت امراض کی وجہ سے یا عقیم (بانجھ) ہونے کی وجہ سے توالد اور تناسل کے قابل نہیں رہتی اور مرد کو بقاءِ نسل کی طرف فطری رغبت ہے۔ ایسی صورت میں عورت کو بے وجہ طلاق دے کر علیحدہ کر دینا یا اس پر کوئی الزام لگا کر اس کو طلاق دیدینا (جیسا کہ دن رات یورپ میں ہوتا رہتا ہے) بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے کہ اس کی زوجیت اور حقوق زوجیت کو باقی اور محفوظ رکھ کر شوہر کو دوسرے نکاح کی اجازت دیدی جائے۔ بتلاؤ کونسی صورت بہتر ہے۔ اگر کسی قوم کو اپنی تعداد بڑھانی منظور ہو تو اس کی سب سے بہتر تدبیر یہی ہوسکتی ہے کہ ایک ایک مرد کئی شادیاں کرے تا کہ بہت سی اولاد ہو سکے زمانۂ جاہلیت میں فقر اور افلاس کے ڈر سے صرف لڑکیوں کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے۔ اور موجودہ تہذیب وتمدّن کے دور میں ضبطِ تولید کی دَوائیں ایجاد ہوگئیں جس سے موجودہ تہذیب قدیم جاہلیت سے سبقت لے گئی اپنی ذہانت سے نسل کشی اور زنا اور بدکاری کی پردہ پوشی کے عجیب وغریب طریقے جاری کردیئے جواَب تک کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گزرے تھے۔

۴۔ نیز تجربہ اور مشاہدہ سے اور مردم شماری کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد قدرتاً اور عادۃً ہمیشہ مردوں سے زیادہ رہتی ہے۔ جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج کی ایک بیّن دلیل ہے۔ لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں۔ اور ہزاروں مرد جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ اور ہزاروں مرد کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلندیوں سے گر کر جاتے

ہیں۔اور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں پس اگر ایک مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور بے کار رہیں کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار بنے اور کس طرح یہ عورتیں اپنی فطری خواہش کو دبائیں اور اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں۔پس تعدد ازدواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان اور آبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے۔عورتوں پر اسلام کے اس احسان کا شکر واجب ہے کہ تم کو تکلیف سے بچایا اور راحت پہنچائی اور ٹھکانہ دیا۔اور لوگوں کی تہمت اور بدگمانی سے تم کو محفوظ کر دیا دنیا میں جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں بے کس عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو اس وقت ہمدردانِ قوم کی نگاہیں اس اسلامی اصول کی طرف اُٹھ جاتی ہیں ابھی پچیس سال قبل کی بات ہے کہ جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک جن کے مذہب میں تعدد ازدواج جائز نہیں۔عورتوں کی اس بے کسی کو دیکھ کر اندر ہی اندر تعدد ازدواج کا فتویٰ تیار کر رہے تھے مگر زبان سے دم بخود تھے جو لوگ تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ملک میں عورتیں لاکھوں کی تعداد میں مردوں سے زیادہ ہوں تو ان کی فطری اور طبعی جذبات اور ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لئے آپ کے پاس کیا حل ہے اور آپ نے ان بیکس اور بے سہارا عورتوں کی مصیبت دور کرنے کے لئے کیا قانون بنایا ہے۔حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہ المصالح العقلیہ ص ۲۷۳ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

گزشتہ مردم شماری میں بعض محاسبین نے صرف بنگال کے مردوں اور عورتوں کی تعداد پر نظر کی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج پر ایک بیّن دلیل ہے جس کو شک ہو وہ علیحدہ مردوں اور عورتوں کی تعداد کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہند میں ملاحظہ کر لے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ثابت ہوگی۔اس کے ساتھ ہی ہم اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ یورپ جس کو سب ممالک سے بڑھ کر تعدد ازدواج کی ضرورت سے منزّہ اور مبرّا سمجھا جاتا ہے عورتوں کی تعداد مردوں سے کس قدر زیادہ ہے چنانچہ برطانیہ کلاں میں بوئروں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ اُنہتر ہزار تین سو پچاس (۱۲۶۹۳۵۰) عورتیں ایسی تھیں کہ جن کے لئے ایک بیوی والے قاعدہ سے کوئی مرد مہیا نہیں ہو سکتا۔فرانس میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری

میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ تیئیس ہزار سات سونو زیادہ تھی۔ جرمن میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کے لئے ایک ہزار بتیس عورتیں موجود تھیں گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سواڑتالیس عورتیں ایسی تھیں جن سے شادی کرنے والا کوئی مرد نہ تھا۔

سوئڈن میں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سوستر (۱۲۲۸۷۰) عورتیں اور ہسپانیہ میں ۱۸۹۰ء کی مردم شماری میں چار لاکھ ستاون ہزار دو سو باسٹھ عورتیں تھیں۔

اور آسٹریا میں ۱۸۹۰ء میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زائد تھیں۔

اَب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کر لینا تو آسان ہے کہ ہم تعدّدِ ازدواج کو بُرا سمجھتے ہیں مگر یہ بتایا جائے کہ کم از کم ان چالیس لاکھ عورتوں کے لئے کونسا قانون تجویز کیا جائے کیونکہ ایک بیوی کے قاعدہ کی رُو سے یورپ میں تو ان کے لئے خاوند نہیں مل سکتے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسانی ضروریات کے لئے بنائے جاتے ہیں وہ انسانی ضروریات کے مُطابق بھی ہونے چاہئیں یا نہیں وہ قانون جو تعددازدواج کی ممانعت کرتا ہے وہ ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں اور ان کے دلوں میں مردوں کی کبھی خواہش پیدا نہ ہو لیکن یہ امر تو ناممکن ہے جیسا کہ خود بخود تجربہ اس کی شہادت دے رہا ہے پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جائز طریق سے روکے جانے کے باعث وہ ناجائز طریق اختیار کریں گی۔ اور اس طرح ان میں زنا کی کثرت ہوگی اور یہ تعددازدواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور یہ امر کہ اس سے زنا زیادہ پھیلے گا۔ خیال ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے جیسا کہ ہزارہا ولدالحرام بچوں کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں''

(حضرت تھانوی کا کلام ختم ہوا۔)

افسوس اور صد ہزار افسوس

کہ اہلِ مغرب اسلام کے اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعدد ازداج پر تو عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کی لاتعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدّن سمجھیں۔ زنا جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح اور

شرمناک فعل رہا مغرب کے مدعیان تہذیب کو اس کا قبیح ہونا نظر نہیں آتا۔ اور تعدد ازدواج جو کہ تمام انبیاء و مرسلین اور تمام حکماء اور عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے۔ ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری اور غیر عورتوں سے آشنائی جرم نہیں۔ ان مہذب قوموں میں تعدد ازدواج کی ممانعت کا تو قانون موجود ہے مگر زنا کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں۔

۵۔ تعدد ازدواج کے جواز اور استحسان کا اصل سبب یہ ہے کہ تعدّدِ ازدواج عفت اور پاکدامنی اور تقویٰ اور پرہیزگاری جیسی عظیم نعمت اور صفت کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ تعدد ازدواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشوں اور بیرونی افعال کا مطالعہ کریں۔ جو قومیں زبان سے پاک تعدد ازدواج کے منکر ہیں وہ عملی طور پر ناپاک تعدد ازدواج یعنی زنا اور بدکاری میں مبتلا اور گرفتار ہیں اور ان کی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے یہ ثابت کر دیا کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو موجود ہے۔ ورنہ ایک عورت پر قناعت کرتے۔ پس خداوند علیم و حکیم نے اپنے قانون میں انسانوں کی وسیع خواہشوں اور اندرونی سیلانوں کی رعایت فرما کر ایسا قانون تجویز فرمایا کہ جو مختلف جذبات والی طبائع کو بھی عفت اور تقویٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھ سکے۔

آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے متعدّد نکاح کیوں فرمائے؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ورطۂ ہلاکت اور گردابِ مصیبت سے نکالیں۔ اس کے لئے حق جل شانہٗ نے ایک مکمل قانون اور دستور العمل یعنی قرآن نازل فرمایا کہ جس کے بعد قیامت تک کسی قانون کی ضرورت نہ رہے۔ اور دوسرے آپ کی زندگی کو لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ بنایا کہ اس کو دیکھ کر عمل کریں۔ اس لئے کہ محض قانون لوگوں کی اصلاح کے لئے کافی نہیں جب تک کوئی عملی نمونہ سامنے نہ ہو کہ جو لوگوں کو اپنی طرف مائل کر سکے۔ اور دنیا یہ دیکھ لے کہ اللہ کا نبی جس چیز کی دعوت دے رہا ہے اس کے قول اور فعل میں ذرہ برابر اختلاف نہیں کما قال قال تعالیٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

انسانی زندگی کے دو پہلو

ہر انسانی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک بیرونی اور ایک اندرونی کسی کی عملی حالت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں رخوں کے حالات بے نقاب کیے جائیں۔

بیرونی زندگی اس حالت کا نام ہے جو انسان عام لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے اس حصہ کے متعلق انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت سے شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں۔

اور اندورنی زندگی سے خانگی زندگی مراد ہے جس سے انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے ہر فرد اپنے گھر کے چہار دیواری میں آزاد ہوتا ہے اور اپنی بیوی اور اہل خانہ سے بے تکلف ہوتا ہے انسان کی اخلاقی اور عملی کمزوریاں اہل خانہ سے پوشیدہ نہیں ہوتیں پس ایسی صورت میں انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے بہتر کسوٹی یہی ہے کہ اس کے خانگی حالات دنیا کے سامنے آجائیں۔

اسی طرح آں حضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے دو پہلو تھے ایک بیرونی زندگی اور ایک خانگی زندگی بیرونی زندگی کے حالات تو بتمام وکمال صحابہ کرام کی جماعت نے دنیا کو پہنچائے جس کی نظیر کسی ملّت اور مذہب میں نہیں کسی امت نے اپنے نبی کی زندگی کے حالات اس تفصیل و تحقیق اور تدقیق کے ساتھ تو کیا اس کا عشر عشیر بھی دنیا کے سامنے نہیں پیش کیا۔

اور خانگی اور اندرونی زندگی کے حالات کو اُمّہات المؤمنین یعنی ازواج مُطہرات کی جماعت نے دنیا کے سامنے پیش کیا جس سے اندرون خانہ آپ کی عبادت اور تہجد اور شب بیداری اور فقیری اور درویشی اور اخلاق اور عملی زندگی کے تمام اندرونی اور خانگی حالات دنیا کے سامنے آگئے جس سے حضور پُر نور کی خدا ترسی اور راست بازی اور پاکدامنی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ رات کی تاریکیوں میں جبکہ سوائے عالم الغیب کے کوئی دیکھنے والا نہ تھا کس طرح آپ اللہ کی عبادت میں ذوق وشوق کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔ جس کے لئے سورۂ مزمل شاہد عدل ہے۔

اس لئے

حضور پُر نور نے سوائے خدیجۃ الکبریٰ کے دس عورتوں سے نکاح فرمایا تا کہ عورتوں کی ایک

کثیر جماعت آپ کی خانگی زندگی دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔ اس لئے کہ بیوی جس قدر شوہر کے رازوں سے واقف ہوسکتی ہے کوئی دوسرا شخص ہرگز ہرگز واقف نہیں ہوسکتا۔ اس لیے حضور نے متعدد نکاح فرمائے۔ تاکہ آپ کی خانگی زندگی کے تمام حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں اور ایک کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کا شک اور شبہ باقی نہ رہے اور شریعت کے وہ احکام ومسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں سے بیان کرنے میں حیا اور حجاب مانع ہوتا ہے ایسے احکام شرعیہ کی تبلیغ ازواج مطہرات کے ذریعہ سے ہوجائے اور حضور پُرنور کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا معاذ اللہ حظ نفس کے لئے نہ تھا اس لئے کہ حضور نے سوائے ایک شادی کے تمام شادیاں بیواؤں سے کی ہیں۔ جو نہ اپنے حسن وجمال کی خاطر مشہور تھیں اور نہ مال ودولت کے اعتبار سے بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اور نہ آپ کے یہاں کوئی عیش وعشرت کا سامان تھا۔ بلکہ فقط مقصود یہ تھا کہ عورتوں کے متعلق جو شریعت کے احکام ہیں ان کی تبلیغ عورتوں ہی کے ذریعے ہوسکتی ہے۔ اور ازواج مطہرات کے حجرے درحقیقت امت کے امہات اور معلمات کے حجرے تھے۔

جس ذات بابرکات کے گھر میں دو دو مہینہ تو انہ چڑھتا ہو اور پانی اور کھجور پر اس کا اور اس کی بیویوں کا گزارہ ہو اور جس کا دن مسجد میں اور رات مصلے پر کھڑے ہوئے اس طرح گزرتی ہو کہ اللہ کے سامنے کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آجائے وہاں عیش وعشرت کا تصور ہی محال ہے۔

اولادِ کرام

آں حضرت ﷺ کی اولاد کے بارے میں اقوال مختلف ہیں سب سے زیادہ معتبر اور مستند قول یہ ہے کہ تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔

قاسم۔ عبداللہ۔ جن کو طیب اور طاہر کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ ابراہیم۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ فاطمۃ الزہراء صاحبزادیوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں بالاتفاق چاروں تھیں بڑی ہوگئیں۔ بیاہی گئیں۔ اسلام لائیں۔ ہجرت کی۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں یہ بالاتفاق آپکی ام ولد ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ابراہیم کے سوا تمام اولاد حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے ہے اور کسی بیوی سے آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت خدیجہ کے بطن سے جس قدر لڑکے پیدا ہوئے وہ سب بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے اس لئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے جمہور علماء سیر کا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے ایک قاسم اور دوسرے عبداللہ اور حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ ہی کا دوسرا نام طیب و طاہر بھی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ جو حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ کے علاوہ تھے۔ اس قول کی بناء پر حضرت خدیجہ کے بطن سے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد برابر ہو جاتی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے چھ صاحب زادے ہوئے پانچویں اور چھٹے صاحب زادے کا نام مطیّب اور مطہّر تھا۔ واللہ اعلم[1]

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے اور بعثت نبوی سے پیشتر ہی انتقال کر گئے۔ صرف دو سال زندہ رہے اور بعض کا قول ہے کہ سن تمیز کو پہنچکر وفات پائی۔ اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہی کے انتساب سے تھی۔ (زرقانی صفحہ ۱۹۴۔ ج ۳)

حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا

حضرت زینب آپ کی صاحب زادیوں میں بالاتفاق سب سے بڑی ہیں بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اور اسلام لائیں۔ اور بدر کے بعد ہجرت کی۔ اپنے خالہ زاد بھائی۔ ابوالعاص بن ربیع سے بیاہی گئیں۔ حضرت زینب کی ہجرت کا مفصل واقعہ اسیران بدر کے بیان میں گزر چکا ہے۔ شروع ۸ھ میں انتقال کیا ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی۔ لڑکے کا نام علی تھا۔ اور لڑکی کا نام امامہ تھا۔

علی کے متعلق روایتیں مختلف ہیں مشہور قول یہ ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر اپنے والد ابوالعاص کی حیات ہی میں انتقال کر گئے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ معرکۂ یرموک میں شہید ہوئے۔

[1] زرقانی ج:۳۔ص:۱۹۳۔

امامہ سے آں حضرت ﷺ بہت محبت فرماتے تھے امامہ آپ سے بہت مانوس تھیں۔ بعض اوقات نماز میں آپ کے دوش مبارک پر چڑھ جاتی تھیں آپ آہستہ سے ان کو اتار دیتے تھے۔　　(کما اخرجہ البخاری ومسلم)

ایک بار آں حضرت ﷺ کے پاس ہدیہ میں ایک زرّین ہار آیا۔ تمام ازواج مطہرات اس وقت جمع تھیں۔ اور امامہ گھر کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ ہار میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ سب کا گمان یہ تھا کہ حضرت عائشہ کو عطا فرمائیں گے لیکن آپ نے امامہ کو بلایا اور اول اُن کی آنکھوں کو اپنے دست مبارک سے پونچھا اور پھر وہ ہار ان کے گلے میں ڈالا۔　　(اخرجہ ابن سعد واحمد وابویعلی بسند حسن عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت فاطمہ کے انتقال کے بعد حضرت علی نے امامہ سے نکاح کیا اور جب حضرت علی نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی کہ تم امامہ سے نکاح کر لینا۔ بعض کہتے ہیں کہ مغیرہ کے حضرت امامہ سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ امامہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور حضرت امامہ نے مغیرہ کے یہاں وفات پائی۔[1]

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم۔ آپ کی یہ دونوں صاحبزادیاں ابولہب کے بیٹوں سے منسوب تھیں۔ رقیہ۔ عتبہ بن ابی لہب سے اور ام کلثوم کا عتیبہ بن ابی لہب سے فقط نکاح ہوا تھا عروسی نہیں ہوئی تھی۔ جب تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔ نازل ہوئی تو ابی لہب نے بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے تو سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور عروسی سے پہلے ہی آپ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دیدی۔ آپ نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ حضرت عثمان نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت رقیہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ کچھ عرصہ تک آپ کو ان دونوں کی کچھ خبر معلوم نہ ہوئی ایک عورت آئی اور اس نے یہ خبر دی کہ میں نے دونوں کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا۔

---

[1] زرقانی۔ ج: ۳، ص ۱۹۵۔

صحبهما الله ان عثمان اول من هاجر باهله بعد لوط (رواه ابن المبارک وغیرہ)	اللہ ان دونوں کے ساتھ ہو تحقیق عثمان لوط علیہ السلام کے بعد پہلا شخص ہے جس نے مع اہل وعیال کے ہجرت کی ہے۔

وہاں جا کر ایک بچّہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ چھ سال زندہ رہ کر انتقال کر گیا۔

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت رقیہ بیمار تھیں اسی وجہ سے حضرت عثمان غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے ان کی تیمارداری میں رہے عین اُسی روز کہ جس روز حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی فتح اور مشرکین کی ہزیمت کی بشارت اور خوشخبری لیکر مدینہ آئے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انتقال فرمایا حضرت رقیہ کی علالت کی وجہ سے اسامہ بن زید بھی بدر میں شریک نہیں ہوئے صاحبزادی کے دفن میں مشغول تھے کہ یکایک تکبیر کی آواز سنائی دی۔ حضرت عثمان نے پوچھا اے اسامہ یہ کیا ہے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ زید بن حارثہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ پر سوار ہیں اور مشرکین کے قتل کی بشارت لے کر آئے ہیں انتقال کے وقت بیس سال کی عمر تھی۔[1]

حضرت امّ کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا

امّ کلثومؓ اسی کنیت کے ساتھ مشہور تھیں بظاہر یہ کنیت ہی آپ کا نام تھا۔ اسکے علاوہ آپ کا کوئی نام ثابت نہیں۔ حضرت رقیہ کی وفات کے بعد۔ ماہ ربیع الاوّل ۳ھ کو حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں چھ سال حضرت عثمان کے ساتھ رہیں اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ماہ شعبان ۹ھ میں انتقال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی حضرت علی اور فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے قبر میں اتارا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔[2]

حضرت امّ کلثوم۔ پہلے ابولہب کے بیٹے **عتیبہ** سے منسوب تھیں باپ کے کہنے پر طلاق دیدی۔ طلاق تو دوسرے بیٹے عُتْبَہ نے بھی حضرت رقیہ کو دیدی تھی۔ مگر عُتَیْبَہ نے فقط طلاق پر اکتفا نہ کی بلکہ طلاق دیکر آپ کے پاس آیا اور یہ کہا۔

---

[1] الاصابہ۔ ج:۴، ص:۳۰۴ [2] زرقانی ج:۳، ص:۱۹۹

کہ میں آپ کے دین کا منکر ہوں اور آپ کی بیٹی کو طلاق دیدی ہے وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا اس کے بعد آپ پر حملہ کیا اور آپ کا پیراہن چاک کر دیا۔ آپ نے بد دعا فرمائی کہ اے اللہ اس پر کوئی درندہ اپنے درندوں میں سے مسلّط فرما۔ چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا جا کر مقام زرقاء میں اُترا ابولہب اور عُتیبہ بھی اس قافلہ میں تھے۔ رات کے وقت ایک شیر آ گیا وہ شیر قافلہ والوں کے چہروں کو دیکھتا جاتا تھا۔ اور سونگھتا جاتا تھا۔ جب عتیبہ پر پہنچا تو فوراً اس کا سر چبالیا۔ عُتیبہ کا اُسی وقت دم نکل گیا اور شیر ایسا غائب ہوا کہ کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔ مفصل قصہ انشاء اللہ تعالےٰ معجزات کے بیان میں آئے گا[1]

حضرت ام کلثوم کا انتقال ہو گیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میرے دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمان کی زوجیت میں دیتا رہتا۔ رواہ الطبرانی منقطع الاسناد[2]

حضرت فاطمۃ الزّہراء رضی اللہ تعالےٰ عنہا

فاطمہ آپ کا نام اور زہراء اور بتول یہ دو آپ کے لقب تھے۔ حضرت سیّدہ کو بتول اس لیے کہا جاتا ہے کہ بتول بتل بمعنی قطع سے مشتق ہے کہ اپنے فضل و کمال کی وجہ سے دُنیا کی عورتوں سے منقطع تھیں یا یہ کہ ماسوی اللہ منقطع اور علیحدہ تھیں اور بوجہ باطنی زہرت و بہجت وصفاء و نورانیت "زہراء" کہلاتی تھیں۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ بعثت کے پہلے سال میں پیدا ہوئیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ بعثت سے پانچ سال پیشتر پیدا ہوئیں جبکہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے[3]

آپ کی تمام صاحبزادیوں میں حضرت فاطمۃ الزہراء سب سے چھوٹی ہیں سب سے بڑی حضرت زینب ہیں۔ پھر حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم پھر حضرت فاطمہ۔ اس ترتیب سے پیدا ہوئیں۔ (استیعاب لابن عبدالبر ص ۳۷۳ ج ۴ ترجمہ فاطمۃ الزہراء حاشیہ اصابہ)

۲ھ میں حضرت علی کے ساتھ نکاح ہوا پہلے قول کی بنا پر حضرت فاطمہ اس وقت پندرہ

---

۱ زرقانی ج:۳، ص:۱۹۹ ۲ مجمع الزوائد ج:۹، ص:۲۱۷ ۳ زرقانی، ج:۳، ص:۲۰۲

سال اور ساڑھے پانچ مہینہ کی تھیں۔ اور دوسرے قول کی بنا پر اُنّیس سال اور ڈیڑھ مہینہ کی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کس سن میں اسلام لائے ایک قول یہ ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں اور دوسرا قول یہ ہے کہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے پہلے قول کی بنا پر نکاح کے وقت حضرت علی کی عمر اکیس سال اور پانچ مہینہ ہوگی اور دوسرے قول کی بنا پر چوبیس سال اور ڈیڑھ مہینہ ہوگی (زرقانی ص ۲۰۴ ج ۳)

حضرت فاطمہ کے نکاح کی تفصیل ۲ھ کے واقعات میں گزر چکی ہے۔

حضرت فاطمہ کے پانچ اولاد ہوئیں تین لڑکے اور دو لڑکیاں۔ حسن۔ حسین۔ مُحسن۔ ام کلثوم۔ زینب۔

سوائے حضرت فاطمہ کے اور کسی صاحب زادی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کا سلسلہ نہیں چلا۔

محسن تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے اور حضرت ام کلثوم سے حضرت عمر نے نکاح فرمایا۔ اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اور حضرت زینب کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا اور اُن سے اولاد ہوئی[۱]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ مہینہ بعد ماہ رمضان ۱۱ھ میں حضرت فاطمۃ الزہراء نے انتقال فرمایا۔ حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علی اور حضرت عباس اور فضل بن عباس نے قبر میں اتارا۔ (اصابہ۔ ترجمہ حضرت فاطمۃ الزہراء)[۲]

فضائل ومناقب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں بار بار آپ نے فرمایا ہے کہ اے فاطمہ کیا تو اسپر راضی نہیں کہ تو جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تو تمام عالم کی عورتوں سردار ہے سوائے مریم کے۔ آپ کا معمول تھا کہ جب آپ سفر میں جاتے تو سب سے اخیر میں حضرت فاطمہ سے ملتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ کے پاس جاتے۔[۳]

---

۱ زرقانی۔ ج:۳، ص:۳۰۷۔ ۲ الاصابہ ج:۴، ص:۳۷۹ ۳ زرقانی۔ ج:۳، ص:۲۰۴

حضرت سیّدہؓ کے فضائل ومناقب کے لئے ایک مُستقل تصنیف درکار ہے اس لئے ہم نے بادلِ ناخواستہ اختصار سے کام لیا۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابراہیم ۔آں حضرت کی آخری اَولاد ہیں جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ماہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے ساتویں روز آپ نے عقیقہ کیا۔عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کرائے سر منڈوایا گیا بالوں کی برابر چاندی تولکر صدقہ کی گئی۔اور بال زمین میں دفن کیے گئے اور ابراہیم نام رکھا۔اور عوالی میں ایک دودھ پلانے والی کے حوالے کیا۔کبھی کبھی آپ تشریف لیجاتے اور گود میں لیکر پیار کرتے تقریباً پندرہ سولہ مہینہ زندہ رہ کر ۱۰ھ میں انتقال کیا۔جس روز انتقال ہوا اتفاق سے اس روز سورج گہن ہوا۔عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو سورج گہن ہوتا ہے۔اس لیے آپ نے اس عقیدۂ فاسدہ کے رد کرنے کے لیے خطبہ دیا کہ چانداور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں کسی کے مرنے یا جینے سے ان کو گہن نہیں لگتا۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔جب ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو۔اور صدقہ دو۔[1]

حُلیۂ مُبارک صلی اللہ علیہ وسلم

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ پَست قد۔میانہ قد تھے۔سر بڑا تھا۔ریش مُبارک گھنی تھی آپ کے سرِ مُبارک اور ریش مبارک میں گنتی کے تقریباً بیس پچیس بال سفید تھے۔چہرۂ انور نہایت خوبصورت اور نورانی تھا۔جس نے بھی آپ کا چہرۂ انور دیکھا ہے اس نے حضور کے چہرۂ انور کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور بیان کیا ہے۔

آپ کے پسینہ میں ایک خاص قسم کی خوشبو تھی چہرۂ انور سے جب پسینہ ٹپکتا تو موتیوں کی طرح معلوم ہوتا۔حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم نے دیباج اور حریر کو آپ کے جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھا۔اور مشک وعنبر میں آپ کے بدن معطر سے زیادہ خوشبو نہ سونگھی۔

[1] زرقانی۔ج:۳،ص:۲۱۴

مُہرِ نبوّت

دونوں شانوں کے درمیان میں دائیں شانہ کے قریب مُہر نبوت تھی صحیح مسلم میں ہے کہ حضور پُرنور کے دوشانوں کے درمیان میں ایک سُرخ گوشت کا ٹکڑا کبوتر کے انڈے کی مانند تھا۔

یہ مہر نبوت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خاص نشانی تھی جس کا ذکر کُتبِ سابقہ اورانبیاء سابقین کی بشارتوں میں تھا علماء بنی اسرائیل اسی علامت کودیکھ کر پہچان لیتے تھے۔ کہ حضور پرنُور رؤ ہی نبی آخرالزمان ہیں کہ جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے اور جو علامت (مہر نبوت) بتلائی تھی وہ آپ میں موجود ہے گویا یہ مہر نبوت آپ کی نبوت کے لئے من جانب اللہ۔ خدا تعالیٰ کی مہر اور سَند تھی۔ (دیکھو مدارج النبوۃ ص۱۲ ج۱)

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ مہر نبوت حضور کے بائیں شانہ کی ہڈی کے قریب تھی وجہ اس کی یہ ہے کہ جسم انسانی میں شیطان کے داخل ہونے کی یہی جگہ ہے پیچھے ہی سے آکر شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اس لئے آپ کے جسم مبارک میں اس جگہ مہر نبوت لگادی گئی۔ تاکہ شیطان کی آمد کا دروازہ بند ہوجائے اور آپ کے قلب منوّر میں کسی راہ سے شیطان کا کوئی وسوسہ نہ داخل ہوسکے۔ (خصائص کبریٰ صفحہ ۶۰ جلد۱۔)

اور بعض روایات میں ہے کہ حضور پرنُور کی پُشت پر جو مہر نبوت تھی اس میں قدرتی طور پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

اَخْرَجَ ابن عساکر وَالحَاکم فی تاریخ نیسابورعن ابن عمر قال کانَ خاتمُ النبوّة علی ظهر النّبی صَلَّی اللّٰهُ علیه وسَلّم مثلَ البندقة من لحم مکتوبٌ فِیهاَ باللحم محمد رسول الله

خصائص کبریٰ للسیوطی ص۶۰ وزرقانی شرح مواھب ص ۱۵۶ ج۱

حافظ ابن عساکر اور حاکم نے تاریخ نیشاپور میں ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ مہر نبوت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پُشت پر گوشت کی گولی کی طرح تھی اور گوشت ہی سے (قدرتی طور پر) اس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔ بعض طریق ان میں سے باطل ہیں اور بعضے ضعیف اور شیخ عبدالرؤف مناویؒ شرح شمائل کے صفحہ ۶۰ جلد اول میں لکھتے ہیں کہ حافظ قطب الدین حلبی نے اور پھر ان کی تبعیت میں حافظ مغلطائی نے اس حدیث کے طرق اور اسانید کا استیعاب کیا ہے مگر کوئی روایت ان میں سے درجۂ صحت اور ثبوت کو نہیں پہنچی ''انتہی کلامہ'' اور علامۂ قاری نے بھی شرح شمائل ص ۵۹ جلد ا میں یہی لکھا ہے کہ یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ اھ

سر کے بال اکثر مونڈھے تک اور کبھی نرمۂ گوش تک لٹکے رہتے تھے بالوں میں کنگھی بھی کرتے تھے اور آنکھوں میں سرمہ بھی ڈالتے تھے۔ باوجودیکہ آنکھیں قدرتی طور پر سُرمگیں تھیں۔

آپ کی آنکھیں نہایت خوشنما اور کشادہ تھیں۔ خوب سیاہ اور سُرخی مائل تھیں سینہ سے لیکر ناف تک ایک نہایت خوب صورت باریک خط تھا۔ دونوں بازو اور قدمین پُر گوشت تھے۔ حضور پرنور جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا پاؤں جما کر اٹھاتے ہیں اور اوپر سے نیچے کی طرف جارہے ہیں۔

الغرض

آپ کا جسمِ اطہر اور چہرۂ انور تمام ظاہری اور باطنی محاسن سے مزیّن تھا سوائے (مسکرانے) کے آپ کبھی بھی کھل کھلا کر نہیں ہنسے۔ حدیث میں ہے کہ صورت اور سیرت میں آپ سب سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے مشابہ تھے۔

ریشِ مبارک

ریش مبارک یعنی ڈاڑھی آپ کی گھنی تھی۔ آپ اسے بالکل کترواتے نہ تھے البتہ مونچھیں کترواتے تھے۔ مگر گاہ بگاہ جو بال زائد ہوجاتے تھے اُن کو کتروا دیتے تھے تاکہ صورت بدنمانہ معلوم ہو۔ چونکہ ڈاڑھی تمام انبیاء ومرسلین کی سنت تھی۔ معاذ اللہ ملکی اور قومی رواج کی بناء پر نہ تھی جیسا کہ بعض گمراہوں اور نادانوں کا خیال ہے۔

ڈاڑھی صرف سنت محمدیہ اور طریقۂ اسلام ہی نہیں بلکہ تمام پیغمبروں (جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے) کی سنت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے من سنن المرسلین یعنی ڈاڑھی تمام انبیاء و مرسلین کی سنت ہے۔

گرجاؤں میں آج بھی جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی تصویر رکھی ہوئی ہے اس میں بھی ڈاڑھی موجود ہے اور علماء یہود اور نصاریٰ جن کو پادری کہتے ہیں وہ اکثر و بیشتر نیچی ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ غرض یہ کہ مذہبی گروہ میں ڈاڑھی کا ہونا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ڈاڑھی انبیاء کرام کی سنّت ہے اور سیّدنا ہارون علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ڈاڑھی کا ذکر قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہے۔ یا ابن ام لاتأخذ بلحیتي وَلَا برأسي عرب میں جو لوگ ملت ابراہیمی کے متبع تھے وہ ڈاڑھی رکھتے تھے ورنہ اکثر مشرکین ڈاڑھی منڈاتے تھے۔ اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ مشرکین کی مخالفت کرو۔ اور ان کی طرح ڈاڑھی مت منڈاؤ۔ انبیاء کرام کی سنت کے مُطابق مونچھیں کترواؤ اور ڈاڑھی بڑھاؤ اور مشرکین کے تشبہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ اور انبیاء و مرسلین کی ہیئت اور شکل اختیار کرو برگزیدہ بندوں کی ہیئت اور شکل بھی پسندیدہ ہوتی ہے اور ''مغضوب علیہم'' اور ''ضالین'' یعنی یہود و نصاریٰ کی مشابہت میں غضب اور ضلال کا اندیشہ ہے۔

غرض یہ کہ ڈاڑھی کل انبیاء و مرسلین اور تمام صحابہ و تابعین اور تمام علماء ربّانیین کی سنّت مستمرہ ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ ڈاڑھی نہ رکھنا گناہ کبیرہ ہے اور شعائر اسلام کی علی الاعلان بے حرمتی ہے اور ڈاڑھی کا مذاق اڑانا کفر ہے اس لئے کہ ڈاڑھی کا مذاق اڑانا تمام انبیاء و مرسلین کا استہزاء اور تمسخر ہے اور تمام شریعتوں کے ایک مسلمہ حکم کی توہین ہے۔ اور تمام صحابہ و تابعین اور چودہ صدی کے تمام علماء اور صلحاء اور اولیاء اور سلاطین اسلام کی تحمیق اور تجہیل ہے۔ ڈاڑھی کا مذاق اڑانے والے یہ نہیں سمجھتے کہ پچاس سال قبل اُن کے سلسلۂ نسب کے تمام آباؤ اجداد ڈاڑھی رکھتے تھے کیا اس مسخرہ کے نزدیک اس کے تمام آباؤ اجداد حماقت کا سائن بورڈ لگائے ہوئے تھے اللہ تعالےٰ ان نادانوں کو عقل دے۔ آمین۔

مردوں کی ڈاڑھی اور عورتوں کی چوٹی

جس طرح سر کے بال اور چوٹی عورت کے لئے زینت ہیں۔ اسی طرح ڈاڑھی مرد کے لئے زینت ہے۔

اس لیے عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ بالوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دے اور منڈانے کی ممانعت کر دی گئی۔ نسائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔

نھی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان تحلق المرأۃ راسھا	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ عورت اپنے سر کے بال منڈائے۔

مردوں کو بال رکھنے اور منڈانے کا اختیار دیا گیا۔ مگر یہ ہدایت کر دی گئی کہ مرد اپنے بال اتنے لمبے نہ چھوڑیں جس سے عورتوں سے مشابہت پیدا ہو جائے۔ بلکہ اس کی ایک حد مقرر کر دی کہ اس سے متجاوز نہوں یعنی کان کی لَو تک یا کاندھے تک سنن ابوداؤد میں ابن حنظلیہ سے روایت ہے۔

قال النّبی صَلّی اللّٰہ عَلیہ وَآلہٖ وَسَلّم نعم الرّجل خریم لولا طول جمتہ وَاسبال ازارہ فبلغ ذٰلِکَ خریما فاخَذَ مشفرۃ فقطع بھا جمتہ الی اذنیہ وَ رفع ازارہ الی انصاف ساقیہ	آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا خریم اسدی اچھا شخص ہے۔ اگر اسکے سر کے بال کاندھوں سے متجاوز نہ ہوتے اور اس کی ازار ٹخنوں سے لمبی نہ ہوتی۔ جب یہ بات خریم کو پہنچی تو اس نے قینچی لیکر بالوں کو کانوں تک کر دیا اور ازار کو نصف پنڈلی تک کر دیا۔

اور منڈانے والوں کو یہ حکم دیا گیا سر کے بال منڈانے چاہو ہو تو سب بالوں کو منڈادو یہ جائز نہیں کہ کچھ رکھو اور کچھ منڈادو۔ صحیح مُسلم میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

انّ النّبی صَلّی اللّٰہ علیہ واٰلہٖ وسلم رای صبیّا قد حلق	آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بچّہ کو دیکھا کہ اُس کا سر منڈا ہوا تھا اور کچھ بال

بعض راسه و ترك بعضه فنهاهم عن ذالك وقال احلقوا كله او اتركوا كله۔

چھوڑے گئے تھے۔ سو آپ نے ان کو اس سے منع فرمایا اور یہ حکم دیا کہ یا تو سارے سر کو منڈوا دو یا سارے سر کو چھوڑ دو۔

اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهىٰ عن القزع قال عبيدالله وَالقزع ان يّترك بناصية شعر و ليس في رأسه غيره و كذلك شق رأسه وهذا وهذا

میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قزع سے منع کرتے ہوئے سُنا۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ قزع یہ ہے کہ صرف پیشانی کے بال چھوڑ دیئے جائیں ان کے سوا سر میں اور بال نہ ہوں یا سر کے دونوں بازوؤں میں بال رکھے جائیں اور باقی سر منڈایا جائے۔

اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ اس میں یہود کی مشابہت پائی جاتی تھی چنانچہ سُنن ابی داوٗد کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فان ذلك زی اليهود یعنی یہ یہود کی ہیئت اور اُن کا طرز ہے اور جب یہ فعل معصوم بچوں کے لئے ناجائز ہوا تو بالغ کے لئے یہ فعل بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا اور اسی طرح سر کے بالوں میں نصاریٰ کی مشابہت بھی ناجائز ہوگی۔

حق جل شانہٗ نے مرد اور عورت کی خلقت کو ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز رکھا ہے۔ ہر ایک کی طبیعت اور مزاج کو الگ بنایا ہے۔

عورتوں کو پیکر نزاکت اور منبع ولادت بنایا ہے۔ لہذا ان کو حسن و جمال اور سر کے بال عطا کئے اور مردوں کو حاکم بنایا اور ویسے ہی اُن کو قویٰ عطا کیے اور ان کی صورت اور اُن کی وضع قطع ایسی بنائی کہ جس سے شوکت اور وجاہت ظاہر ہو اس لئے حق تعالےٰ نے مردوں کے چہرے پر ڈاڑھی اور مونچھ کا سبزہ لگایا اور ان کے اعضاء میں صلابت اور سختی رکھدی اور ان کے لہجے میں خشونت پیدا کردی اور ان کی رفتار میں شجاعت اور بہادری رکھدی اور ان کے دل میں ایسے خیالات پیدا فرمائے کہ جو ان کی شان وشوکت کے مناسب ہوں اور عورتوں کی فطرت میں نزاکت رکھدی اور ولادت اور رضاعت اور تربیت کے خیالات ان کے دلوں میں پیدا کردیئے یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی حکومت نے عورتوں کی فوج نہیں بنائی۔ اس لئے کہ فوج

کے لئے شجاعت چاہیے نہ کہ نزاکت چونکہ قدرت نے مرد اور عورت کی خلقت اور فطرت کو ایک دوسرے سے ممتاز بنایا اس لئے شریعت اسلام نے حکم دیا کہ مرد عورتوں کے مشابہ نہ بنیں اور عورتیں مردوں کے مشابہ نہ بنیں تاکہ قانون فطرت کی مخالفت نہ ہو اور ایک نوع دوسری نوع کی مخصوص چیزوں کو اختیار نہ کرے مثلاً اسلام نے مردوں کو یہ حکم دیا کہ ریشمین اور زرّین کپڑے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ان کو ہرگز استعمال نکریں نہ زیور پہنیں مرد جھومر اور ٹیکہ نہ لگائیں۔اور نہ ہاتھوں میں چوڑیاں اور کنگن پہنیں اور نہ خالص سُرخ رنگ کا لباس پہنیں اور نہ رفتار میں زنانہ انداز پیدا کریں اور نہ ڈاڑھی منڈائیں۔ بلکہ ڈاڑھی کو اپنی حالت پر چھوڑیں اور مونچھوں کو کٹائیں اور ڈاڑھی کو بڑھانا اور مونچھوں کو کتروانا یہ تمام انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی سنّت ہے اور مقتضائے فطرت ہے۔

آں حضرت کے زمانہ میں مجوسی اس خلاف فطرت فعل کے مرتکب تھے۔کہ مونچھیں بڑھاتے تھے اور ڈاڑھی کٹاتے یا منڈاتے تھے۔اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم مجوس کی جو کہ خلاف فطرت کررہے ہیں۔مخالفت کرو اور ڈاڑھی کو چھوڑ دو اور مونچھوں کو کٹاؤ۔

صحیح مسلم میں ابوہریرہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللّٰہِ صَلّی اللّٰہ عَلیہ وسلم جزوا الشوارب وارخوا اللحی وخالفوا المجوس۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مونچھوں کو کٹاؤ اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ۔اور مجوس کی مخالفت کرو۔

احادیث میں بکثرت آیا ہے کہ ڈاڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا کتروانا انبیاء ومرسلین کی سنّت ہے اور امور فطرت میں سے ہے فطرت اس کو مقتضی ہے کہ چھوٹے اور بڑے اور مرد اور عورت کے بیان امتیاز ہونا چاہیے سو یہ امتیاز ڈاڑھی سے حاصل ہوتا ہے۔

نیز ڈاڑھی مردوں کے لئے حسن وجمال بھی ہے اور ہیبت اور جلال بھی ہے چاہو تو امتحان کرلو۔

طریقۂ امتحان

یہ ہے کہ ایک عمر کے جوانوں اور اَدھیڑوں اور بوڑھوں کو لے لیجیے اور ان میں سے ڈاڑھی والوں کو تو ایک صف میں اور ڈاڑھی منڈوں کو دوسری صف میں کھڑا کیجئے اور بیک وقت دونوں طرف نظر ڈالیئے اور دیکھیئے کہ کون سی صف خوب صورت ہے اور کونسی صف بدصورت ہے اسی ایک نظر میں ڈاڑھی کا حسن و جمال معلوم ہو جائیگا جیسے چوٹی والی عورتیں بے چوٹی والی عورتوں سے حسن و جمال میں کہیں زائد ہیں۔ ایسا ہی ڈاڑھی والا مرد اپنے ہم عمر بے ڈاڑھی والے سے بدرجہا حسن و جمال میں زائد ہے جس کا جی چاہے مشاہدہ کر لے۔

کالج میں کچھ لڑکے دیندار بھی ہوتے ہیں جو ڈاڑھی رکھتے ہیں اس ڈاڑھی والے جوان کے ہم عمر کسی ڈاڑھی منڈے نوجوان کو کھڑا کر کے دیکھ لو کہ حسن و جمال میں کون بڑھا ہوا ہے۔

یا

لندن اور جرمن کے ایسے دو ہم عمر نوجوانوں کو لے لیجیۓ۔ کہ جن کے ڈاڑھی نکلنا ابھی شروع ہوئی ہے اور چھ ماہ تک دونوں کو ڈاڑھی نہ منڈانے دیا جائے پھر چھ ماہ کے بعد ان میں سے اگر ایک نوجوان تو ڈاڑھی منڈائے اور دوسرا اس کا ہم عمر ڈاڑھی نہ منڈائے تو اس وقت ان دونوں نوجوانوں کو برابر کھڑا کر کے دیکھا جائے کہ ان میں سے کونسا حسین و جمیل معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی ایک ہی نظر فیصلہ کر دے گی بلاشبہ ڈاڑھی میں جو حسن و جمال ہے۔ وہ ڈاڑھی کے منڈوانے میں نہیں۔

پس جس طرح عورتوں کے لئے سر کے بال اور چوٹی باعث زینت ہیں اسی طرح مردوں کے لئے ڈاڑھی باعثِ زینت ہے اور اگر زینت کے رکھنے کی ضرورت نہیں تو عورتوں کو بھی سر منڈانا چاہیے۔

حکایت

سُنا گیا ہے کہ یورپ کے کسی خطہ میں بعض عورتوں کو یہ خبط سوار ہوا کہ سر منڈا دینا چاہیے

تاکہ دماغ کے بخارات نکل جانے کی وجہ سے مردوں کی طرح دماغ صحیح اور تندرست اور قوی ہوجائے ان عورتوں نے جب چند بار سر منڈایا تو ان عورتوں کے ڈاڑھی نکلنے لگی۔ تب سر منڈانا چھوڑا۔

مسئلہ

بعض فقہاء کرام نے بطور معمی لکھا ہے بتلاؤ کونسی ڈاڑھی کا منڈانا واجب ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے کہ عورت کے اگر ڈاڑھی نکل آئے تو اس کا منڈانا واجب ہے۔

لباسِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ فقیرانہ اور درویشانہ زندگی تھی عام لباس آپ کا تہمد۔ اور چادر اور کرتہ اور جبّہ اور کمبل تھا جس میں پیوند لگا ہوتا تھا۔

آپ کو سبز لباس پسند تھا۔ آپ کی پوشاک عموماً سفید ہوتی تھی۔

چادر: یمنی چادر جس پر سبز اور سُرخ خطوط ہوں۔ آپ کو بہت مرغوب تھی جو بردیمانی کے نام سے مشہور تھی خالص سُرخ سے منع فرماتے۔

ٹوپی: سر سے چمٹی ہوئی ہوتی تھی اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی ابو کبشہ انماری سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کی ٹوپیاں چپٹی سر سے لگی ہوئی ہوتی تھیں اونچی نہیں ہوتی تھیں۔

عمامہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمامے کے نیچے ٹوپی کا التزام رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ہم میں اور مشرکین میں بھی فرق ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ (ابوداؤد)

حضور پُر نور جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ دو شانوں کے درمیان لٹکا لیتے اور کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب ڈال لیتے اور کبھی تحت الحنک تھوڑی کے نیچے لپیٹ لیتے حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے جنگِ بدر اور جنگ حنین میں میری امداد کے لیے ایسے فرشتے اتارے جو عمامے باندھے ہوئے تھے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ

پاجامہ: حدیث میں ہے کہ آپ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ بکتا ہوا دیکھا۔ دیکھکر اسے پسند فرمایا اور فرمایا کہ اس میں بہ نسبت ازار کے تستّر زیادہ ہے اور اس کو خرید فرمایا لیکن استعمال کرنا ثابت نہیں۔

قمیص: پیراہن آپ کو بہت محبوب تھا۔ سینہ پر اس کا گریبان تھا کبھی کبھی اس کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہوتی تھیں۔

لُنگی: آپ کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہتے تھے بالخصوص آپ کا تہمد آدھی پنڈلی تک ہوتا تھا۔

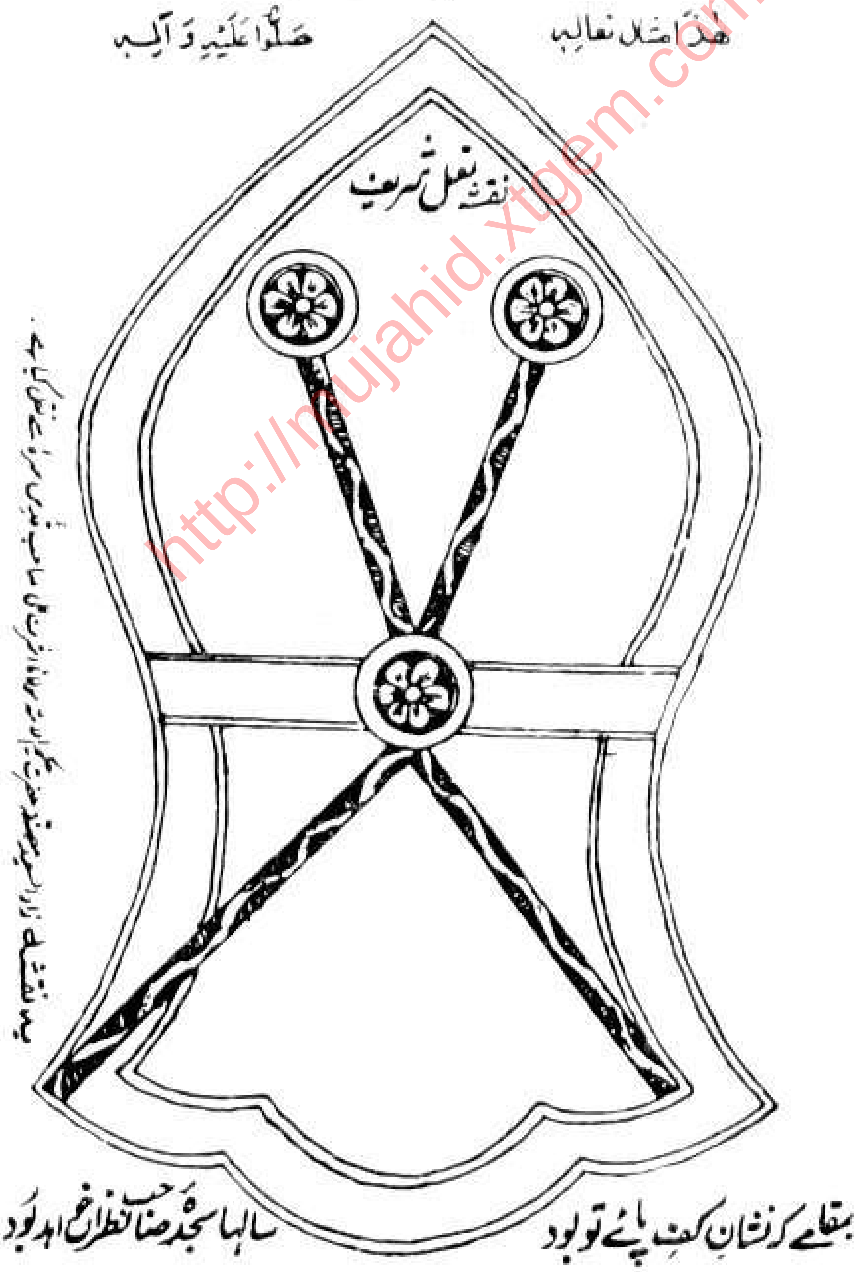
موزے: بھی استعمال فرماتے تھے اور ان پر مسح فرماتے۔

گدّا: آپ کا گدّا ایک چمڑے کا ہوتا تھا۔ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔ اور بسا اوقات حضور پُرنور ایک بوریئے پر سویا کرتے تھے حصیر (بوریا) آپ کا بستر تھا۔

انگوٹھی: دست مُبارک میں چاندی کی انگوٹھی بھی استعمال فرماتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب قیصرِ روم اور نجاشی شاہ حبشہ وغیرہ کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا کہ سلاطین بدوں مُہر کے کوئی تحریر قبول نہیں کرتے اس لئے آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس میں تین سطروں میں اوپر نیچے محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

نعلین مبارکین

نعلین مبارکین۔ چپل کے طرز کے ہوتے تھے کہ جس میں نیچے صرف ایک تلا ہوتا تھا اور اوپر دو تسمے لگے ہوتے تھے جن میں انگلیاں ڈال دیتے تھے۔ زرقانی ص ۴۵ ج ۵



خرقہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

قال اللّٰہ تعالیٰ

یَاۤاَیُّھَاالْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ وَقَالَ تعالیٰ یَاۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْوَرَبَّکَ فَکَبِّرْ

اے برادر در لباسِ صوف باش

باصفتہائے خدا موصوف باش

آپ ﷺ کے پاس صوف کا ایک کالا کمبل تھا۔ جس میں پیوند لگے ہوئے تھے جس کو خرقہ (گدڑی) کہتے ہیں۔ صوف کا کالا کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے ہوں یہ انبیاء کرام کی سُنّت ہے جو اولیاء اللہ اور درویشوں کو وراثت میں ملا ہے افسوس اور ہزار افسوس کہ یہ سنت اب دُنیا سے رخصت ہوئی صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ جو صوف کا کمبل انبیاء کرام کی سُنّت پر عمل کرنے کیلئے پہنتا ہو اور دنیا کو تین طلاق مغلظہ بائنہ دیکر بے فکر ہو گیا ہو اور حلۂ شاھی وامیری کو اس خرقۂ درویشی کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہو۔

گرچہ درویشی بود سخت اے پسر

ہم زردویشی نہ باشد خوب تر

قال ابن مسعود کانت الانبیّاء یرکبون الحمر ویلبسون الصّوف ویحتلبون الشاة رواه الطیالسی۔ وعنه صَلَّى اللّٰه عَليه وسلم قال كان على موسى يوم كلمه ربه كساء صوف كمته صوف وجبة صوف وسراويل صوف وَكانت نعلاه من

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاؑ گدھوں پر سواری کرتے تھے اور صوف کا لباس پہنتے تھے اور بکریوں کا دودھ دوھتے تھے۔ اس روایت کو ابوداؤد وطیالسی نے روایت کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس روز موسیٰ علیہ السّلام حق تعالےٰ جل شانہٗ سے ہم کلام ہوئے اس روز ان کا کمبل صوف کا تھا۔ اور ٹوپی بھی صوف کی تھی۔ اور جبّہ بھی صوف کا تھا اور

حمار میت رواہ الترمذی وقال غریب والحاکم وصححہ علیٰ شرط البخاری (زرقانی ص ۱٦ ج ۵)

پاجامہ بھی صوف کا تھا۔ اور نعلین مُردہ گدھے کی کھال کے تھے۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا غریب الاسناد ہے اور حاکم نے بھی روایت کیا اور یہ کہا کہ یہ حدیث شرط بخاری پر صحیح ہے۔

ابو بردۃ بن ابی موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ ایک دن عائشہ صدیقہ نے صوف کا ایک موٹا کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور ایک موٹا تہمد نکال کر ہم کو دکھلایا اور یہ کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان دو کپڑوں میں ہوئی۔

عائشہ صدیقہ کا مقصد آپ کی سادگی اور تواضع اور شان درویشی وفقیری کو بتلانا تھا کہ حضور پُرنور کی زندگی ایسی تھی رواہ البخاری فی فرض الخمس واللباس ومسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ[۱]

اور حق تعالےٰ جل شانہ کے اس سراپا لطف خطاب یعنی یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اور یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ میں اشارہ اس طرف ہے کہ بارگاہ خداوندی میں کمبل اور گدڑی غایت درجہ محبوب تھا کہ اس لباس کے عنوان سے حضور پُرنور کو خطاب فرمایا۔ اس لئے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے لکھا ہے کہ اولیاء کرام کے نزدیک سورۂ مزّمل کو سورۃ الخرقہ کہتے ہیں جس میں خرقہ (گدڑی) کے آداب اور شرائط کا ذکر ہے۔ دیکھو تفسیر عزیزی۔

لباس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لباس ابراہیمی واسماعیلی تھا
مَعَاذَاللّٰہ۔ مَعَاذَاللّٰہ
قومی اور وطنی لباس نہ تھا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ لباس اور یہ معاشرۃ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ قومیت یا وطنیت کے اتباع کے ارادے سے نہ تھا بلکہ وحی ربانی اور الہام یزدانی کے اتباع سے تھا عرب میں قدیم سے

[۱] زرقانی۔ ج ۵ ص ۲۵

حلہ یعنی چادر اور تہ بند کا دستور چلا آ رہا تھا' حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی لباس تھا جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آذر بائیجان کے عربوں کو حلہ پہننے کی یہ کہہ کر ترغیب دی کہ وہ تمہارے باپ اسمٰعیل علیہ السلام کا لباس ہے۔

اَمّا بعد فاتزروا وارتدوا علیکم بلباس ابیکم اسمعیل و ایاکم وَالتنعم وزی العجم	ازار اور چادر کو پہنو اور اپنے باپ اسمٰعیل کے لباس کو لازم پکڑو۔

معاذ اللہ، اللہ کا نبی لباس یا معاشرۃ میں قوم کا مقلد اور تابع بنکر نہیں آتا۔ اللہ کی وحی اور اس کے حکم سے قوم کے عقائد اور اخلاق واعمال اور عبادات اور معاملات سب کے متعلق ہدایتیں اور احکام جاری کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بول و براز کے آداب بھی ان کو سکھاتا ہے۔ معاش اور معاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جس کے متعلق اللہ کے رسول کے پاس کوئی غیبی اشارہ اور الہام باطنی نہو یہ ناممکن ہے کہ نبی عام لوگوں کے رسم ورواج کی پیروی کرے۔ آنحضرت نے لباس کے متعلق بھی احکام جاری فرمائے کہ فلاں جائز ہے اور فلاں حرام یہاں تک کہ مسلمان اور کافر کے لباس میں امتیاز ہو گیا اور بیشمار احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصَّلوٰۃ والتسلیم نے کافروں سے تشبہ کی ممانعت کی ہے اور اُن کی مخالفت کا حکم دیا۔ اور جس لباس سے تکبر اور تفاخر اور اسراف اور تنعم مترشح ہوتا ہو اس کو ممنوع قرار دیا۔ اور اُس لباس کو بھی ممنوع قرار دیا جو دشمنانِ خدا سے مشابہت کا سبب بنے۔ مشرکین حریر اور دیبا کو استعمال کرتے تھے۔ آپ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا۔ مشرکین ازار کو بطور تکبّر ٹخنوں سے نیچا گھسٹتا ہوا پہنتے تھے۔ آپ نے اس کو ناجائز قرار دیا۔ زرین مغرق لباس کے استعمال کو ممنوع قرار دیا کہ تکبّر اور تنعم اور اسراف کا شائبہ بھی نہ رہے۔ مشرکین ٹوپیوں پر عمامہ نہیں باندھتے تھے آپ نے حکم دیا:

فرق مابیننا وبیْنَ المشرکین العمائِم علی القلانس	ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہم عمامہ ٹوپیوں پر باندھتے ہیں۔

اس طرح آپ نے مسلمانوں اور کافروں کے لباس میں تفرقہ قائم فرمایا۔ اور صحیحین میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

خالفوا المشركين اوفروا اللحى واحفوا الشوارب	کافروں کی مخالفت کرو۔ ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کم کراؤ۔

یعنی اپنی صورت اور ہیئت کافروں کی سی نہ بناؤ تمہاری وضع قطع کافروں سے جدا رہنی چاہیئے۔

مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقومٍ فهو منهم	آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ شخص اسی قوم میں شمار ہوگا۔

علامہ قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حدیث من تشبہ سے لباس اور ظاہری امور میں مشابہت اختیار کرنا مراد ہے معنوی اخلاق کی مشابہت کو تشبہ نہیں کہتے بلکہ اسے تخلق کہتے ہیں۔

اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

ان هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها	یہ کافروں جیسے کپڑے ہیں پس انکو نہ پہننا

پس ثابت ہو گیا کہ حضور پرنور کا لباس اور آپ کی وضع تمام تر وحی الٰہی کے تابع تھی۔ قوم اور وطن کے اتباع میں نہ تھی حضور پرنور اگر بالفرض والتقدیر۔ لندن یا جرمن میں بھی مبعوث ہوتے تو وہاں بھی لندن کے وحشیوں کی وہی اصلاح فرماتے جو کہ مکہ کے وحشیوں کی فرمائی۔ اور اُن کی شہوت پرستی کو خدا پرستی سے اور اُن کی بے پردگی کو پردہ سے اور ان کی بے حیائی کو عفت اور عصمت اور حیا اور شرم سے بدل ڈالتے لہٰذا کسی نادان کا یہ گمان اور یہ خیال کرنا کہ معاذ اللہ اگر نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم لندن یا جرمن میں مبعوث ہوتے تو مغربی رسم ورواج کے تابع ہوتے تو یہ ایک مرعوبانہ اور محکومانہ اور غلامانہ اور احمقانہ ذہنیت کا کرشمہ ہے جس کی حقیقت ایک مجنونانہ بڑ سے زیادہ کچھ نہیں۔ پیغمبر اللہ کی وحی کے تابع ہوتے ہے ان

اتبع الا ما یوحیٰ الی۔ معاذ اللہ۔ نبی۔ قوم اور وطن کے تابع نہیں ہوتا بلکہ قوم کو اپنی اتباع کی دعوت دیتا ہے اور صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں ان کو رنگتا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ

صبغۃ اللہ اور اللہ کے رنگ میں مسلمان کی زندگی کا رنگ جانا بنیادی طور سے اس پر موقوف ہے کہ اللہ کے دشمنوں کے طور وطریق پر ان کی وضع قطع اور لباس ہی سے پرہیز کیا جائے تا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں کفر سے براءت اور کافروں سے اجتناب ظاہر ہو اور ایمانی رنگ مومن کی زندگی میں ہر طرح اور ہر جانب سے جھلکتا نظر آئے اس مفہوم کی توضیح کیلئے یہ چند الفاظ حضرات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔ جن کا عنوان التنبہ علیٰ ما فی التشبہ یعنی مسئلہ تشبہ بالکفار پر ایک اجمالی نظر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلتَّنَبُّهُ علیٰ ما فی التَّشَبُّهُ[1]

یعنی

مسئلۂ تشبہ بالکفّار پر ایک اجمالی نظر

بحمدہٖ تعالیٰ جب یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس ازار اور رداء جبّہ اور عمامہ اور ظاہری وضع قطع یہ سب اپنے جدامجد حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اقتداء میں تھا۔ معاذ اللہ مشرکین مکہ اور قوم اور وطن کی اتباع اور مشابہت میں نہ تھا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طالبانِ حق کی تنبیہ کے لئے مسئلہ تشبہ کی حقیقت پر کچھ مختصر سا کلام کر دیا جائے کیونکہ مسئلہ تشبہ اسلام کے ان اہم ترین مسائل میں سے ہے کہ جن پر اسلام کے بہت سے احکام قابل تسلیم نہ رہیں گے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مغربی تہذیب کے دلدادہ اور شیدائی ہیں اور اسلامی احکام کی حدود وقیود سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ ان کا سب سے پہلا حملہ اسلام کے اسی مسئلہ تشبہ پر ہوتا ہے اور اپنی تمام تر سعی اس کے مٹانے میں صرف کرتے ہیں تا کہ آئندہ کے لئے راستہ صاف ہو جائے اور دعویٰ اسلام کے ساتھ مغربی تمدن میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ زبان کے اعتبار سے مسلمان کہلائیں اور معاشرۃ اور تمدّن اور وضع قطع اور ہیئت اور لباس میں انگریز بنے رہیں۔ ع

"ایں خیال است ومحال است وجنوں"

شریعتِ اسلامیہ میں چونکہ تشبہ بالکفار کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے جو بے شمار آیات اور احادیث سے ثابت ہے اس لئے تفسیر اور حدیث اور فقہ اور علم العقائد کی کوئی کتاب مسئلہ تشبہ کے بیان سے خالی نہیں حضرات فقہاء و متکلمین نے مسئلہ تشبہ کو باب الارتداد میں بیان کیا ہے کہ مسلمان کن چیزوں کے ارتکاب سے مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک تشبہ بالکفار بھی ہے اور اس کے درجات اور مراتب ہیں۔ اور ہر ایک کا حکم جُدا گانہ ہے۔

[1] یعنی تشبہ بالکفار کی خرابیوں پر تنبیہ

ساتویں صدی کے عالم جلیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرانیؒ متوفی ۷۲۸ھ نے اسی مسئلہ تشبہ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم کے نام سے ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائی جس میں مسئلہ تشبہ کے مختلف پہلوؤں پر کتاب وسنت اور عقل اور نقل کی روشنی میں کلام فرمایا اور کتاب وسنت کے نصوص سے یہ واضح کر دیا کہ دینی ودنیوی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جہاں شریعت غراء اور ملت بیضاء نے کفر اور شرک کی نجاست اور ظلمت کی مشابہت سے حفاظت کا اپنے دوستوں کو کوئی حکم نہ دیا ہو اور یہ ثابت کر دیا کہ صراط مستقیم کا اقتضاء یہی ہے کہ ''مغضوب علیہم'' اور ''ضالین'' کی مشابہت سے احتراز کیا جائے

اب اس انگریزی اور مغربی دور میں پھر یہ فتنہ رونما ہوا اور علماء دین نے اپنی پوری توجہ اس پر صرف کی مگر اس دورِ پرفتن میں مسئلہ تشبہ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی کہ جس میں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر منظم اور مرتب اور مدلل اور مسلسل کلام کیا گیا ہو اور ساتھ ہی ساتھ مشککین کے شکوک اور موسوسین کے وساوس اور اوہام کا ایسا ازالہ اور قلع قمع کر دیا گیا ہو کہ جس کے بعد کسی کو لب کشائی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ سو الحمد للہ یہ فریضۂ دینی ہمارے محبّ محترم عالم ربانی فاضل لاثانی مولانا قاری حافظ محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند حفظہ اللہ تعالےٰ واطال اللہ حیاتہ ذُخرُا للمسلمین آمین یارب العلمین کے قلم حکمت رقم سے ادا ہوا جزاہ اللہ تعالےٰ عن الاسلام والمسلمین خیرا۔

موصوف نے التشبہ فی الاسلام کے نام سے دو حصوں میں ایک کتاب تحریر فرمائی یہ مسئلہ تشبّہ کی تحقیق وتدقیق میں بے نظیر اور بے مثال کتاب ہے اور بلاشبہ وہ اپنا شبیہ اور مثیل نہیں رکھتی حضرت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہ کتاب مذکور کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ اس احقر نے رسالۂ ہذا کو حرفاً حرفاً دیکھا ایک ایک حرف کے ساتھ قلب میں سرور اور آنکھوں میں نور بڑھتا جاتا تھا۔ تشبہ کا مسئلہ ایسا مکمل ومفصل ومدلل لکھا ہوا میں نے نہیں دیکھا۔ جن لطائف تک ذہن جانے کا احتمال تک نہ تھا وہ منصۂ ظہور پر آ گئے۔ بعید سے بعید شبہات تک کا قلع قمع کر دیا گیا اللہ تعالےٰ رسالہ کو نافع اور مقبول فرما کر اُن کلم طیب کے عموم میں داخل فرمائے جن کی شان میں الیہ یصعد الکلم الطیب وارد ہے اور

صاحب رسالہ کو اس جماعت میں داخل فرمائے۔ جس کی شان میں ہدوا الی الطیب من القول وہدوا الیٰ صراط الحمید وارد ہے انتہی

اس لئے ناظرین کرام کی خدمت میں گذارش ہے کہ اگر مسئلہ تشبہ کی پوری تفصیل درکار ہو تو ''التشبہ فی الاسلام'' کی مراجعت فرمائیں اس وقت یہ ناچیز نہایت اختصار کیساتھ اس مسئلہ کو پیش کر رہا ہے جس کا بہت سا حصہ اقتضاء الصراط المستقیم اور التشبہ فی الاسلام سے ماخوذ ہے اور بہت سے مواضع میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے مختلف مواعظ اور ملفوظات میں مسئلہ تشبہ پر جو امور نظر سے گذرے وہ بھی اس مختصر تحریر میں درج کر دیئے تا کہ ناظرین کرام کیلئے موجب ہدایت اور باعثِ بصیرت ہوں۔ فاقول وباللہ التحقیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم
نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡم

حدیث میں ہے بدأ الا سلام غریبا وسیعود غریبا فطوبیٰ للغربآءِ ۔ اسلام شروع میں غریب الوطن تھا یعنی بیکس اور بے یار ومددگار تھا اور بے سہارا تھا خلافت راشدہ کے دورسعادت سراپا یمن وبرکت میں آفتاب اور ماہتاب بنکر چمکا اور قیصر وکسریٰ کی حکومت اور سلطنت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا۔ اور اپنے سادہ معاشرۃ اور خدا پرستانہ تمدن سے قیصر اور کسریٰ کی نظر فریب اور پرشان وشکوہ معاشرۃ اور تمدن کو کھلے بندوں زمین پر پچھاڑا جس کا تماشہ دنیا نے دیکھا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سالہ غزوات اور پھر صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے دس سالہ سلسلۂ جہادات وفتوحات کا یہ نتیجہ اثر ہوا کہ دس صدی تک پوری روئے زمین پر اسلام ہی کو اقتدار اعلیٰ حاصل رہا اور اسلام ہی کا تمدن اور معاشرۃ دنیا کے ہر تمدن اور معاشرۃ پر غالب رہا۔ دنیا کی قومیں اسلامی معاشرۃ اور تمدن کو اپنے لئے باعثِ عزت سمجھتی رہیں خلفاء عباسیہ کے دور میں علم وحکمت کا بازار گرم ہوا اور صنعت وحرفت بام عروج پر پہنچی اور یورپ کے باشندے اس وقت ایک جاہل اور وحشی قوم تھے انہوں نے مسلمانوں سے علم وحکمت سیکھا اور صنعت وحرفت اور تہذیب وتمدن کا سبق لیا۔

اور دنیاوی شاہراہ ترقی پر گامزن ہوئے بعدازاں جب اسلامی حکومتوں کے فرمانروا حکومت کے نشہ میں عیش پرستی کا شکار بن گئے۔ اور میر جعفر اور میر صادق جیسے منافق اُن کے وزیر بن گئے۔

گربہ میر وسگ وزیر وموش را دیوان کنند
ایں چنیں ارکانِ دولت ملک راویراں کنند

تو نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اسلامی حکومتیں معرض زوال اور اختلال میں پڑ گئیں اور اسلام کی ہاتھ کی پچھاڑی ہوئی قومیں برسرِ اقتدار آ گئیں اور اپنی بداعمالی اور شومی قسمت سے حاکم محکوم بن گئے۔ اور محکوم حاکم ہو گئے۔

چند روز تک مسلمانوں کو اپنی اس ذلت اور انقلاب کی حالت کا احساس رہا۔ مگر رفتہ رفتہ مسلمانوں نے ان کی معاشرۃ اور تمدن اور وضع قطع کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ نوبت بایں جار سید کہ اسلامی ممالک کے باشندے غیروں کے معاشرے میں ایسے رنگے گئے کہ اپنے اور پرائے۔ مُسلم اور غیر مسلم کا ظاہر نظر میں کوئی فرق نہ رہا۔

اور حسبِ ارشاد نبوی وسیعود غریباً اسلام ابتدا کی طرح اس دور میں پھر غریب اور گدائے بے نوا اور بے کس و بے یار و مددگار بن گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلامی معاشرہ میں کسی قسم کی کوئی خرابی یا کوتاہی ہے اور نئے معاشرہ میں کوئی خوبی یا کمال یا کوئی حسن و جمال ہے۔

بلکہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ نئے معاشرہ کی بساط تمام تر نفسانی شہوات ولذات اور نام ونمود اور فخر ومباہات پر بچھی ہوئی ہے اور قوت وشوکت کے زیر سایہ وہ پرورش پا رہا ہے جو بالطبع نفس کو غایت درجہ محبوب ہے۔

اور اسلامی معاشرہ کی بساط سادگی اور تواضع اور زہد اور قناعت اور خدا پرستی اور نفس کشی پر بچھی ہوئی ہے جس کو نفس پسند نہیں کرتا۔

ابو بکر وعمر ایک طرف ایسے امیر مملکت تھے کہ دنیا کی سب سے بڑی دو طاقتیں قیصر وکسریٰ بھی اُن سے تھراتی تھیں۔ اور دوسری طرف شیخ طریقت بھی تھے کمبل پوش اور مسجد کے امام بھی تھے جن کو دیکھ کر لوگ اپنے دین کو درست کرتے تھے۔

خداوند علیم وحکیم کی قضاء وقدر نے قوم عاد اور قوم ثمود اور فرعون اور نمرود کی طرح مغربی اقوام کو چند روزہ اقتدار عطا کیا۔ جن کے آتے ہی نفسانی اور شہوانی معاشرہ کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اور چھپے ہوئے شہوت پرست نمایاں ہو گئے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کو قوت اور شوکت اور حکومت وسلطنت کی سرپرستی حاصل ہو تو سادہ لوح اور عام طبیعتیں اسی میں جذب ہو جاتی ہیں خصوصاً جس معاشرہ میں نفسانی خواہشوں کو آزادی ملتی ہو اور حکومت اور سلطنت کے

سر پرستی کی وجہ سے اس کے حصول میں کوئی مانع بھی نہ رہے تو بلاشبہ ایسا معاشرہ مخلوقِ خدا کے لئے فتنۂ عظمیٰ ہوگا۔

افسوس اور صد افسوس کہ مسلمان بھی اب اسی رَو میں بہے جا رہے ہیں اور جو قومیں اُن کے اسلاف اور بزرگوں کی پچھاڑی ہوئی اور باج گزار تھیں ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اور اپنے اسلاف کے خصائل و عادات اور ان کے ملبوسات کو ترک کر کے دن بدن مغضوب علیہم اور ضالّین یعنی یہود و نصاریٰ کی مماثلت اور مشابہت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ حیرت کا مقام ہے کہ مشرق کا نور مغرب کی ظلمت پر کیوں فریفتہ ہوگیا۔

اے میرے مسلمان بھائیو! یہ دُنیا سرائے فانی ہے تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کا مظہر ہے۔ جن متمدّن قوموں نے انبیاء کرام کے مقابلہ میں مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً کا نعرہ لگایا اور تمدّن اور معاشرۃ میں دنیا سے آگے نکلے کما قال تعالیٰ عَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا۔ اور لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ اور انبیاء اللہ کی گدڑی اور کمبل اور عمامہ اور دستار اور تہبند اور ازار کا تمسخر کیا انجام کار وہ سب کے سب تباہ اور برباد ہوئے فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ۔ وَهَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا کسی کا نام ونشان نہ رہا۔ کسی کو حق تعالےٰ نے غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسایا اور کسی پر آسمان سے پتھر برسائے اور کسی کو چیخ سے ہلاک کیا۔ ان كل الا كذب الرسل فحق وعيد۔

آمدم برسرِ مطلب

اب میں مختصر طور پر اہل اسلام کی خدمت میں مسئلہ تشبہ کی حقیقت عرض کرتا ہوں اور اس کے حسن کو واضح کرتا ہوں امید ہے کہ اہلِ اسلام اس کو غور سے پڑھیں گے۔ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

تشبّہ کی حقیقت

حق جل شانہٗ نے زمین سے لیکر آسمان تک خواہ حیوانات ہوں یا نباتات یا جمادات سب کو ایک ہی مادہ سے پیدا کیا اور سب کو ایک ہی خوانِ وجود سے حصّہ ملا مگر باوجود اس کے

ہر چیز کی صورت اور شکل علیحدہ بنائی تا کہ ان میں امتیاز قائم رہے اور ایک دوسرے سے پہچانا جائے کیونکہ امتیاز کا ذریعہ صرف یہی ظاہری شکل وصورت اور ظاہری رنگ وروپ ہے انسان اور حیوان میں۔ شیر اور گدھے میں۔ گھاس اور زعفران میں۔ باورچی خانہ اور پاخانہ میں۔ جیل خانہ اور شفا خانہ میں جو امتیاز ہے۔ وہ صرف اسی ظاہری شکل وہیئت کی بنا پر ہے اگر کسی نوع کا کوئی فرد اپنی خصوصیات اور امتیازات کو چھوڑ کر دوسری نوع کی امتیازات وخصوصیات اختیار کرلے تو اس کو پہلی نوع کا فرد نہ کہیں گے۔ بلکہ وہ دوسری نوع کا فرد کہلائیگا

اگر کوئی مرد مردانہ خصوصیات اور امتیازات کو چھوڑ کر زنانہ خصوصیات کو اختیار کرلے، عورتوں ہی کا لباس پہننے لگے اور انہی کی طرح بولنے لگے حتیٰ کہ اُس مرد کی تمام حرکات وسکنات عورتوں ہی جیسی ہوجائیں تو وہ شخص مرد نہ کہلائے گا بلکہ ہیجڑا کہلائے گا، حالانکہ اس کی حقیقت رجولیت میں کوئی فرق نہیں آیا صرف لباس اور ہیئت کی تبدیلی ہوئی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اگر اس مادّی عالم میں۔ ہر نوع کی خصوصیات اور امتیازات کی حفاظت نہ کی جائے اور التباس اور اختلاف کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر اُس نوع کا وجود باقی نہ رہے گا۔

اِختلافِ اَقوام واُمم

اسی طرح اقوام اور اُمم کے اختلاف کو سمجھو کہ مادی کائنات کی طرح۔ دنیا کی قومیں اپنے معنوی خصائص اور باطنی امتیازات کے ذریعے ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہیں۔ مسلم قوم، ہندو قوم۔ عیسائی قوم۔ یہودی قوم۔ باوجود ایک باپ کی اولاد ہونے کے مختلف قومیں بن گئیں۔ مذہب اور ملّت کے اختلاف کے علاوہ۔ اختلاف کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کا تمدّن اور اس کی تہذیب اور اس کا معاشرہ اور اس کا طرز لباس اور طریق خورد ونوش دوسرے سے جدا ہے اور باوجود ایک خدا کے ماننے کے ہر ایک کی عبادت کی صورت اور شکل علیحدہ ہوگی۔

عبادات کی انھیں خاص خاص شکلوں اور صورتوں کی وجہ سے ایک مسلم اور موحد مشرک اور بت پرست سے علیحدہ ہے اور ایک عیسائی ایک پارسی سے جدا ہے۔

غرض یہ کہ قوموں میں امتیاز کا ذریعہ سوائے ان قومی خصوصیات کے اور کیا ہے جبتک

ان مخصوص شکلوں اور ہیئتوں کی حفاظت نہ کی جائے تو قوموں کا امتیاز باقی نہیں رہ سکتا پس جب تک کسی قوم کی مذہبی اور معاشرتی خصوصیات باقی ہیں اس وقت تک وہ قوم بھی باقی ہے اور جب کسی قوم نے اپنی خصوصیات اور اشکال کو چھوڑ کر دوسری قوم کی خصوصیات کو اختیار کرلیا اور یہ قوم دوسری قوم کے ساتھ مختلط اور مشتبہ ہوگئی تو سمجھو کہ یہ قوم اب فناء ہوگئی اور اب صفحۂ ہستی پر اس کا کوئی ذاتی وجود باقی نہیں رہا۔

تشبہ کی تعریف

اب اس حقیقت کے واضح ہوجانے کے بعد تشبہ کی تعریف سنیے تاکہ آپ تشبہ کی قباحتوں اور مضرتوں کا اندازہ لگا سکیں۔

(۱)

اپنی حقیقت اور اپنی صورت اور وجود کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت اور اس کی صورت اور اس کے وجود میں مدغم ہوجانے کا نام تشبہ ہے۔

بالفاظ دیگر (۲)

یا اپنی ہستی کو دوسرے کی ہستی میں فنا کردینے کا نام تشبہ ہے۔

یا (۳)

اپنی ہیئت اور وضع کو تبدیل کرکے دوسری قوم کی وضع اور ہیئت اختیار کرلینے کا نام تشبہ ہے۔

یا (۴)

اپنی شان امتیازی کو چھوڑ کر دوسری قوم کی شان امتیازی کو اختیار کرلینے کا نام تشبہ ہے۔

یا (۵)

اپنی اور اپنوں کی صورت اور سیرت کو چھوڑ کر غیروں اور پرایوں کی صورت اور سیرت کو اپنا لینے کا نام تشبہ ہے۔

اس لیے شریعت حکم دیتی ہے کہ مسلمان قوم دوسری قوموں سے ظاہری طور پر ممتاز اور جدا ہونی چاہیے لباس میں بھی ممتاز ہونی چاہئے اور وضع قطع میں بھی اس لئے کہ ظاہری علامت کے علاوہ خاص جسم کے اندر بھی کسی علامت کا ہونا ضروری ہے سو وہ ختنہ اور ڈاڑھی

ہے اور وہ ظاہری علامت لباس ہے بغیر ان دو علامتوں کے شناخت نہیں ہوسکتی نہ تو صرف داڑھی کافی ہے اس لئے کہ لڑکوں کے داڑھی نہیں ہوتی اُن کی شناخت کس طرح ہوگی نیز بعض قومیں ڈاڑھی رکھتی ہیں۔ اُن کی شناخت سوائے لباس کے کسی چیز سے نہیں ہوسکتی معلوم ہوا کہ اسلامی امتیاز کے لئے لباس اور ڈاڑھی دونوں کی ضرورت ہے منع تشبہ کے حکم کا منشاء معاذ اللہ تعصب اور تنگ نظری نہیں بلکہ غیرت اور حمیت ہے جس سے مقصد ملّت اسلامیہ اور امّت مسلمہ کو غیروں کے التباس اور اشتباہ کی تباہی سے بچانا ہے اس لئے کہ جو قوم اپنی خصوصیات اور امتیازات کی محافظ نہ ہو وہ کوئی آزاد اور مستقل قوم کہلانے کی مستحق نہیں۔

تشبہ بالکفّار کا حکم

تشبہ بالکفّار اعتقادات اور عبادات میں کفر ہے اور مذہبی رسومات میں حرام ہے جیسا کہ نصاریٰ کی طرح سینہ پر صلیب لٹکانا اور ہنود کی طرح زنار باندھ لینا یا پیشانی پر قشقہ لگالینا ایسا تشبہ بلاشبہ حرام ہے جس میں اندیشہ کفر کا ہے اس لئے کہ علی الاعلان شعائر کفر کا اختیار کرنا اس کے رضاء قلبی کی علامت ہے۔

اور تشبہ کی یہ قسم ثانی اگرچہ قسم اوّل سے درجہ میں ذرا کم ہے مگر پیشاب اور پاخانہ میں فرق ہونے سے کیا کوئی پیشاب کا پینا گوارا کرلے گا ہرگز نہیں اور عبادات اور مذہبی رسومات اور عیدین میں کفّار کی مشابہت کی ممانعت اشارات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ وکثیرہ سے ثابت ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں بالتفصیل ان تمام آیات اور روایات کو بیان کیا ہے۔

(۳)

اور معاشرہ اور عادات اور قومی شعائر میں تشبہ مکروہ تحریمی ہے مثلاً کسی قوم کا وہ مخصوص لباس استعمال کرنا جو خاص اُن ہی کی طرف منسوب ہو اور اس کا استعمال کرنے والا اسی قوم کا ایک فرد سمجھا جانے لگے جیسے نصرانی ٹوپی (ہیٹ) اور ہندوانہ دھوتی اور جوگیانہ جوتی یہ سب ناجائز اور ممنوع ہے اور تشبہ میں داخل ہے بالخصوص جبکہ بطور تفاخر یا انگریزوں کی وضع بنانے کی نیت سے پہنی جائے تو اور بھی زیادہ گناہ ہے۔ جوگیوں اور پنڈتوں کی وضع قطع اختیار کرنے کا جو حکم ہے وہی انگریزی وضع قطع اختیار کرنے کا حکم ہے۔

اور علیٰ ہذا کافروں کی زبان اور اُنکے لب ولہجہ اور طرز کلام کو اس لئے اختیار کرنا کہ ہم بھی انگریزوں کے مشابہ بن جائیں اور ان کے زمرہ میں داخل ہو جائیں تو بلاشبہ یہ ممنوع ہوگا، ہاں اگر انگریزی زبان سیکھنے سے انگریزوں کی مشابہت مقصود نہو بلکہ محض زبان سیکھنا مقصود ہو کہ کافروں کی غرض سے آگاہ ہو جائیں اور ان سے تجارتی اور دنیاوی امور میں خط وکتابت کر سکیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

جیسے کوئی ہندی اور سنسکرت اس لئے سیکھے کہ ہندوؤں اور پنڈتوں کی مشابہت ہو جائے اور ہندو مجھے اپنا وطنی بھائی سمجھیں اور اپنے زمرہ میں مجھے شمار کریں۔ (جیسا کہ آجکل بھارت میں یہ فتنہ برپا ہے) تو بلاشبہ اس نیت سے ہندی زبان سیکھنا ممنوع ہوگا اور اگر فقط یہ غرض ہو کہ ہندوؤں کی غرض سے آگاہی ہو جائے اور اُن کے خطوط پڑھ لیا کریں۔ تو ایسی صورت میں ہندی زبان سیکھنے میں کوئی مضائق نہیں۔

(۴) اور ایجادات اور انتظامات اور اسلحہ اور سامان جنگ میں غیر قوموں کے طریقے لے لینا جائز ہے جیسے توپ اور بندوق اور ہوائی جہاز اور موٹر اور مشین گن وغیرہ وغیرہ یہ درحقیقت تشبہ بھی نہیں شریعت اسلامیہ نے ایجادات کے طریقے نہیں بتلائے ایجادات اور صنعت اور حرفت کو لوگوں کی عقل اور تجربہ اور ضرورت پر چھوڑ دیا البتہ اس کے احکام بتلا دیئے کہ کونسی صنعت اور حرفت جائز ہے اور کس حد تک جائز ہے اور کس طریق سے اس کا استعمال جائز ہے اسلام میں مقاصد کی تعلیم ہے غیر مقاصد کی تعلیم نہیں طبیب جوتہ بنانے کی ترکیب نہیں بتاتا اور نہیں سکھاتا ہاں یہ بتلاتا ہے کہ جوتہ اس طرح مت سلوانا کہ اس کی میخیں اُبھری ہوئی ہوں جس سے پیر زخمی ہو جائے، اسی طرح اسلام ایجادات نہیں سکھاتا ہاں یہ بتلاتا ہے کہ ایجاد ایسی نہ ہو کہ جس سے تمہارے دین میں خلل آجائے یا جان کا خطرہ ہو۔

یہ ان ایجادات کا حکم ہے کہ جن کا بدل مسلمانوں کے پاس نہیں اور جو ایجاد ایسی ہو کہ جس کا بدل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہو تو اس میں تشبہ مکروہ ہے جیسے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا اس لئے کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی اور دونوں کی منفعت برابر تھی صرف ساخت کا فرق تھا، اسلام میں تعصب نہیں غیرت ہے پس جو چیز مسلمان کے پاس بھی ہے اور کفار کے

پاس بھی ہے صرف وضع قطع کا فرق ہے تو ایسی صورت میں اسلام نے تشبہ بالکفار سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے غیرتی تو یہ ہے کہ بلا وجہ اور بلا ضرورت اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج اور تابع بنائیں مگر آج کل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی کہ یہ اپنے گھر سے بے خبر ہو کر بلکہ یوں کہیے کہ اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسروں کی عادات اور معاشرت کا اتباع کرنے لگے ان کی مثال ایسی ہے جیسے مولانا روم فرماتے ہیں:۔

یک سبد پرنان ترا بر فرق سر
تو ہمی جوئی لب نان در بدر

تابزانوئے میان قعرِ آب
وز عطش وز جوع گشتستی خراب

ہاں جن نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا بدل مسلمانوں کے پاس موجود نہیں مسلمانوں کے لئے اُن نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا استعمال اپنی ضرورت اور راحت اور دفع حاجت کے لئے جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کے استعمال سے نیت اور ارادہ کافروں کی مشابہت کا نہو۔ محض اپنے فائدہ کے لئے جدید اسلحہ اور نئی ایجادات کا استعمال شرعاً جائز ہے مگر تشبہ بالکفار کے ارادہ اور نیت سے اُن کے استعمال کو شریعت پسند نہیں کرتی۔

شراب کے طریقہ پر اگر دودھ کا بھی دور و تسلسل اختیار کیا جائے تو شریعت اسلامیہ اس کو ممنوع قرار دیتی ہے دودھ کے استعمال میں شراب کی مشابہت اختیار کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص کے تہ دل میں شراب کی رغبت اور محبت کا خاص داعیہ مضمر اور مستور ہے۔

اسی طرح کسی جائز چیز کا استعمال۔ کافروں کی مشابہت کی نیت اور ارادہ سے اور دشمنان دین کی تشبہ کے قصد سے اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں کافروں کی طرف میلان اور رغبت خاص طور پر مرکوز خاطر ہے۔

پس جس طرح تم کو اپنے دشمنوں کی مشابہت اور ان کا تشبہ گوارا نہیں تو اسی طرح خداوند قدوس کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے دوست اور نام لیوا (یعنی مسلمان) اس کے دشمنوں (یعنی کافروں) کی مشابہت اختیار کریں یا اُن کے تشبہ کی نیت اور ارادہ سے کوئی کام کریں حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔

تشبہ بالکفّار کی ممانعت کی وجہ

دین اسلام ایک کامل اور مکمل مذہب ہے اور تمام ملتوں اور شریعتوں کا ناسخ بن کر آیا ہے وہ اَپنے پیرووں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ناقص اور منسوخ ملتوں کے پیرووں کی مشابہت اختیار کی جائے، غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے۔

جس طرح ہر ملت اور ہر امت کی حقیقت جدا ہے اسی طرح ہر ایک کی صورت اور ہیئت بھی جدا ہے، دنیا میں ظاہری اور صورت اور شکل ہی امتیاز کا ذریعہ ہے۔

ایک قوم دوسری قوم سے اسی ظاہری معاشرۃ کی بنا پر ممتاز اور جدا سمجھی جاتی ہے۔

جب ایک قوم دوسری قوم کی خصوصیات اور امتیازات اور اس کی صورت اور ہیئت کو اختیار کر لیتی ہے تو اس کی اپنی ذاتی قومیت فنا ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اپنی قومیت اور اپنی شخصیت کو دوسرے کی قومیت اور شخصیت میں فنا کر دینا سراسر غیرت کے خلاف ہے۔

اسلام ایک کامل مذہب ہے جس طرح وہ اعتقادات اور عبادات میں مستقل ہے کسی کا تابع اور مقلد نہیں اسی طرح اسلام اپنے معاشرہ اور عادات میں بھی مستقل ہے کسی دوسرے کا تابع اور مقلّد نہیں

کسی حکومت میں یہ جائز نہیں کہ اُس سلطنت کی فوج دشمنوں کی فوج کی وردی استعمال کر سکے یا اپنے فوجی دستہ کے ساتھ دشمن حکومت کا جھنڈا استعمال کر سکے جو سپاہی ایسا رویہ اختیار کرے گا وہ قابل گردن زدنی سمجھا جائے گا۔

اسی طرح حزب اللہ۔ (مسلمانوں) کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ حزب الشیطان کی ہیئت اختیار کریں جس سے دیکھنے والوں کو اشتباہ ہوتا ہو۔ یا فرض کرو کہ کوئی جماعت حکومت سے برسرِ بغاوت ہوا ور وہ جماوعت اپنا کوئی امتیازی لباس یا نشان بنائے تو حکومت اپنے وفاداروں کو ہرگز ہرگز اس باغی جماعت کی تشبہ کی اجازت نہیں دے گی۔

حیرت کا مقام ہے کہ ایک برطانوی جرنیل کو تو یہ حق حاصل ہو کہ وہ جرمنی یا روسی وردی کے استعمال کو جرم قرار دیدے کیونکہ وہ برطانیہ کا دشمن ہے مگر اللہ کے رسول کو یہ حق نہ ہو کہ وہ دشمنان خدا کی وضع قطع کو جرم قرار دے کیوں نہیں۔ من تشبہ بقوم فھو منھم۔ جو خدا کے دشمنوں کے مشابہ بنے گا اور انہی جیسا لباس اور اُن کی وردی پہنے گا تو وہ بلاشبہ، دشمنان خدا کی فوج سے سمجھا جائے گا۔

اسلام نور مطلق ہے	اور کفر ظلمت ہے۔
اسلام حق ہے۔	اور کفر باطل ہے۔
اسلام حسن مطلق اور جمال مطلق ہے	اور کفر قبح مطلق ہے۔
اسلام روز روشن ہے	اور کفر شب تاریک ہے۔
اسلام عزت ہے۔	اور کفر ذلّت ہے۔

لہذا اسلام اپنے پیروؤں کو ظلمت اور ذلّت اور باطل کا لباس پہننے کی اور ان کے ہم شکل بننے کی اجازت نہیں دیتا تا کہ التباس نہ ہو۔

پس جس طرح اسلام کی حقیقت کفر کی حقیقت سے جدا ہے اسی طرح اسلام یہ چاہتا ہے کہ اُس کے پیروؤں کی صورت وشکل ولباس بھی اس کے دشمنوں سے جدا اور علیحدہ ہو۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ شریعت میں تشبہ بالغیر کی ممانعت کسی تعصب پر مبنی نہیں بلکہ غیرت اور حمیّت اور تحفظ خود اختیاری پر مبنی ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک قوم نہیں کہلا سکتی جب تک اس کی خصوصیات اور امتیازات پائیدار اور مستقل نہ ہوں۔

اسی طرح ملّت اسلام اور امّت اسلامیہ کو کفر اور الحاد اور زندقہ سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اسلامی خصوصیات اور امتیازات کو محفوظ رکھا جائے اور تشبہ بالکفار سے اس کو بچایا جائے کیونکہ تشبہ کے معنی اپنی ہستی کو دوسرے میں فنا کر دینے کے ہیں۔

قَالَ تَعَالٰی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا [1] — اے ایمان والو۔ کفر کرنے والوں کے مشابہ اور مانند نہ بنو۔

مؤمن (خدا کے دوست) کو خدا کے دشمن۔ (کافر) سے جدا اور ممتاز رہنا چاہئے۔

حکومت کے وفادار کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ حکومت کے دشمنوں اور باغیوں کے مشابہ اور ان کا ہم رنگ اور ہم لباس بنے۔

وَقَالَ تَعَالٰی۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی [2] — اے مسلمانو! ان لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنو کہ جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی۔

[1] آل عمران آیۃ ۱۵۶ [2] الاحزاب آیۃ ۶۹

وَقَالَ تَعَالیٰ - اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ کَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ - [1]

کیا مسلمانوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کے سامنے اُن کے دل پست ہو جائیں اور ان لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنیں کہ جن کو پہلے کتاب دی گئی یعنی یہود اور نصاریٰ کے مشابہ نہ بنیں جن پر زمانہ دراز گذرا پس ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے ان میں سے بدکار ہیں۔

یعنی اندیشہ یہ ہے کہ اگر تم نے یہود اور نصاریٰ کی مشابہت اور مماثلث اختیار کی تو تمہارے دل بھی اُن کی طرح سخت ہو جائیں گے اور قبول کی صلاحیت ان سے جاتی رہے گی۔

علامہ ابن حجر مکی ہیثمی نے اپنی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر ص ۱۱ ج ۱ میں مالک بن دینار محدّث کی روایت سے ایک نبی کی وحی نقل کی ہے۔ وہ یہ ہے۔

قَالَ مَالِكُ بنُ دینار اوحی اللّٰه الی النَّبِی من الانبیآء اَنْ قُلْ لِقَوْمِكَ لَایَدْخُلُوْا مداخل اعدائی وَلَایلبسوا ملابس اعدائی وَلَایَرکبوامراکب اعدائی وَلَا یَطعموا مطاعم اعدائی فَیَکُوْنُوا اعدائی کماهم اعدائی - [2]

مالک بن دینار کہتے ہیں انبیاء سابقین میں سے ایک نبی کی طرف اللہ کی طرف سے یہ وحی آئی کہ آپ اپنی قوم سے یہ کہہ دیں کہ میرے دشمنوں کے گھسنے کی جگہ میں نہ گھسیں اور نہ میرے دشمنوں جیسا لباس پہنیں اور نہ میرے دشمنوں جیسے کھانے کھائیں اور نہ میرے دشمنوں جیسی سواریوں پر سوار ہوں۔ یعنی ہر چیز میں ان سے ممتاز اور جدار ہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی میرے دشمنوں کی طرح میرے دشمن بن جائیں۔

اس وحی کا آخری جملہ فیکونوا اعدائی کما هم اعدائی۔ ایسا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں مسلمانوں کا فروں کے ساتھ اُٹھنے اور بیٹھنے کی ممانعت کے بعد یہ فرمایا انکم

[1] الحدید آیۃ ۱۶ [2] کتاب الزواجر ص ۱۱ ج ۱

اذا مثلهم اس وقت تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے اور ارشاد فرمایا ومن یتولهم منکم فانه منهم جو کافروں سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے شمار ہوگا اور حدیث میں ہے من تشبه بقوم فهو منهم۔ جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی قوم میں سے شمار ہوگا۔

تشبہ بالاغیار کے مفاسد اور نتائج

غیروں کی سی وضع قطع اور اُن جیسا لباس اختیار کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں۔

(۱)

پہلا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ کفر اور اسلام میں ظاہراً کوئی امتیاز نہ رہے گا۔ اور ملّت حقہ۔ ملّت باطلہ کے ساتھ ملتبس ہو جائے گی سچ پوچھتے ہو تو حقیقت یہ ہے کہ تشبہ بالنصاریٰ۔ معاذ اللہ نصرانیت کا دروازہ اور اس کی دہلیز ہے۔

(۲)

دوم یہ کہ غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے آخر قومی نشان اور قومی پہچان بھی کوئی چیز ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ شخص فلاں قوم کا ہے پس اگر یہ ضروری ہے تو اس کا طریقہ سوائے اس کے کیا ہے کہ کسی دوسری قوموں کا لباس نہ پہنیں جیسے اور قومیں اپنی اپنی وضع کی پابند ہیں اسی طرح اسلامی غیرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم بھی اپنی وضع کے پابند رہیں اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہماری خاص پہچان ہو۔

(۳)

کافروں کا معاشرہ اور تمدّن اور لباس اختیار کرنا در پردہ ان کی سیادت اور برتری کو تسلیم کرنا ہے۔

بلکہ

اپنی کمتری اور کہتری اور تابع ہونے کا اقرار اور اعلان ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا اس لئے کہ کمتر ہی برتر کی وضع اختیار کرتا ہے نہ کہ برعکس۔ محکوم، حاکم کی تقلید پر مجبور ہوتا ہے اور اس کی خوشنودی کے لئے اس جیسا لباس پہنتا ہے، اسلام جب ایک کامل اور مستقل دین ہے تو وہ اوروں کی کیوں تقلید کرے۔

(۴)

نیز اس تشبہ بالکفار کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ کافروں سے مشابہت کا دل میں میلان اور داعیہ پیدا ہوگا جو صراحۃً ممنوع ہے۔ کما قال تعالیٰ

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔	اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں مبادا انکی طرف مائل ہونے کی وجہ سے تم کو آگ نہ لگے اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا دوست اور مددگار نہیں پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

بلکہ غیر مسلموں کا لباس اور شعار اختیار کرنا اُن کی محبت کی علامت ہے جو شرعاً ممنوع ہے کما قال تعالیٰ:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔[1]	اے ایمان والو تم یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہیں۔ وہ تمہارے دوست نہیں اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ انہی میں سے ہو جائے گا تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو۔

کیا یہ صریح ظلم نہیں کہ دعویٰ تو ہو ایمان اور اسلام کا یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا اور صورت اور ہیئت اور وضع قطع اور لباس اس کے دشمنوں کا ہو۔ کوئی بادشاہ اور کوئی حکومت کبھی اس امر کو برداشت نہیں کرسکتی کہ دعویٰ تو ہو اس کی وفاداری کا اور دوستانہ تعلقات ہوں۔ حکومت کے دشمنوں سے دوستی اور تجارتی تعلقات اور اُن کے ساتھ نشست و برخاست یہ سب باتیں قانوناً جرم ہیں۔ پس اگر خداوند احکم الحاکمین اپنے دشمنوں اور اپنے وزراء اور سفراء یعنی انبیاء ومرسلین کے منکروں اور مخالفوں سے دوستانہ تعلقات اور ان کے ساتھ نشست و برخواست اور وضع قطع اور ہیئت اور لباس میں ان کی مشابہت سے منع کرتا ہے تو اس پر کیوں ناک منہ چڑھاتے ہو۔

---

[1] المائدہ، آیۃ: ۵۱۔

(۵)

اس کے بعد رفتہ رفتہ اسلامی لباس اور اسلامی تمدّن کے استہزاء اور تمسخر کی نوبت آئے گی اسلامی لباس کو حقیر سمجھے گا اور تبعاً اس کے پہننے والوں کو بھی حقیر سمجھے گا۔ اگر اسلامی لباس کو حقیر نہ سمجھتا تو انگریزی لباس کو کیوں اختیار کرتا۔

(۶)

اسلامی احکام کے اجراء میں دشواری پیش آئے گی۔ مسلمان اس کی کافرانہ صورت دیکھکر گمان کریں گے کہ یہ کوئی یہودی یا نصرانی ہے یا ہندو ہے اور اگر کوئی ایسی لاش مل جائے تو تردد ہوگا کہ اس کافرنما انسان کی نماز جنازہ پڑھیں یا نہ پڑھیں اور کس قبرستان میں اس کو دفن کریں۔

(۷)

جب اسلامی وضع کو چھوڑ کر دوسری قوم کی وضع قطع اختیار کرے گا تو قوم میں اس کی کوئی عزّت باقی نہیں رہے گی اور جب قوم ہی نے اُس کی عزّت نہ کی تو غیروں کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس کی عزّت کریں۔ غیر بھی اسی کی عزّت کرتے ہیں جس کی قوم میں عزّت ہو۔

(۸)

دوسری قوم کا لباس اختیار کرنا اپنی قوم سے بے تعلّقی کی دلیل ہے۔

(۹)

افسوس کہ دعویٰ تو اسلام کا۔ مگر لباس اور طعام اور معاشرہ اور تمدّن اور زبان اور طرز زندگی سب کا سب اسلام کے دشمنوں جیسا۔ جب حال یہ ہے تو اسلام کے دعوے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ اسلام کو ایسے مسلمانوں کی نہ کوئی حاجت ہے اور نہ کوئی پروا ہے کہ جو اس کے دشمنوں کی مشابہت کو اپنے لئے موجب عزّت اور باعثِ فخر سمجھتے ہوں۔
سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کافروں کی وضع قطع اختیار کرنے کی کیا ضرورت اور کیا مصلحت داعی ہوئی بلا ضرورت کافر قوم کے لباس اختیار کرنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ معاذ اللہ۔ لاوٗ ہم بھی کافر بنیں اگرچہ صورت ہی کے اعتبار سے بن جائیں۔

یا بالفاظ دیگر

یوں کہو کہ لاوٗ اپنے دشمنوں کا لباس ہے ہم بھی رواداری ظاہر کرنے کے لئے دشمن کے

ہم شکل اور ہم لباس بن جائیں اور نصاریٰ کا دشمنِ اسلام اور دشمنِ مسلمان ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ قرآن و حدیث نے خبر دی ہے ان الکافرین کانوا لکم عدوا مبینا اور تقسیم ہند کے وقت اسلام کے ساتھ نصاریٰ کی دشمنی کا مشاہدہ ہو گیا کہ جس قدر زائد سے زائد علاقہ برطانیہ ہندوؤں کو دے سکتی تھی وہ ہندوؤں کو دے گئی اور مسلمانوں کو محروم کر گئی۔ برطانیہ نے باہر سے چار لاکھ یہودی لا کر فلسطین میں بسائے اور اس طرح فلسطین کو تقسیم کیا۔ اس قاعدہ سے ہندوستان میں جہاں کہیں بھی چار لاکھ اور آٹھ لاکھ مسلمان آباد تھے۔ برطانیہ کو چاہئے تھا کہ فلسطین کی طرح ہندوستان کے اُن علاقوں کو بھی تقسیم کرتی۔ موجودہ حالات میں یہودیوں اور مسلمانوں کی کل آبادی فلسطین میں آٹھ لاکھ ہے اور ہندوستان کے صوبہ یوپی میں تنہا مسلمانوں کی تعداد اسی لاکھ ہے۔ تقسیم فلسطین کے اصول سے صوبہ یوپی میں بھی اسی لاکھ مسلمانوں کی الگ ریاست قائم کرنی تھی غرض یہ کہ نصاریٰ کی مسلمانوں سے دشمنی آفتاب کی طرح روشن ہے پھر نہ معلوم کیوں مسلمان اَپنے دشمنوں کے معاشرہ کو اختیار کرتے جارہے ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ لوگ انگریزی وضع قطع کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وضع قطع اہلِ حکومت اور اہلِ شوکت کی ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ انگریزوں کے ہم شکل بنیں گے تو عزّت اور شوکت حاصل ہوگی۔

مگر افسوس کہ عزّت اور شوکت تو اس لئے حاصل کی جاتی ہے کہ غیروں کے مقابلہ میں اس سے کام لیا جائے۔ اپنی قوم پر اور اپنوں پر رعب جمانے کے لئے عزّت و شوکت حاصل نہیں کی جاتی دعویٰ تو قومی ہمدردی کا مگر اپنی قوم کے معاشرہ سے وحشت اور نفرت اور غیر قوم کے معاشرہ سے اُنس اور محبّت۔

گرگٹ کی طرح وقتاً فوقتاً رنگ بدلنے میں کیا خاک عزّت رکھی ہے کہ ٹکٹکی باندھے ہوئے یورپ کو دیکھ رہے ہیں جو فیشن اور لباس انھوں نے اختیار کیا وہی لباس اور فیشن ان عاشقانِ مغرب نے بھی اختیار کر لیا۔ جو کسی کا عاشق بنے گا اس کو معشوق کے سامنے ذلیل و خوار بن کر رہنا پڑے گا۔ اب اختیار ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور خلفاء راشدین کے اور ان کے معاشرہ کے عاشق بن جاؤ یا یورپ کے اوباشوں اور عیاشوں کے معاشرہ کے عاشق ہو جاؤ۔ خوب سمجھ لو کہ عشق کی بنیاد تذلل پر ہے۔

ترقی کا راز و مدار

یہ امر تمام روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اسلام کی روشنی مکہ مکرمہ کے اُفق سے روئے زمین پر پھیلی جس سے تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کی کایا پلٹ ہوگئی اور دینی اور دنیوی ترقی ان کو حاصل ہوگئی اور آسمانی شریعت کے پھیلانے کے ضمن میں اُن کو جو سلطنت قاہرہ اور سطوت جہانداری اور فرماں روائی حاصل ہوئی اس کا سبب یہ نہ تھا کہ انھوں نے سلاطین وقت کے مروجہ علوم نہایت سرگرمی سے حاصل کیئے تھے یا تجارت وصنعت میں انھوں نے بڑی دستگاہ پیدا کی تھی یا سوادی کاروبار کو انھوں نے وسیع پیمانہ پر پھیلایا تھا اور بڑی تجارتوں کے لئے سودی بنک قائم کیئے تھے۔

بلکہ اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ آسمانی شریعت کی مشعل ہدایت اُن کی ہادی اور رہنما تھی اور اتباع نبوی ہی اُن کی قوت تھی اور یہی ان کا لشکر تھا اور یہی ان کا ہتھیار تھا اور یہی ان کی فتح ونصرت کا جھنڈا تھا جس سے چند روز میں انھوں نے ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کرلی کہ جس نے قیصر و کسریٰ کی عظمت وجلال کو خاک میں ملا دیا۔

یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ جس پر کسی دلیل اور برہان قائم کرنے کی حاجت نہیں اور یہود اور نصاریٰ کے مؤرخین اس پر گواہ ہیں کہ آں حضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے، اور تن تنہا عرب کے وحشیوں اور جاہلوں اور اونٹ چرانے والوں کو توحید وتفرید کا سبق پڑھایا اور آسمانی کتاب کی تعلیم دی ایک طرف تو ان کو عبودیت اور معرفت سے آگاہ کیا اور دوسری طرف ان کو جہانبانی اور عدل وعمرانی کے وہ طریقے بتلائے کہ جس سے چند ہی روز میں وہ ایک زبردست سلطنت کے مالک بن گئے حالانکہ انکے پاس نہ کوئی مال ودولت تھا نہ کوئی فوج اور طاقت تھی اور نہ انھوں نے غیر قوموں کے علوم وفنون حاصل کیے اور نہ انھوں نے سود کو حلال قرار دیا تھا۔ یہ سب اتباع شریعت کی برکت تھی۔

آں حضرت ﷺ کے وصال کے بعد صدّیق اکبر آپ کے جانشین ہوئے تو آپ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں شریعت کی پابندی کو پورا پورا الحوظ رکھا اور آپ کے عہدِ خلافت میں جن قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ان پر فوج کشی کی اور قسم کھا کے یہ فرمایا کہ جو رسی آں

حضرت کے زمانہ میں دیتے تھے اگر اس کے دینے میں بھی تامل کریں گے تو میں ان سے جہاد وقتال کروں گا۔ اور مرتدین اور مدعیانِ نبوت سے جہاد وقتال کیا اور ان کا قلع قمع کیا۔

اسی طرح خلیفہ ثانی کے زمانے میں جو ہیبت اور شوکت تھی وہ بھی اتباع شریعت ہی کی برکت سے تھی دنیا کے بڑے بڑے سلاطین ان سے ڈرتے تھے۔

خوب سمجھ لو: کہ جس نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کے اتباع کی برکت سے صحابہ کو ذوالقرنین اور سلیمان جیسی حکومت ملی اور جس سے قیصر وکسریٰ کا تختہ الٹا گیا اور اُن کی فوجوں کو اور اُن کے تمدّن اور معاشرہ کو صحابہ نے کھلے بندوں پچھاڑا۔ اسی طریق کو اختیار کروگے تو ترقی ہوگی امام مالک کا ارشاد ہے۔

لا يصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها	اس امّت کے آخر کو اسی چیز سے صلاح اور فلاح حاصل ہوگی جس چیز سے امّت کے اول کو صلاح اور فلاح حاصل ہوئی۔

شریعت اسلام نے حکمرانی کے وہ اصول بتائے کہ جو دنیا نے نہ کبھی دیکھے تھے نہ سُنے تھے۔ اسی کے اتباع سے ترقی ہوگی۔ غیروں کی پیروی اور نقالی سے ترقی نہیں ہوسکتی ترقی کا دارومدار۔ یہود ونصاریٰ کی مشابہت پر نہیں محض لباس۔ ذلّت اور حقارت کو دفع نہیں کرسکتا نیز ترقی کا دارومدار اسوۂ نبوی کی پیروی پر ہے جیسا کہ خلفائے راشدین اور خلفاء بنی امیّہ وخلفائے عبّاسیہ کے دَور میں جو ترقی ہوئی وہ مشابہت کفّار کی بناء پر نہ تھی بلکہ اتباع نبوی کی بناء پر تھی۔

بلکہ

ہمارے تنزل کا اصلی سبب تشبہ بالاغیار ہے اور تشبہ بالانبیاء سے انحراف ہے اور علیٰ ہذا یہ گمان کرنا کہ اسلامی لباس انگریزوں کی نگاہوں میں بے وقعتی کا موجب ہے، سو یہ خیال خام ہے عزّت ووقعت کا دارومدار قابلیت پر ہے نہ کہ لباس پر بلکہ نقل اتارنے والے کو خوشامدی سمجھتے ہیں۔ اسلامی لباس میں بے وقعتی نہیں بے وقعتی تو غیروں کے لباس میں ہے، لندن میں گول میز کانفرنس ہوئی بہت سے ہندو لیڈر انگریزی لباس میں گئے مگر گاندھی اپنے لنگوٹے میں گیا۔ سو حکومت برطانیہ نے جو اعزاز ننگے فقیر گاندھی کا کیا وہ انگریزی لباس والوں کا نہیں کیا۔

دہلی میں بہت سے دربار ہوئے جو والیان ریاست لائق اور قابل تھے اور اسلامی لباس میں آتے تھے ان کا اعزاز و اکرام کوٹ پتلون والوں سے زیادہ ہوتا تھا۔

خوب سمجھ لو! کہ مسلمان خواہ کتنے ہی کافروں کے معاشرہ اور تمدّن کے رنگ میں رنگے جائیں یہود ونصاریٰ مسلمان سے اس وقت تک کبھی راضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ مسلمان۔ اپنے کو ملّتِ اسلام کا پیرو بتاتے رہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے ولن ترضی عنك اليهود ولا النصارىٰ حتّٰى تتبع ملّتهم

اے مسلمانو!

اگر ترقی چاہتے ہو تو اس طریقے کو اختیار کرو کہ جس طریق سے صدر اوّل میں اسلام کو ترقی ہوئی اور چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجا۔ جیسا کہ تاریخ عالم اس کی شاہد ہے کہ جو شوکت واقتدار اور فتوحات کی ترقی اور علمی اور فنّی اور اخلاقی عروج خلفائے راشدین اور خلفائے بنی امیّہ وخلفائے بنی عبّاس کے زمانے میں مسلمانوں کو حاصل ہوا امریکہ و برطانیہ کو مل کر بھی وہ عروج حاصل نہیں ہوا۔

مغربی قومیں۔ عرب کے جاہلوں سے زیادہ وحشی تھیں خلفاء عبّاسیہ کے دَور میں جو علم وحکمت کا چرچا ہوا تو مغربی اقوام نے مسلمانوں سے عُلوم وفنون حاصل کیے اور اپنی زبانوں میں ترجمے کیے اور ترقی کی جس منزل پر پہنچے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ اب اسلامی فرمانرواؤں کو چاہیئے کہ عُلوم جدیدہ کو اپنی زبان میں منتقل کریں تاکہ عام مسلمان اس سے استفادہ کر سکیں اور کالج میں جا کر عمر عزیز کے چودہ سال اور اپنی گاڑھی کمائی کے بیس بیس ہزار روپیہ غیر قوموں کی زبان سیکھنے کے لئے نذر نہ کریں۔

انگریزی لباس کے اقتصادی نتائج

پہلے اکثر وبیشتر کپڑے گھر میں سلا کرتے تھے، خصوصاً عورتوں کے زنانے کپڑے درزی کے یہاں بھیجنا بہت معیوب تھا۔ جب سے فیشن کا دروازہ کھلا سارے گھر کے کپڑے دورزیوں کے پاس جانے لگے، آمدنی میں تو اضافہ نہ ہوا خرچ میں اضافہ ہو گیا اب یا تو قرض

کرو یا حصول زر کے ناجائز طریقے اختیار کرو۔ انگریزی ساز و سامان کے لئے انگریز جیسی دولت بھی تو چاہیے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہر وقت دماغ میں یہ بسا ہوا ہے کہ جس طرح بھی ہو انگریز کی طرح زندگی بسر کریں۔

ان بدنام کنندگان اسلام سے پوچھتا ہوں کہ تم نے کس وجہ سے انگریزی لباس کو اسلامی لباس پر ترجیح دی اگر وجہ یہ ہے کہ اسلامی لباس میں کوئی جسمانی مضرت یا نقصان محسوس کیا ہے تو اس کو بیان کریں تا کہ اس پر غور کیا جائے کہ اسلامی لباس میں جسمانی مضرتیں ہیں یا انگریزی لباس میں۔ اور اگر وجہ یہ ہے کہ اسلامی لباس میں حقارت پائی جاتی ہے تو پھر اگر یہی بات ہے تو پھر اسلام کے دعوے کی بھی ضرورت نہیں۔ مغربی قومیں تو سرے سے اسلام اور مسلمان ہی کو حقیر اور ذلیل سمجھتی ہیں۔ ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتھم اسلام کو ایسے مسلمانوں کی کوئی ضرورت نہیں کہ جو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہوں اور ہر نئے فیشن کے دلدادہ اور عاشق ہوں اور استقلال اور خودداری سے کورے ہوں "جیسا دیس ویسا بھیس" ان کا مذہب ہو جس کے مزاج میں استقلال اور خودداری نہ ہو وہ کیا حکومت کر سکے گا۔

الحاصل

جب تک خلفائے اسلام۔ اتباع شریعت میں سرگرم رہے اُن کی سلطنت روبترقی رہی اور مخالفوں کی نظروں میں ان کی عزّت اور ہیبت رہی اور دشمنوں کے دل ان سے دہلتے رہتے اور تائید الٰہی ان کے شامل حال رہی۔

قال تعالی یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ	اے مؤمنو۔ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو ثابت رکھے گا۔
وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ	اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم پکّے مسلمان بنے رہے۔

پھر جس قدر وقتاً فوقتاً سلاطین اسلام میں پابندئ شریعت کا خیال کم ہوتا گیا اور عیش

وعشرت اور نفسانی خواہشوں میں توغل بڑھتا گیا اسی قدر اسلامی سلطنت کی بنیاد کم زور ہوتی گئی اور اسلامی حکومت کا دائرہ مختصر ہوتا گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَایُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر پیدا نہیں کرتے جب تک وہ خود اپنی حالتوں میں تغیر نہ پیدا کرلیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نگہبانی اور مہربانی سے محروم نہیں کرتا جب تک وہ اپنی چال اور طور طریق کو اللہ کے ساتھ نہ بدلیں۔

تشبہ کے مفاسد اور مضرتوں پر فاروقِ اعظم کا تنبہ

حضرت عمر کے عہد خلافت میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور قیصر وکسریٰ کی حکومت کا تختہ الٹا گیا تو فاروق اعظم کو فکر دامنگیر ہوئی کہ عجمیوں کے اختلاط سے اسلامی امتیازات اور خصوصیات میں کوئی فرق نہ آجائے اس لئے ایک طرف تو مسلمانوں کو تاکید اکید کی کہ غیر مسلموں کی تشبہ سے پرہیز کریں اور ان جیسی ہیئت اور لباس اور وضع قطع اختیار نہ کریں۔ اور دوسری طرف کافروں کے لئے ایک فرمان جاری کیا کہ کفار اپنی خصوصیات اور امتیازات میں نمایاں رہیں اور مسلمانوں کی وضع قطع اور اُن کا ازار وعمامہ نہ استعمال کریں تاکہ اپنے اور پرائے میں التباس نہ ہوسکے اور اشتباہ اور التباس کا دروازہ بند ہوجائے۔

مسلمانوں کے نام فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان

روی البخاری فی صحیحه عن عمر رضی اللّٰهُ عَنه انه کتب الی المسلمین المقیمین ببلاد فارس ایاکم وزیّ اهل الشرك (اقتضاء الصراط المستقیم ص ٦٠)	امام بخاری راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اُن مسلمانوں کے نام جو بلاد فارس میں مقیم تھے۔ یہ فرمان جاری کیا کہ اے مسلمانو۔ اپنے آپ کو اہلِ شرک اور اہلِ کفر کے لباس اور ہیئت سے دور رکھنا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس طرح فرمان جاری فرمایا:

اما بعد فاتزروا وارتدوا واشغلوا وعليكم بلباس ابيكم اسماعيل واياكم والتنعم وزى العجم و تمعددوا واخشو شنوا واخلولقوا الحديث فتح البارى ص ۲۴۰ ج ۱۰ باب لبس الحرير للرجال وقدر مايجوز منه من كتاب اللباس

اما بعد اے مسلمانو۔ ازار اور چادر کا استعمال رکھو اور چولے پہنو اور اپنے جد امجد اسمٰعیل علیہ السّلام کے لباس (لنگی اور چادر) کو لازم پکڑو اور اپنے آپ کو عیش پرستی اور عجمیوں کے لباس اور اُن کی وضع قطع اور ہیئت سے دُور رکھو مبادا کہ تم لباس اور وضع قطع میں عجمیوں کے مشابہ بن جاؤ اور حضرت اسمٰعیل کے نبیرہ معد بن عدنان کی وضع قطع اختیار کرو اور موٹے اور کھردرے اور پُرانے کپڑے پہنو جو اہلِ تواضع کا لباس ہے۔

اور مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ ہم آذربیجان میں تھے کہ ہمارے امیر لشکر عتبہ بن فرقد کے نام فاروق اعظم کا یہ فرمان پہنچا:۔

ياعتبة بن فرقداياكم والتنعم وزى اهل الشرك ولبوس الحرير (اقتضاء الصراط المستقيم ص ۶۰)

اے عتبہ بن فرقد تم سب کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو عیش پرستی اور کافروں اور مشرکوں کے لباس اور ہیئت اور وضع قطع سے اپنے کو دور اور محفوظ رکھیں اور ریشمین لباس کے استعمال سے پرہیز رکھیں۔

کافروں کے متعلق فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان

فاروق اعظم کا وہ فرمان کہ جو نصارائے شام کے عہد اور اقرار کے بعد بطور شرائط تمام قلمرو خلافت میں جاری کیا گیا اور جن شرائط پر نصارائے شام کو جان و مال اور اہل وعیال کا امن دیا گیا وہ یہ تھا۔

ان نوقر المسلمين ونقوم لهم من مجالسنا ان ارادوا الجلوس وَلا نتشبه بهم في شيئ من ملابسهم في قلنسوة وَلا عمامة وَلا نعلين وَلا فرق شعر ولا نتكلم بكلامهم ولا نكتني بكناهم ولا نركب السروج ولا نتقلد السّيوف ولا نتخذ شيئا من السلاح ولا نحمله وَلا ننقش خواتيمنا بالعربية وَلا نبيع الخمور وان نجز مقادم رؤسنا وان نلزم زينا حيث ما كنا نشدالزنا نير على اوساطنا وان لا نظهر الصّليب على كنائسنا وَان لا نظهر صليبا ولا كتبنا من كتب ديننا في شيئ من طريق المسلمين وَلا اسواقهم ولا نضرب بنواقيسنا في كنائسنا الا ضربا خفيفا ولا نرفع اصواتنا مع موتانا ولا نظهر النيران معهم في شيئ من طرق المسلمين

ہم نصارائے شام اپنی جانوں اور مالوں اور اہل وعیال اور اپنے اہل مذہب کے لیے امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امان طلب کرتے ہیں اور اَپنے نفسوں پر بطور شرط اور عہد امورِ ذیل کو لازم گردانتے ہیں (۱) کہ ہم مسلمانوں کی تعظیم وتوقیر کریں گے (۲) اور اگر مسلمان ہماری مجلسوں میں بیٹھنا چاہیں گے تو ہم اُن کے لئے مجلس چھوڑ دیں گے۔ (۳) اور ہم کسی امر میں مسلمانوں کے ساتھ تشبہ اور مشابہت نہ کریں گے، نہ لباس میں نہ ٹوپی میں نہ عمامہ میں نہ جوتے میں نہ سر کی مانگ میں (۴) ہم ان جیسا کلام نہ کریں گے (۵) اور نہ مسلمانوں جیسا نام اور کنیت رکھیں گے (۶) اور نہ زین پر گھوڑے کی سواری کریں گے (۷) اور نہ تلوار لٹکائیں گے (۸) اور نہ کسی قسم کا ہتھیار بنائیں گے اور نہ اٹھائیں گے (۹) اور نہ اپنی مہروں پر عربی نقش کندہ کرائیں گے (۱۰) اور نہ شراب کا کاروبار کریں گے (۱۱) اور سر کے اگلے حصہ کے بال کٹائیں گے (۱۲) اور ہم جہاں بھی رہیں گے اپنی ہی وضع پر رہیں گے (۱۳) اور اپنے گلوں میں زنار لٹکائیں گے (۱۴) اور اَپنے گرجاؤں پر

رواہ حرب باسناد جیّد (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۵۸)

صلیب کو بلند نہ کریں گے (۱۵) اور مسلمانوں کے کسی راستہ اور بازار میں اپنی مذہبی کتاب شائع نہ کریں گے (۱۶) اور ہم اَپنے گرجاؤں میں ناقوس نہایت آہستہ بجائیں گے (۱۷) اور ہم اَپنے مُردوں کے ساتھ آوازیں بلند نہ کریں گے (۱۸) اور ہم اپنے مُردوں کے ساتھ آگ نہیں لے جائیں گے، (یہ مجوس کے متعلق ہے جو آگ کی پرستش کرتے تھے۔)

اس روایت کی سند نہایت عمدہ اور کھری ہے۔

عبدالرحمن بن غنم اشعری فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم اور نصارائے شام کے مابین جو شرائط امن طے پائے وہ تحریر میں نے لکھی (جس میں علاوہ شرائط مذکورہ کے یہ شرائط بھی تھے)

ان لانحدث فی مدینتنا ولافی ماحولها دیرا ولا کنیسة ولاصومعة راهب ولا نجدد ما خرب منها ولا نحیی ما کان خططا للمسلمین وان لانمنع کنائسنا ان ینزلها احد من المسلمین فی لیل اونهار وان نوسع ابوابها للمارة وابن السبیل وان ننزل من رأینا من المسلمین ثلاثة ایام نطعمهم وَلا نؤوی فی کنائسنا ولا منازلنا جاسوسا

(۱۹) اور ہم اپنی آبادی میں کوئی نیا گرجا نہیں بنائیں گے (۲۰) اور جو گرجا خراب ہوجائے گا اسکی تجدید نہیں کریں گے (۲۱) اور جو خطۂ زمین مسلمانوں کے لئے ہوگا ہم اس کو آباد نہیں کریں گے (۲۲) اور کسی مسلمان کو دن ہو یا رات کسی وقت بھی اپنے گرجا میں اترنے سے نہ روکیں گے (۲۳) اور اپنے گرجاؤں کے دروازے مسافروں اور گزرنے والوں کے لئے کشادہ رکھیں گے (۲۴) اور تین دن تک مسلمان مہمان کی مہمانی کریں گے (۲۵) اور اَپنے کسی گرجا اور کسی مکان میں مسلمانوں کے

ولا نكتم غشا للمسلمين ولا نعلم اولادنا القرآن ولا نظهر شركا ولا ندعو اليه احدا ولا نمنع احدا عن ذوی قرابتنا الدخول فی الاسلام ان ارادوا۔

جاسوس کو ٹھکانہ نہیں دیں گے (۲۶) اور مسلمانوں سے کسی غل و غش کو پوشیدہ نہ رکھیں گے (۲۷) اور اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم نہیں دیں گے (۲۸) اور کسی شرک کی رسم کو ظاہر اور علانیہ طور پر نہ کریں گے (۲۹) اور نہ کسی کو شرک کی دعوت دیں گے (۳۰) اور نہ اپنے کسی رشتہ دار کو اسلام میں داخل ہونے سے روکیں گے۔

عبدالرحمٰن بن غنم اشعری فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ شرائط نامہ لکھ کر فاروق اعظم کے ملاحظہ کیلئے لاکر سامنے رکھا تو فرمایا کہ اس تحریر میں اتنا اضافہ اور کر دو۔

ولا نضرب احد امن المسلمين شرطنا لكم ذالك على انفسنا و اهل ملتنا وقبلتنا عليه الامان فان نحن خالفنا فی شیئ مما شرطناه لكم ووظفنافی انفسنا فلاذمة لناوقد حل لكم منا مايحل من اهل المعاندة والشقاق (تفسیرابن کثیرص ۳۴۷ ج ۲ سورة توبه تفسیر آیت جزية)

اور ہم کسی مسلمان کو ماریں گے نہیں یعنی تکلیف نہیں پہنچائیں گے ہم نے انہی شرائط پر اپنے لئے اور اپنے اہل مذہب کے لئے امان حاصل کیا ہے پس اگر ہم نے شرائط مذکورہ بالا میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کی تو ہمارا عہد اور امان ختم ہو جائے گا۔ اور جو معاملہ اہلِ اسلام کے دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ ہے وہی ان کے لئے روا ہو جائے گا۔

(نصاریٰ کا اقرار نامہ ختم ہوا۔)

ایک شبہہ اور اس کا جواب

شبہہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص سر سے پیر تک انگریزی یا ہندوانہ لباس میں غرق ہو جائے تو کیا اس کے اعتقادِ توحید و رسالت میں کوئی فرق آجائے گا یا اس لباس سے وہ کافر ہو جائے گا۔

جواب

اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا مردانہ لباس تو اُتار دیں اور دولت خانہ میں جا کر بیگم صاحبہ کا کمخواب کا پاجامہ اور سُرخ ریشمین اور زرین کرتا اور بنارسی دوپٹہ اور ہاتھوں میں چوڑیاں پاؤں میں پازیب اور گلے میں ہار ڈال کر۔ باہر تشریف لا کر دفتر میں کرسی پر اجلاس فرمائیں تو کیا آپ بیگم صاحبہ بن جائیں گے اور کیا آپ کی باطنی رجولیت میں کوئی فرق یا خلل آ جائے گا اور دفتر میں کرسی پر اجلاس فرمانا کیا گوارا کریں گے، امید ہے کہ آپ کو اپنے اُصول وقاعدہ کی بناء پر اس کو گوارا کرنا چاہیئے کیونکہ آپ کے نزدیک ظاہری مشابہت میں کوئی حرج نہیں محض لباس میں کیا رکھا ہے اور جب انگریزی لباس سے مسلمان کافر نہیں بن جاتا تو کیا ایک مرد بیگم صاحبہ کا لباس پہن لینے سے عورت یا بیگم صاحبہ بن جائے گا، محض زنانہ لباس سے اس کی رجولیت اور مردانگی میں کیا فرق آ جائے گا۔

اور علیٰ ہذا اگر کوئی شخص۔ کسی مخنث (ہیجڑے) کا لباس پہن لے تو کیا حقیقۃً وہ مخنث ہو جائیگا بے شک زنانہ لباس سے فی الحال تو مرد عورت نہیں بن جائے گا لیکن اگر خدانخواستہ چند روز اسی زنانہ اور مخنثانہ لباس میں گزر گئے تو آپ دیکھ لیں گے کہ چند روز کے بعد آپ کے اخلاق واعمال زنانہ اور مخنثانہ ہو جائیں گے اور آپ کا لب ولہجہ اور طرز کلام اور نشست وبرخاست زنانہ اور مخنثانہ ہو جائیں گے کیونکہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے، تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ جس طرح باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے اسی طرح ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ اچھے اعمال سے قلب منور ہوتا ہے اور بُرے اعمال سے قلب تاریک ہوتا ہے۔

پس اسی طرح سمجھیے کہ انگریزی یا ہندوانہ لباس سے فی الحال اگرچہ اسلامی عقائد میں خلل نہیں آیا لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ آیندہ چل کر بھی اس کے باطنی اعتقاد میں خلل نہ آئے گا۔ خوب یاد رکھو کہ جب تک تمھارا اسلامی عقیدہ اندر سے محفوظ ہے اس وقت تک تو تم انگریزی اور ہندوانہ لباس کے استعمال سے عیسائیوں اور مشرکوں کے فقط مشابہ ہو اور حسب ارشاد نبوی **من تشبه بقوم فهو منهم**۔ جُرم تشبہ کے مجرم ہو۔ اور خدانخواستہ اور خدانخواستہ اور خدانخواستہ جس دن تمھارے ظاہر کا اثر تمھارے باطن میں پہنچ جائے اور اسلامی عقائد میں بھی خلل آ جائے تو سمجھ لینا کہ تم اس وقت مشرکین اور نصاریٰ کے مشابہ

نہیں رہے بلکہ خود نصرانی اور مشرک ہو گئے جو حکم اُن کا ہے وہی اِن کا ہے۔ اگر چہ زبان سے اسلام کا دعویٰ کریں۔ ایسا اسلام قومی اسلام کہلائے گا شرعی اسلام نہ کہلائے گا۔ شرعی اسلام وہ ہے کہ جو قواعد شرعیہ کے مطابق ہو۔

قانوناً پاکستانی وہ ہے کہ جو پاکستانی حکومت کے قوانین کو مانتا ہو۔ اور دشمنان حکومت کی وردی کے استعمال سے اپنے کو محفوظ رکھتا ہو اور جو شخص پاکستان کے قوانین اور احکام پر نکتہ چینی کرتا ہو اور بھارت کی وردی پہن کر بازاروں میں پھرتا ہو اگر چہ ایسا شخص قومی حیثیت سے پاکستانی ہو مگر حکومت کے قانون اور ضابطہ سے وہ دشمنان حکومت میں سے ہے۔

ہمارے اس بیان سے ایک اور شبہہ کا بھی جواب نکل آیا وہ یہ کہ کوئی یہ کہے کہ زنانہ لباس پہننے میں قباحت یہ ہے کہ عورت دوسری جنس ہے اور مرد دوسری جنس ہے۔ جواب یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں مؤمن اور کافر دو الگ الگ جنسیں ہیں ایک جنس کو دوسری جنس کی مشابہت کی اجازت نہیں جیسے حکومت کی نظر میں وفادار اور باغی دو الگ الگ قسمیں ہیں اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں اگر چہ وہ دونوں ایک ہی باپ کی اولاد اور ایک خاندان کے دو فرد ہوں، اسی طرح اسلام کی نظر میں مؤمن اور کافر دو الگ الگ قسمیں ہیں اور ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں هو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن اور جس طرح تمام متمدن حکومتوں میں یہ قانون ہے کہ حکومت کے دشمن اور باغی کو صدارت اور وزارت کا منصب نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح اسلام کہتا ہے کہ دشمن اسلام (کافر) کو اسلامی حکومت کا امیر اور وزیر نہیں بنایا جاسکتا۔

اندکے پیش تو گُفتم غمِ دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اسلامی لباس کی تعریف

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ ذٰلِكَ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔

کسی فعل اور عمل کو اسلامی کہنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود

اس کام کو کیا ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نے اس کی اجازت دی ہو اور اس سے منع نہ فرمایا ہو۔ پس جس امر سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہو وہ امر غیر اسلامی ہوگا اور جس کو خود کیا ہو یا اس کی اجازت دی ہو وہ امر اسلامی کہلائے گا، مثلاً جو کی روٹی کھانا آپ کی سنّت فعلی ہے اور اس پر عمل کرنا اعلیٰ اور افضل ہے اور خمیری روٹی اور بریانی اور مرغ تنجن کا استعمال جائز ہے کیونکہ ان لذائذ اور طیبات کی شریعت سے اجازت ثابت ہے اور کتّے اور خنزیر اور شراب کا استعمال غیر اسلامی ہوگا کیونکہ شریعت میں ان چیزوں کی ممانعت آئی ہے۔ اسی طرح لباس کو سمجھ لو کہ جو لباس آں حضرت ﷺ نے خود استعمال کیا مثلاً کرتا اور لنگی اور چادر اور جبّہ اور عمامہ لباس اسلامی ہے ہی۔ اور جو لباس آنحضرت ﷺ نے خود استعمال نہیں کیا مثلاً پاجامہ اور سلیم شاہی جوتہ اور اچکن اور صدری لیکن آپ کی شریعت سے ان کی اجازت ثابت ہے ممانعت نہیں فرمائی جیسے ریشمین کپڑوں اور زعفرانی رنگ اور ٹخنوں سے نیچے لنگی اور پاجامہ پہننے کی ممانعت فرمائی تو یہ ریشمی اور زعفرانی لباس غیر اسلامی لباس کہلائے گا۔

اسی طرح قرآن وحدیث سے اعداء اللہ (دشمنان خدا) یعنی کافروں کے تشبہ سے ممانعت ثابت ہے اس لئے کافروں جیسا لباس پہننا جس سے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ شخص یہودی ہے یا نصرانی ہے یا مجوسی ہے یا ہندو ہے بلاشبہ ایسا لباس غیر اسلامی ہوگا، گاندھی کی دھوتی اور انگریزی ٹوپ اور پتلون اور کرزن فیشن سب کا ایک ہی حکم ہے، یہاں سے اہلِ فیشن کے اس شبہ کا بھی حل ہوگیا کہ جو علماء پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر کوٹ و پتلون غیر اسلامی ہے تو علماء کے لمبے لمبے کرتے اور اچکنیں اور سلیم شاہی جوتے بھی غیر اسلامی لباس ہوں گے کیونکہ حضور پُر نور اور آپ کے صحابۂ کرام سے اس قسم کا لباس اور اس قسم کا معاشرہ تاریخ اور سیرت سے کہیں ثابت نہیں۔

جواب

یہ ہے کہ جس چیز کی حضور پُر نور نے قولاً یا فعلاً اجازت دی ہو وہ سب شرعی اور اسلامی کہلائے گا اور جس چیز کی ممانعت فرمائی ہو وہ سب غیر اسلامی اور غیر شرعی کہلائے گا، حضور پُر نور نے اس قسم کے کرتے اور اچکنیں اور جوتے اگرچہ نہیں پہنے اور اس قسم کے کھانے پلاؤ

اور زردے اور کوفتے اور شامی کباب نوش نہیں فرمائے لیکن اس قسم کے توسعات اور تنعمات حاصل کرنے کی آں حضرت نے اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ حدود شرعیہ میں داخل رہیں اور اس قسم کے توسعات اور تنعمات اور عیش وعشرت کے سامان خلافت راشدہ کے زمانے میں ظاہر ہوئے اور جو اسباب راحت۔ حدود شرعیہ میں تھے ان پر صحابۂ کرام نے انکار نہیں فرمایا۔ الا یہ کہ جن خاص حضرات پر زہد کا خاص رنگ تھا تو وہ باریک کپڑے پہننے اور درہم ودینار کے جمع کرنے سے بھی منع فرماتے تھے۔

موسیا آداب دانا دیگرند
سوختہ جانان روانان دیگرند

خلاصۂ کلام

یہ کہ جو لباس اور جو کھانا اور پینا اور جو وضع قطع اور جو معاشرہ حدود شرعیہ کے اندر رہے گا وہ اسلامی کہلائے گا اور جو لباس اور جو کھانا اور جو وضع قطع حدود شرعیہ سے خارج ہوگی وہ غیر اسلامی کہلائے گی۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔

زاھد اتسبیح میں زنار کا ڈورانہ ڈال
یا برہمن کی طرف ہو یا مسلمان کی طرف

اب یہ حقیر وفقیر سراپا تقصیر سیرۃ المصطفیٰ کے حصہ سوم کو اس دعاء پر ختم کرتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَآ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

حصہ چہارم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

دلائلِ نبوت وبراھینِ رسالت

یعنی

معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حق جل شانہٗ نے بندوں کی ہدایت کے لئے انسانوں اور آدمیوں میں سے نبی اور رسول بھیجے تاکہ ان برگزیدہ ہستیوں کے واسطے سے بندوں تک اپنے احکام پہونچائے اور اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا بھولا ہوا وعدہ ان کو یاد دلائے اور اپنی حجت ان پر تمام کرے لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ اور حضرات انبیاء کرام کی تبلیغ کے بعد مخلوق کو اطاعتِ خداوندی میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

رسول اور نبی چونکہ انسان ہی ہوتے تھے اور اُن کی ظاہری صورت اور دوسرے انسان کی صورت میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، اس لئے حق تعالیٰ نے اُن کو معجزات عطا فرمائے جو اُن کی صداقت کی دلیل اور برہان ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان فرماتا ہے۔

فَذَانِکَ بُرْھَانَانِ مِنْ رَّبِّکَ [1] — یہ عصا اور ید بیضا کا معجزہ تیرے پروردگار کی طرف سے تیری رسالت کی دو روشن دلیلیں ہیں۔

ہر دعوے کے لئے دلیل ضروری ہے اور جیسا دعویٰ اسی کے مناسب دلیل چاہیے پس جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں فرستادۂ خداوند ذوالجلال ہوں اور اس کا سفیر

---

[1] القصص، آیۃ ۳۲

ہوں اور اس کے احکام اور ہدایات لے کر آیا ہوں لہٰذا اس کی صداقت ثابت کرنے کے لئے غیبی طور پر ایسے اُمور کا ظہور ضروری ہے کہ جس کے مثل لانے سے مخلوق بالکل مجبور اور معذور ہوتا کہ مخلوق ان خارق عادت امور کو مدّعی نبوّت کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہوا دیکھ کر یہ یقین کرلے کہ یہ تائید ربّانی اور کرشمۂ یزدانی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بلا کسی سبب ظاہری کے اس مدّعی نبوّت کے ہاتھ پر ظاہر ہورہا ہے اور دیکھنے والا یہ سمجھ لے کہ یہ معجزہ جو ظاہر ہو رہا ہے محض اللہ کا فعل ہے۔ معاذ اللہ۔ رسول کا فعل نہیں اور نہ رسول کے ارادہ اور اختیار کو اس میں کوئی دخل ہے۔ اور نہ کسی صناعی اور جعلی تدبیر سے وقوع میں آیا ہے بلکہ محض قدرت خداوندی سے ظاہر ہوا ہے کیونکہ ایسا کرشمہ دکھلانا انسان کی قدرت اور صنعت اور تدبیر سے باہر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ شخص مؤید من اللہ ہے اور اسی کے اتباع سے بندہ خدا تک پہنچ سکتا ہے اور دنیا اور آخرت کی کامیابی اسی کے دامن پکڑنے میں ہے معجزہ کو دیکھتے ہی (بشرطیکہ دل عناد اور حسد اور کجی سے پاک ہو) نبی کے سچے ہونے کا بے اختیار دل کو یقین آجاتا ہے اور نفس اس کی تصدیق پر مجبور ہوجاتا ہے، اندرونی طور پر نفس میں انکار اور تکذیب کی مجال نہیں رہتی نبوت و رسالت کا دعویٰ ایک امر عظیم ہے، اس لئے اس کے اثبات کے لئے برہان بھی عظیم چاہیے۔ پس معجزہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا نمونہ ہوتا ہے، جب نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے تو اس کے غلبے اور رعب کے سامنے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے، دلائل عقلیہ میں دشمن کے نزاع اور جدال کا راستہ بالکلیہ بند نہیں ہوتا مگر معجزات اور آیات بیّنات کے مشاہدہ کے بعد سوائے عناد اور ازلی بدنصیبی کے کفر اور انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ معجزہ ظاہر و باطن کو عاجز کرکے چھوڑتا ہے۔

سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السّلام ہیں اور سب کے آخر میں یعنی آخری نبی خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر نبوت اور پیغمبری ختم ہوئی، جن کی پیغمبری سے دین کامل ہوگیا اور مکارم اخلاق پورے ہوگئے، جب یہ مقصود حاصل ہوگیا اور دین اور اخلاق دونوں پورے اور کامل ہوچکے تو حضور پرُنور کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت نہ رہی، حضورؐ کے خلفاء اور دین کے علماء جو اسلام کے مددگار اور محافظ ہیں قیامت تک اسلام کی نگہبانی اور اس کی اشاعت کے واسطے کافی ہوئے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ دین تو کامل ہوگیا۔

پس خاتم الانبیاء کے بعد جو نبوّت کا دعویٰ کرے اس کا وجود فالتو اور بے کار ہے حق تو یہ

ہے کہ نبی امی ۔فداہ نفسی وابی وامی ﷺ کے لئے کسی معجزہ اور نشان کی ضرورت نہیں، آپ کی صورت اور آپ کی سیرت آپ کی رفتار، آپ کی گفتار، آپ کا کردار، ہر چیز آپ کی معجزہ اور آپ کی صداقت کا نشان تھی لوگ صورت دیکھتے ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں

در دل ہر امتی کز حق مزہ است
روئے و آواز پیمبر معجزاست

مردِ حقانی کی پیشانی کا نُور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شُعُور

امام غزالی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کے اخلاق حمیدہ اور افعال پسندیدہ اور احوال واعمال اور عادات وخصال اور آپ کے انتظام اور تدبیر خلائق اور سیاست ملکیہ پر نظر کی جائے کہ آپ نے کس طرح مختلف طبیعتوں اور متضاد مزاجوں کو ایک قانونِ الٰہی کا شیدائی اور فدائی بنا دیا۔

نیز حضور پُر نور نے مخلوقِ خدا کو جو قوانین شریعت عطا کیے اُن کے حقائق اور دقائق اور نکات اور اشارات اور باریکیوں اور گہرائیوں کی تحقیق اور تدقیق میں اُمت کے علماء محققین اور فقہاء مجتہدین عمر بھر حیران اور عاجز رہے، ان امور میں اگر غور وفکر کیا جائے تو عقل سلیم کو ذرہ برابر شک اور شبہ نہیں رہتا کہ ان تمام امور کی سر انجام دہی بلا تائید غیبی محض طاقت بشری اور کسی تدبیر اور حیلہ سے ناممکن اور محال ہے۔ ایسے اخلاقِ فاضلہ اور ایسی شریعت کاملہ کا ظہور کسی جھوٹے اور فریبی شخص سے تصور میں نہیں آسکتا۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور پُر نور محض اُمّی (اَن پڑھ تھے۔ نہ آپ نے کسی سے علم پڑھا اور نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ ہی طلب علم کے لئے کوئی سفر کیا، ہمیشہ جاہل عربوں میں رہے یتیم اور بیکس تھے، ان حالات میں بغیر لکھے اور پڑھے علم وحکمت کا چشمہ آپ کی زبان مبارک سے جاری ہو جانا اور ایسے علوم ومعارف کا آپ کی زبان فیض ترجمان سے ظاہر ہونا کہ اوّلین اور آخرین میں اس کی کہیں نظیر نہ ہو، بغیر وحی الٰہی کے اس چیز کا حاصل ہونا ناممکن ہے، محض انسانی طاقت اور فراست ان اُمور کے ادراک سے عاجز اور قاصر ہے۔

اور علیٰ ہذا آپ کے بے مثال اخلاق وعادات اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ یہ ذات والا صفات خداوند ذوالجلال کی برگزیدہ اور پسندیدہ ہستی ہے۔ جس پر خدا کا غضب ہوتا ہے

اُسے بَد اخلاق اور بداعمال بنادیتا ہے نیز باوجود بے سروسامانی کے عرب وعجم پر آپ کے خادموں کی فتحیابی اور کامرانی یہ بھی اس امر کی صریح دلیل ہے کہ تائید ربانی اور فضل یزدانی آپ کے ساتھ ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ یہ ظاہری امور آپ کی صداقت کے اثبات کے لئے کافی اور وافی تھے لیکن ہم ان ظاہری امور کے علاوہ آپ کی صداقت کے کچھ باطنی نشانات یعنی کچھ معجزات بھی ذکر کرتے ہیں تاکہ کسی ادنیٰ عقل والے کو بھی آپ کی صداقت میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اس کے بعد امام غزالی نے مختصر طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات کو بلاتفصیل کے ذکر فرمایا۔[۱]

تعداد معجزات

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ایک ہزار تک پہنچے ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ایک ہزار دوسو تک پہنچے ہیں اور بعض علماء نے آپ کے معجزات کی تعداد تین ہزار ذکر فرمائی ہے اور ائمہ حدیث نے معجزات نبوی پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے دلائل النبوۃ امام بیہقی اور امام ابونعیم کی۔[۲]

اور شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ کے نام سے ایک مستقل کتاب آپ کے معجزات میں لکھی ہے جس میں ایک ہزار معجزات ہیں۔

اور حق یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات شمار سے متجاوز ہیں، اس لئے کہ آپ کا ہر قول اور ہر فعل اور ہر حال عجیب وغریب مصالح اور اسرار وحکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خارق للعادت ہے اور معجزہ ہے، علماء نصاریٰ نے عہد قدیم کی معجزات کی تعداد ۷۶ لکھی ہے۔ اور حضرت مسیح کے معجزات حمل کے وقت سے لے کر آسمان پر جانے تک ۲۷ گنائے ہیں اور پھر آپ کے حواریین کے بیس معجزات شمار کیے ہیں لیکن ان واقعات کے لکھنے والوں کے پاس ان معجزات کی نہ کوئی

---

[۱] احیاء علوم الدین۔ للغزالی۔ ج:۲، ص:۳۴۲، واتحاف شرح احیاء العلوم۔ للعلامۃ الزبیدی ج:۷، ص:۱۶۴۔۱۹۸۔

[۲] قال الحافظ العسقلانی ذکر النووی فی مقدمۃ شرح مسلم ان معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزید علی الالف ومأتین وقال البیہقی فی المدخل بلغت الفاوقال الزاھدی من الحنفیۃ ظہر علی یدیہ الف معجزۃ وقیل ثلاثۃ آلاف وقد اعتنی بجمعہا جماعۃ من الائمۃ کابی نعیم والبیہقی وغیرہما فتح الباری ص ۴۲۵ ج ۶ باب علامات النبوۃ فی الاسلام

سلسلۂ سند موجود ہے اور نہ اس کے راویوں کے اور نہ ناقلوں کی عدالت اور ثقاہت کی کوئی دلیل موجود ہے، بخلاف معجزاتِ محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ والف الف تحیہ کے کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور متصل اسانید کے ساتھ مروی ہیں اور صدہا ان میں سے متواتر اور مشہور ہیں اور جلالت شان اور غرابت اور ندرت میں تمام انبیاء کرام کے معجزات سے بڑھ کر ہیں۔

اقسام معجزات

آں حضرت ﷺ کی نبوت ورسالت چونکہ تمام عالم کے لئے ہے اور قیامت کے دن تک کے لئے ہے، اس لئے حق جل شانہٗ نے آپ کو جملہ اقسام عالم سے معجزات اور نشانات عطا فرمائے تاکہ عالم کی ہر چیز آپ کی نبوّت کی دلیل اور برہان ہو اور عالم کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہے کہ جو آپ کی نبوّت کی شہادت نہ دے اس لئے کہ معجزہ۔ نبوّت کی دلیل اور برہان ہوتا ہے، پس جبکہ عالم کی تمام انواع واقسام میں سے آپ کے معجزات ہوں گے تو عالم کی تمام انواع واقسام آپ کی نبوت ورسالت کی شاہد اور گواہ ہوں گی۔

اور تاکہ تمام انبیاء ومرسلین پر آپ کی برتری روزِ روشن کی طرح واضح ہوجائے کہ آپ کے تنہا معجزات تمام انبیاء کے کل معجزات سے زیادہ ہیں اور کسی کو آپ کی نبوّت میں شک اور شُبہ کی گنجائش باقی نہ رہے حق جل شانہٗ نے آپ کو جو معجزات اور نشانات عطا فرمائے وہ دو قسم کے ہیں ایک عقلی اور دوسرے حسی۔ عقلی وہ ہیں جن کے سمجھنے میں عقل درکار ہوتی ہے اور اس قسم کے معجزات کو وہی لوگ سمجھتے ہیں کہ جو دانشمند اور فہیم ہوتے ہیں اور معجزات حسیہ وہ خارق عادت امور ہیں کہ جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے ایسے معجزات کے طلب گار اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جن کو عقلی اصول سمجھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا یا ضدی اور عنادی ہوتے ہیں۔

معجزاتِ عقلیہ

پہلا عقلی معجزہ

آں حضرت ﷺ کی صورت اور سیرت اور ایسے بے مثال اخلاقِ فاضلہ اور اعمال حسنۂ وجمیلہ اور آپ کے کمالاتِ علمیہ وعملیہ ہیں۔ اہلِ عقل کے لئے یہ آپ کی نبوّت

ورسالت کی دلیل عقلی تھی جو شخص آپ کی صورت اور آپ کی سیرت کا مشاہدہ کرتا وہ بالبداہت اس بات کا یقین کر لیتا کہ جس ذات بابرکات میں ایسے اخلاق اور اعمال اور ایسے کمالات عملیہ جمع ہوں جو نہ کسی نے دیکھے ہوں اور نہ سُنے ہوں وہ ذات بلا شبہ برگزیدۂ خداوندی ہے جس کو حق تعالیٰ نے تمام عالم سے ایک ممتاز اور جدا صوت اور سیرت پر پیدا کیا ہے ایسے کمالات کا کسب واکتساب اور مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل کرنا ناممکن ہے۔

انتخابِ دفترِ تکوین عالم ذات او
برتراز آیات جملہ انبیاء آیات او
مشرقِ صبح وجودِ ما سوا مشکواۃ او
مستنیر از طلعت او ہر قریب و ہر بعید

(از حضرت مولانا سیّد انور شاہ کشمیری قدس سرہ)

دوسرا عقلی معجزہ

حق جل شانہٗ نے آپ کو ایک کامل اور معجز کتاب یعنی قرآنِ کریم عطا فرمائی جو آپ کی نبوّت کا معجزۂ دائمہ ہے جو حکمت علمیہ اور حکمتِ عملیہ اور حکمت اخلاق اور تدبیر منزلی اور سیاست ملکیہ اور طہارت ظاہری اور طہارت باطنی کے علوم ومعارف کا ایک بے مثال خزینہ اور گنجینہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی معجز اور لاجواب کتاب کا ایک اُمّی شخص کی زبان سے ظاہر ہونا کہ جس نے نہ کسی استاد سے تعلیم پائی اور نہ کسی مکتب کا دروازہ جھانکا ہو اور نہ کسی عالم اور حکیم کی صحبت اٹھائی ہو سوائے وحی ربّانی اور تعلیم یزدانی اور الہام رحمانی اور القاء غیبی وآسمانی اور کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم حضور پُرنور کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ جس کی جانب زوال اور انقطاع کو راہ نہیں اور ایسے تواتر سے منقول ہے کہ ایسا تواتر دنیا کی کسی کتاب کو حاصل نہیں اور ایسے لاجواب علوم ومعارف کا خزینہ ہے کہ بڑے سے بڑے حکماء اور مدّعیانِ عقل اس کا جواب نہیں لا سکے کیا باعتبار فصاحت وبلاغت کے اور کیا باعتبار علوم ومعارف کے اور کیا باعتبار تحریف وتبدیل سے محفوظ رہنے کے کسی چیز میں بھی دنیا کی کوئی کتاب قرآن کریم کا مقابلہ

نہیں کر سکتی اور نہ انشاء اللہ کر سکے گی۔ اب ہم اس سے زیادہ کیا کہیں کہ جو خود قرآن تیرہ سو برس سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس میں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھدے مگر آج تک کسی کا حوصلہ نہیں ہوا کہ اس کی ایک چھوٹی ہی سی سورت کا مثل پیش کر سکے آپ کے عہدِ نبوت سے لے کر اب تک ہر قرن میں عربی زبان کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء جو دین اسلام کے مخالف تھے اور ہیں کسی سے اس کا جواب نہ ہو سکا۔

حضرت الاستاذ مولانا سیّد انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہٗ اپنے ایک قصیدہ نعتیہ میں فرماتے ہیں۔

خاص کردش حق باعجاز کتاب مستطاب
حجّت و فرقان و معجز محکم و فصل خطاب
نجم نجمش در براعت ہست برتر ز آفتاب
حرف حرف او شفا ہست و ہدی بہر رشید

قرآن کریم میں دعوت اور حجّت دونوں موجود ہیں

حافظ فضل اللہ تورپشتیؒ اپنے رسالہ عقائد۔ المعتمد فی المعتقد میں فرماتے ہیں حضرات انبیاء جب من جانب اللہ دعوتِ حق پر مامور ہوتے ہیں تو ان کو اثبات دعویٰ کے لئے بطور حجت معجزہ عطا ہوتا ہے گویا کہ دعوت اور حجّت دو علیحدہ علیحدہ اور جدا جدا چیزیں ہیں مگر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قرآن مجید کا ایسا معجزہ عطا کیا گیا جس میں دعوت اور حجّت دونوں چیزیں جمع کر دی گئیں۔ قرآن کریم۔ معنی کے لحاظ سے دعوت اور وجوہ بلاغت اور وجوہ اعجاز کے لحاظ سے حجّت و دعوت ہے پس قرآن کی حجّت خود اس کی نفس ذات میں ہے اور اسی میں اس کی دعوت بھی مضمر ہے پس کیا قرآن کریم کے شرف اور فضل کے لئے یہ کافی نہیں کہ ایک ہی چیز میں دعوت اور حجت دونوں جمع ہیں اور دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہوں گے۔ انتہی کلامہ ملخصا۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلے باید از وے رومتاب

تیسرا عقلی معجزہ

بعدازاں حافظ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کے حالاتِ زندگی بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہیں جن میں غور کرنے سے فوراً آپ کی نبوت کی صداقت کا یقین حاصل ہوجاتا ہے، ظاہر ہے کہ آپ ابتداء حال میں ایک یتیم تھے نہ آپ کے پاس کوئی قوت تھی جس کے ذریعے لوگوں کو اپنی بات منواتے، نہ صاحبِ مال وجاہ تھے کہ اس کی لالچ اور طمع دے کر قریش کو فریفتہ کرتے اور نہ آپ کسی سلطنت اور ریاست کے مالک اور وارث تھے کہ لوگ بطمع روزی وحصولِ جاہ آپ کی پیروی کرتے بلکہ آپ تنِ تنہا اور بے یار ومددگار تھے، کسی شخص کو آپ کی دعوت سے اتفاق نہ تھا، حتیٰ کہ اس معاملہ میں آپ کے قریبی رشتہ دار بھی آپ کے مخالف اور دشمنِ جان تھے۔ آپ توحید کے منادی بن کر آئے اور تمام جزیرۃ العرب شرک اور بُت پرستی میں مبتلا تھا اور غارت گری، اور زنا کاری اور مردار خوری وغیرہ وغیرہ اس قوم کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ جب آنحضرت کی دعوت ظاہر ہوئی تو یک بارگی اُن کا حال بدل گیا اور سب یک دل اور یک زبان اور یک جان ہوکر دینِ حق پر متفق ہوگئے اور اُن کی حرص اور طمع اور شہوت رانی اور تمام برائیاں یکلخت مبدل بمکارم اخلاق اور محاسن اعمال ہوگئیں اور دینِ حق کے اتباع میں ایسے سرشار ہوئے کہ اس کے لئے مشقت اور درویشی اور اہل وعیال کی مفارقت کو اختیار کیا اور اپنی جانوں اور مالوں کو خدا کی راہ میں پانی کی طرح بہادیا جس میں کسی دنیاوی غرض کے شائبہ کا بھی احتمال نہیں اور اس ناہنجار قوم کو اس قابل بنادیا کہ دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں کو بیک وقت زیروزبر کردیا اور قیصر وکسریٰ کے خزانوں کو مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کردیا
دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا

خود نہ تھے جوراہ پراوروں کے ہادی ہوگئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

انسان جب ان حالات اور انقلابات میں غور وتامل کرے تو وہ بہ یقین جان لے کہ

ایسے کارہائے نمایاں کسی عقلی اور فکری تدبیر سے حاصل نہیں ہو سکتے آدمی کی قوت اور سعی اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتی، یہ کرشمہ یزدانی اور تائید آسمانی ہے جو کہ خداوند علیم وقدیر کے حکم وتقدیر کے سوا ممکن نہیں اور بندہ کے کسب اور اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ قرآن کریم میں بھی اسی جانب اشارہ ہے۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ [1] اے نبی کریم اگر آپ اس ناہنجار قوم میں موانست اور موافقت پیدا کرنے کے لئے روئے زمین کے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو آپ ان میں اُلفت نہیں پیدا کر سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان میں محبت اور اُلفت پیدا کر دی۔

چوتھا عقلی معجزہ

آں حضرت ﷺ کا علماء توریت اور انجیل کے سامنے علی الاعلان یہ بیان فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ظہور اور بعثت کی خبر توریت اور انجیل میں دی ہے اور انبیاء سابقین نے یہ اطلاع دی ہے کہ اخیر زمانہ میں ایک پیغمبر آخر الزمان مبعوث ہوگا جس کی نبوت تمام انس وجن کے لئے یکساں ہوگی اور اے اہل کتاب تم کو اس کا علم ہے لہٰذا تم مجھ پر ایمان لاؤ۔ آپ کے اس دعوے اور اس حجت کے بعد بہت سے اہلِ کتاب ایمان لائے اور اس بات کی شہادت دی کہ آپ بے شک وہی نبی برحق ہیں جن کی توریت اور انجیل میں پہلے سے خبر دی گئی ہے۔

اور بہت سے اہلِ کتاب باوجود اس علم کے حسد کی بناء پر ایمان نہیں لائے حالانکہ آپ کے ظہور سے پہلے علماء اہل کتاب ان بشارات کو نقل کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اے اہلِ مکہ نبی آخر الزمان کے ظہور کا زمانہ قریب آن پہنچا ہے۔ ان کو یہ خوف ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع کے بعد ہماری سرداری ختم ہو جائے گی اس لئے ایمان نہیں لائے، مگر یہ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ قرآن کریم کی ان آیات کی تکذیب کر سکے جن میں حضور پُر نور کے متعلق یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ کا ذکر توریت اور انجیل میں ہے بلکہ قرآن کریم نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے صحابہ کا تذکرہ بھی توریت اور انجیل میں ہے۔ کما قال تعالیٰ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ اور علماء اہل کتاب یہ نہیں کہہ سکے کہ معاذ اللہ۔

[1] انفال، آیۃ: ۶۳

قرآن کریم کی یہ خبر غلط ہے اور توریت اور انجیل میں نہ حضور پُرنور کی کوئی بشارت مذکور ہے اور نہ آپ کے صحابہ کا ذکر ہے۔ جس وقت قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہورہی تھیں کہ اس نبی اُمّی کا ذکر توریت اور انجیل میں موجود ہے تو اس وقت ملک میں ہزارہا علماء یہود اور نصاریٰ موجود تھے۔ اگر قرآن کریم کا یہ دعویٰ غلط ہوتا تو علماء یہود ونصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے تاکہ جو یہود ونصاریٰ اسلام میں داخل ہوچکے ہیں وہ اسلام سے برگشتہ ہوجائیں اور آئندہ کو کوئی یہودی اور عیسائی اپنا دین چھوڑ کر مسلمان نہ ہوجائے۔

پانچواں عقلی معجزہ

جس وقت آں حضرت ﷺ دنیا میں مبعوث ہوئے اس وقت تمام دنیا گمراہی میں ڈوبی ہوئی تھی اور قسم قسم کی گمراہیوں میں مبتلا تھی اس وقت زیادہ تر دنیا میں چھ مذہب رائج تھے۔

اوّل مذہب مجوس: جو ایران اور فارس سے لے کر خراسان اور ترکستان تک پھیلا ہوا تھا کسریٰ کی حکومت اس مذہب کی سرپرست تھی۔ مجوس دو خدا کے قائل تھے یزدان اور اہرمن اور آگ کی پرستش کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے اور بیٹی اور بہن سے نکاح کرتے تھے اور پھوپھی اور خالہ کا تو ذکر ہی کیا۔

دوم مذہب عیسوی: یہ مذہب شام اور عراق وغیرہ میں پھیلا ہوا تھا۔ قیصر روم چونکہ مذہباً عیسائی تھا، اس لئے یہ مذہب شاہان روم کی سرپرستی میں نشو ونما پارہا تھا۔ یہ لوگ تثلیث اور ابنیت اور الوہیت مسیح اور کفارہ کے قائل تھے۔

سوئم مذہب یہود: جو توریت کو مانتے تھے مگر ضد اور تکبّر کا یہ عالم تھا کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور علماء کو نصیحتوں پر قتل کرڈالنا ان کا دستور ہوگیا تھا۔ کما قال تعالےٰ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ [1] یہود اکثر یمن میں اور خیبر اور مدینہ کے اطراف وجوانب میں رہتے تھے حب جاہ ومال اور دین فروشی اور مسائل پر رشوت ستانی اور صحف انبیاء میں تحریف ان کا خاص شعار تھا۔

---

[1] سورۃ آل عمران، آیۃ: ۲۱

چہارم مذہب مشرکین: یعنی بُت پرستوں کا مذہب جو بتوں کو پوجتے تھے، یہ مذہب جزیرۃ العرب اور ہندوستان میں شائع تھا۔

پنجم مذہب صابئین: جو روحانیت کے قائل تھے اور کواکب اور نجوم کی پرستش کرتے تھے، یہ مذہب حرّان اور عراق میں زیادہ رائج تھا۔ نمرود کے زمانہ میں لوگ زیادہ تر اسی مذہب کے تھے جن کی ہدایت کے لئے حق تعالیٰ نے حضرات ابراہیم حنیف علیہ الصلاۃ والتسلیم کو مبعوث فرمایا حق جل شانہٗ کے اس ارشاد اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئِيْنَ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ [1] اس آیت میں ان ہی پانچ مذاہب کا ذکر فرمایا ہے جو آپ کی بعثت کے وقت دنیا میں رائج تھے۔

ششم مذہب دَھریہ: گزشتہ آیت قرآنیہ میں جن پانچ مذاہب کا ذکر ہے، وہ تو مشہور تھے، ان کے علاوہ ایک فرقہ دہریہ تھا جس کا قول حق تعالیٰ نے یہ نقل فرمایا۔ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ [2] اور جا بجا قرآن کریم میں فرقہ دھریہ کا رد مذکور ہے۔

اس فرقہ کے رد میں اس ناچیز نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''اثبات صانع عالم وابطال دہریت ومادیت'' ہے طالبین حق اس کی مراجعت کریں

دنیا میں مذہب اسلام کی آمد

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دین حق لے کر دنیا میں تشریف لائے دنیا میں اس وقت یہ مختلف مذاہب موجود تھے اور سلاطین اور امراء اور والیان ریاست کی سرپرستی میں پرورش پا رہے تھے اور دین اسلام ان سب ادیان اور مذاہب کے خلاف تھا اور جو اس مذہب اسلام کو لے کر آیا وہ ایک یتیم اور بے کس اور اُمّی تھا، اس نے مبعوث ہونے کے بعد دین اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور ہر ملّت اور ہر مذہب کا دلائل اور براہین سے ایسا رد کیا کہ دنیا حیران رہ گئی

[1] الحج: آیۃ ۱۷
[2] الجاثیہ، آیۃ: ۲۴۔

اور بڑے بڑے زیرک اور عقلاء اور فضلاء یہود ونصاریٰ سے آپ کے مناظرے ہوئے مگر تمام فضلاء مل کر بھی آپ کی کسی دلیل اور برہان پر نقض نہ وارد کر سکے حالانکہ آپ اُمّی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، قرآن کریم اور حدیث نبوی مذاہب باطلہ کی تردید اور ابطال سے بھرا پڑا ہے یہ اس امر کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ آپ بلاشبہ مُلہَم من اللہ اور مؤیَّد من اللہ تھے، اس لئے کہ باوجود اُمّی ہونے کے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے حق کو ثابت کر دینا اور دنیا کے تمام مذاہب کو دلائل سے باطل کر دکھلانا بدون الہام ربانی اور تائید رحمانی ناممکن اور محال ہے، تیرہ سال کی مسلسل دعوت وتبلیغ کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت کی اور پھر ہجرت کے ایک سال بعد بحکم خداوندی معاندینِ حق سے جہاد وقتال کا آغاز فرمایا اور حسب وعدۂ خداوندی مظفر ومنصور ہوئے اور ان غزوات وسرایا میں تائید غیبی کے وہ عجیب وغریب کرشمے ظاہر ہوئے کہ دشمنانِ حق ان کو دیکھ کر یہ سمجھ گئے کہ اس بے سروسامانی میں یہ حیرت انگیز کامرانی اور ساز وسامان والوں کے ان فقیروں اور درویشوں کے مقابلہ میں ناکامی اور یہ ذلت ورسوائی بدون تائید آسمانی ناممکن اور محال ہے، بالآخر جب مجبور ہو گئے تو حق کے سامنے گردن ڈال دی اور اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہونے لگے۔

چھٹا عقلی معجزہ

آپ کا غیب کی خبریں دینا اور پھر ذرّہ برابر اس کے خلاف نہ ہونا اور نہ ان کا غلط ہونا اور انبیائے سابقین اور امم سابقہ کے واقعات کو اس طرح بیان کرنا کہ گویا آپ اس موقع پر موجود تھے اور آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور کانوں سے سن رہے تھے اور منافقین اور مخالفین اور دشمنوں کے دلی خطرات اور خیالات کو برملا بیان کرنا جن کا حال حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں مشرح طور پر موجود ہے، یہ سب اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ یہ شخص صاحب وحی ہے اس لئے کہ اس طرح کی پیشین گوئیاں محض عقل سے ناممکن اور محال ہیں ایسی خبروں کا علم کہ جو عقل اور وہم اور قرائن اور دلائل سے کہیں بالا اور برتر ہوں سوائے وحی ربانی اور القاء یزدانی کے نہیں ہو سکتا۔

ساتواں عقلی معجزہ

آپ کا مستجاب الدعوات ہونا بھی آپ کے نبی برحق ہونے کی صریح دلیل ہے آپ نے جو دعاء فرمائی وہ بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی۔

معجزاتِ حسیّہ

حق جل شانہٗ نے آپ کو ان عقلی اور باطنی نشانات کے علاوہ جن کو ہم بیان کر چکے ہیں بے شمار ظاہری اور حسّی نشانات بھی عطا فرمائے جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے جیسے کفار مکّہ کی درخواست پر آپ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اور آپ کی انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا جس سے تقریباً ڈیڑھ ہزار اصحاب سیراب ہو گئے اور سب نے وضو کیا اور بہائم کو پانی پلایا۔ اور پھر بقدر حاجت برتنوں اور مشکیزوں میں بھر کر رکھ لیا۔ اور تھوڑے طعام کا ایک لشکر عظیم کی سیری کے لئے کافی ہو جانا اور آپ کے بلانے سے درختوں کا حاضر ہو جانا اور شجر اور حجر کا آپ کو سلام کرنا اور زہر آلود بھنی ہوئی بکری کے دست کا دستر خوان پر بولنا اور آپ سے یہ کہنا:۔

''کہ مجھے تناول نہ فرمایئے دشمنوں نے مجھ میں زہر ملا دیا ہے'' اور آپ کے ہاتھ میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا وغیرہ وغیرہ تا کہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص اللہ کا برگزیدہ بندہ اور اس کا راز دار اور اس کا نائب اور اس کا سفیر ہے جو اس کے احکام اور ہدایات کو لے کر آیا ہے، اس لئے کہ قدرت خداوندی کے جو عجیب وغریب کرشمے اس کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہ سفارت خداوندی کی شان امتیازی کے نشانات ہیں۔ قدرت بشریہ ان کرشموں کے ظاہر کرنے سے عاجز اور درماندہ ہے ایسے عجیب وغریب خوارق کا ظہور بدون تائید ایزدی ناممکن اور محال ہے معلوم ہوا کہ یہ شخص موید من اللہ ہے اور اس شخص کو ایسی ذات بابرکات کی غیبی تائید حاصل ہے کہ جس کے دست قدرت میں طبعیات اور عنصریات وفلکیات کی باگ ہے کہ جب چاہتا ہے تو اپنے اس برگزیدہ بندہ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے تو اس کی انگلیوں سے بلا سبب ظاہری چشمے جاری

کر دیتا ہے تا کہ ماہرین طبعیات اور شیفتگانِ اسباب وعلل کو معلوم ہو جائے کہ کوئی ذات ایسی بھی ہے جو کسی سبب اور کسی علت کی پابند نہیں۔

اوست سلطاں آنچہ خواہدمی کند

اور یہ مدعی نبوت جس کے ہاتھ پر غیبی کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں وہ اسی قادر مطلق اور خدائے برحق کا فرستادہ ہے کہ جو اسباب فلکی اور عنصری کا خالق اور مالک ہے۔ اور ان غیبی کرشموں کے ظاہر کرنے سے خالق مطلق کا مقصود یہ ہے کہ مخلوق پر یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ جس طرح حضور پُرنور کی زبان فیض ترجمان۔ خداوند علیم وحکیم کے علم وحکمت کا آئینہ ہے، اسی طرح حضور پُرنور کا دست مبارک خداوند قدیر کے دست قدرت کا آئینہ ہے کہ جس کے ذریعہ قدرت غیبیہ کے عجیب وغریب کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں۔ کما قال تعالےٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔[1] وقال تعالیٰ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی[2] ایک بشر کے ہاتھ پر ایسے خوارق کا ظہور کہ جو بلاشبہ قدرت بشری سے خارج ہوں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص کے ہاتھ کے پیچھے دست قدرت پوشیدہ طور پر کارفرما ہے اور اس نبی کے ہاتھ سے جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ حقیقتاً اللہ تعالےٰ کا فعل ہے اس نبی کا فعل نہیں۔

مارمیت اذ رمیت گفت حق کارِ حق برکارہا دارد سبق
گر بپرانیم تیرآں نے زما است ماں کمان وتیراندازش خدا است

اور جب ان امتیازی نشانات سے لوگوں پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضور پُرنور اللہ کے برگزیدہ بندہ اور اس کے نائب اور اس کے سفیر ہیں تو لوگ آپ کو مستحق اطاعت جانیں گے اور آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھیں گے۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ معجزات کے عنایت کرنے میں حکمت یہ ہے کہ عوام کو آپ کی نبوت کا یقین آ جائے اور نبی کے حق میں یہ معجزات منصب سفارت کے لئے بمنزلہ سند اور دستاویز کے ہو جائیں معجزات تو

[1] سورۃ الفتح، آیۃ:۱۰۔ [2] سورۃ الانفال، آیۃ:۱۷

آپ کے بے شمار ہیں مگر ہم اس وقت صرف ان معجزات کو ذکر کرتے ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں اوران میں سے ہرایک اگرچہ حدِ تواتر کو نہ پہنچا ہو مگران کی مجموعی تعداداس حدتک پہنچ چکی ہے کہ جس سے ان میں کسی قسم کے شک وشُبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت کے افراداگرچہ فردیت اوراحدیت کی شکل میں ہیں اور تواتر کی حدکونہیں پہنچے، مگران کی مجموعی تعداداس حدکوپہنچ چکی ہے کہ جس کے بعد شک اور شُبہ کی گنجائش نہیں رہی، یہی وجہ ہے کہ حضرت علی کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت دنیا میں ضرب المثل ہوگئی یہود کے نزدیک حضرت موسیٰ کا معجزۂ عصاء اور معجزۂ ید بیضاء حضرت موسیٰ کی نبوّت کی دلیل ہے۔

اور نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ کا معجزۂ احیاء موتی اور ابراء اکمہ وابرص حضرت عیسیٰ کی نبوت کی دلیل ہے اسی طرح یہ تمام معجزات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت ورسالت کے دلائل اور براہین ہیں۔

اور عیسائیوں کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے انکار کرنا ہے ایسا ہی ہے جیسا کہ یہود حضرت مسیح کے معجزات کا انکار کرتے ہیں۔

معجزاتِ نبوی کی تفصیل

اب ہم اس کُلّی اور اجمالی بیان کے بعد معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

معجزہ کی تعریف

معجزہ اُس امرخارق للعادۃ کو کہتے ہیں جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہواور کل عالم اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کے مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہو، تاکہ منکرین اور مخالفین پر یہ بات واضح ہوجائے کہ یہ شخص برگزیدۂ خدا ہے کہ جس کے دشمنوں کے عاجز کرنے کے لئے خدا نے غیب سے یہ کرشمۂ قدرت ظاہر فرمایا ہے اور لوگوں پر یہ امر منکشف ہوجائے کہ تائید غیبی اس کی پشت پر ہے، یہ شخص کوئی ساحر اور کاہن نہیں کہ کوئی اس کا معارضہ اور مقابلہ

کر سکے لہٰذا اگر کسی کو صلاح اور فلاح درکار ہے تو وہ صرف اس برگزیدہ ہستی پر ایمان لانے اور اس کی اتباع اور پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے جس برگزیدہ ذات کو حق تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب اور سفیر اور معتمد بنا کر بھیجا ہو اس کی تکذیب اور مخالفت کا انجام سوائے شقاوت اور ہلاکت کے کیا ہو سکتا ہے۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ[1]

معجزاتِ علمیہ اور معجزاتِ عملیہ

معجزات کی دو قسمیں ہیں ایک معجزاتِ عملیہ اور ایک معجزاتِ علمیہ۔ معجزۂ عملی اس کو کہتے ہیں کہ مدعی نبوت کے ہاتھ سے ایسا عمل یعنی ایسا کام ظاہر ہو کہ اُس جیسا کام کرنے سے سب عاجز آجائیں۔ اور معجزۂ علمی اس کا نام ہے کہ مدعی نبوت سے ایسے علوم اور معارف ظاہر ہوں کہ ساری دنیا اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کی مثل لانے سے عاجز ہو۔

حق جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں قسم کے اس قدر کثیر معجزات عطا فرمائے جو حدّ احصاء اور شمار سے باہر ہیں۔

قرآنِ حکیم سب سے بڑا معجزہ ہے

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جو علمی معجزہ ہے اور تمام انبیاء کے معجزات سے بڑھا ہوا ہے سب جانتے ہیں کہ علم کو عمل پر شرف ہے یہی وجہ ہے کہ ہر فن میں استادوں کی تعظیم کی جاتی ہے اور ہر سر رشتہ میں افسروں کی تنخواہ اہلکاروں سے زیادہ ہوتی ہے، یہ شرف علم ہی کا تو ہے۔ محنت تو اہل کار زیادہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی معجزہ ہے اور آپ کے معجزات میں عمدہ ترین معجزہ ہے، ایسا معجزہ اور کسی پیغمبر کو عنایت نہیں ہوا۔ سب انبیاء اور مرسلین کے معجزے ایک خاص وقت میں ظاہر ہوئے اور ختم ہو گئے اور معجزۂ قرآن ایسا معجزہ ہے کہ جس کی جانب زوال انقطاع کو راہ نہیں، ابتداء نزول سے لے کر اب ۱۳۸۳ھ ہو گیا اسی طرح بلا تغیر و تبدل اور بلا کم و کاست باقی اور محفوظ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ معجزہ تا قیام قیامت اسی طرح باقی رہے گا جس طرح آپ پر نازل ہوا تھا۔

---

[1] سورۃ النحل، آیۃ: ۳۶۔

وجوہِ اعجاز

علماء نے اپنی کتابوں میں مختلف طریقوں سے قرآنِ کریم کا معجزہ ہونا ثابت کیا ہے جو بہت ہیں، ہم ان میں سے اُن چند وجوہ کو بیان کرتے ہیں جو بالکل صاف اور صریح ہیں۔

اعجازِ قرآن کی پہلی وجہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر (جادو) کا چرچا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا، حق تعالیٰ نے اُن کو شفاء مرضیٰ اور احیاء موتی کا معجزہ عطا فرمایا اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کے عہدِ کرامت مہد میں فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا۔ عرب لوگ اَپنے سوا تمام ممالک کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں لہٰذا سب سے بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآنِ کریم کا عطا کیا جس کی فصاحت اور بلاغت اور سلاست اور دل آویزی اور لطافت کے مقابلہ سے بڑے بڑے فصیح و بلیغ عاجز رہے اور یہی معجزہ کی تعریف ہے کہ جس کے مقابلے سے دنیا عاجز اور درماندہ ہو۔ معجزہ خود نبی کی قدرت سے بھی باہر ہوتا ہے، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام تھا حضور پُرنور کا کلام نہ تھا جس طرح تمام عالم اس قرآن کی مثل لانے سے عاجز تھا اسی طرح یہ قرآن خود حضور پرنور کی قدرت سے بھی نہ تھا حضور پرنور کا کلام حدیث ہے، اس میں اور قرآن میں زمین و آسمان کا فرق ہے، فصحاء عرب کے مجمع میں آپ نے فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ کا ڈنکا بجایا کہ اگر تمھیں اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شبہ ہے تو تم سب مل کرانا اعطینا جیسی سورت بنالاؤ قرآن نے للکار للکار کر کفار کو مقابلہ او رتحدی کی دعوت دی مگر تمام فصحاء عرب اس کی مثل لانے سے عاجز ہو گئے حالانکہ کلام الٰہی ان الفاظ اور حروف سے مرکب ہے جن سے اُن کا کلام مرکب تھا اور وہی عربی زبان سے جو اُن کی زبان تھی۔ اور پھر مزید برآں آنحضرت ﷺ محض اُمّی تھے نہ کسی سے پڑھا نہ لکھا اور نہ کسی عالم کی صحبت نصیب ہوئی پھر ایسا کلام معجز نظام اور حقائق و معارف التیام آپ کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہونا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ کلام، اللہ کا کلام ہے کسی بشر کا

کلام نہیں، آں حضرت ﷺ کا اس کلام سے صرف یہ تعلق ہے کہ جبریل امین۔ حق تعالےٰ کا جو کلام بطور وحی و پیغام لے کر آپ پر نازل ہوئے آپ نے وہ بلا کم و کاست بندوں تک پہنچا دیا تا کہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں باعتبار بلاغت کے سات ہزار سے زیادہ معجزے ہیں، اس لئے کہ اِنَّــــــــآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ جیسی چھوٹی سورت میں دس کلمے ہیں اور تمام کلام اللہ میں تقریباً ستر ہزار کلمے ہیں سو جب ستّر ہزار کو دس پر تقسیم کیا جائے تو خارج قسمت سات ہزار سات سو ہوگا، پس قرآنِ کریم میں سات ہزار سات سو معجزے ہوئے۔

ایک شُبہ اور اس کا جواب

بعض بے وقوف یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں اور کتابیں بھی ایسی ہیں کہ جو اپنی نظیر نہیں رکھتیں، جیسے شاہنامہ فردوسی اور گلستان سعدی۔

جواب

یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص کو معجزہ کی حقیقت اور اعجاز کی کیفیت معلوم نہیں قرآن کریم کا اعجاز اس وجہ سے ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ نے ڈنکے کی چوٹ کفار عرب کے سامنے قرآن کریم کو پیش کیا اور بانگِ دُہل بڑے زور سے کہا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور میرا معجزہ ہے اور اگر کسی کو اس میں شک ہو تو اس کے مقابلے میں ایسا فصیح و بلیغ کلام بنا کر پیش کرے، تیئیس سال تک مسلسل یہ منادی اور چیلنج ہوتا رہا مگر کوئی شخص اس کے مثل ایک سطر بھی بنا کر نہ لا سکا اور سارا عالم اس کے مقابلے اور معارضہ سے عاجز اور درماندہ رہا بتلانے والے بتلائیں کہ کیا یہ تحدی اور مقابلہ کی دعوت اور کس کتاب میں کہاں واقع ہوئی اور کس نے تحدی اور مقابلہ کی دعوت دی اور کس مقام پر مخاطبین کا عجز ظاہر ہوا محض اِنعِدام نظیر کا نام اعجاز نہیں۔ بسا اوقات حسن و جمال اور خوبی و کمال کی بنا پر کسی عالم کو یا کسی تصنیف کو بے نظیر اور بے مثال کہہ دیا جاتا ہے، لیکن یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ تصنیف یا یہ مصنف معجزہ ہے۔

نیز بسا اوقات انسان اپنے زعم میں کسی چیز کو بے نظیر سمجھتا ہے اور واقع میں اس کی نظیر

موجود ہوتی ہے، شاہنامۂ فردوسی کے مقابلے میں مرزا محمد تو رانی متخلص بہ آشوب نے صولت فاروقی ایک کتاب لکھی جو شاہنامۂ فردوسی سے بہتر ہے جس میں فردوسی پر اکثر جرح کرتا ہے۔

نیز یہ کہ معجزہ کے لئے لازم ہے کہ وہ امر خارق للعادۃ ہو اس میں اسباب ظاہری کا کوئی دخل نہ ہو۔ سحر اور معجزہ میں فرق یہی ہے کہ سحر تعلیم اور تعلّم اور کسب و اکتساب سے حاصل ہو سکتا ہے اور معجزہ کوئی فن نہیں کہ جو تعلیم اور تعلّم سے حاصل ہو سکے۔

اور ظاہر ہے کہ سعدی اور فردوسی نے سالہا سال تعلیم اور تعلّم کی محنتیں اور مشقتیں اٹھائیں اور برسوں مدرسوں میں پڑھے اور استادوں کی جوتیاں سیدھی کرتے رہے اور ان سے پڑھتے رہے اور اصلاح لیتے رہے، پس اگر سالہا سال کی محنتوں اور مدّتوں کی مشاقی اور جدوجہد کے بعد ان کا کلام دوسروں کے کلام سے فائق ہو گیا تو وہ نہ محل تعجب ہے اور نہ اس کو معجزہ کہا جا سکتا ہے۔

ہر زمانہ میں اور ہر زبان میں بڑے بڑے فاضل اور ادیب اور انشا پرداز گزرے ہیں جیسے عربی میں بدیع الزمان ہمدانی اور حریری مگر وہ معجزہ نہیں۔

اور فارسی میں سعدی اور فردوسی اور انگریزی میں ملٹن اور سنسکرت میں کالیداس اور اردو میں محمد حسین آزاد اور حالی وغیرہ وغیرہ۔

جن کا کلام اپنے ہمعصروں کے کلام سے فائق اور ممتاز ہو گیا تو یہ سالہا سال کی محنتوں اور مشقّتوں کا ثمرہ ہے کوئی معجزہ نہیں۔

اس سلسلے میں بعض خوش فہم فیضی کی بے نقط تفسیر کا نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بے نظیر ہے آج تک اس کا جواب نہیں ہو سکا، اس کا جواب خود فیضی کی زبان سے سنیں کہ وہ اپنی تفسیر کے دیباچہ میں قرآن کریم کو خدا کی اتاری ہوئی کتاب مانتے ہیں اور اس کے سوا تمام علوم اور کتب کو دردسر قرار دیتے ہیں، چنانچہ فیضی کہتے ہیں۔

العلوم کلها صداع الا علم کلام اللّٰه و کلام اللّٰه لا عدّ لمحامده ولا حد لمکارمه ولا حصر لرسومه ولا احصاء	تمام علوم، سوائے علم قرآنی کے سب دردسر ہیں اور کلام اللہ کے مناقب کی کوئی شمار نہیں اور اس کے محاسن کی کوئی انتہا نہیں اور اس کی صداقت کے شان غیر محصور ہیں اور

لعلومه وما علم علوم كلام الله كلها احدالا الله ورسوله واولوالعلم ما علموا الا اعدادا

علوم قرآن اس درجہ بے شمار ہیں کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں ۔ جو علوم قرآن کریم میں ہیں اُن کو بہ تمام وکمال سوائے خدا اور اس کے رسول کے کوئی نہیں جانتا اور تمام اہل علم کو مل کر جو قرآن کا علم ہاتھ آیا ہے وہ اس کے غیر محدود علم کا ایک محدود حصّہ ہے۔

کلام اللہ کے متعلق یہ خود فیضی کا اقرار اور اعتراف ہے۔ اب اس اقرار کے بعد فیضی کو شہادت میں پیش کرنا سخت بے حیائی اور ڈھٹائی ہے اور مدعی سُست اور گواہ چُست کا مضمون ہے۔

اور اگر بالفرض والتقدیر فیضی اور سعدی اور فردوسی قرآن کی طرح دنیا کو مقابلہ کا پُر زور چیلنج کرتے تو معلوم کتنے شاہنامے اور کتنی گلستانیں غلامانِ نبی امّی فداہ نفسی وابی وامی ۔ لکھ کر دنیا کے سامنے ڈال دیتے۔

اعجاز کی دوسری وجہ

اعجاز قرآن کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ علوم ہدایت کا جامع ہے، جو شخص قرآنِ کریم کے علوم اور معارف کی تحقیق و تفتیش کرے گا تو اُس کو اس کتاب میں عقائد اور اعمال اور تہذیب اخلاق اور تمدّن اور معاشرت اور اصول حکومت و سیاست اور ترقی روحانیت اور تحصیل معرفت ربانی اور تزکیۂ روحانی اور حکمرانی اور عدل عمرانی اور وصول الی اللہ اور قرب یزدانی کے وہ تمام قواعد اور سامان اس کو اس کتاب میں نظر آئیں گے جس کو دیکھ کر بے اختیار اس کا دل اور اس کی زبان گواہی دیں گے کہ بلا شبہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اور یقیناً یہ اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب ہے۔ ایسے علوم اور معارف کا خزینہ اور گنجینہ تو عالم کے تمام حکماء مل کر بھی نہیں پیش کر سکتے چہ جائیکہ ایک امّی قوم کے ایک امّی فرد سے اس کی توقع کہ وہ ایک جامع کتاب دنیا کے سامنے پیش کرے کہ جو دنیا اور آخرت دونوں کی صلاح اور فلاح کی کفیل اور ذمہ دار ہو اور حقوقِ خداوندی اور حقوق العباد اور حقوق نفس کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہو اور عالم کے تمام

مذاہب باطلہ یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور مجوس اور صابئین کا دلیل اور برہان کے ساتھ رد کرتی ہو اور کسی مذہب کے عالم میں یہ قدرت نہ ہو کہ وہ دلائل قرآنی کا جواب دے سکے۔ کیا یہ اس امر کی دلیل اور برہان نہیں کہ یہ قرآن بلاشبہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔

اعجاز کی تیسری وجہ

اعجاز قرآن کی تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم حالات آئندہ کی خبروں پر مشتمل ہے کہ جن چیزوں کا نام ونشان اور وہم وگمان نہ تھا اور انسانی ادراک ان کے تصور سے بھی قاصر تھا قرآنِ کریم نے پیشتر سے ان کے وقوع اور ظہور کی خبر دی اور پھر بلاکم وکاست قرآن کریم کی خبر کے مطابق وہ چیز واقع ہوئی، جیسے آپ نے ہجرت سے پہلے بمقابلہ فارس رومیوں کے غلبہ کی خبر دی کما قال تعالے الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ الآیۃ۔ اور غزوۂ بدر میں کفار کی شکست کی خبر دی سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ اور دینِ اسلام کے ظہور اور غلبہ کی خبر دی کما قال تعالیٰ ھُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وغیرہ وغیرہ جن کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ پیشین گوئیوں کے بیان میں آئے گی۔

غرض یہ کہ قرآن کریم نے آئندہ کے متعلق جو خبریں دی ہیں وہ اسی طرح واقع ہوئیں جس طرح قرآن کریم نے ان کی خبر دی تھی۔

اور علیٰ ہذا قرآن کریم کا انبیاء سابقین کے قصص اور امم سابقہ کے واقعات اور حالات پر مشتمل ہونا مثل قصۂ سیّدنا ابراہیم وحضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ وحضرت یُوسف وغیرہم اور قصۂ ذوالقرنین اور قصۂ اصحاب کہف وغیرہ جن کا پورا علم علماء اہلِ کتاب کو بھی نہ تھا۔ نبی امّی فداہ ابی وامی نے جب ان آیات کو علماء اہلِ کتاب کے سامنے تلاوت کیا تو کوئی انکار نہ کرسکا۔

حضرات اہلِ علم اگر وجوہ اعجاز کی تحقیق اور تفصیل چاہیں تو قاضی ابوبکر باقلانی کی اعجاز القرآن اور شفاء قاضی عیاض میں مبحث اعجاز القرآن کی مراجعت کریں۔

اور اُردو میں اس ناچیز نے بھی ایک مختصر رسالہ "اِعْجَازُالْقُرْآن" کے نام سے لکھا ہے، اس کو دیکھ لیں۔

حدیثِ نبوی، دوسرا معجزہ

قرآن کریم کے بعد آپ کا علمی معجزہ حدیث نبوی ہے جس کو شریعت اور ملّت کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جس کی کاملیت اور جامعیت کو دیکھ کر ادنیٰ عقل والا اس یقین پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ ایسے مافوق العقل اور مافوق الفطرت دستور اور آئین کا منبع اور سرچشمہ سوائے خداوند علیم وحکیم کی ذات بابرکات کے کوئی ذات انسانی نہیں ہو سکتی، خاص کر کہ جو ذات انسانی محض امّی ہو جس نے نہ لکھا ہو نہ پڑھا ہو اس کی زبان سے ایسے محیّر العقول علوم ومعارف کا چشمہ کیسے جاری ہوا معلوم ہوا کہ اس امّی نبی کی زبان فیضِ ترجمان سے جو کچھ نکل رہا ہے وہ درحقیقت پس پردہ لسان غیب بول رہی ہے موسیٰ علیہ السّلام نے درخت میں سے جو آواز سُنی وہ درحقیقت درخت کی آواز نہ تھی بلکہ وہ آواز خداوند قدوس کی تھی اور یہ درخت بمنزلہ ٹیلیفون کے تھا کہ جو عالم غیب کی آواز کو موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا رہا تھا۔

اسی طرح اُس نبی امّی فداہ نفسی وابی واُمّی کو سمجھو کہ اس کی زبان فیض ترجمان سے جو نکل رہا تھا وہ وحی ربانی اور آواز یزدانی تھی۔ معاذ اللہ نطق نفسانی نہ تھا۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىٓ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس لئے کہ شریعت اسلامیہ جن عقائد اور اعتقادات کی تعلیم دیتی ہے، وہ خرافات اور بے اصل باتوں سے پاک اور منزہ ہیں اور عقلی اور نقلی اور فطری دلائل سے ثابت ہیں جن کی نسبت یقین کیا جا سکتا ہے کہ یہ عقائد قطعاً صحیح اور واقعی ہیں۔

اور شریعت اسلامیہ نے جن مکارم اخلاق کا حکم دیا ہے اوّلین اور آخرین کے صحیفوں میں اسکی نظیر نہیں اور علیٰ ہذا شریعت اسلامیہ نے جن عبادات اور معاملات اور افعال واعمال کا حکم دیا وہ بیشمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی جو تفصیل اور مبدأ اور معاد کے جو لاینحل عقدے شریعت اسلامیہ نے حل کیئے ہیں وہ عقل انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہیں۔

اور علماء فرنگ کا اقرار ہے کہ توریت اور انجیل اور عہد قدیم اور عہد جدید کے تمام صحیفے تعلیمات اسلامیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

نیز دنیا میں انبیاء اور حکماء اور سلاطین اور علماء لاکھوں کی تعداد میں گزرے مگر جس حیرت انگیز احتیاط کے ساتھ آں حضرت ﷺ کی حرکات اور سکنات اور آپ کی زبان مُبارک سے نکلے ہوئے الفاظ اور کلمات کو محفوظ کیا گیا۔ اولین اور آخرین میں اس کی نظیر نہیں۔ ایک آپ کی زندگی کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ کے افعال واقوال کے روایت کرنے والے ہزار ہا راویوں کی زندگیاں اس لئے زیر تحقیق لائی گئیں کہ آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے شک وشبہ کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے علم اسماء الرجال اور علم الاسناد اور علم اصول الحدیث اسی کی خاطر ایجاد ہوئے جن کا منشاء صرف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال اور اعمال ایسے محفوظ ہو جائیں کہ سلسلۂ سند اور طرق اور اسانید کو دیکھ کر پڑھنے والے کو ایسا علم یقینی حاصل ہو جائے کہ جو عینی مشاہدہ کے مساوی اور ہم مرتبہ ہو صحاح ستہ اور دوسری کتب احادیث کو دیکھنے سے انسان حیران اور ششدر رہ جاتا ہے کہ کس حیرت انگیز انتظام اور اہتمام سے حدیث نبوی کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے اور حضرات محدثین نور اللہ مراقدہم نے احادیث نبوی کی صحت اور جانچ پڑتال کے لئے کس قدر سخت ضوابط اور قواعد مرتب کیے ہیں۔

مؤطا امام مالک اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ وغیرہ دنیا کے سامنے موجود ہیں، مگر کسی ملحد اور زندیق کی یہ مجال نہیں ہوئی کہ ایک لفظ کی بھی کمی اور بیشی کر سکے۔

پھر ان کتابوں کی مندرجہ احادیث میں سے ایک ایک حدیث کو تحقیق اور تدقیق کی کسوٹی پر کس کی ہر ایک حدیث کے تمام راویوں کا حال بتلا دیا اور ہر حدیث کا درجہ قائم کر دیا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا غریب ہے یا ضعیف ہے یا منکر ہے۔

پھر لطف یہ کہ آں حضرت ﷺ کے اقوال وافعال کی روایت کرنے والا پہلا طبقہ صحابۂ کرام کا ہے جس میں سے بحمدہ تعالیٰ ایک شخص بھی قسم کھانے کو دروغ گو ثابت نہیں ہوا۔ صحابۂ کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ اتنی بڑی جماعت میں سے کسی فرد واحد کی نسبت آج تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ اُس نے کبھی جھوٹ بولا ہو یہ اُس نبی اُمّی فداہ نفسی وابی واُمی کا اعجاز ہے کہ اس کے تربیت یافتہ افراد میں سے ایک فرد واحد بھی جھوٹا نہیں نکلا۔ ان پہلے راویوں کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کے راویوں کی زندگیاں بھی عالم طور پر

کذب اور دروغ سے محفوظ پائی جاتی ہیں۔ ان سب کا عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ اپنی طرف سے کوئی بات نسبت کرنا گناہ کبیرہ اور جُرم عظیم ہے۔

آج دنیا میں کوئی حضرت مسیح کا پیرو یہ نہیں بتا سکتا کہ ان کا سلسلۂ اسناد کیا ہے اور کس ذریعہ اور کس سند سے اُن کو یہ انجیلیں اور حواریین کے رسائل اور خطوط ملے اور اس سلسلۂ سند کے راوی کون کون لوگ ہیں اور کون ان میں سے ثقہ اور معتبر ہے اور کون غیر معتبر علماء نصاریٰ حضرت مسیح کا ایک کلمہ بھی سند متصل کے ساتھ نہیں پیش کر سکتے۔ اور حضرات محدّثین کا یہ حال ہے کہ بغیر سند کے کوئی لفظ ان کی بارگاہ میں قابلِ التفات بھی نہیں اور حدیث کی مشہور کتابیں اسی محفوظ زمانے اور محتاط لوگوں کے عہد میں مرتب اور مدون ہوئیں اور مدون ومرتّب ہو جانے کے بعد ان کے مصنّفین ہی کے زمانے سے لوگوں نے ان کا پڑھنا اور حفظ یاد کرنا شروع کر دیا اور آج تک ان کتابوں کی سندیں متواتر سلسلوں سے دنیا میں موجود ہیں اور مشرق ومغرب کے علماء کے زیر درس ہیں۔ غور تو کیجئے کہ ایک ذات بابرکات قدسی صفات کے اقوال وافعال کے محفوظ رکھنے کے لئے یہ انتظام اور یہ اہتمام۔ کیا انسانی تدبیر اور جدوجہد کا نتیجہ ہے حاشا وکلا۔ یہ صرف تائید ربانی اور فضل یزدانی کا کرشمہ ہے کہ جو پردۂ غیب سے نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیث کی حفاظت کے لئے نمودار ہوا ہے علم حدیث اور اس کے متعلّقہ علوم وفنون پر غور کرنے کے بعد دنیا کی تمام تاریخوں کا مرتبہ نگاہ سے گر جاتا ہے اور بلاشبہ جو ذات تمام اقوام اور تمام ممالک کے لئے قیامت تک کے لئے ہادی اور رہبر بن کر آئی اس کی زندگی اور اس کے اقوال وافعال ایسے ہی معجزانہ طریقہ پر محفوظ ہونے چاہئیں کہ قیامت تک آنے والوں کے لئے کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے اور جو شخص اس نبی اُمّی کی زندگی کو آنکھ سے دیکھنا چاہے تو حدیث نبوی کے پردہ سے اُس کو دیکھ سکے۔

یہ جو کچھ کہا گیا ہے یہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعجاز کا بیان تھا کہ جس کا تعلّق روایت حدیث سے ہے، یعنی الفاظ حدیث کی بے مثال حفاظت سے متعلق ہے۔

اور اگر حدیث نبوی کے اعجاز کو درایت اور تفقہ کے اعتبار سے دیکھنا چاہتے ہو تو ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کی کتابیں دیکھو جس سے تم کو یہ معلوم ہوگا کہ قوانین شریعت کس درجہ دقیق اور عمیق ہیں کہ جن کے استنباط اور استخراج میں علماء امّت اور فقہاء ملّت کس درجہ حیران

اور پریشان رہے باوجود غایت فہم وذکاء نصوص شریعت کی تحقیق اور تدقیق میں عمریں گزاریں اور یہ کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے۔

نہ حسنش غایتے دارو نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی ودریا ہمچنیں باقی

جس طرح حضرات محدثین کا وجود نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے اسی طرح حضرات فقہاء کا وجود بھی نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے فرق اتنا ہے کہ پہلا معجزہ روایت کا ہے اور دوسرا معجزہ درایت کا ہے۔

علمائے اُمّتِ محمدیہ۔ تیسرا معجزہ

منجملہ معجزات کے اس اُمّت کے علماء وصلحاء آپ کی نبوّت ورسالت کا معجزہ ہیں کہ حق جل شانہٗ نے آپ کی اُمّت کو خیر الامم بنایا اور انبیاء کرام کا وارث بنایا۔[۱] اور ایسا بے مثال حافظہ اور بے نظیر علم وفہم عطاء کیا کہ اوّلین وآخرین میں اُس کی نظیر نہیں حضرات محدثین کو قوت حافظہ میں کراماً کاتبین کا نمونہ بنایا اور حضرات فقہاء کو قوت اجتہاد واستنباط عطاء کی اور فہم وادراک ونکتہ سنجی ودقیقہ رسی میں ملائکہ مقربین کا نمونہ بنایا اور اولیاء عارفین کو اپنے عشق اور محبّت کی دولت سے نوازا اور عرش عظیم اور بیت معمور کا لیل ونہار طواف کرنے والے فرشتوں کا نمونہ بنایا کسی امّت میں علماء اسلام جیسا علم اور فہم اور تحقیق وتدقیق کا نام ونشان نہ ملے گا اور نہ ان کی بے مثال اور بلند پایہ تصانیف کی کوئی نظیر نظر آئے گی۔

مغربی اقوام نے صنعت اور کاریگری میں حیرت انگیز کرشمے دکھائے، مگر ان قوموں میں توریت اور انجیل کا نہ کوئی بخاری اور مسلم نظر آتا ہے کہ جس کو توریت وانجیل ازبر یاد ہو اور نہ یحیٰ بن سعید القطان اور یحیٰ بن معین جیسا اسماء الرجال کا حافظ وعالم پیدا ہوا جن قوموں نے اپنے پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں میں دیدہ دانستہ تحریف کرڈالی ہو ایسی قوموں میں احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین جیسا حافظ حدیث ہونا ناممکن ہے اور محال ہے اور نہ یہود اور نصاریٰ کے اولین وآخرین میں ابو حنیفہ اور شافعی جیسا فقیہ اور مجتہد نظر آتا ہے کہ جو دین ودنیا اور

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے زرقانی شرح مواہب لدنیہ باب خصائص اُمّت محمدیہ

اعتقادات اور عبادات اور معاملات اور معاشرات اور سیاست ملکیہ و مدنیہ کے تمام مسائل کو توریت وانجیل کی نصوص کی روشنی میں حل کر سکے اور نہ ابوالحسن اشعری اور ابومنصور ماتریدی اور غزالی اور رازی جیسا کوئی متکلم کسی امت میں نظر آتا ہے کہ جب میدانِ مباحثہ ومناظرہ میں نکلے تو عقائد اسلامیہ کی تحقیق کے لئے عقلی ونقلی دلائل کا لشکر اُس کے ساتھ ہو اور باطل کی گردن پر اس کی تیغ بے دریغ چل رہی ہو اور دنیائے اسلام کی سرفرازی اور سربلندی اور کفر وباطل کی ذلت وخواری اور سرنگونی کا تماشا دنیا دیکھ رہی ہو اور نہ جنید وشبلی اور بایزید اور معروف کرخی جیسا عابد وزاہد اور خداوند ذوالجلال کا عاشق اور مجنون کسی امت میں پیدا ہوا۔

اور نہ خلیل بن احمد اور سیبویہ جیسا علم اعراب کا موجد وامام کسی ملّت میں ہوا اور نہ عبدالقاہر جرجانی اور سعد الدین تفتازانی جیسا اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز کا امام کسی امت میں پیدا ہوا۔

علماء یہود اور علماء نصاریٰ۔ عبرانی یا سریانی یا انگریزی زبان کی لغت میں کوئی لسان العرب اور قاموس اور تاج العروس جیسی کتاب تو دکھلائیں، جمال الدین ابن حاجب اور جامی کا تو ذکر کیا کروں میزان ومنشعب اور صرف میر ونحو میر جو علم صرف ونحو کی بالکل ابتدائی کتابیں ہیں۔ روئے زمین کے علماء یہود ونصاریٰ عبرانی وسریانی یا انگریزی زبان کے متعلق کوئی میزان ومنشعب تو دکھلائیں، بطور نمونہ ان چند علوم کا ذکر کر دیا آگے قیاس کرلو۔

یہود اور نصاریٰ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ علماء اسلام کا شریعت موسویہ اور شریعت عیسویہ کے علماء اور فضلاء سے موازنہ کر کے دیکھو صنعتی اور حرفتی ترقی پر نظر نہ کرو یہ علمی اور اخلاقی ترقی نہیں بلکہ یہ کاری گری ہے، اس میں دن بدن اور ترقی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اسلام میں یہ علمی اور عملی اور اخلاقی ترقی سب آں حضرت ﷺ کی شریعت کی اتباع کی برکت سے ہوئی کیا یہ اسلام کا معجزہ نہیں کہ شریعت اسلام کی اتباع کی برکت سے علم وحکمت کے دروازے کھل گئے اور امّت محمدیہ میں ایسے بے مثال علماء وفضلاء اور اولیاء اور اتقیاء پیدا ہوئے کہ کسی امت میں ان کی نظیر نہیں۔

چوتھا معجزہ

وہ غیبی آوازیں ہیں کہ بہت سے کاہنوں وغیرہ کو جنگلوں اور بیابانوں میں سنائی دیں کہ

یہ نبی برحق ہیں جو من جانب اللہ مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے اور ان ہی کی متابعت میں نجات ہے۔اس قسم کے معجزات کا بیان خصائص کبریٰ للسیوطی میں از ص ۱۰۱ ج ا تا ۱۱۰ دیکھو۔

پانچواں معجزہ

یہ ہے کہ شجر اور حجر میں سے ایسی آوازیں سنائی دیں کہ جن میں آپ کی نبوت کی گواہی اور آپ پر سلام تھا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہ اور ایکبار حضور پُر نور نے درخت کو بلایا، تو وہ حسب الحکم حاضر ہو گیا اور جب واپسی کا حکم دیا تو واپس ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انبیاء سابقین کی پیشین گوئیاں

منجملہ دلائل نبوت آپ کی نبوت کی ایک دلیل یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کے متعلق گزشتہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو بشارتیں دی ہیں کہ آخر زمانے میں ایک کامل نبی ملک عرب میں مبعوث ہونے والا ہے۔

اور اسی بناء پر اہلِ کتاب اُس آنے والے نبی کے منتظر تھے، اسی لئے بہت سے ذی علم مخلص اہلِ کتاب جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ آں حضرت ﷺ کے دعوائے نبوّت کو سُنتے ہی ایمان لے آئے اور بہت سے علماء اہلِ کتاب آپ کے ظہور سے پہلے ان بشارات کو نقل کرتے تھے۔ اور ان بشارات کی صحت کی گواہی دیتے تھے۔ اور لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان کے ظہور کا زمانہ قریب آگیا مگر باوجود اس علم اور یقین کے از راہِ حسد وعناد آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے اور آپ کے دشمن ہوگئے۔ کما قال تعالےٰ

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ	جن لوگوں کو ہم نے کتاب یعنی توریت وانجیل دی وہ آپ کو خوب پہچانتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں، جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی اور اہل کتاب آپ کی صورت وشکل کو دیکھ کر آپ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح یہ اپنے بیٹوں کی صورت وشکل دیکھ کر پہچانتے ہیں اور تحقیق ان میں کا ایک فریق حق کو چھپاتا ہے، حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں۔

بالفرض والتقدیر اگر آپ کی نبوت کی بشارتیں توریت وانجیل میں مذکور نہ ہوتیں تو علماء یہود

ونصاریٰ برملا آپ کی تردید کرتے اور جن مجلسوں میں جہاں اس قسم کی آیتیں النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل تلاوت کی جاتی تھیں وہاں جا کر کھلم کھلا یہ کہتے کہ یہ سب غلط ہے اور تمام یہود ونصاریٰ کو اس سے آگاہ کرتے بلکہ مشرکین مکّہ کو جو آپ کے خاص دشمن تھے ان کو آگاہ کرتے اور جو یہود ونصاریٰ اسلام میں داخل ہو چکے تھے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے۔ نیز آپ کا علماء یہود کے مدارس میں جا کر تحدی کے ساتھ یہ بیان کرنا کہ میں وہی نبی ہوں کہ جس کی توریت وانجیل میں خبر دی گئی ہے، یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ کو ان بشارتوں کا یقین صادق اور جزم واثق تھا۔

کتب تاریخ اور سیر میں بالتفصیل یہ حالات مذکور ہیں کہ اکثر علماء یہود ونصاریٰ کو صحف سابقہ کی پیشین گوئیوں کی بناء پر آں حضرت ﷺ کی پیدائش اور بعثت کا زمانہ معلوم تھا۔

۱۔ چنانچہ سیف ذی یزن حاکم یمن نے عبدالمطلب کو آپ کی پیدائش کے قریب زمانہ میں خبر دی تھی کہ آپ کے خاندان میں نبی آخر الزمان پیدا ہونے والا ہے۔

۲۔ آپ کی عمر بارہ سال کی تھی کہ آپ کو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر پیش آیا جہاں ایک نصرانی عالم بحیرا راہب نے آپ کو دیکھ کر ابوطالب سے کہا کہ اپنے بھتیجے کی خبر داری رکھنا یہ نبی آخر الزمان ہوگا، میں نے کتب ساویہ میں نبی آخر الزمان کی جو علامات دیکھی ہیں وہ سب کی سب اس میں موجود ہیں۔ یہودی اس کی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ جس کا مفصّل قصہ گزر چکا ہے۔

۳۔ دوسری مرتبہ آپ پچیس سال کی عمر میں دوبارہ تشریف لے گئے۔ وہاں نسطورا راہب نے آپ کو بغور دیکھا اور قافلہ والوں سے کہا کہ یہ شخص نبی آخر الزمان ہوگا۔ ہمارے نوشتوں میں جو علامات خاتم الانبیاء کی لکھی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ یہ قصّہ بھی ابتداء کتاب میں مفصل گزر چکا ہے۔

۴۔ پھر ابتداء بعثت میں جب حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تو یہی کہا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں کہ جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے، یہ قصہ بھی ابتداء کتاب میں گزر چکا ہے۔

۵۔ حضرت سلمان فارسی ابتداء مجوسی تھے، اُس مذہب سے بیزار ہو کر یہودی مذہب اختیار کیا،

لیکن یہودیت سے بھی قلب کو تسکین میسر نہ آئی تو یہودی مذہب چھوڑ کر عیسائی بن گئے علماء نصاریٰ سے نبی آخر الزمان کی جو پیشین گوئیاں سنی تھیں وہ خوب یاد تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمان آپ کی خبر سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں کہ جن کی پیشین گوئیاں میں سُن چکا ہوں۔ یہ قصہ بھی مفصل گزر چکا ہے۔

۶۔ نجاشی شاہ حبشہ نے بھی انبیاء سابقین کی پیشین گوئیوں کے موافق پا کر آپ کو نبی آخر الزمان تسلیم کیا اور مشرف باسلام ہوا، یہ قصّہ بھی مفصّل گزر چکا ہے۔

۷۔ پھر ۷ھ میں جب آپ نے قیصر روم یعنی ہرقل کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا تو اس نے بھی آپ کے حالات دریافت کرنے کے بعد یہ اقرار کیا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی کتب سابقہ میں خبر دی گئی ہے اور جن کا ہم کو انتظار تھا۔ یہ قصّہ بھی مفصّل گزر چکا ہے۔

تمہیدی اُمور

قبل اس کے کہ ہم کتبِ سابقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں اور خبروں کو ذکر کریں بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ طالبانِ حق کی تنبیہ کے لئے چند امور ذکر کر دیں تا کہ اہلِ کتاب کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

امرِ اوّل [1]

یہود و نصاریٰ کا یہ خیال خام ہے کہ کسی نبی کی نبوّت ثابت کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ انبیاء سابقین نے اس نبی کی آمد کی پیشین گوئی کی ہو اور اس آنے والے نبی کی نشانیاں لوگوں کو بتلائی ہوں کہ جس مدعی نبوّت میں یہ نشانیاں پائی جائیں وہ نبی صادق ہے ورنہ کاذب اور پھر علماء یہود و نصاریٰ اپنے اس خود تراشیدہ معیار کی بناء پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ کتب سابقہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشین گوئی نہیں اور جو پیشین گوئیاں علماء اسلام پیش کرتے ہیں وہ حضور پُر نور پر منطبق نہیں۔

ا۔ اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ اوّل تو یہ خود تراشیدہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ اثباتِ نبوّت کیلئے نبی

[1] ازالۃ الاوہام۔ مؤلفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ص: ۴۵

سابق کا نبی لاحق کی خبر دینا ضروری نہیں اس لئے کہ اگر نبی لاحق کی نبوّت کا ثبوت نبی سابق کی خبر موقوف ہو تو تسلسل لازم آئے گا۔

۲۔ حضرت حزقیل اور حضرت دانیال اور حضرت اشعیاء وغیرہم جن کا نبی ہونا اہل کتاب کے نزدیک مسلّم ہے، ان کا ذکر اور ان کی خبر کتب سابقہ میں موجود نہیں معلوم ہوا کہ اصل نبوّت کا دارومدار معجزات اور علامات نبوّت پر ہے۔ البتہ نبی سابق کا۔ نبی لاحق کے ظہور اور بعثت کی خبر دینا یہ اُس آنے والے نبی کی جلالت قدر اور عظمت شان پر دلالت کرتا ہے، رہا انبیاء سابقین کی پیشین گوئیوں کا حضور پرنور پر انطباق سو انشاء اللہ تعالیٰ ہر بشارت کے ذیل میں خوب واضح ہو جائے گا۔

۳۔ علماء نصاریٰ اس بات پر متفق ہیں کہ انبیاء سابقین نے حضرت مسیح کی آمد کی پیشین گوئی کی ہے مگر یہود کے سلف اور خلف حضرت عیسیٰ کے پیشین گوئیوں کے قطعاً منکر ہیں۔ اور علماء نصاریٰ جن خبروں کو حضرت مسیح کے حق میں بتاتے ہیں یہود ان میں ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ جن سے وہ خبریں حضرت مسیح پر صادق نہیں آتیں۔

پس جس طرح یہود حضرت مسیح کی بشارتوں کے منکر ہیں اسی طرح نصاریٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کے منکر ہیں۔

۴۔ نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر نبی سابق نبی لاحق کی خبر دے تو اُس کی صفات اور علامات اور خصوصیات شخصیہ کی ایسی تشریح کردے کہ اس نبی کو دیکھتے ہی خواص اور عوام کو اس کی نبوت کا بالبداہت یقین آجائے کہ کسی شبہ کی گنجائش اس میں باقی نہ رہے نبی کی شناخت اگر ایسی بدیہی ہو جائے تو پھر معجزات اور دلائل نبوّت اور براہین رسالت کی ضرورت نہ رہے گی۔

امرِ دوم [۱]

انبیاء بنی اسرائیل میں سے بہت سے نبیوں نے جیسے اشعیاء اور ارمیاء اور دانیال اور حزقیل اور عیسیٰ علیہم السّلام نے بہت سے آئندہ واقعات اور پیش آنے والے حالات کی خبریں دی ہیں جیسے بخت نصر اور فورش اور اسکندر وغیرہ کا ظاہر ہونا اور زمینِ روم اور مصر اور نینوی اور بابل میں حوادث کا پیش آنا پس عقل سلیم اس امر کو قریب ناممکن کے سمجھتی

[۱] اظہار الحق۔ ج:۲،ص:۱۱۶

ہے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام ایسے چھوٹے چھوٹے حوادث کی تو خبر دیں اور نبی اکرم سرور عالم سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کی خبر نہ دیں کہ جس سے بڑھ کر آج تک دنیا میں کوئی واقعہ ہی پیش نہیں آیا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین نے آپ کے ظہور با نور کی ضرور بالضرور بشارتیں دی تھیں مگر اہلِ کتاب نے ان بشارتوں کو اپنی کتابوں سے نکال دیا یا بدل دیا اور جو بشارتیں اُن کی باقی رہ گئی ہیں ان میں تاویلیں کرتے ہیں۔

امرِ سوم [1]

نصاریٰ کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام خاتم النبیین تھے کہ اُن کے بعد کسی نبی کا آنا ناممکن ہے اور اہلِ اسلام یہ کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔

۱۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں کسی انجیل میں کسی جگہ بھی یہ مذکور نہیں کہ حضرت عیسیٰ خاتم النبیین ہیں۔

۲۔ نیز حضرت عیسیٰ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میرے آسمان پر چلے جانے کے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا بلکہ اپنے بعد ایک آنے والے عظیم الشان رسُول یعنی فارقلیط کی بشارت دی اور اس پر ایمان لانے کی تاکید اکید کی اور اسی بناء پر علماء اہل کتاب بھی فارقلیط کی آمد کے منتظر رہے۔ جس کا انجیل میں وعدہ کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے مونٹانس نے اپنے حق میں فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا اور بہت سے لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔

۳۔ نیز نصاریٰ حواریین اور پولوس کی نبوّت کے قائل ہیں حالانکہ یہ سب عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہیں۔

۴۔ کتاب الاعمال کے گیارھویں باب میں لکھا ہے۔

۲۷۔ انہی دنوں چند نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے۔

۲۸۔ ان میں ایک نے جس کا نام اگبس تھا کھڑے ہو کر روح کے ہدایت سے ظاہر کیا کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا اور یہ کلودیس (قیصر روم) کے عہد میں واقع ہوا۔ انتہی

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ یروشلم سے انطاکیہ میں چند نبی آئے جن میں سے ایک کا نام اگبس اور عربی نسخہ میں آغابوس تھا اور یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ واقعہ

---

[1] دیکھو اظہار الحق ج:۲، ص:۱۲۰

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بعد کا ہے پس جب ان کے بعد نبی ثابت ہوئے تو حضرت عیسیٰ کا خاتم النبیین ہونا قطعاً غلط ہوا۔

۵۔ نیز انجیل متی کے ساتویں باب درس ۱۵ میں حضرت مسیح کی تعلیم اور تنبیہ اس طرح مذکور ہے۔ جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو۔ الی آخرہ۔

دُور تک سلسلۂ کلام چلا گیا جس میں حضرت مسیح نے خبردار کیا کہ میرے بعد بہت سے جھوٹے مدعیانِ نبوت ظاہر ہوں گے اور میرے نام سے نبوّت کا دعویٰ کریں گے یعنی یہ کہیں گے کہ میں مسیح موعود ہوں (جیسا کہ قادیان کا ایک دہقان کہتا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں)

تم اُن سے خبردار رہنا وہ باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہیں۔ حضرت مسیح نے اس تعلیم میں یہ قید لگائی کہ میرے بعد جھوٹے مدعیانِ نبوّت کے دھوکہ میں نہ آنا اور یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ مدعیان نبوّت کا امتحان کرو سچے کی تصدیق کرو اور جھوٹے کی تکذیب کرو چنانچہ یوحنا کے پہلے خط کے باب چہارم میں ہے۔ اے عزیزو ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ الخ

خلاصہ یہ کہ خود نصاریٰ کی ان نصوص سے یہ امر واضح ہوگیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین نہ تھے۔

امر چہارم

نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کی والدہ ماجدہ، کنیز اور باندی تھیں اس لئے شرف اور رُتبہ میں بنی اسمٰعیل بنی اسرائیل کے ہم پلہ نہیں۔

جواب

اوّل:۔ یہود کی معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ہاجرہ شاہ مصر فرعون کی بیٹی تھیں لونڈی اور باندی نہ تھیں توریت کا ایک معتبر مفسّر شلوملو اسحٰق کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت اوّل کی تفسیر میں لکھتا ہے اَبَتْ بَوسُھ یتا کیّرانسمّ شِنْعِتُو سارا امر مرتاب شتّھا بَنِیْ شِفْحَہ رَبَیْتَ زِہْ وَیَوْ کِبیْرَہ ییت اخِیرا •

جب اس نے (رقیون شاہ مصر نے) سارہ کی وجہ سے کرامات کو دیکھا تو کہا میری بیٹی کا اس کے گھر میں لونڈی ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ ہاجرہ۔ دراصل کنیز اور لونڈی نہ تھیں بلکہ فرعون مصر کی بیٹی تھیں جس کو بادشاہ نے حضرت سارہ کی خدمت کے لئے دیا تھا، بادشاہ نے جب حضرت سارہ کی کرامتیں دیکھیں تو اس کو یقین ہوگیا کہ سارہ اور اس کا شوہر ابراہیم خدا کا مقبول اور برگزیدہ بندہ ہے اس لئے اس نے حضرت سارہ کا بہت اعزاز واکرام کیا حتیٰ کہ اپنی بیٹی ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کی زوجیت کے لئے دیدیا تا کہ اُس زمانہ کے رسم ورواج کے مطابق دوسری بی بی، پہلی بڑی بی بی کی خدمت گزار بن کر رہے۔

دوم

یہ کہ محض کنیز ہونا عیب نہیں حضرت یوسف علیہ السّلام کو غلام بنا کر فروخت کردیا گیا خاص کر جب کہ توریت میں دو عہد لکھے گئے ہیں ایک عہد اسماعیلی اور ایک عہد اسحاقی اور حق تعالیٰ نے دونوں کے حق میں حضرت ابراہیم سے برکت دینے کا وعدہ فرمایا اور حضرت ابراہیم سے حضرت اسمٰعیل کے حق میں برکت اولاد اور امّت عظیم کا وعدہ کتاب تکوین اور باب سوم کتاب الاعمال سے بالکل واضح ہے کہ بنی اسماعیل میں سے ایک عظیم الشان نبی ظاہر ہوگا۔ پس خداتعالےٰ کے وعدہٗ برکت کو ذکر نہ کرنا اور وہمی اور خیالی عیوب کا زبان سے نکالنا عقلاً ونقلاً معیوب ہے۔

نصاریٰ کو چاہئے کہ رومیلوس وروموس واغسطس کے بیٹے وغیرہ کا خیال کر کے شرمائیں اور پھر یہودا اور زن اور یاء کا حال جو اجداد مسیح کے بیان میں کرتے ہیں اس کا ذرا بھی خیال کرلیں تو ندامت سے سر نہ اُٹھا سکیں۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ حضرت ہاجرہ شاہ مصر کی بیٹی تھیں۔ بادشاہ نے حضرت سارہ کی بزرگی دیکھ کر اُن کی خدمت کے لئے پیش کیا اور اس زمانے کا رسم ورواج بھی یہی تھا کہ امیروں کو جو بیٹی دیتے تھے تو وہ بمنزلہ خادمہ کے ہوتی تھی، اسی وجہ سے صحیح بخاری میں یہ لفظ آیا ہے، **فاخدمها هاجر**

[1] ارض القرآن۔ مؤلفہ: سید سلیمان ندوی۔ ج:۲، ص:۴۱

نصاریٰ نے بجائے خادمہ کے کنیز اور باندی سے اس کا ترجمہ کر ڈالا جو سراسر بے انصافی ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ ان حضرات انبیاء کو جو حضرت مسیح کے سلسلۂ اجداد میں ہیں معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ شرک اور بُت پرستی اور زنا کاری اور شراب خواری میں ملوث سمجھتے ہیں اور ان امور کو قابلِ طعن نہیں سمجھتے اور حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ پر خادمہ کا لفظ موجب طعن سمجھتے ہیں۔

آمدم برسرِ مطلب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء سابقین کی ہزار ہا پیشین گوئیوں میں سے صرف چند پیشین گوئیاں بطور نمونہ توریت وانجیل سے ہدیۂ ناظرین کردی جائیں۔ باقی اگر تفصیل درکار ہو تو ازالۃ الاوہام بزبان فارسی اور اظہار الحق بزبان عربی ہر دو مصنفہ مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکّہ معظّمہ قدس اللہ سرّہٗ کی مراجعت کریں۔

بشارت اوّل۔ از توراۃ سفر استثناء باب (۱۸) آیت (۱۸)

۱۸۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں تجھ سا نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے مُنھ میں ڈالوں گا اور جو کچھ اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا۔

۱۹۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لیکے کہے گا نہ سُنے تو میں اُس کا حساب اُس سے لوں گا۔

۲۰ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔

۲۱۔ اور اگر تو اَپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کی یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کر جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی۔ انتہی

اہلِ اسلام یہ کہتے ہیں کہ یہ بشارت خاص سرور عالم سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور یہود کا یہ خیال ہے کہ یہ بشارت یوشع علیہ السلام کے لئے ہے اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسّلام کے لئے ہے، لیکن حق یہ ہے کہ اس بشارت کا مصداق بجز خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ یہ بشارت اُس نبی کے ظہور کی ہے کہ جو موسیٰ علیہ السّلام کے مماثل یعنی مانند ہو اور بنی اسرائیل میں سے نہ ہو بلکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں سے ہو اور پھر اُس بشارت میں اُس آنے والے نبی کی صفات کا ذکر ہے، اس لئے اہلِ اسلام کہتے ہیں کہ یہ خاص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے بچند وجوہ۔

اوّل

یہ کہ اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ میں اُن کے یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نبی، بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا اس لئے کہ یہ خطابات ایک دو شخص کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ بنی اسرائیل کے تمام اسباط اور گروہوں کو تھے، لہٰذا اس خطاب کی مخاطب مجموع قوم بنی اسرائیل ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ اس پوری قوم (بنی اسرائیل کے بھائیوں) میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ نبی بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا اس لئے کہ اگر یہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوتا تو یہ فرماتے کہ خود تم میں سے ایک نبی پیدا ہوگا۔ کما قال تعالیٰ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ [1] اور یہ نہ فرماتے کہ تمہارے بھائیوں میں سے وہ نبی ظاہر ہوگا کما قال تعالیٰ خطابا لبنی اسرآئیل وَجَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ۔

غرض یہ کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا تمام بنی اسرائیل کو بلا کسی تخصیص کے یہ خطاب فرمانا کہ وہ نبی موعود تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اس امر کی صاف دلیل ہے کہ وہ نبی موعود بنی اسرائیل کے بھائی ہیں، نصاریٰ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے خود بنی اسرائیل ہی مراد ہیں مگر یہ بالکل غلط ہے اور سراسر خلافِ عقل ہے اور ساری دنیا کی لُغت کے خلاف ہے، جب یہ کہا جائے کہ زید کے بھائی تو زید ان بھائیوں میں داخل نہ ہوگا بلکہ بھائیوں

[1] آل عمران، آیۃ: ۱۶۴۔

کے علاوہ ہوگا کیونکہ مضاف الیہ باتفاق عقلاء مضاف سے خارج ہوتا ہے، نیز کسی شخص اور اس کی اولاد کو دنیا کے کسی محاورہ میں بطریق حقیقت یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ اُس کے بھائی ہیں پس نبی اسرائیل کے بھائیوں سے بنی اسرائیل کی اولاد مراد لینا ہی سراسر نادانی اور جہالت ہے محاورہ میں یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ زید بنی تمیم کا بھائی ہے اور ہود قوم عاد کے بھائی ہیں اور صالح ثمود کے بھائی ہیں یعنی اس قوم کے ایک فرد ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قوم عاد قوم عاد کے بھائی ہیں اور ثمود ثمود کے بھائی ہیں اور بنو تمیم بنو تمیم کے بھائی اور بنو ہاشم بنو ہاشم کے بھائی ہیں۔

اسی طرح یہ کہنا کہ بنی اسرائیل، بنی اسرائیل کے بھائی ہیں صریح نادانی اور جہالت ہے اور یہ کہنا بنی اسرائیل کے بھائیوں سے اُن کی نسل اور اولاد مراد ہے کھلی ہوئی حماقت ہے۔

نیز کتاب پیدائش کے سولہویں باب، درس تیرہ میں بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حضرت اسمٰعیل اور اُن کی اولاد کا اس طرح ذکر ہے۔

۱۲۔ وہ اَپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش اختیار کرے گا۔ اھ

اور توریت سفر پیدائش کے پچیسویں باب درس ۱۸ میں ہے۔

کہ اسمٰعیل اپنے سب بھائیوں کے سامنے مر گیا الخ

پس ان دونوں جگہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے بالاتفاق بنی عیص اور بنی اسرائیل مراد ہیں اور یہ امر باتفاق یہود و نصاریٰ ثابت ہے کہ خاص بنی عیص میں سے کوئی صاحب نبوّت نہیں ہوا اور یہ امر بھی فریقین میں مسلم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد قطورہ سے ہوئی اُن سے بھی اللہ تعالیٰ نے نبوّت اور برکت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔ البتہ حضرت اسمٰعیل کے حق میں برکت کا وعدہ فرمایا۔

اہلِ کتاب کی ایک تحریف کا ذکر

علماء اہلِ کتاب نے اس بشارت میں ایک لفظ یہ اضافہ کر دیا ہے خدا تیرے ہی درمیان تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک پیغمبر قائم کرے گا (دیکھو اسی باب کا درس ۱۵) تا کہ یہ بشارت نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم پر صادق نہ آئے سو جاننا چاہیے کہ یہ لفظ ''تیرے ہی درمیان سے'' بعد میں بڑھایا گیا ہے دلیل اس تحریف کی یہ ہے کہ توریت سفر استثناء باب ۱۸

اور درس اٹھارہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السّلام کو خطاب میں الفاظ یہ ہیں، میں ان کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔اھ

اس میں تیرے ہی درمیان سے۔کالفظ مذکور نہیں اور عجیب بات ہے کہ کتاب الاعمال باب ۳ آیت ۲۲ میں اس خبر کا ذکر آیا ہے مگر ''تیرے درمیان'' کالفظ مذکور نہیں۔

نیز حضرت مسیح کے حواریین نے جہاں کہیں بھی اس کلام کو نقل کیا ہے،اس میں یہ جملہ یعنی کہ تیرے ہی درمیان سے کبھی ذکر نہیں کیا معلوم ہوا کہ یہ جملہ الحاقی ہے۔

اور اگر بالفرض والتقدیر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ جملہ الحاقی نہیں تو ہوسکتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ تیرے درمیان سے یعنی خدا پرستوں کی نسل سے مطلب یہ کہ وہ حضرت ابراہیم حنیف کی نسل سے ہوگا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کو مخاطب بنا کر یہ فرمانا کہ ان کے بھائیوں میں سے حق تعالیٰ ایک نبی برپا کرے گا۔اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ نبی اسرائیل نہ ہوگا ورنہ بنی اسرائیلی نبی کی خبر دینا منظور ہوتا تو یہ فرماتے کہ ان میں سے یا ان کی اولاد میں سے وہ نبی برپا ہوگا ایسی صورت میں بھائیوں کا لفظ بڑھانا محض لغو اور فضول ہوگا بھائیوں کا لفظ بآواز بلند پکار رہا ہے کہ اس نبی موعود کو ان لوگوں کے ساتھ،علاقۂ صلبی یا بطنی نہ ہوگا یعنی وہ نبی بنی اسرائیل کی نسل سے نہ ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت یوشع علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام دونوں بنی اسرائیل میں سے ہیں۔بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں سے نہیں لہٰذا یہ دونوں نبی اس بشارت کا مصداق نہیں بن سکتے،اس بشارت کا مصداق صرف وہی نبی ہوسکتا ہے کہ جو بنی اسمٰعیل میں سے ہوا انبیاء بنی اسرائیل میں سے کوئی پیغمبر اس بشارت کا مصداق نہیں ہوسکتا۔

دوم

یہ کہ اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور ظاہر ہے کہ موسےٰ

علیہ السّلام کے مانند نہ یوشع علیہ السّلام ہیں اور نہ عیسیٰ علیہ السّلام اس لئے کہ یہ دونوں حضرات بنی اسرائیل میں سے ہیں اور توریت سفر استثناء باب چونتیسواں درس دہم میں ہے کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں اٹھا جس سے خداوند آمنے سامنے آشنائی کرتا۔ انتہیٰ۔

علاوہ ازیں حضرت یوشع علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے تلمیذ (شاگرد) تھے اور تابع اور متبوع مماثل نہیں ہوتے نیز حضرت یوشع اس وقت موجود تھے اور اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ ایک نبی برپا کروں گا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نبی کا وجود زمانہ مستقبل میں ہوگا۔

اور یوشع علیہ الصلواۃ والسّلام حضرت موسیٰ علیہ الصلواۃ والسّلام ہی کے زمانے میں نبی ہو چکے تھے، پس وہ اس بشارت کا جس میں آئندہ نبی کی خبر دی گئی ہے کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔

علیٰ ہذا حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے مماثل نہیں اس لئے کہ نصارائے حیاریٰ کے نزدیک تو وہ ابن اللہ یا خود خدا ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ الصلواۃ والسّلام نہ اللہ نہ ابن اللہ بلکہ خدا کے ایک بندے ہیں۔ پس بندے اور خدا میں کیا مماثلث۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام بہ اعتقاد نصاریٰ مقتول ومصلوب ہو کر اپنی امّت کے لئے کفّار ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نہ مقتول ومصلوب ہوئے اور نہ کفّارہ ہوئے۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسّلام کی شریعت حدود وقصاص زواجر وتعزیزات غسل وطہارت کے احکام سے ساکت ہے۔ بخلاف شریعت موسویہ کے کہ وہ اِن تمام امور پر مشتمل ہے۔ ہاں نبی کریم علیہ الصلواۃ والسّلام اور حضرت موسیٰ علیہ الصلواۃ والسّلام میں مماثلث ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلواۃ والسّلام صاحب شریعت مستقلہ تھے، اسی طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت غرّہ بھی مستقل اور کامل اور علیٰ وجہ الاتم حدود وتعزیرات، جہاد وقصاص، حلال وحرام کے احکام کو جامع ہے اور ظاہری احکام کی طرح باطنی احکام یعنی اخلاق کی بھی جامع ہے۔

جس طرح موسیٰ علیہ الصلواۃ والسّلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نکال کر عزّت دی، اس سے بدرجہا زائد نبی اکرم ﷺ نے عرب کو روم اور فارس کی قید سے چھڑا کر

اللہ کا کلمہ پڑھایا اور قیصر وکسریٰ کے خزائن کی کنجیاں اُن کے سپرد کیں۔ نیز جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے نکاح کیا اسی طرح ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بھی انبیاء سابقین کی سنّت نکاح پر عمل فرمایا۔ اور اسی مماثلث کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔[۱]	ہم نے تمھاری طرف ایک رسول بھیجا، تم پر گواہی دینے والا۔ جیسے ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام اور حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کبھی اس مماثلث کا دعویٰ نہیں فرمایا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ مماثلث سے یہ مراد ہے کہ وہ نبی موعود موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی طرح بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ تو اس صورت میں حضرت عیسی اور حضرت یوشع علیہما الصلوٰۃ والسّلام کی کیا تخصیص ہے، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے ہر نبی انبیاء بنی اسرائیل میں سے اس بشارت کا مصداق بن سکتا ہے اور اگر حضرت عیسیٰ اور حضرت یوشع علیہما الصلوٰۃ والسلام کے لئے کسی درجہ میں مماثلث تسلیم کر لی جائے تو اس مماثلث کو اس مماثلث سے کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے حاصل ہے کوئی نسبت نہیں۔

(۳)۔ سوم یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ میں اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اھ یعنی اُس نبی پر الواح تورات وزبور کی طرح لکھی ہوئی کتاب نازل نہ ہوگی بلکہ فرشتہ اللہ کی وحی لے کر نازل ہوگا۔ اور وہ نبی اُمّی ہوگا۔ فرشتہ سے سن کر اللہ کے کلام یاد کرے گا اور اَپنے منہ سے پڑھ کر اُمّت کو سنائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات بجز نبی اُمّی فداہ نفسی وابی واُمّی کسی پر صادق نہیں آتی کما قال تعالیٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىٓ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى[۲] آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے مگر وہ وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔

(۴)۔ چہارم یہ کہ اس بشارت میں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ جو اُس نبی موعود کے حکم کو نہ مانے گا میں اس کو سزا دوں گا اور ظاہر ہے کہ اس سزا سے اُخروی عذاب مراد نہیں اس

---

۱ المزمل، آیۃ: ۱۵۔ ۲ النجم، آیۃ: ۳، ۴

لئے کہ اس میں اُس نبی موعود کے نہ ماننے والے کی کیا خصوصیت۔ اُخروی عذاب ہر نبی کے نہ ماننے والے کے لئے ہے بلکہ اس سے دنیوی سزا یعنی جہاد و قتال اور حدود و قصاص کا جاری کرنا مراد ہے اور یہ بات نہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوئی اور نہ یوشع علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو۔ البتہ خاتم الانبیاء سرورِ عالم سیّدنا محمد ﷺ کو علیٰ وجہ الاتم حاصل ہوئی لہٰذا وہی اس بشارت کا مصداق ہو سکتے ہیں۔

(۵)۔ پنجم یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ اگر وہ نبی عیاذاً باللہ افتراء کرے گا اور خدا کی طرف غلط بات منسوب کرے گا تو وہ نبی قتل کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ بعد دعوائے نبوّت قتل نہیں کیئے گئے۔ دشمنوں نے ہر طرح کی کوشش اور تدبیر کی مگر سب برباد گئی۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ تَعَالٰى۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔	اے محمد ﷺ اللہ کی اُس نعمت کو یاد کیجئے کہ کافر جب آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے کہ آپ کو قید کرلیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں وہ اپنی تدبیریں کرتے تھے اور اللہ اپنی تدبیر فرماتا تھا اور اللہ ہی بہترین تدبیر فرمانے والا ہے۔

اور حسب وعدۂ الٰہی وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ آپ بالکل محفوظ اور مامون رہے اور بجائے اس کے کہ کسی قسم کا حادثۂ فاجعہ پیش آتا آپ کی شان وشوکت بلند ہوتی گئی۔ پس آنحضرت ﷺ اگر وہ نبی موعود نہ ہوتے تو ضرور قتل کیے جاتے۔ ہاں حسب زعم نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام مقتول و مصلوب ہوئے۔ پس اگر حضرت مسیح بن مریم ﷺ کو اس بشارت کا مصداق قرار دیا جائے تو علیٰ زعم النصاریٰ عیاذاً باللہ ان کا کاذب ہونا لازم آتا اور قرآن عزیز میں بھی اس طرف اشارہ ہے، کما قال اللہ تعالیٰ شانہ:

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ	اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ قریب تھے کہ ان کی جانب اقل قلیل مائل ہو جاتے۔ اس وقت ہم آپ کو زندگی اور

اَلْـمَـمَـاتِ ثُـمَّ لَاتَجِدُلَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا۔[1]	موت کا دو چند عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار نہ پاتے۔
وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ۔[2]	اگر محمد ﷺ ہم پر کچھ افتراء کرتے تو ہم اُن کا داہنا پکڑ لیتے اور ان کی شہ رگ کو کاٹ دیتے۔

(ایک ضروری تنبیہ) بیسویں درس میں جو یہ مذکور ہے کہ وہ نبی اگر مجھ پر جھوٹ باندھے تو مارڈالا جائے گا۔ سو جاننا چاہیئے کہ نہ قتل ہونا علی الاطلاق صادق ہونے کی دلیل نہیں ورنہ اُن انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی صداقت کہ جو دشمنوں کے ہاتھ سے قتل کیئے گئے زیر تامل ہوگی کما قال اللہ تعالیٰ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط خصوصاً نصاریٰ کو اپنے عقیدہ فاسدہ کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی صداقت ثابت کرنا بہت دشوار ہو جائے گی۔

بلکہ خاص اس نبی موعود کا نہ قتل ہونا اُس کے صادق ہونے کی علامت ہے، جیسا کہ تورات کی اس عبارت سے ظاہر ہے۔ ''وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے گا الخ'' وہ قتل کیا جائے گا۔ اھ، دونوں جملوں میں وہ کی ضمیر خاص اُس نبی موعود کی طرف راجع ہے اگر یہ حکم مطلق نبی کے حق میں ہوتو معاذ اللہ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ جھوٹے نبی ٹھہرتے ہیں۔ اور نصاریٰ کے عقیدہ کی بنا پر چونکہ حضرت عیسیٰ مقتول اور مصلوب ہوئے تو وہ بھی معاذ اللہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ خبر خاص اس نبی موعود کے حق میں ہے کہ جس کی یہ بشارت دی گئی ہے، اگر اس خبر کو مطلق نبی کے حق میں مانا جائے تو یہود بے بہبود جو حضرت عیسیٰ کو نبی نہیں مانتے ان کو اپنے کفر کے لئے ایک دلیل ہاتھ آجائے گی۔

۶۔ ششم یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی مصرّح ہے کہ اُس نبی موعود کے صادق ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کا کہا پورا ہوگا یعنی اُس کی تمام پیشین گوئیاں صادق ہوں گی۔ سوالحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اس صادق مصدوق کی کوئی پیشین گوئی آج تک ذرہ برابر بھی غلط ثابت نہیں ہوئی، اور ہم پورے دعوے کے ساتھ بہ بانگِ دُہل اعلان کرتے ہیں کہ قیامت تک بھی کوئی حاسد اُس صادقِ مصدوق کی کسی پیشین کو غلط ثابت نہیں کرسکتا۔

---

[1] بنی اسرائیل، آیۃ: ۷۵ [2] الحاقۃ، آیۃ: ۴۴۔

اور یہ وصف تو آں حضرت ﷺ میں ایسا نمایاں اور اجلیٰ تھا کہ آپ کے دشمنوں اور حاسدوں کو بھی بجز صادق امین کہنے کے کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔

کوئی مانے یا نہ مانے

یہ گنہگارِ امت تو اُس نبی اُمّی فداہ نفسی وابی واُمّی کے صادق مصدوق ہونے پر طلوع شمس اور وجود نہار سے بدرجہا زائد یقین رکھتا ہے اور اُس خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی قسم کھا کر اور اس کو اور اُس کے تمام ملائکہ کو گواہ بنا کر صمیم قلب اور خلوص اعتقاد سے یہ تصدیق اور اقرار کرتا ہے کہ بے شک وشبہ آپ صادق مصدوق اصدق الاولین والآخرین ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰی ذٰلِکَ اٰمِیْن

ہفتم یہ کہ کتاب الاعمال باب سوم آیت ہفتدہم کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی منتظر حضرت عیسیٰ اور ایلیاء علیہما الصلوٰۃ والسلام بلکہ تمام انبیاء کرام کے علاوہ ہے۔

وہ عبارت یہ ہے:

اب اے بھائیو میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ نادانی سے کیا جیسے تمھارے سرداروں نے بھی۔ پر جن باتوں کی خدا نے اپنے سب نبیوں کی زبان سے آگے سے خبر دی تھی کہ مسیح دُکھ اُٹھائے گا سو پوری کیں۔ ۱۹ پس توبہ کرو اور متوجہ ہو کہ تمھارے گناہ مٹائے جائیں تا کہ خداوند حضور تازگی بخش ایام آویں۔ ۲۰۔ اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے جس کی منادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہوئی۔ ۲۱۔ ضرور ہے کہ آسمان اُسی لئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے ان سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں۔ ۲۲۔ کیونکہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمھارا خدا ہے تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لئے ایک نبی تیری مانند اٹھاوے گا جو کچھ وہ کہے اس کی سب سنو۔ ۲۳۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس کہ جو اس نبی کی نہ سُنے وہ قوم سے نیست کیا جاوے گا۔ ۲۴۔ بلکہ سب نبیوں نے سموایل سے لیکے پچھلوں تک جتنوں نے کلام کیا ان دونوں کی خبر دی ہے۔

۲۵۔تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے جو خدا نے باپ دادوں سے باندھا ہے جب ابرہام سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاویں آھ

اس عبارت میں اوّل حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بشارت اور ان کی اس تکلیف کا جوان کو علی زعمہم یہود لعنہم اللہ سے پیش آئی ذکر ہے۔اور ان کے نزول من السماء کا تذکرہ ہے۔اس کے بعد اس نبی کی بشارت کا ذکر ہے کہ جس کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

خداوند عالم تمھارے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں ایک نبی بھیجنے والا ہے،اور علاوہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے تمام نبیوں نے اس نبی موعود کے آنے کی خبر دی ہے اور جب تک یہ وعدہ ظہور میں نہ آئے گا اس وقت تک یہ زمین وآسمان ضرور قائم رہیں گے اور اُسی زمانے میں خدا کا وہ عہد بھی پورا ہوگا کہ جو اُس نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا تھا کہ تجھ سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاویں گے۔

الحاصل حضرت مسیح علیہ السّلام کی بشارت کا ذکر کر کے یہ کہنا (سو پوری کیں) اور جس نبی کی موسیٰ اور ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسّلام اور تمام انبیاء کرام علیہم الف الف صلوٰۃ والف الف سلام نے بشارت دی ہے،اس کے انتظار کو ان الفاظ سے ظاہر کرنا کہ ''ضرور ہے کہ آسمان اس کے لئے رہے کہ اس وقت کہ سب چیزیں کہ جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں''اھ

اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ نبی مبشَّر اور رسول منتظر اُن تمام انبیاء ورسل کے علاوہ ہے جو حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسّلام تک گزرے۔لہٰذا اس بشارت کا مصداق حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ کے زمانے تک کوئی نبی نہیں ہوسکتا''پس حضرت یوشع یا حضرت مسیح بن مریم علیہم السلام کو اس بشارت کا مصداق قرار دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

ہشتم یہ کہ انجیل یوحنا باب اوّل آیت انیسویں میں ہے۔

''جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اس کو پوچھیں کہ تو کون ہے اور اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں۔تب

انھوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے کیا تو الیاس ہے اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو وہ نبی ہے اُس نے جواب دیا نہیں'' اھ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کو حضرت مسیح اور ایلیاء علیہما الصلوٰۃ والسّلام کے سوا بھی ایک نبی کا انتظار تھا۔ اور وہ نبی اُن کے نزدیک ایسا معروف و معہود تھا کہ اس کے نام کے ذکر کرنے کی بھی حضرت مسیح اور حضرت ایلیاء کے نام کی طرح حاجت نہ تھی۔ بلکہ فقط ''وہ نبی'' کا اشارہ ہی اُس کے لئے کافی تھا۔

پس اگر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہی اس بشارت کا مصداق تھے تو پھر اُن کو انتظار کس کا تھا۔

وہ نبی جس کا کہ اُن کو انتظار تھا وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہ اہلِ کتاب نبی اکرم سیّدنا محمد ﷺ کے لئے ''وہ نبی'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اس لئے ہمیشہ سے اہلِ اسلام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو آں حضرت (جو بعینہٖ ''وہ نبی'' کا ترجمہ ہے) بولتے ہیں۔

نہم یہ کہ انجیل یوحنا باب ہفتم کی آیت چہلم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی موعود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہے چنانچہ انجیل میں ہے۔

۴۰۔ تب اُن لوگوں میں سے بہتیروں نے یہ سن کر کہا فی الحقیقت یہی وہ نبی ہے۔ اوروں نے کہا یہ مسیح ہے۔ اھ

نبی معہود کو حضرت مسیح کے مقابلے میں ذکر کرنا اس کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ وہ نبی معہود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہے۔ پس اگر ''وہ نبی'' سے آں حضرت ﷺ مراد نہوں تو پھر وہ کون نبی ہے کہ جس کا انتظار تھا۔

دہم آپ کے عہد نبوّت میں بہت سے علماء یہود و نصاریٰ نے اس امر کا اعتراف کیا کہ آپ وہی نبی برحق ہیں جن کی موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور آپ ہی اس بشارت کے مصداق ہیں، بعد ازاں ان میں سے بہت سے اسلام لائے جیسے مخیریق یہودی اور ضغاطر رومی عیسائی اور بہت سوں نے اقرار کیا مگر اسلام نہیں لائے جیسے ہرقل شاہ رُوم اور عبداللہ بن صوریا یہودی وغیرہما نے اقرار کیا کہ آپ وہ نبی برحق ہیں جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے مگر اسلام نہیں لائے۔

بشارت دوم، از تورات کتاب پیدائش باب (۱۷) آیت بستم

اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سُنی دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اُس سے بڑی قوم بناؤں گا۔

اور اسی باب کی آٹھویں آیت میں ہے۔

اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے، دیتا ہوں۔اھ

اور کتاب پیدائش کے باب ۱۶، آیت ۱۱ میں ہے۔

خداوند کے فرشتہ نے اُسے (ہاجرہ) کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی اس کا نام اسمٰعیل رکھنا خدا نے تیرا دکھ سن لیا وہ وحشی آدمی ہوگا اس کا ہاتھ سب سے (اوپر ہوگا) اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اَپنے سب بھائیوں کے سامنے بودوباش کرے گا۔انتہیٰ

اور باب ۲۵، آیت ۱۱ میں ہے۔

آپ کے فرزند اسحاق کو اللہ نے برکت دی۔آھ

الحاصل حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسحاق اور حضرت اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بابت وعدہ فرمایا کہ ان کو برکت دوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اوّل اسحٰق کی اولاد نے برکت حاصل کی اور تقریباً کئی ہزار سال تک سلسلۂ نبوّت ورسالت آپ کی اولاد میں جاری رہا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک برابر حضرت اسحٰق کی اولاد میں انبیاء ورسل ہوتے رہے۔

بعد ازاں جب دوسرے وعدہ کا وقت آ گیا تو شرفِ نبوّت ورسالت یکسر بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل کی جانب منتقل ہوگیا اور دعائے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور فاران کی چوٹیوں سے اور سینا اور سعید کا نور فاران پر جگمگانے لگا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ط

تورات سفرِ پیدائش باب (۲۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ

والسّلام حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو حجاز میں لے کر آئے اور وادیٔ فاران میں مکّہ مکرمہ کے قریب چھوڑ کر واپس ہو گئے۔

حضرت سارہ کے وصال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پھر اُسی وادیٔ فاران میں واپس تشریف لائے۔ اس عرصہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام جوان ہو چکے تھے۔ دونوں نے مل کر کعبۃ اللہ کی تعمیر شروع کی کما قال اللہ تبارک وتعالٰی۔

وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَاِسۡمٰعِیۡلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّآ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ○ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ ط[1]

اس وقت کو یاد کرو جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے اور یہ دعا مانگتے تھے کہ اے پروردگار یہ خدمت تو ہم سے قبول فرما۔ تو بے شک سُننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اے پروردگار ہم کو اور ہماری ذریت سے ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا۔

ناظرین غور فرمائیں کہ اس مقام پر کس کی ذرّیت مُراد ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذرّیت مراد ہے جو کہ وادیٔ فاران اور حرم الٰہی اور کعبۃ اللہ کے آس پاس مقیم ہے، اسی ذرّیت کے لئے حضرت ابراہیم نے اوّل یہ دعا فرمائی۔ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا الخ اور دوسری دعا یہ فرمائی۔

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ (ای فی هذه الذرية ذرية هاجرة واسمٰعيل عليهما الصلوة والسّلام) رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَیُزَكِّیۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ط[2]

اے پروردگار ہاجرہ اور اسمٰعیل کی ذریت میں ایک ایسا رسول بھیج جو تیری کتاب کی تلاوت کرے اور لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو کُفر اور شرک سے پاک کرے بیشک تو ہی غالب اور حکیم ہے۔

[1] البقرہ، آیۃ۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ [2] البقرہ، آیۃ۔ ۱۲۹۔

حق تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم میں اس دعائے ابراہیمی کا ذکر فرمایا ہے اسی طرح اس کی اجابت کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ط وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ط[1]	اللہ ہی نے بے پڑھوں میں اُن ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان پر خدا کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

خُلاصہ

یہ کہ قارئین کرام اس پر غور کریں کہ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اولاد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد کون بابرکت اور برومند ہوا اور کنعان کی زمین کس کی وراثت میں آئی اور حضور پُر نور کے سوا کون ہے کہ جس کا ہاتھ سب کے اُوپر ہوا ہو اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں دی گئی ہوں۔

اور بارہ سرداروں سے بارہ خلفاء مراد ہیں کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

يدور رحى الاسلام الى اثنى عشر خليفة كُلّهُمْ مِن قريش	اسلام کاری (چکی) بارہ خلفاء پر گھومے گا جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

فائدہ جلیلہ

اس علیم وحکیم نے اپنی حکمتِ بالغہ سے اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اولاد کو اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اولاد پر برکت دینے میں اس وجہ سے مقدم رکھا کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں خاتم النبیین سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونے والے تھے پس اگر حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وعدہ کو مقدّم کردیا جاتا تو پھر اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے سلسلۂ نبوّت ورسالت منقطع ہوجاتا، اس لئے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں بنایا جاسکتا۔

---

[1] سورۃ الجمعۃ، آیۃ ۲۔

اور اسی وجہ سے کہ اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اولاد میں بکثرت نبی ہوں گے تو بنی اسرائیل کو اس انعام کی تذکیر ان الفاظ سے کی گئی۔

اِذْجَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ "تم میں حق تعالیٰ نے بہت نبی پیدا کیے۔"

اور حضرت ابراہیم نے جو حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسّلام کے لئے دعاء فرمائی تو یہ فرمایا "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً۔ یعنی اے پروردگار ان میں ایک عظیم الشان رسول بھیج"

اور یہ نہیں فرمایا "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رُسُلاً۔ یعنی اے اللہ ان میں بہت سے رسول اور نبی بھیج۔"

جس سے صاف یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام بنی اسمٰعیل میں سے صرف ایک ایسے رسول کے مبعوث ہونے کی دعاء فرماتے تھے کہ جس کے آنے کے بعد کسی نبی اور رسول کی حاجت نہ رہے۔ صیغۂ مفرد کے ساتھ ذکر فرمایا رُسُلاً صیغۂ جمع کے ساتھ نہیں ذکر فرمایا۔

وَعَنْ اَبِي الْعَالِيَةِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰي رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَعْني امة محمد صلى الله عليه وسلم فقيل له قداستجيب لك وهو كائن فى اٰخرالزمان وكذا قال السُّدى وقتادة۔ تفسير ابن كثير ص ۳۳ ج ۱

ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے یہ دُعا فرمائی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ تو اللہ کی جانب سے یہ کہا گیا کہ تمھاری دُعا قبول ہوئی، یہ پیغمبر اخیر زمانے میں ہوگا۔ ایسا ہی سُدّی اور قتادہ سے مروی ہے۔

هُوَ كَائِنٌ فِي اٰخِرِالزَّمان سے خاتم النبیین ہونا مراد ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اَنَا دَعْوَةُ اَبِيْ اِبْرَاهِيْم۔ یعنی میں اپنے باپ ابراہیم کی دُعاء ہوں۔ اسی طرف مشیر ہے۔

اور اسی وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی یہ دعا امّت محمدیہ پر عظیم الشان

احسان ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے بعد کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْم کا پڑھنا اس احسان کے شکر میں اُمّت پر لازم ہو گیا۔

یا یہ کہا جائے کہ تمام انبیاء و رسل میں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو صلوٰۃ وسلام کے لئے مخصوص کرنا اُن کی اس دعاء کی اجابت ہے۔ رَبِّ ھَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ[1] چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو علم و حکمت بھی عطا فرمائی اور صالحین میں بھی داخل فرمایا، اور آخر میں یعنی اس آخری امّت میں کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ الخ کے ذریعے سے ان کا ذکر خیر جاری فرمایا اور انشاء اللہ العزیز الی یوم القیامۃ اسی طرح جاری رہے گا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اور چونکہ حضرت ابراہیم سے برکت دینے کا وعدہ تھا اس لئے کَمَا بَارَکْتَ کا اور اضافہ کر دیا گیا۔

اور عجب نہیں کہ اُن بارہ سرداروں سے کہ جن سے خلفاء مراد لئے گئے ختم نبوّت کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری نہ رہے گا بلکہ خلافت و نیابت کا سلسلہ جاری ہوگا اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اُمت سے صرف خلافت کے جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا۔ نبوّت و رسالت کا کسی درجہ میں بھی وعدہ نہیں فرمایا کَمَا قَالَ تَعَالٰی:۔

وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ[2] وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خلافۃ النبوۃ بعدی ثلاثون عاما وقال النبی صلّی	جو لوگ ایمان لا چکے اور جنھوں نے عمل صالح کیے اُن سے اللہ تعالیٰ نے خلافت دینے کا وعدہ فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت کی خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا انتظام ان کے

[1] الشعراء، آیۃ: ۸۳۔۸۴۔ [2] النور، آیۃ: ۵۵

اللّٰه عَلَيْه وَسَلَّمَ كَانَتْ بنو اسْرَآئيل تسوسهُمُ الانبياء كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خلفه نبيٌّ وَاِنَّهُ لَانَبِيّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاء۔ رواه البخاری	نبی کیا کرتے تھے جب کوئی نبی گزر جاتا تو دوسرا نبی اس کے قائم مقام ہو جاتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے۔ (بخاری)

بشارت سوم، از تورات سفر استثناء باب (۳۳) آیت ۲

جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سِيْنَآءَ وَاَشْرَقَ لَهُمْ مِنْ سَاعِيْرَ وَتَلَاءَ لَاءَ مِنْ جِبَال فَارَانَ وَاَتٰى مِنْ رَبَوات القُدُسِ وعن يمينه نَارُشَرِيْعَةٍ۔ اھ

اورالجواب الفسیح میں بعض نسخ تورات سے اس طرح نقل کیا ہے۔

جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سِيْنَآءَ وَاشْرَقَ لَنَامِنْ سَاعِيْروَاسْتعْلَنَ مِنْ جِبَالِ فَارَانَ اھ

اور اُردو نسخہ میں اس طرح ہے (۲) اور اُس نے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ خداوند سیناؔ سے آیا اور سعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی۔ آھ

اس آیت میں

تین بشارتیں مذکور ہیں (۱) طور سیناء پر حضرت موسیٰ علیہ السَّلام کو تورات کا عطاء ہونا مراد ہے (۲) اور ساعیر ایک پہاڑی کا نام ہے کہ جو شہر ناصرہ مولدِ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسَّلام میں واقع ہے۔ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسَّلام کی نبوّت اور نزولِ انجیل کی طرف اشارہ ہے (۳) اور فاران سے مکّہ کے پہاڑ مراد ہیں۔ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نزول قرآن کی جانب اشارہ ہے۔

غارحراء اسی فاران پہاڑ میں واقع ہے جس میں سب سے پہلے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ کی ابتدائی پانچ آیتیں آپ پر نازل ہوئیں توریت کتاب پیدائش کے اکیسویں باب درس۔ ۲۰ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کے ذکر میں ہے۔

۲۰۔ اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیرانداز ہوگیا۔

۲۱۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔ انتہٰی

اور حضرت اسمٰعیل کی سکونت کا مکہ مکرمہ میں ہونا سب کو مسلّم ہے، معلوم ہوا کہ توریت کی اس آیت میں اُس نبوّت کی بشارت ہے جو فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوگی اور کوہ ودشت کو اپنے نور سے بھر دے گی، اب ناظرین خود دیکھ لیں کہ سوائے نبوّت محمدیہ کے وہ کونسی نبوّت ہے کہ جو فاران سے ظاہر ہوئی اور اس نے تمام عالم کو انوارِ ہدایت سے منوّر کردیا۔ فاران کی نبوّت بلاشبہ سینا اور ساعیر کی نبوّت سے کہیں زیادہ روشن تھی اور آتشی شریعت سے بھی قرآن کریم مراد ہے اس لئے کہ وہ احکام جہاد اور احکام حدود وقصاص پر مشتمل ہے اور دس ہزار قدسیوں سے لشکر ملائکہ مراد ہے۔ یا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکّہ کے وقت دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکّہ پر حملہ کرنا مراد ہے اور حضرت مسیح کے ساتھ بقول نصاریٰ صرف بارہ حواری تھے اور وہ بھی سب جان بچا کر بھاگ گئے اور ایک خاص حواری یہودا نے تیس درم رشوت لے کر اپنے خداوند کو گرفتار کرادیا تھا۔

اور اس بشارت کی حسن ترتیب اور حسن بیان قابلِ غور ہے۔ اوّل یہ فرمایا جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سِینَاء خداوند سیناء سے آیا۔ اور اس کے بعد یہ فرمایا۔ وَأَشْرَقَ مِنْ سَاعِیر۔ سعیر سے طلوع ہوا اور آخیر میں یہ فرمایا وَاسْتَعْلَنَ مِنْ جِبَالِ فَارَانَ۔ فاران کے پہاڑ سے جو جلوہ گر ہوا۔ جس سے مقصد یہ ہے کہ نزول تورات بمنزلۂ طلوع فجر کے ہے۔ اور نزول انجیل بمنزلہ طلوع شمس کے ہے اور نزول قرآن بمنزلۂ استواء شمس فی نصف النہار ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کفر کی تاریک شب کا خاتمہ اور پہلی پھٹ کر ایمان وہدایت کی صبح صادق کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے زمانے میں ہوا۔ اور فرعون اور قارون اور ہامان جیسے ائمۃ الکفر عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئے۔

اور جب حضرت مسیح بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوا تو آفتابِ ہدایت بھی افق

مشرق پر ظاہر ہوا اور جب نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوا تو آفتاب ہدایت ٹھیک نصف النہار پر آ گیا اور کوئی چپّہ زمین کا ایسا باقی نہ رہا کہ جہاں اس آفتاب کی روشنی نہ پہنچی ہو اور قرآنِ عزیز میں بھی اس بشارت کی طرف اشارہ ہے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ[1]

تین اور زیتون چونکہ ارضِ مقدّس میں پیدا ہوتے ہیں جس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے اس لئے اس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی رسالت کی جانب اشارہ ہے اور بلد امین سے مراد مکّہ مکرمہ مراد ہے کہ جس سے آفتاب نبوّت و رسالت کا طلوع ہوا۔

حق تعالیٰ شانہ نے مکّہ کی صفت الامین ذکر فرمائی ہے جس سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ سردار عالم سیدنا محمد ﷺ خزانہ الٰہی کے درِیتیم ہیں کہ بطور امانت اس بلد امین کے سُپرد کر دیئے گئے ہیں۔ بلد امین نے ترپّن سال تک اس دُرِیتیم اور امانت الٰہی کی حفاظت کی مگر جب وقت بہت ہی نازک ہو گیا تو اس وقت بلدِ امین نے بادلِ ناخواستہ یہ امانت مدینہ طیّبہ کے سپرد کر دی۔ کذا فی ھدایۃ الحیاریٰ

الحاصل

اس کلام میں تین پیغمبروں کی بشارتیں دی گئیں: اور بشارت کا اختتام خاتم الانبیاء ﷺ کے ذکر مبارک پر ہوا تا کہ ختم نبوّت کی طرف اشارہ ہو جائے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ فاران سیناء کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ حضرت محمد ﷺ چونکہ اس علاقہ میں ظاہر نہیں ہوئے اس لئے یہ بشارت اُن کے حق میں نہیں ہو سکتی۔ جواب یہ ہے کہ:

تورات کتاب پیدائش باب اکیسواں از درس ۱۲ تا درس ۲۱ میں لکھا ہے کہ بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل بی بی سارہ کے ناراض ہو جانے سے ارضِ مقدّس کو چھوڑ کر دشت فاران میں سکونت پذیر ہوئے جس کی بنا پر فاران وہی مقام ہوگا جو حضرت اسمٰعیل اور ان کی اولاد کا سکونت گاہ ثابت ہوا۔

---

[1] سورۃ التین، آیۃ: ۱۔۳۔

اور یہ امر روایت متواترہ سے ثابت ہے کہ بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل وادیٔ حجاز کے اُس میدان میں مقیم ہوئے جہاں اس وقت مکّہ آباد ہے اور یہیں آپ کی اولاد بھی قیام پذیر ہوئی معلوم ہوا کہ فاران علاقہ سینا کے کسی پہاڑ کا نام نہیں بلکہ مکّہ مکرمہ کے پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کی سکونت تھی۔

سامری تورات کے عربی ترجمہ میں جس کو علمائے جرمن نے ۱۸۵۱ء میں بمقام گاٹنگن چھپوایا ہے، حضرت اسمٰعیل کی سکونت گاہ کے متعلق تحریر ہے وسکن فی بریة فاران (ای الحجاز) واخذت له امرأة من ارض مصر (کون الدنیا۲۱ـ۲۱)

حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام سمویل نبی کے وفات کے بعد دشت فاران میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے ایک زبور تصنیف کی جس میں نہایت افسوس کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں قیدار کے قیام گاہ میں سکونت پذیر ہوں دیکھو سمویل نبی کی پہلی کتاب باب ۲۵ درس یکم اور دیکھو زبور ۱۲۰ درس پنجم۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قیدار فاران میں رہتا تھا۔ قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوۃ والسّلام کے دوسرے فرزند ہیں۔ اشعیاء پیغمبر کے صحیفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اور اس کی اولاد مغربی ملک میں رہتی تھی۔ بطلیموس نے حجاز کا وسطی علاقہ اُن کی جائے سکونت بتایا ہے اس بنا پر یہ امر ثابت ہے کہ وادیٔ حجاز اور فاران دونوں ایک ہی مقام ہیں، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور مکّہ میں ہوا جو حجاز کا مشہور شہر ہے کذا فی البشارات الاحمدیہ[۱] شریعت احکام جہاد وقصاص وحدود وتعزیرات پر مشتمل ہوگی اور اس کی نبوّت دنیاوی بادشاہت ساتھ لئے ہوگی۔ اور حضرت عیسیٰ کی نبوّت دنیاوی بادشاہت کو ساتھ لئے ہوئے نہ تھی اور نہ وہ مجرمین سے انتقام پر قادر تھے۔

بشارت چہارم۔ از تورات سفر استثناء باب (۳۲)، آیت (۲۱)

انھوں نے اس کے سبب سے جو خدا نہیں مجھے غیرت دلائی اور اپنی واہیات باتوں سے مجھے غصّہ دلایا۔ سو میں بھی انھیں اُس سے جو گروہ میں نہیں غیرت میں ڈالوں گا اور بے عقل قوم سے انھیں خفا کروں گا، اھ

اس بشارت میں بے عقل قوم سے جہلائے عرب مراد ہیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

[۱] یہ رسالہ جناب حکیم سید محمد شمس اللہ صاحب قادری حیدرآبادی کی تصنیف ہے، رسالہ کل (۳۲) صفحات کا ہے اور مفید اور مختصر ہے۔ حشو اور اطناب سے پاک ہے۔ ۱۲ منہ

بعثت سے قبل جہالت اور گمراہی میں مبتلا تھے۔

علوم عقلیہ و شرعیہ سے واقفیت تو درکنار ان کو تو سوائے بت پرستی کے اور کسی شئے کا علم نہ تھا۔ یہود اور نصاریٰ اُن کو بہت حقیر جانتے تھے۔ اُن کو جاہل اور اپنے کو عالم کہتے تھے۔

لیکن جب یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کی اصلی تعلیم کو بھلا دیا اور بجائے توحید کے شرک میں مبتلا ہو گئے۔ کَمَا قَالَ تَعَالیٰ شَانُہٗ۔ وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُن ابْنُ اللّٰہِ وَقَالَتِ النَّصَارَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ[1] یہود نے عزیر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو خدا اور خدا کا بیٹا بنالیا۔ اُس وقت غیور مطلق حق جل جلالہ کی غیرت جوش میں آئی اور حسب وعدہ انھیں جُہلاء اور امیین میں سے ایک نبی اُمی۔ فداہ نفسی وابی وامی کو مبعوث فرمایا، جس کے ہاتھوں اپنے دین کو عزّت دی اور یہود بے بہبود کو اُن کے ہاتھوں قتل کرایا۔

اور مصر و شام پر ان کا قبضہ کرایا۔ کما قال تعالےٰ

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ○ ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ[2]

تمام آسمان اور زمین کی چیزیں خدائے بادشاہ پاک زبردست حکمت والے ہی کی تسبیح و تقدیس پڑھتی ہیں۔ اسی خداوند قدوس نے ناخواندوں میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جو اُن پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

''امیین'' سے عربوں کی جاہل قوم مراد ہے اور عیسیٰ علیہ السّلام اور یوشع علیہ السّلام کی قوم جاہل اور حقیر نہ تھی اور نہ بنی اسرائیل کو ان سے غیرت دلائی گئی ہے پس یہ بشارت سوائے عرب قوم کے کسی قوم پر صادق نہیں آتی۔

باقی بے عقل قوم اور شعب[3] جاہل سے یونانیین مراد لینا جیسا کہ پولوس کے رسالہ

---

[1] التوبۃ، آیۃ: ۳۰۔ [2] الجمعۃ، آیۃ: ۱۔۲ [3] یہ لفظ عربی نسخوں میں ہے ۱۲ منہ

رومیہ سے مترشح ہوتا ہے صحیح نہیں اس لئے کہ یونانیین تو اُس زمانے میں علُوم وفنون کے اعتبار سے تمام عالم پر فائق تھے وہ شعب جاہل اور بے عقل قوم کا کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔ سقراط، بقراط، فیثا غورث، افلاطون، جالینوس، ارسطاطالیس، ارشمیدس، بنیاس، اقلیدس، یہ سب کے سب حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسّلام کی تشریف آوری اور بعثت سے کئی صدی قبل تمام علوم وفنون کے ماہر اور احکام کے پورے عالم تھے۔

بشارت پنجم از تورات سفر پیدائش باب (۴۹)

(۱) اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ اَپنے کو جمع کرو تا کہ میں اس کی جو پچھلے دنوں تم پر بیتے گا تمھیں خبر کر دوں۔ (۲)۔ اے یعقوب کے بیٹو! اپنے کو اکٹھے کرو اور سُنو اور اپنے باپ اسرائیل کی سُنو اور پھر آیت دہم میں ہے۔

یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا۔ اور نہ حاکم اُس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا۔ جب تک کہ شیلا نہ آوے، اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔ آھ

آیات مسطورہ میں اس امر کی خبر دی گئی ہے کہ جب تک کہ اخیر زمانے میں شیلا کا ظہور نہ ہو اس وقت تک یہوداہ کی نسل سے حکومت وریاست منقطع نہ ہوگی۔

اہلِ اسلام کے نزدیک شیلا۔ آں حضرت ﷺ کا لقب ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسّلام کا لقب قرار دیتے ہیں۔ مگر نصاریٰ کا یہ خیال صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس عبارت کا سیاق اس کو مقتضی ہے کہ شیلا کو نسل یہوداہ سے خارج مانا جائے اس لئے کہ شیلا کے ظہور سے نسل یہوداہ کی حکومت وریاست کا انقطاع جب ہی متصور ہوسکتا ہے کہ جب شیلا نسل یہوداہ سے نہ ہو۔ ورنہ اگر شیلا نسل یہوداہ سے ہو تو اس کا ظہور تو بقائے حکومتِ یہوداہ کا باعث ہوگا نہ کہ انقطاعِ حکومت یہوداہ کا۔

اور بائبل کے ابواب بلکہ انجیل متی کے پہلے ہی صفحہ پر ذرا غور کرنے سے یہ بات بخوبی منکشف ہوسکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسّلام نسل یہوداہ سے خارج نہیں اس لئے کہ آپ حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسّلام کی نسل سے ہیں اور حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسّلام بالاجماع یہوداہ کی نسل سے ہیں۔

لہٰذا شیلا کا مصداق وہی نبی ہوسکتا ہے جو نسل یہوداہ سے خارج ہو۔ اور اس کا ظہور اخیر زمانے میں ہو جیسا کہ آیت اوّل کے اس جملے سے ظاہر ہے۔

''تا کہ میں اُس کی جو پچھلے دنوں میں تم پر بیتے گا تمھیں خبر دوں۔''

اور یہ دونوں امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر صادق آسکتے ہیں کہ آپ یہوداہ کی نسل سے بھی نہ تھے بلکہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے تھے اور آپ کا ظہور بھی خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے اخیر زمانے میں ہوا۔

اور آپ کی بعثت کے بعد سے یہوداہ کی نسل میں جو کچھ حکومت وریاست تھی وہ سب جاتی رہی قرائے بنی نضیر اور خیبر سب آپ ہی کے زمانے میں فتح ہوگئے، اور اس جملہ میں کہ ''قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی''۔

عموم بعثت کی طرف اشارہ ہے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی شَانُہٗ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا[1]

اے نبی کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے کہ اُن کی بعثت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی۔ کما قال تعالیٰ شانہٗ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ نیز مختلف قومیں اور مختلف لوگ حضور پُرنور ہی کے پاس اکٹھے ہوئے اور آج کے دین میں فوج فوج اور جوق جوق داخل ہوئے یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو حاصل نہیں ہوئی اور گیارھویں آیت میں ہے۔

''وہ اپنا گدھا انگور کے درخت سے باندھے گا''

سومدارج النبوۃ میں ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح فرمایا تو وہاں ایک سیاہ حمار دیکھا۔ آپ نے اُس سے کلام فرمایا اور اس کا نام دریافت فرمایا، اس نے جواب دیا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے۔ حق تعالیٰ نے میری دادی کی نسل سے ساٹھ حمار پیدا کیے جس پر سوائے نبی کے کسی نے سواری نہیں کی اور مجھ کو اُمّید ہے کہ آپ مجھ پر سواری فرمائیں گے۔ میری دادی کی نسل سے میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسّلام میں سے

[1] الاعراف، آیۃ: ۱۵۸۔

آپ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ آں حضرت ﷺ نے اس پر سواری فرمائی اور وہ حمار آپ کی وفات کے بعد صدمۂ وصال سے ایک کنویں میں گر کر مر گیا۔

(اور اسی گیارھویں آیت میں ہے)

''وہ اپنا لباس مئے میں اور اپنی پوشاک آبِ انگور میں دھووے گا۔''

اس آیت میں اصل عبرانی سے ترجمہ کرنے میں جو کچھ تصرف کیا گیا ہے اور در حقیقت اس طرح تھا۔ ''وہ اپنا لباس مئے سے اور اپنی پوشاک آب انگور سے دھووے گا۔''

یعنی اُس نبی آخر الزمان کی شریعت میں شراب حرام کی جائے گی، اور جس طرح دیگر نجاست سے کپڑوں کے دھونے کا حکم دیا جاتا ہے، اسی طرح شراب سے بھی کپڑوں کے پاک رکھنے اور دھونے کا حکم دیا جائے گا۔

اور عجب نہیں کہ اس سے محبّت الٰہی کی شراب میں استغراق مراد ہو۔ نبی کریم ﷺ کی شان تو بہت ارفع ہے۔ آپ تو سیّد الاوّلین والآخرین بلا فخر ہیں۔ آپ کی اُمّت میں ہزارہا بلکہ لاکھوں ایسے گزر گئے کہ عشقِ الٰہی اور محبّت ربّانی میں کوئی اُمّت اُن کی ہمسری نہیں کر سکتی۔

(اور پھر بارھویں آیت میں ہے)

''اس کی آنکھیں مئے سے لال ہوں گی اور اس کے دانت دودھ سے سفید ہوں گے۔''

اس آیت میں اُسی نبی مُبشّر کے حلیۂ مُبارک کی طرف اشارہ ہے کہ اُس کی آنکھیں سُرخ اور دانت سفید ہوں گے۔ چنانچہ زرقانی شرح مواہب میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ تجارت کے لئے بُصریٰ تشریف لے گئے تو ایک سایہ دار درخت کے قریب قیام فرمایا جہاں نسطورا راہب کا تکیہ تھا۔ نسطورا راہب نے میسرہ غلام سے جو آپ کے ہمراہ تھا یہ دریافت کیا کہ آپ کی آنکھوں میں سُرخی ہے میسرہ نے یہ جواب دیا کہ آپ کی آنکھوں میں ہمیشہ سُرخی رہتی ہے۔ کبھی جدا نہیں ہوتی، اس وقت نسطورا راہب نے یہ کہا ہے کہ یہ آخری پیغمبر ہیں۔ کاش میں اُن کی بعثت کا زمانہ پاؤں۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ میں لکھا ہے کہ جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا والا نامہ سلطان مقوقس شاہِ مصر کے نام لے کر گئے تو شاہِ مصر نے نبی آخر الزماں کی علامات بیان کرتے ہوئے یہ کہا، کہ سُرخی اُن کی آنکھوں سے جُدا نہیں ہوتی۔

حضرت حاطبؓ نے فرمایا کہ بے شک آپ کی چشمانِ مبارک سے سُرخی کبھی جدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ آپ کے شمایل میں اشکل العینین کا لفظ آیا ہے اشکل ایسی آنکھ والے کو کہتے ہیں کہ جس کی سفیدی میں سُرخ ڈورے ہوں اور بعض روایات میں ادعج کا لفظ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس کی آنکھ میں سیاہی ہو۔

سو دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، حسن و جمال کے لئے سُرخی اور سیاہی دونوں درکار ہیں۔ محض سُرخی اور محض سیاہی سے اتنا حُسن پیدا نہیں ہوتا جتنا کہ سُرخی اور سیاہی سے مل کر پیدا ہوتا ہے۔ وللّٰہِ درالقائل

کیا بیاں ہو خوبیِ چشمِ سیاہ — آیتِ مازاغ جس کی ہے گواہ
تھی سفیدی اور سیاہی درمیاں — سُرخ ڈورے اُس میں رشکِ گلستاں
تھا سفیدی اور سیاہی کا یہ حال — تھیں بہم دونوں بحدِّ اعتدال
اَشکَلُ العَینَین بھی وارد ہوا — وصفِ چشمِ حضرتِ خیرالوریٰ
الغرض القصّہ جو وصفِ کمال — چشمِ خوبانِ جہاں کا ہے جمال
وہ کبھی اوصاف بیحد و بیاں — عینِ محبوبِ خدا میں تھے عیاں
اور ان سب سے زیادہ وصفِ خاص — چشمِ حضرت سے رکھے تھا اختصاص
یعنی وہ چشمِ مبارک دل پذیر — نور و تاریکی میں تھی یکساں بصیر
دیکھتے ہیں لوگ جو وقتِ سحر — تیرہ شب میں آپ کو آتا نظر
دوسرا ایک اور یہ اعجاز تھا — چشمِ پاکِ صاحبِ اعجاز کا
پیشِ منظر آپ جیسا دیکھتے — پیٹھ کے پیچھے بھی ویسا دیکھتے

بشارت ششم از زبور سیّدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسّلام باب ۴۵

(۱) میرے دل میں اچھا مضمون جوش مارتا ہے۔ میں اُن چیزوں کو جو میں نے بادشاہ کے حق میں بنائی ہیں بیان کرتا ہوں۔ میری زبان ماہر لکھنے والے کا قلم ہے (۲) تو حُسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطف بٹایا گیا ہے۔ اسی لئے خدا نے تجھکو اَبد تک مبارک کیا۔ (۳) اے پہلوان اپنی تلوار کو جو تیری حشمت اور بزرگواری ہے حمایل

کر کے اپنی ران پر لٹکا۔(۴) اور اپنی بزرگواری سے سوار ہو اور سچائی اور ملائمت اور صداقت کے واسطے اقبال مندی کے لئے آگے بڑھ۔ اور تیرا داہنا ہاتھ تجھکو مہیب کام سکھائے گا (۵) تیرے تیر تیز ہیں۔ لوگ تیرے نیچے گرے پڑتے ہیں۔ وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگ جاتے ہیں۔(۶) تیرا تخت اے خدا ابد الاباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصاء راستی کا عصا ہے (۷) تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔ اس سبب ے تیرے خدا نے تجھکو خوشی کے تیل سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ مسح کیا۔(۸) تیرے سارے لباس سے مُر اور عود اور تج کی خوشبو آتی ہے کہ جن سے ہاتھی دانت کے محلوں کے درمیان تجھکو خوش کیا ہے۔(۹) بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزّت والیوں میں ہیں۔ بلکہ اوفیر کے سونے سے آراستہ ہو کے تیرے داہنے ہاتھ کھڑی ہے۔

(اور بارھویں آیت میں ہے)

"اور صور کی بیٹی ہدیے لاوے گی۔ قوم کے دولت مند تیری خوشامد کریں گے۔"

(اور سولھویں آیت میں ہے)

(۱۶) تیرے بیٹے باپ دادوں کے قائم مقام ہوں گے۔ تو انھیں تمام زمین کا سردار مقرر کرے گا۔(۱۷) میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا اور سارے لوگ ابد الآباد تک تیری ستائش کریں گے انتہیٰ۔ تمام اہلِ کتاب کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے۔"

کہ اس زبور میں حضرت سیّدنا داؤد علیہ الصلوۃ والسّلام ایک عظیم الشان والشوکت رسول کی بشارت دے رہے ہیں اور فرطِ محبّت میں اُس کو مخاطب بنا کر اس کے اوصاف بیان فرما رہے ہیں اور یہ بتلا رہے ہیں کہ وہ نبی جب ظاہر ہوگا تو ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگا وہ اوصاف حسبِ ذیل ہیں:

(۱) بادشاہ یعنی سب سے اعلیٰ اور افضل ہونا۔(۲) حسین ہونا (۳) ہونٹوں میں لطف کا ہونا یعنی شیریں زبان اور فصیح اللسان ہونا۔(۴) مبارک الی الدہر ہونا (۵) پہلوان یعنی قوی ہونا۔(۶) شمشیر بند ہونا۔(۷) صاحبِ حق وصداقت ہونا (۸) اقبال مند ہونا۔(۹) اُس کے دائیں ہاتھ سے کسی عجیب وغریب کرشمہ کا ظاہر ہونا۔(۱۰) تیر انداز ہونا۔(۱۱) لوگوں کو اس کے نیچے گرے پڑنا یعنی خلق اللہ کا اُس کے تابع ہونا (۱۲) تخت کا ابد الآد تک رہنا یعنی

اس کی شریعت اور حکومتِ اسلام کا تاقیام قیامت باقی رہنا (۱۳) عصائے سلطنت کا عصائے راستی ہونا (۱۴) صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہونا (۱۵) اس کے کپڑوں سے خوشبو کا آنا (۱۶) اُس کے گھرانہ میں بادشاہوں کی بیٹیوں کا آنا (۱۷) ہدایا اور تحائف کا آنا (۱۸) اولاد کا بجائے باپ کے سردار اور حاکم ہونا (۱۹) تمام پشتوں میں قرناً بعد قرن اور نسلاً بعد نسل اس کا ذکر باقی رہنا (۲۰) ابدالآباد تک لوگوں کا اُس کی ستائش کرنا۔

اہل اسلام کے نزدیک اس بشارت کا مصداقِ صادق مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہیں، یہود کے نزدیک داؤد علیہ السّلام کے بعد سے اب تک کوئی نبی ان صفات کے ساتھ موصوف ہوکر ظاہر نہیں ہوا اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں اس بشارت سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام مراد ہیں مگر اہل اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس بشارت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔ یہی حق ہے اس لئے کہ جو اوصاف اس بشارت میں مذکور ہیں وہ صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی پر صادق ہیں۔

(۱)۔ بادشاہت کا ثبوت آں حضرت کے لئے شمس فی نصف النہار سے زائد اجلیٰ اور روشن ہے، حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو دین اور دنیا دونوں کی بادشاہی عطا فرمائی۔ احکام خداوندی کو بادشاہوں کی طرح جاری فرمایا۔ جس طرح نصاریٰ کے زعم میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام یہود لعنہم اللہ تعالیٰ سے مقہور و مجبور تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجبور نہ تھے، آپ نے تو یہود کو ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا۔

الحاصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دین و دنیا کے بادشاہ تھے۔ تمام انبیاء و رسل سے افضل اور برتر تھے۔ نہ کسی رسول کو قرآن کریم جیسی معجز کتاب عطا کی گئی اور نہ کسی کو آپ جیسی کامل و مکمل شریعت عطا کی گئی جو فلاح دارین اور نجات اور بہبودی کی پوری پوری کفیل ہو۔ جس نے عقاید و اعمال کی سنگین غلطیوں پر متنبّہ کیا ہو۔ خدا تک پہنچنے کے لئے راستہ ایسا صاف کر دیا ہو کہ چلنے والوں کے لئے کوئی روڑا اٹکا نہ رکھا ہو۔ تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل سیاست ملکیہ و مدنیہ کے لحاظ سے بھی نہایت کامل و مکمل ہو۔ غرض یہ کہ اس میں جامعیت کبریٰ کا وصف نمایاں ہو۔ ان تمام محاسن اور خوبیوں کا جامع صرف دین اسلام ہے جس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے لائے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ ط[1] بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

یہی وہ کامل ومکمل دین ہے کہ اُس کے طلوع ہوتے ہی سب ادیان ومذاہب کے چراغ گل ہو گئے

رات محفل میں ہر ایک مہ پارہ گرم لاف تھا صبح کو خورشید جو نکلا تو مطلع صاف تھا

پس جس نبی کی کتاب تمام کتب الٰہیہ اور صحف سماویہ سے افضل ہو اور اس کی شریعت تمام شرائع اور ادیان سے بدرجہا برتر اور کامل اور اکمل ہو اور اس کے معجزات بھی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے معجزات سے بڑھے ہوئے ہوں اور اُس کی اُمّت بھی تمام اُمتوں سے علم اور عمل، اعتقادات واخلاق مکارم وشمائل۔ تہذیب وتمدّن، سیاست ملکیہ اور مدنیہ کے لحاظ سے فائق اور برتر ہو تو اُس نبی کے سیّدالاوّلین والآخرین اور بادشاہ دو جہاں ہونے میں کیا کلام اور شبہ ہو سکتا ہے۔

(۲) حُسن وجمال میں آپ کا یہ حال تھا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو حسین اور خوبصورت نہیں دیکھا۔ گویا کہ آفتاب آپ کے چہرۂ مبارک میں گھومتا ہے اور جب تبسّم فرماتے تو دندان مبارک کی چمک دیواروں پر پڑتی تھی۔

حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِالنِّسَآءُ
میری آنکھ نے آپ سے زاید حسین نہیں دیکھا اور آپ سے زاید جمیل اور خوبصورت عورتوں نے نہیں جنا
خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِنْ کُلِّ عَیْبٍ كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسب منشا پیدا کیے گئے

وللّٰہ دَرُّالقَائل جَزاہُ اللّٰہُ خَیْرًا۔ اٰمِیْن۔

روایت کہ امامِ با صفا نے حسن سبط رُسول مجتبیٰ نے
کہ ہند بن ابی ہالہ مراخال رسول اللہ کا تھا واصف حال

[1] آلِ عمران: آیۃ۔ ۱۹

کیا میں نے سوال اُس باخبر سے — خبر دے حلیۂ خیرالبشر سے
کہ ہوں مشتاق ان باتوں کا بیحد — بیاں کر کچھ تو حالِ جدِّ امجد
غرض میری ہے یہ سُن کر وہ احوال — کروں جو ہوسکے اسنادِ اعمال
کہا بس ہند نے یوں مجھ سے اُس دم — رسُول اللہ تھے فخم مفخم
نگاہوں میں وہ یعنی خوش سیر تھے — دلوں میں بھی بزرگ ونامور تھے
تجلّی روئے انور کی نہ پوچھو — قمر ہو جس طرح سے چودھویں کو
میانہ کب قدِ خیرالورےٰ تھا — میانہ پن سے بھی وہ قد جُدا تھا
اگر کوتاہ کہیے تھا نہ کوتاہ — غرض گم کیفیت نے کی یہاں راہ
قدِ بالا کا تھا اُن کے یہ عالم — میانہ سے دراز اَطوَل سے کچھ کم
بزرگی تھی سرِ عالی میں پیدا — نہایت حُسن وموزونی ہو یدا
خم پیچی عیاں بالوں میں کم تھی — کچھ اِک ژولید گی لیکن بہم تھی
بکھرتے تھے جو فرق پاک پر بال — دو فرقہ اُن کو کر دیتے تھے فی الحال
اگر از خود نہ بال اُن کے بکھرتے — تکلّف سے نہ ہرگز فرق کرتے
بحال وفرہ سر کے بال اُن کے — گزرتے نرمہائے گوش سے تھے
درخشانی کا عالم رنگ میں تھا — کشادہ تھی جبیں عالم آراء
مقوّس دونوں ابروئے مقوّس — مقدّس دونوں ابروئے مقدّس
باندازِ مناسب طاقِ ابرُو — نہ تھی پیوستگی آپس میں اُن کو
عجب خمدار وباریک ومطوّل — بخوبی طاق تھا ثانی واوّل
میانِ ابرواں اک رگ ہو یدا — بہت ہوتی غضب کے وقت پیدا
کہوں کیا حَبذا بینی کا عالم — کہ تھے نوروں کے شعلے جس سے تو اَم
معلّےٰ بینی خیر البشر تھی — باندازِ بلندی جلوہ گر تھی
جو کوئی بے تامل دیکھتا تھا — بلندی کا گُماں ہوتا تھا پیدا
ملایم آپ ﷺ کے رُخسار نیکو — بھلا تشبیہ دوں میں کس سے اس کو
بزیبائی کشادہ وہ دہن تھا — کشادہ وہ دہن تھا اور زیبا

کہوں دانتوں کا کیا وہ حُسن سادہ | سپید و صاف آپس میں کشادہ
دقیق المسربۃ یعنی خطِ مُو | کھنچا سینے سے تھا تاناف گلبُو
بوصفِ گردنِ شایانِ معراج | کہا راوی نے شکلِ صورتِ عاج
مُصَفّٰا یعنی وہ گردن تھی ایسی | بشکل نقرہ بانُور وضیاء تھی
کہوں کیا عضو عضو اُن کے بدن کا | بوضعِ خود مناسب اور زیبا
بخوبی تھے تناور فخرِ عالم | تمامی عضوِ تن مربوط باہم
شکم سینہ صفائی میں برابر | مگر سینہ عریض وپہن خوشتر
فراخی دونوں شانوں میں عیاں تھی | سرِ ہر استخواں میں تھی بزرگی
بدن جو کچھ کھلا پوشاک سے تھا | درخشندہ وہ نُورِ پاک سے تھا
گلوئے پاک سے تاناف والا | خطِ مُو تھا کھنچا باریک وزیبا
سوا اس کے شکم سینہ سراسر | مُعری مُو سے تھا صافی برابر
کلائی دونوں شانے اور بازو | مزیّن تھے بزیب کثرۃ مو
وہ اُن کے صدرِ عالی کی بلندی | خطِ مُو سے رکھے تھی ارجمندی
طویل الزّند دونوں دست والا | کشادہ تھی کفِ دستِ مُصفّا
بزرگی اس کفِ پا میں عیاں تھی | نمایاں دونوں قدموں میں بزرگی
کشیدہ تھیں وہ انگشتانِ والا | لقب ہے سائل الاطراف جن کا
کفِ پا میں سماتی تھی یہ خوبی | کہ رہتی تھی زمیں پر سے وہ اُونچی
ہوا وارد بوصفِ پائے اقدس | کہ تھے پائے مبارک نرم واملس
جُدا رہتی زمیں سے یوں کفِ پا | کہ پانی اُس کے نیچے سے گذرتا
زمین پر جب خراماں آپ جاتے | قدم کو اپنے برکندہ اٹھاتے
انھیں ہوتا خیالِ مثلِ پیشیں | بہ نرمی راہ جاتے سرورِ دیں
ہوا یہ حال بھی وارد بہ اخبار | کہ جس دم آپ جاتے تندرفتار
تو اُس دم تھے عیاں یہ صاف معنی | بلندی سے ہے گویا میل پستی
اُنھیں جب دیکھنا منظور ہوتا | نظر کرتے تھے حضرت بے محابا

بہت رہتے تھے آنکھوں کو جھکائے
نظر یعنی سوئے باطن لگائے

زمین اکثر مشرف تھی نظر سے
فلک کم بہرہ ور ہوتا بصر سے

تامل سوچ تھا کیا ہی نظر میں
سمایا تھا لحاظ اُن کی بصر میں

بیان کرتا ہے راوی بعد اس کے
کہ جب ساتھ آپؐ کے اصحابؓ ہوتے

تو یہ ارشاد فرماتے تھے حضرت ﷺ
چلو تم مجھ سے آگے کر کے سبقت

عجب اخلاق تھے خیرالوریٰ کے
کہ ہوں مخدوم پیچھے خادم آگے

سنو یہ اور عادت مصطفیٰ ﷺ کی
کہ ہوتا جو کوئی اُن سے ملاقی

جناب پاک کرتے اُس کو خوش کام
بتقدیمِ سلامِ دینِ اسلام

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زنانِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھکر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے اگر وہ ہمارے حبیب محمد ﷺ کو دیکھتیں تو دلوں کے ٹکڑے کرڈالتیں

اے زلیخا اس کو نسبت اپنے یوسف سے نہ دے ❘ اس پہ سر کٹتے ہیں دائم اور اس پر اُنگلیاں

غرض یہ کہ آپ ﷺ کا حسن و جمال دنیا میں مشہور تھا اور حسن و جمال کیساتھ شاہانہ جاہ وجلال بھی آپ کو حاصل تھا، کسی کی یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔

(۳) اور آپ کا خوش بیان اور شریں زبان اور فصیح اللسان ہونا سب کو تسلیم ہے آپ کے انفاسِ قدسیہ اور کلمات طیّبات اس وقت باسانید صحیحہ وجیّدہ محفوظ ہیں جن سے آپ کی فصاحت و بلاغت اور شیریں زبانی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا تھا۔

(۴) اور آپ مبارک الی الدہر بھی ہیں جیسا کہ بشارت دوم میں گزرا، مشرق ومغرب، شمال و جنوب میں کروڑہا مسلمان نماز میں اور نماز کے بعد اور مختلف اوقات میں۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ○	اے اللہ برکت نازل فرما محمد ﷺ پر اور محمد کی آل پر جیسے آپ نے ابراہیمؑ اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی بلاشبہ آپ ستائش اور بڑی بزرگی والے ہیں۔

پڑھتے ہیں۔ اس سے زائد اور کیا مبارک الی الدہر ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے جس کے لئے دنیا کے ہر گوشے میں برکت کی دُعا مانگی جاتی ہو۔

(۵) قوت میں آپ کا یہ حال تھا کہ رکانہ پہلوان کو کہ جو قوت میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگل میں مل گیا اور یہ کہا کہ آپ مجھ کو پچھاڑ دیں تو میں آپ کو نبی برحق جانوں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو پچھاڑ دیا اُس نے دوبارہ لڑنے کے لئے کہا آپ نے اُس کو دوبارہ بھی پچھاڑ دیا۔ اُس کو بہت تعجب ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا اگر تو اللہ سے ڈرے اور میرا اتباع کرے تو اس سے زائد عجیب چیز دکھلاؤں۔ اُس نے پوچھا کہ اس سے زائد کیا عجیب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کو بلایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاتے ہی آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ بعد ازاں یہ فرمایا کہ لوٹ جا سو وہ درخت یہ سن کر اپنی جگہ لوٹ گیا۔

(۶) اور آپ کا شمشیر بند اور صاحبِ جہاد ہونا بھی مسلّم ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ شمشیر بند تھے اور نہ صاحبِ جہاد۔ اور بقولِ نصاریٰ اُن میں اتنی قوت بھی نہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو یہود سے بچا سکے۔

(۷) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ حق وصداقت بھی تھے۔ کما قال تعالیٰ شانہ:

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ[۱]	خدا ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔
بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ[۲]	(آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر و مجنون نہیں) بلکہ حق کو لے کر آئے ہیں اور پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔
وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ[۳]	اور جو سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اس کی تصدیق کی، یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

ایک مرتبہ نضر بن الحارث نے قریش کو مخاطب بنا کر یہ کہا:

---
۱ التوبۃ، آیۃ: ۳۳ ۲ الصافات، آیۃ: ۳۷ ۳ الزمر، آیۃ: ۳۳

قَدْ کَانَ محمد فیکم غلامًا حدثا ارضاکم فیکم واصدقکم حدیثا و اعظمکم امانة حتّٰی اذارأیتم فی صدغیه الشیب وجاء کم بما جَاءَ کُم قُلْتُمْ اِنَّه ساحرلا واللّٰهِ مَاهُوبساحر	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں نو جوان تھے سب سے زاید پسندیدہ سب سے زاید امین۔ لیکن جب تم نے اُن کے جانبین راس میں بڑھاپا دیکھا، اور وہ تمھارے پاس یہ دین حق لے کر آئے تو تم اُن کو ساحر اور جادوگر کہنے لگے۔ ہرگز نہیں، خدا کی قسم وہ ساحر نہیں۔

اور ہرقل شاہ روم نے جب ابوسفیان سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق یہ دریافت کیا کہ تم نے کبھی اُس کو متہم بالکذب کیا ہے تو اس پر ابوسفیان نے یہ جواب دیا کہ ہم نے ان سے کبھی کوئی کذب نہیں دیکھا۔

(۸) اور اقبال مند ہونا بھی ظاہر ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جیسا آپ کو اقبال عطا فرمایا۔ ایسا اقبال آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

(۹) اور دائیں ہاتھ سے مہیب کام اور عجیب وغریب کرشمہ ظاہر ہونے سے معجزۂ شق قمر کی طرف اشارہ ہے۔

چو دستش برآ ہیخت شمشیر بیم ❊ بہ معجز میان قمر زد دو نیم

اور علیٰ ہذا جنگِ بدر اور جنگِ حنین میں ایک مٹھی خاک سے تمام مشرکین کو خیرہ کرنا یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ کا مہیب کام تھا۔

(۱۰) تیرانداز ہونا بنی اسمٰعیل کا مشہور شعار ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔

ارموابنی اسمٰعیل فَان اباکم کان رامیا۔	اے بنی اسمٰعیل تیراندازی کیا کرو اس لئے کہ تمھارا باپ تیرانداز تھا۔

(اور دوسری حدیث میں ہے)

مَن تعلم الرمی ثم ترکه فلَیس منا	جو تیراندازی سیکھ کر چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

(۱۱) اور لوگوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے گرنا۔ یعنی خلق اللہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہونا۔

یہ بھی اظہر من الشمس ہے۔ چند ہی روز میں ہزاراں ہزار اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے۔
کما قال اللہ تعالیٰ شانہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا [1]	جب اللہ کی نصرت اور فتح آ چکی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق درجوق داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور استغفار پڑھیے بیشک خدا بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

(۱۲و۱۳) اور آپ کی شریعت ابدالآباد تک رہے گی، چنانچہ قرآن کریم حسب وعدۂ الٰہی ۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ	بیشک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

تیرہ صدی سے بالکل محفوظ چلا آتا ہے۔ بحمد اللہ اب تک اُس کے ایک نقطہ اور ایک شوشہ میں بھی سرمو تفاوت نہیں آیا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیام قیامت اسی طرح رہے گا اور یہود ونصاریٰ کو اپنی تورات وانجیل کا حال خوب معلوم ہے، لکھنے کی حاجت نہیں۔ اور آپ کی سلطنت کا عصا راستی اور صداقت کا عصا ہے۔ ہمیشہ اُس سے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہوتا رہتا ہے۔

(۱۴) اور آپ صداقت کے دوست اور شرارت کے دشمن تھے۔ کما قال اللہ جل جلالہٗ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ [2]	بے شک تمھارے پاس تم میں سے ایسے رسول آگئے ہیں کہ جن پر تمھاری تکلیف شاق ہے تمھاری بھلائی کے لئے حریص ہیں۔ مومنین پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔
یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ [3]	اے نبی کریم کفّار ومنافقین سے جنگ کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

اور آپ کی اُمّت کے یہ اوصاف ہیں:

[1] النصر، آیۃ: ۱۔۳ [2] التوبۃ: آیۃ: ۱۲۸، [3] التوبۃ، آیۃ: ۷۳،

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ [1]	کافروں پر بہت سخت اور آپس میں بہت مہربان۔
اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط [2]	مؤمنوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی بالکل پروانہ کریں گے۔

اور عجیب نہیں کہ شرارت سے ابوجہل مراد ہو کہ جو سرتاپا شرارت تھا اور صداقت سے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہوں جو کہ سرتاپا صدق وصداقت تھے اور بے شک ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس کے اہل تھے کہ ان کو خلیل وصدیق یعنی دوست بنایا جائے۔

(۱۵) اور آپ کے کپڑوں سے خوشبو بھی آیا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک عورت نے آپ کا پسینۂ مبارک اس لئے جمع کیا تا کہ دولہن کے کپڑوں کو اس سے معطّر کرے۔

(۱۶) اور قرنِ اوّل میں بہت سی شہزادیاں مسلمانوں کی خادم بنی ہیں چنانچہ شہر بانو یزدجرد شاہ کسریٰ کی بیٹی امام حسین رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی۔

(۱۷) نجاشی شاہ حبشہ اور منذر بن ساویٰ شاہِ بحرین اور شاہِ عمان اور بہت سے امیر وکبیر آپ پر ایمان لائے اور آپ کے حلقہ بگوش بنے اور آپ کی خدمت میں سلاطین وامراء نے ہدایا بھیج کر فخر وسرفرازی حاصل کی۔ چنانچہ مقوقس شاہ قبط نے آپ کی خدمت میں تین باندیاں اور ایک حبشی غلام اور ایک سفید خچر اور ایک سفید حمار اور ایک گھوڑا اور کچھ کپڑے بطور ہدیہ ارسال کیے۔

(۱۸) اور آپ کے بعد قریش میں خلافت رہی۔ آپ کی اولاد میں امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں صدہا خلیفہ اور حکمران ہوئے۔ حجاز و یمن مصر وشام وغیرہ وغیرہ میں حکومت وسلطنت پر فائز رہے اور قیامت کے قریب امام مہدیؑ کا ظہور ہوگا جو امام حسنؓ کی اولاد سے ہوں گے اور تمام روئے زمین کے خلیفہ ہوں گے۔

(۱۹،۲۰) اور آپ کی ستائش وذکر خیر بھی ابدالآباد تک رہے گا۔ ہراذان میں اَشْھَدُ اَنْ

[1] الفتح آیۃ ۲۹ [2] المائدہ آیۃ: ۵۴

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ بلند آواز سے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ روزانہ پانچ مرتبہ کروڑہا مسلمان پکارتے ہیں۔ کوئی وعظ اور خطبہ ایسا نہیں کہ جس میں آپ کا نام پاک محمد ﷺ نہ لیا جاتا ہو۔ محمد اور احمد کے معنے ستودہ کے ہیں۔ اس بشارت کے شروع میں اَحْمَدْ کا لفظ صراحتاً مذکور تھا مگر حسد کی وجہ سے نکال دیا گیا مگر تاہم یہ اوصاف تو سوائے محمد ﷺ کے کسی پر صادق نہیں آتے۔

نصاریٰ کے زعم واعتقاد پر تو حضرت مسیح بن مریم علیہ الصلوۃ والسّلام کسی طرح اس بشارت کا مصداق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ نصاری صحیفۂ یسعیاہ علیہ السّلام کے ترپنویں باب کو حضرت مسیح علیہ السّلام کی بشارت قرار دیتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

''ہمارے پیغام پر کون اعتقاد لایا۔ اور خداوند کا ہاتھ کس پر ظاہر ہوا۔ اس کے ڈیل وڈول کی کچھ خوبی نہ تھی اور نہ کچھ رونق کہ ہم اُس پر نگاہ کریں اور کوئی نمائش بھی نہیں کہ ہم اُس کے مشتاق ہوں وہ آدمیوں میں نہایت ذلیل وحقیر تھا''۔ آھ

(اور پھر آیت پنجم میں ہے)

''وہ ہمارے گناہوں کے سبب گھائل کیا گیا اور ہماری بدکاریوں کے باعث کچلا گیا''۔ اھ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسّلام ایسے تھے تو وہ اوصاف زبور کا جو بالکل اس کی ضد ہیں کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔

ہمارے اعتقاد میں منجملہ دیگر تحریفات کے صحیفۂ یسعیاہ علیہ السّلام کا ترپنواں باب ۵۳ قطعاً ویقیناً الحاقی اور اختراعی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام حاشا ثم حاشا ہرگز ایسے نہ تھے۔ وہ تو دنیا اور آخرت میں وجیہ (آبرو اور عزّت والے) اور خدا کے مقرّبین میں سے تھے۔ لیکن بایں ہمہ اس بشارت کا مصداق حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسّلام نہیں اس لئے کہ نہ آپ شمشیر بند اور تیرانداز تھے اور نہ مجاہد تھے اور نہ آپ کی شریعت دائمی ہے۔ اور نہ آپ کی بعثت عام تھی، اور نہ آپ کے گھرانے میں کوئی شہزادی آئی کہ جو آپ کی بیوی یا لونڈی ہوتی، اس لئے کہ آپ نے کوئی نکاح ہی نہیں فرمایا۔ نیز آپ کے کوئی باپ دادا نہ تھا، آپ تو بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بشارت ہفتم از زبور سیّدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسّلام باب ۱۴۹

(۱) خداوند کی ستائش کرو۔ خداوند کا ایک نیا گیت گاؤ۔ اوراس کی مدح پاک لوگوں کی جماعت میں (۲) اسرائیل اپنے بنانے والے سے شادمان ہوئے۔ بنی صیہون اَپنے بادشاہ کے سبب خوشی کریں (۳) وہ اُس کے نام کی ستائش کرتے ہوئے ناچیں۔ وہ طبلہ اور بربط بجاتے ہوئے اس کی ثناخوانی کریں۔ (۴) کیونکہ خداونداَپنے لوگوں سے خوش ہوتا ہے۔ وہ حلیموں کو نجات کی زینت بخشتا ہے۔ (۵) پاک لوگ اپنی بزرگواری پر فخر کریں، اوراَپنے بستروں پر پڑے ہوئے بلند آواز سے گایا کریں۔ (۶) خدا کی ستائش اُن کی زبانوں پر ہووے اور ایک دودھاری تلوار اُن کے ہاتھوں میں ہو۔ (۷) تاکہ غیر امتوں سے انتقام لیویں۔ اور لوگوں کو سزا دیویں (۸) اُن کے بادشاہوں کو زنجیروں سے اور اُن کے امیروں کو لوہے کی بیڑیوں سے جکڑیں (۹) تاکہ اُن پر وہ فتویٰ جو لکھا ہوا ہے جاری کریں اُس کے پاک لوگوں کی یہی شوکت ہے کہ خدواند کی ستائش کرو۔'' آھ

اس بشارت میں نبی مُبشّر کو بادشاہ کے لفظ سے اور اُس کے مطیعین کو صالحین اور پاک لوگوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی وہ نبی موعود بادشاہ ہوگا۔ اور اُس کی شمشیر زنی موافق خوشنودی حق اور بمقتضائے غضب الٰہی کافروں کے حق میں ہوگی اور اس کے اصحاب اور احباب اس کے ساتھ ہوکر کافروں سے جہاد وقتال کریں گے۔

بعدازاں مطیعین کے کچھ اوصاف ذکر کیئے گئے ہیں جو من اوّلہا الی اٰخرھا امّت محمدیہ پر پورے منطبق ہیں، یہی وہ اُمّت ہے کہ جو اپنے بستروں پر بھی اللہ کو یاد کرتی ہے۔ کما قال تعالیٰ

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ[1]	وہ اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں۔

اور یہی وہ اُمّت ہے کہ نماز میں اور جہاد میں اور ہر اذان میں اور عید الفطر اور عید النحر اور ایام تشریق اور ایام حج اور منیٰ اور مزدلفہ اور عرفات میں اللہ کو بلند آواز سے پکارتی ہے،

[1] آل عمران، آیۃ: ۱۹۱۔

بخلاف یہود ونصاریٰ کے کہ یہود تو بوق اور نصاریٰ ناقوس بجاتے ہیں اور بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا اور اللہ کو یاد کرنا صرف رسول اللہ ﷺ کی امت کا شعار ہے۔

اور مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کی دودھاری تلواروں نے روم وشام ودیگر ممالک کو فتح کیا اور بڑے بڑے بادشاہوں اور امیروں کو قید کیا ہے اور اہلِ کتاب کے نزدیک اس بشارت کا مصداق نہ سلیمان علیہ السّلام ہو سکتے ہیں کیونکہ اہلِ کتاب کا زعم باطل اور اعتقاد فاحش یہ ہے کہ معاذ اللہ حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام اخیر عمر میں مُرتد اور بُت پرست ہو گئے تھے۔

اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسّلام ان کے اعتقاد کے مطابق اس بشارت کا مصداق ہو سکتے ہیں اس لئے کہ اُن کے نزدیک تو حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسّلام خود ہی مقتول ومصلوب ہوئے اور علیٰ ہذا آپ کے اکثر حواریین گرفتار کیے گئے وہ دوسرے بادشاہوں اور امیروں کو کہاں قید کرتے۔ اور بشارت میں یہ مذکور ہے کہ وہ شخص موعود بادشاہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام بادشاہ نہ تھے اور معنوی بادشاہت ہر نبی کو حاصل رہی اس میں حضرت عیسیٰ کی کیا خصوصیت۔

رہا کافروں سے قتال وجہاد کرنا اور ان کو گرفتار کرنا سو یہ عین عبادت ہے نہ کہ قابلِ اعتراض جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسّلام اور موسیٰ علیہ السّلام کے بعد یوشع بن نون علیہ السّلام کا جہاد کرنا اور علیٰ ہذا سلیمان علیہ السّلام اور اُن کے صحابہ کا جہاد فرمانا تمام یہود ونصاریٰ کے نزدیک مسلّم ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اس جز کا مصداق حضرت مسیح نہیں ہو سکتے اس لئے کہ زبور مذکور کا مضمون بآواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ آنے والا نبی بادشاہ ہوگا اور اپنے اصحاب کے ساتھ سلاطین کفار سے جہاد وقتال کرے گا اور بڑے بڑے جبارین اور متکبرین مقتول اور اسیر اور گرفتار ہوں گے اور آپ کے اصحاب تکبیر کہتے ہوئے آپ کے ساتھ ہوں گے۔

تکبیر مردان شمشیر زن کہ مرد دغارا شمارند زن

اور یہ تمام امور آں حضرت ﷺ کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے۔

بشارت ہشتم از زبور باب ۷۲۔ درس اوّل

(۱) اے خدا بادشاہ کو اپنی عدالتیں عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو اپنی صداقت دے۔ (۲) وہ تیرے لوگوں میں صداقت سے حکم کرے گا اور تیرے مسکینوں میں عدالت سے (۳)

پہاڑ لوگوں کیلئے سلامتی ظاہر کریں گے اور ٹیلے بھی صداقت سے (۴) وہ قوم کے مسکینوں کا انصاف کرے گا، اور محتاجوں کے فرزندوں کو بچائے گا۔ اور ظالم کے ٹکڑے ٹکڑے کرے گا۔ (۵) جب تک کہ سورج اور چاند باقی رہیں گے ساری پشتوں کے لوگ تجھ سے ڈرا کریں گے (۶) وہ بارش کی مانند جو کاٹے ہوئے گھاس پر پڑے نازل ہوگا اور پھوہنی کے مہینہ کی طرح جو زمین کو سیراب کرتا ہے۔ (۷) اس کے عصر میں جب تک کہ چاند باقی رہے گا صادق چلیں گے اور سلامتی فراواں ہوگی۔ (۸) سمندر سے سمندر تک اور دریا سے انتہاء زمین تک اُس کا حکم جاری ہوگا۔ (۹) وہ جو بیابان کے باشندے ہیں اس کے سامنے جھکیں گے اور اس کے دشمن ماٹی چاٹیں گے۔ (۱۰) ترسیس اور جزیروں کے سلاطین نذریں لائیں گے اور سیبا کے بادشاہ ہدیئے گزاریں گے (۱۱) سارے بادشاہ اس کے حضور سجدہ کریں گے ساری گروہیں اس کی بندگی کریں گی۔ (۱۲) کیونکہ وہ دہائی دینے والے محتاج کو اور مسکین کو اور اُن کو جن کا کوئی مددگار نہو گا چھڑائے گا (۱۳) وہ مسکین اور محتاج پر ترس کھائے گا اور محتاجوں کی جان بچائے گا۔ (۱۴) وہ ان کی جانوں کو ظلم اور غضب سے بچالے گا، اُس کے حق میں سدا دعا ہوگی، ہر روز اُس کو مبارک باد کہی جائے گی۔ (۱۶) اناج کی کثرت سرزمین میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہوگی، اُس کا پھل لبنان کے درخت کی طرح جھڑا جھڑائے گا اور شہر کے لوگ میدان کے گھاس کے مانند سرسبز ہونگے (۱۷) اس کا نام ابد تک باقی رہے گا جب تک آفتاب رہے گا اُس کے نام کا رواج ہوگا لوگ اس کے باعث اَپنے تئیں مبارک کہیں گے ساری قومیں اُسے مبارکباد دیں گی (۱۸) خداوند خُدا اسرائیل کا جو اکیلا ہی عجائب کام کرتا ہے مبارک ہے (۱۹) اس کا جلیل نام ابد تک مبارک ہے، سارا جہان اس کے جلال سے معمور ہو آمین آمین (۲۰) داؤد بن یسی کی دُعائیں تمام ہوئیں۔ (بہترواں زبور ختم ہوا)

جاننا چاہیے کہ اس زبور میں ایسے پیغمبر کی ظہور کی خبر دی گئی ہے کہ جس کو نبوت و رسالت کے ساتھ من جانب اللہ بادشاہت (۱) اور حکومت بھی حاصل ہوگی اور اس (۲) کا دائرۂ سلطنت اتنا وسیع ہوگا کہ بحر و بر کو شامل ہوگا اور (۳) عدالت اور صداقت کے ساتھ اس کی عدالتیں جاری ہوں گی، یہ اور محتاجوں کو ان کو حق دلائے گا اور ظالموں (۵) کے ٹکڑے ٹکڑے کرے گا اور اس کے دشمن لرزاں و ترساں ہوں گے اور سلاطین عالم اس کے لئے ہدیے اور

تحفے لائیں گے۔ اور تمام قبائل اُس کے مطیع اور فرمانبرداروں میں ہوں گے۔ (۹) ہر طرف سے درود ساری قومیں اس کے حق میں دعا اور مبارک باد کہیں گی۔ اور ابد تک اس کا نام باقی رہے گا۔ جب تک آفتاب رہے گا اس کے نام کا رواج رہے گا۔

اہلِ عقل ایک سرسری نظر سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اوصاف مذکورہ حضرت مسیح علیہ السّلام میں نہ تھے بلکہ رسالتمآب خاتمیت جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوّت کے ساتھ سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا فرمائی کہ جس میں قوموں کے درمیان ایسی عدالت اور صداقت جاری ہوئی کہ دنیا نے نہ ایسی صداقت اور عدالت دیکھی اور نہ سُنی۔

ظالموں سے مظلوموں کا بدلہ لیا گیا اور زمین کو ظلم اور غضب سے پاک کر دیا بر اور بحر اور صحراء و بیابان میں آپ کی حکومت پھیلی اور دشمن آپ سے تھرّا گئے اور بڑے بڑے سلاطین آپ کے حضور سجدہ میں گرے اور ہدیے اور تحفے آپ کی بارگاہ میں بھیجے اور آپ نے صداقت اور عدالت کے جاری کرنے کے لئے جہادات اور غزوات کیے اور آپ کی جاری کردہ صداقت اور عدالت کو صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم جیسے صداقت اور عدالت کے علمبرداروں نے حدِ کمال کو پہنچایا۔

اور ابد تک جب تک کہ چاند اور سُورج قائم ہیں آپ کا نام مبارک ہر اذان اور نماز اور ہر دعاء اور ہر منبر و محراب میں لیا جائے گا۔ بلکہ خطبوں میں آپ کے نام مبارک کے ساتھ آپ کے خلفاء راشدین کا نام بھی لیا جائے گا۔ جنھوں نے دنیا میں صداقت وعدالت کا علم بلند کیا۔

اے علماء یہود و نصاریٰ یہ ناچیز تم کو صداقت اور عدالت کا واسطہ دے کر پوچھتا ہے کہ جس صداقت اور عدالت کے جاری کرنے کا ذکر اس زبور میں ہے خدارا یہ بتلاؤ کہ سوائے محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کہاں اس کا ظہور ہوا اوصاف مذکورہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور اُن کے حواریین پر انطباق کسی صورت سے ممکن نظر نہیں آتا۔

گذارش

حضرات اہلِ علم کی خدمت میں گزارش ہے کہ زبور کا باب ۱۲ اور باب ۱۲۳ اسی بہتر ویں باب کا تتمہ ہے جس میں صحابۂ کرام کے اوصاف کی طرف اشارہ ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمالیں اور تشریح اور تطبیق کے لئے ازالۃ الاوہام بزبانِ فارسی ص ۴۷۰ تا ص ۴۷۵ مصنفہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس اللہ سرہ ملاحظہ فرمالیں۔

بشارت نہم از صحیفۂ ملاکی علیہ الصّلوۃ والسّلام
باب سوم آیت اوّل

دیکھو میں اَپنے رسول کو بھیجوں گا اور میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ ہاں ختنہ کا رسُول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آوے گا۔ دیکھو وہ یقیناً آوے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے۔ پر اس کے آنیکے دن کون ٹھیر سکے گا۔ اور جب وہ نمود ہوگا کون ہے جو کھڑا رہے گا۔ آھ

اس بشارت میں ایسے رسول کی آمد وظہور کا ذکر ہے کہ جو صاحب ختان ہوگا اور اسی وجہ سے آپ کی بعثت سے قبل یہود ونصاریٰ کو رسُولُ الختان کا انتظار تھا۔ اور قیصر روم بھی اسی پیشین گوئی کے مطابق رسولِ ختان کے ظہور کا منتظر تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث ہرقل میں مذکور ہے مگر آجکل نسخوں میں بجائے ختنہ کے رسُول کے، عہد کا رسول مذکور ہے۔

لیکن اس صورت میں بھی عہد سے ختنہ ہی کا عہد مراد ہے جیسا کہ سفر پیدائش کے باب ہفتدہم کی آیت دہم سے معلوم ہوتا ہے۔

> اور میرا عہد جو میرے اور تمھارے درمیان اور تیرے بعد نسل کے درمیان ہے جسے تم یاد رکھو سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے اور تم اَپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو۔ اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمھارے درمیان ہے۔

بشارت دہم از صحیفۂ حبقوق علیہ الصّلوۃ والسلام بابُ سوم آیت ۳

> خدا تیمان سے۔ اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا۔ اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی۔ اُس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی، اُس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں۔ انتہٰی

یہ بشارت سرور عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہایت ہی ظاہر ہے سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے اور کون پیغمبر فاران سے مبعوث ہوا۔ اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی چنانچہ ہر دوست اور دشمن کی زبان پر آپ کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ ہے۔ اور ایک قدیم عربی نسخہ میں لفظ ہیں۔

وامتلأت الارض من تحميد احمد	یعنی تمام زمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ کی حمد سے بھر گئی۔

مگر حاسدین نے اس جملہ کا رہنا گوارا نہ کیا۔ اور بعد کی اشاعت میں اس جملہ کو صحیفۂ مذکورہ سے علیحدہ کر دیا اور علیٰ ہذا سارا عالم آپ کے نُور ہدایت سے جگمگا اٹھا۔

بشارت یازدہم از صحیفۂ یسعیاہ علیہ الصّلوٰۃ والسَّلام

باب ۲۱ آیت ۶، ۷

خداوند نے مجھے یوں فرمایا جا نگہبان بٹھا جو کچھ دیکھے سو بتلائے۔ اُس نے سوار دیکھے جو دو دو آتے تھے اور گدھوں اور اونٹوں پر بھی سوار۔ آہ

اس بشارت میں حضرت یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو نبیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

اول حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف، گدھے کی سواری سے ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام گدھے پر سوار ہو کر یروشلم (بیت المقدس) داخل ہوتے تھے۔

دوم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، اونٹ کی سواری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف اشارہ ہے جو عرب کی خاص اور مشہور سواری ہے۔

چنانچہ آپ جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اس وقت اونٹ پر سوار تھے اور پھر آیت نہم میں بابل کے سقوط یعنی اس کے گرنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ بابل کا سقوط خلفاء راشدین کے زمانے میں ہوا۔ حضرت مسیح اور حواریین کے زمانہ میں بابل کا سقوط نہیں ہوا۔

بشارت دوازدہم از صحیفۂ یسعیاہ علیہ الصلوۃ والسلام

باب ۲۱ آیت ۱۶، ۱۷

اس باب میں عرب کی بابت الہامی کلام ذکر ہے، چنانچہ آیت ۱۶ میں ہے۔(۱۶) خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں مزدور کی سی ایک ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔(۱۷)،اور تیراندازوں کے جو باقی رہے، قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے، کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔ آھ

چنانچہ ٹھیک ہجرت کے ایک سال بعد جنگ بدر میں بنی قیدار یعنی قریش کی ساری حشمت جاتی رہی۔ ستر سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے اور بنی قیدار کا بنی اسمٰعیل سے ہونا توریت وغیرہ اور تواریخ سے ثابت ہے اور علمائے نصاریٰ کے نزدیک مسلّم ہے۔

بشارت سیزدہم از صحیفۂ یسعیاہ علیہ الصلوۃ والسّلام

باب ۲۴، آیت ۲۳

اور چاند مضطرب ہوگا اور سُورج شرمندہ کہ جس وقت رب الافواج کوہ صیہون پر اور یروشلم میں اپنے بزرگوں کے گروہ کے آگے حشمت کے ساتھ سلطنت کرے گا۔ آھ

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حشمت کے ساتھ سلطنت فرمائی اور چاند مضطرب یعنی اپنی اصلی حالت سے متغیر ہوا اور اُس کے دوٹکڑے ہوگئے۔ کما قال تعالیٰ شانہ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ[1] قیامت قریب آگئی اور چاند دوٹکڑے ہوگیا۔

اور سُورج بھی شرمندہ ہوا۔ چنانچہ غزوۂ خیبر میں اس کو حرکتِ معکوس کرنا پڑی۔

---

[1] القمر، آیۃ:۱۔

بشارت چہاردہم از صحیفۂ یسعیاہ علیہ الصّلوۃ والسّلام

باب ۲۸ آیت ۱۳

سو خداوند کا کلام ان سے یہ ہوگا حکم پر حکم۔ حکم پر حکم۔ قانون پر قانون۔ تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں۔

چنانچہ قرآنِ عزیز اسی طرح نجماً نجماً نازل ہوا۔ رہی انجیل سو وہ علماء مسیحیین کے نزدیک منزل من اللہ ہی نہیں بلکہ وہ حواریین کی تصنیف ہے اور صحیفۂ مذکور کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب موصوف کا منزل من اللہ ہونا ضروری ہے۔

اور ہمارے نزدیک جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسّلام کو دی گئی وہ تمام کتاب ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی۔ قرآن کریم کی طرح نجماً نجماً نازل نہیں ہوئی۔ قال تعالیٰ شانہٗ

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ط[1]

اور قرآن کو ہم نے متفرق کر کے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا [2]

اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا کافر کہتے ہیں کہ قرآن ایک ہی بار کیوں نہ نازل کیا گیا۔ کہدو کہ ہم نے اسی طرح نازل کیا تاکہ آپ کے دل کو مضبوط رکھیں اس لئے ہم نے ٹھہر ٹھہر پڑھ سنایا۔

بشارت پانزدہم از صحیفۂ یسعیاہ علیہ الصّلوۃ والسّلام

باب ۴۲ آیت اوّل

دیکھو میرا بندہ ہے جسے میں سنبھالتا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا۔

---

[1] بنی اسرائیل، آیۃ: ۱۰۶۔ [2] الفرقان، آیۃ: ۳۲

یہ بشارت بھی نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے لئے صریح ہے اس لئے کہ میرا بندہ یہ ترجمہ عبداللہ کا ہے اور عبداللہ بھی آپ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسا کہ قرآن عزیز میں ہے۔

لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ جب عبداللہ کھڑا ہوا۔

اور قرآن عزیز میں بکثرت عبداللہ کے لقب سے آپ کا ذکر کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ[1] پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو لے گیا۔
مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا۔[2] اس چیز سے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا۔

نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے حق میں ہے۔

لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نصاریٰ کے اعتقاد میں خدا کے بندے نہیں بلکہ خدا اور معبود ہیں۔ لہٰذا وہ اس کے مصداق نہیں ہو سکتے اور برگزیدہ بعینہ ترجمہ مصطفیٰ کا ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور و معروف نام ہے۔ اور جس سے میرا جی راضی ہے۔ یہ ترجمہ مرتضیٰ کا ہے کہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام پاک ہے۔

اور بزعم نصاریٰ اس جملہ کا مصداق یعنی جس سے میرا جی راضی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ وہ ان کے زعم میں مصلوب و مقتول ہوئے اور جو مقتول و مصلوب ہو جائے وہ نصاریٰ کے نزدیک ملعون ہے جیسا کہ گلیتوں کے تیسرے خط کے تیرھویں درس سے معلوم ہوتا ہے

مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔ آھ۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نصاریٰ کے اس زعم باطل کی بناء پر معاذ اللہ خدا ان سے راضی نہیں۔

---

[1] بنی اسرائیل، آیۃ:۱۰۶ [2] البقرہ، آیۃ:۲۳

الحاصل

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بے شبہ خدا کے برگزیدہ بندہ اور رسول ہیں جن سے خدا راضی ہے۔ اور کتب سیر میں آپ کے اسماء مبارکہ میں آپ کا نام نامی مرتضٰی اور رضی بھی لکھا ہے۔ اور اسی وجہ سے رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آپ کے صحابۂ کرام کا خاص شعار ہے، کما قال تعالیٰ شانہ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ[1] — البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوا جبکہ وہ اس درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ط سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ[2] — محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ آپ اُن کو رکوع وسجود کرتے اللہ کا فضل اور اللہ کی رضا طلب کرتے دیکھیں گے۔ صلاح اور تقویٰ کی نشانی ان کے چہروں پر سجدہ کے اثر سے نمایاں ہے، یہ ہے ان کی شان کہ جو توراۃ میں مذکور ہے۔

۴۔ اور روح سے مراد وحی الٰہی ہے کہ جس پر ارواح وقلوب کی حیات کا دارومدار ہے کما قال تعالیٰ شانہ۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا — اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی اپنے حکم سے۔

سو الحمد للہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ پر مُردہ قلوب کی حیات اور زندگی کے لئے ایک روح یعنی قرآنِ عظیم کو اُتارا جس نے نازل ہو کر مُردہ قلوب کو حیات اور بے شمار مریض دلوں کو شفا بخشی کما قال تعالیٰ شانہ۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔[3] — اور اتارتے ہیں ہم ایسا قرآن کہ جو مؤمنین کیلئے سراسر شفا اور رحمت ہے۔

---

[1] الفتح، آیۃ: ۱۸۔ [2] الفتح، آیۃ: ۲۹۔ [3] بنی اسرائیل، آیۃ ۸۲۔

۵۔اور مبعوث ہو کر آپ نے باذنِ الٰہی عدالت کو بھی جاری فرمایا۔کما قال اللہ جل جلالہ وعم نوالہٗ

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۱

پس اسی طرف بلایئے اور اسی پر قائم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم کیا گیا ہے اور انکی خواہشوں کی پیروی نہ فرمایئے اور یہ کہیے کہ میں ایمان لایا اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب پر اور حکم کیا گیا ہوں کہ تمھارے درمیان عدل وانصاف کروں۔

اور چونکہ عدالت کا جاری کرنا شوکت کو مقتضی ہے اس لئے یہ وصف بھی علی زعم النصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر صادق نہیں اس لئے کہ نصاریٰ کے نزدیک تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تو اتنی قوت بھی نہ تھی کہ جو اپنے کو قتل وصلب سے بچا سکتے شوکت تو درکنار۔

۶۔پھر باب مذکور کی دوسری آیت میں ہے۔

کہ وہ نہ چلاّئے گا،اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سُنائے گا۔

یہ جملہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح صادق آتا ہے چنانچہ صحیح بخاری کے باب، کراہیۃ السخب فی الاسواق میں عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مل کر یہ دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے وہ اوصاف جو توریت میں مذکور ہیں بیان فرمایئے۔جواب میں عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ نے بہت سے اَوصاف ذکر فرمائے۔منجملہ اُن کے یہ فرمایا:

ليس بفظ ولا غليظ ولاسخاب بالاسواق

وہ نبی نہ بدخواور نہ سنگدل ہوگا اور نہ بازاروں میں شور کرنے والا۔

۷۔اور باب مذکور کی تیسری آیت میں ہے۔

وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے یعنی وہ نبی صاحب حکومت اور صاحب

۱ الشوریٰ،آیۃ:۱۵

عدالت ہوگا اور حضرت عیسیٰ کے یہاں حکومت کا نام بھی نہ تھا نہ کافروں سے جہاد کیا اور نہ مجرموں پر کوئی عدالت جاری کی اس کا مصداق تو آنحضرت ﷺ ہی ہو سکتے ہیں اور دائم رہنے سے آنحضرت ﷺ کی شریعت غراء کا الی یوم القیامۃ باقی رہنا مراد ہے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ کی شریعت اب تک برابر محفوظ ہے اور انشاء اللہ ثم انشاء اللہ ہمیشہ رہے گی کوئی امت اس بارہ میں امت محمدیہ کی ہمسری نہیں کر سکتی کسی اُمّت نے بھی اپنے نبی کی شریعت اور اس نبی کے اقوال وافعال کی حفاظت امت محمدیہؐ کے مقابلہ میں عشر عشیر بھی نہیں کی۔ اور شریعت کے دائم ہونے سے خاتم الانبیاء ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اسلئے کہ شریعت کا دوام اور بقاء الی یوم القیامہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ اس نبی کے بعد اور کوئی نبی نہ بنایا جائے۔ ورنہ اگر اس کے بعد کوئی اور نبی بنایا جائے تو شریعت سابقہ شریعت لاحقہ سے منسوخ ہوجانے کی وجہ سے دائمی نہ رہے گی۔ ۸۔ اور باب مذکور کی چوتھی آیت میں ہے۔

اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا وصال جب ہوا کہ جب راستی زمین پر قائم ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؁۱ — آج کے دن تمھارے لئے تمھارے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کردیا اور میں نے اسلام کو تمھارے دین بننے کیلئے پسند کرلیا۔

کی بشارت نازل ہوگئی۔ اور

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ؁۲ اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ؁۳ — بے شک میں نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔ جب خدا کی مدد اور فتح آ پہنچی۔

کا وعدہ پورا ہوگیا اور عجب نہیں کہ راستی قائم کرنے سے خلافت صدیقیہ کی جانب اشارہ ہو جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے اس لئے کہ راستی ترجمہ صدق کا ہے اور صدق کا اطلاق صدیق پر ایسا ہی ہے جیسا کہ عدل کا اطلاق زید پر چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مرض الوفات

۱؎ المائدہ، آیۃ: ۳ ۲؎ الفتح، آیۃ: ۱ ۳؎ النصر، آیۃ: ۱

میں صدیق اکبر کو امام بنا کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ میرے بعد صدیق اکبر خلیفہ ہونے چاہئیں تاکہ صدق اور راستی قائم ہو۔

۹۔ اور چھٹی آیت میں ہے۔

تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔

یہ جملہ بھی سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی اور پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ اللہ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ [1]	اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

چنانچہ یہ وعدہ اللہ کا پورا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دستگیری کی اور حفاظت فرمائی ہاں بزعم نصاریٰ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت نہیں ہوئی۔

۱۰۔ اور پھر چھٹی آیت میں جو نور کا ذکر ہے کہ لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا اُس سے نورِ ہدایت اور نور شریعت کا دینا مراد ہے جیسا کہ قرآنِ عزیز میں متعدد جگہ اس کا ذکر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا [2]	اے لوگو بیشک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک برہان آ چکی ہے اور ہم نے تمھاری طرف ایک نور (قرآن کریم) نازل کیا۔
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [3]	پس جو لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد کی اور اسی نور کا اتباع کیا کہ جو آپ کے ساتھ نازل کیا گیا یہی لوگ فلاح والے ہیں۔
يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا [4]	اے نبی ہم نے تمھیں بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور خدا کی طرف خدا کے حکم سے بلانے والا اور ہدایت کا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

[1] المائدہ، آیۃ: ۶۷، [2] النساء، آیۃ: ۱۷۴ [3] الاعراف، آیۃ: ۱۵۷، [4] الاحزاب، آیۃ: ۴۵

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ [۱]

کافر اپنی مونہوں کی پھونک سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو ضرور پورا فرمائیں گے، اگر چہ کافروں کو ناگوار ہو۔

۱۱۔ اور آیت ہشتم میں ہے۔

اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا۔

یہ جملہ بھی حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہے۔

اعطیت مالم یعط احدمن الانبیاء قبلی

مجھ کو منجانب اللہ وہ چیزیں عطا کی گئیں کہ جو انبیاء سابقین میں سے کسی کو نہیں دی گئیں۔

مثلاً ختم نبوت و رسالت عموم بعثت ودعوت، مقام محمود، شفاعت کبریٰ، معراج سبع سموات ان فضائل ومزایا سے سوائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی نبی کو سرفراز نہیں کیا گیا۔ یہ حشمت وشوکت آپ کے سوا کسی کو نہیں دی گئی۔

اوراسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو وہ آیات بینات محاسن اخلاق فضائل وشمائل، علوم ومعارف عطا فرمائے کہ جو کسی نبی اور رسول کو نہیں عطا فرمائے۔ خصوصاً قرآن حکیم کا معجزہ تو ایسا روشن معجزہ ہے کہ جس کے سامنے موافق ومخالف سب ہی کی گردنیں خم ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيمِ ط [۲]

یہ خدا کا فضل ہے۔ وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیدیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

۱۲۔ اور گیارھویں آیت میں ہے۔

بیابان عرب اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات میں اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔ آھ

قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوۃ والسّلام کے ایک صاحبزادہ کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں اور اس بیابان سے فاران کا بیابان مراد ہے جہاں حضرت

۱۔ الصف، آیۃ:۸،   ۲۔ الحدید، آیۃ:۲۱۔

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسّلام کو چھوڑ آئے تھے، جیسا کہ کتاب پیدائش کے اکیسویں باب کی اکیسویں آیت سے ظاہر ہے اور یہ وہی جگہ ہے کہ جہاں اس وقت مکّہ معظمہ آباد ہے اور قیدار کے آباد دیہات سے یہی مکّہ مراد ہے۔ اسی جگہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد آباد ہوئی الحاصل اس جملہ میں آپ کے مولد یعنی جائے ولادت کی طرف اشارہ ہے یعنی آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ میں پیدا ہوں گے اور آپ کی اُمّت اس بیابان میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کے نعروں سے اللہ کے جلال کو ظاہر کرے گی۔ سفر اور حضر میں اللہ کی تکبیر کہنا یہ خاص اُمّت محمدیہ ﷺ کا شعار ہے مسلمان اذان اور تکبیر کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور نصاریٰ میں گھنٹہ اور ناقوس بجا کر نماز پڑھی جاتی ہے اور بجائے تکبیر وتوحید کے تثلیث اور تجسیم کا نعرہ لگاتے ہیں کہ خدا نے مریم کے پیٹ میں جسم پکڑا اور بندوں کی نجات کے لئے صلیب پر لٹکا۔

اور اس بشارت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ نبی مبشر قیدار بن اسمٰعیل کی اولاد سے ہوگا، لہٰذا اس بشارت کا مصداق انبیاء بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ وہ سب حضرت اسرائیل کی اولاد سے ہیں، نہ کہ قیدار بن اسمٰعیل کی اولاد سے اور سلع مدینہ طیّبہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، اس سے آنحضرت ﷺ کے مقامِ ہجرت کی طرف اشارہ ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ یہ کلام معرفت التیام از اوّل تا آخر بآواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ وہ شخص موعود خداتعالیٰ کا خاص۔ برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہوگا اور عامۂ خلائق کی پیشوائی اور سارے جہان کی بادشاہی اور رہنمائی کا منصب اس کو عنایت ہوگا اور شخص موعود بنی قیدار یعنی بنی اسمٰعیل میں سے ہوگا۔ نہ کہ بنی اسرائیل میں سے کیونکہ قیدار بالاتفاق حضرت اسمٰعیل کے بیٹے کا نام ہے۔

پس اس خبر کا مصداق، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں ہیں۔ بنی قیدار یعنی بنی اسمٰعیل میں سے نہیں۔

اور سارے جہان کی پیشوائی اور رہنمائی کا منصب بھی اُن کو حاصل نہیں ہوا، اس لئے

کہ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ صرف بنی اسرائیل کی گمراہ بھیڑوں کی طرف بھیجے گئے یعنی ان کی بعثت عام نہ تھی اور نہ حضرت عیسیٰ نے کوئی حکومت کی اور نہ قوموں میں کوئی عدالت جاری کی، پس اس خبر سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کیسے مراد ہو سکتے ہیں۔ اس خبر میں جس قدر اوصاف مذکور ہیں وہ سب سیّدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق اور منطبق ہیں لہٰذا وہی مراد ہو سکتے ہیں۔

بشارت شانزدہم از صحیفۂ یسعیاہ علیہ السّلام باب ۵۲ درس ۱۳

۱۳۔ دیکھو میرا بندہ اقبال مند ہوگا وہ بالا اور ستودہ ہوگا اور نہایت بلند ہوگا۔ ۱۴۔ جس طرح بہتیرے تجھے دیکھ کے دنگ ہو گئے کہ اس کا چہرہ ہر ایک بشر سے زائد اور اس کی پیکر بنی آدم سے زیادہ بگڑ گئی۔ ۱۵۔ اسی طرح وہ بہت سی قوموں پر چھڑکے گا۔ اور بادشاہ اس کے آگے اپنا منہ بند کریں گے، کیونکہ وہ کچھ دیکھیں گے جو ان سے کہا نہ گیا تھا اور جو کچھ انہوں نے نہ سنا تھا وہ دریافت کریں گے۔ (ختم ہوا)

اس بشارت میں میرے بندہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات مراد ہے جس کے اقبال منداور بالا اور ستودہ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں اور لفظ ستودہ ٹھیک لفظ محمد کا ترجمہ ہے۔ محمد ستودہ متیں استوار

اور حق تعالیٰ نے حضور پُرنور کو وہ بلندی اور رفعت عطا کی کہ جو نہ کسی نے کبھی سُنی اور نہ دیکھی حضرات نصاریٰ غور کریں کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو یہ بلندی اور اقبال مندی بھی حاصل ہوئی نصاریٰ کے زعم فاسد کی بنا پر تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اقبال مندی اور نہایت بلندی تو کہاں حاصل ہوتی نصاریٰ کے عقیدۂ صلیب کی بنا پر تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو وہ ذلّت اور اہانت حاصل ہوئی کہ جو دنیا میں کبھی بھی کسی برگزیدۂ حق کو نہیں ہوئی اہل اسلام تو اس توہین و تذلیل سے بری اور بیزار ہیں جو نصاریٰ اپنے مزعوم خدا کے لئے تجویز کرتے ہیں اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ حق تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اُٹھایا اور اُن کے دشمنوں کو ناکام کیا۔

بشارت ہفدہم از صحیفۂ یسعیاہ علیہ السلام

باب ۶۰ درس (۱) دربارۂ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ

(۱) اٹھ روشن ہو (اے سرزمین مکّہ) تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے۲۔ کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا۔۳۔ اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلّی میں چلیں گے

اب یہاں سے زمین مدینہ کو خطاب ہے۴۔ اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف نگاہ کر وہ سب (لوگ) اکٹھے ہوتے ہیں وہ تجھ پاس آتے ہیں تیرے بیٹے دُور سے آئیں گے اور تیری بیٹیاں گود میں اٹھائی جائیں گی۔۵۔ تب تو دیکھے گی اور روشن ہوگی ہاں تیرا دل اُچھلے گا اور کشادہ ہوگا کیونکہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دَولت تیرے پاس فراہم ہوگی۔۶۔ اونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں آکے تیرے گرد بے شمار ہوں گی وہ سب جو سبا کے ہیں آئیں گے وہ سونا اور لبان لائیں گے اور خدا کی تعریفوں کی بشارتیں سنائیں گے۔۷۔ قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنی شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔۸۔ یہ کون ہیں جو بدلی کی طرح اُڑتے آتے ہیں اور کبوتروں کی مانند اپنی کابک کی طرف۔۹۔ یقیناً بحری ممالک میری راہ تکیں گے اور ترسیس کے جہاز پہلے آئیں گے تیرے بیٹوں کو اُن کے روپے اور سونے سمیت دُور سے خداوند تیرا خدا اور اسرائیل کے قدوس کے نام کے لئے لائیں گے کیونکہ اس نے تجھے بزرگی دی ہے۔ ۱۰۔ اور اجنبیوں کے بیٹے تیری دیوار اٹھائیں گے اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گزاری کریں گے، اگرچہ میں نے اپنے قہر سے تجھے مارا پر اپنی مہربانی سے تجھ پر رحم کروں گا۔۱۱۔ اور تیری پھاٹکیں نت کھلی رہیں گی وہ دن رات کبھی بند نہ ہوویں گی تاکہ قوموں کی دولت کو تیرے پاس لائیں اور ان کے بادشاہوں کو دھوم دھام کے ساتھ۔۱۲۔ کہ وہ قوم اور وہ مملکت جو تیری خدمت گزاری نہ کرے گی برباد ہو جائے گی ہاں وہ قومیں یک لخت ہلاک ہو جائے گی۔۱۳۔ لبنان کا جلال تجھ پاس آئے گا سرو اور صنوبر اور دیودار ایک ساتھ تاکہ میں اپنی مقدس مکان کو

آراستہ کروں اور اپنے پاؤں کی کرسی کو رونق بخشوں۔۱۴۔ اور تیرے غارتگروں کے بیٹے بھی تیرے آگے جھکے ہوئے آئیں گے یا وہ سب جنھوں نے تیری تحقیر کی تیرے پاؤں پر پڑیں گے اور خداوند کا شہر اسرائیل کے قدوس کا صیہون تیرا نام رکھیں گے۔۱۵۔ اس کے بدلہ کو تو ترک کی گئی اور تجھ سے نفرت ہوئی ایسا کہ کسی آدمی نے تیری طرف گزر بھی نہ کیا میں تجھے شرافت دائمی اور پشت در پشت لوگوں کا سردار بناؤں گا۔۱۶۔ تو قوموں کا دودھ بھی چوس لے گی ہاں بادشاہوں کی چھاتی چوسیگی اور تو جانے گی کہ میں خداوند تیرا بچانے والا اور میں یعقوب کا قادر تیرا چھڑانے والا ہوں۔۱۷۔ میں پیتل کے بدلے سونا لاؤں گا اور لوہے کے بدلے رُوپا اور لکڑی کے بدلے پیتل اور پتھروں کے بدلے لوہا اور میں تیرے حاکموں کو سلامتی اور تیرے عالموں کو صداقت بناؤں گا۔۱۸۔ آگے کو کبھی تیری سرزمین میں ظلم کی آواز نہیں سنی جائے گی اور نہ کہ تیری سرحدوں میں خرابی یا بربادی کی تو اپنی دیواروں کا نام نجات اور اپنے دروازوں کا نام ستودگی رکھے گی۔۱۹۔ آگے تیری روشنی دن کو سورج سے اور رات کو تیری چاندنی چاند سے نہ ہوگی بلکہ خداوند تیرا ابدی نور اور تیرا خدا تیرا جلال ہوگا۔۲۰۔ تیرا سُورج پھر کبھی نہیں ڈھلے گا اور تیرے چاند کا زوال نہ ہوگا کیونکہ خداوند تیرا ابدی نور ہوگا اور تیرے ماتم کے دن آخر ہو جائیں گے۔۲۱۔ اور تیرے لوگ سب راستباز ہوں گے وہ ابد تک سرزمین کے وارث اور میری لگائی ہوئی ٹہنی اور میرے ہاتھ کی کاری گری ٹھہریں گے تا کہ میری بزرگی ظاہر ہو۔۲۲۔ ایک چھوٹے سے ایک ہزار ہوں گے اور ایک حقیر سے ایک قوی گروہ ہوگی میں خداوند اُس کے وقت میں یہ سب کچھ جلد کروں گا۔ (باب ۶۰ ختم ہوا)

اس باب کی پہلی آیت میں مکّہ معظّمہ کو خطاب ہے اور اس کو روشن اور منور ہونے کی بشارت ہے اور نور اور روشنی سے آں حضرت ﷺ کی نبوّت کا نور یا قرآن کا نور مراد ہے قرآن کریم کو نور مبین کہا گیا ہے۔

۲۔ صدہا سال سے جو زمین پر کفر اور شرک اور گمراہی کی ظلمت اور تاریکی چھائی ہوئی تھی وہ آنحضرت ﷺ کی نبوّت اور نور قرآن سے زائل ہوگئی۔

۳۔ اور امیر و فقیر اور بادشاہ اُس نور کے طلوع کی تجلّی میں چلنے لگے۔

۴۔ اور رفتہ رفتہ وہ نور زمین کے چاروں طرف پھیلنے لگا اور مختلف قبائل اُس نور کے گرد

اکھٹے ہونے لگے اور تیس برس کے اندر وہ نور دیار روم اور دیار مغرب اور دیار مشرق فارس اور کاشغر اور ختن اور ہند سندھ وغیرہ میں پہنچ گیا۔

۵۔ اور لاکھوں مسلمان پیادہ اور سوار امیر و غریب حج بیت اللہ کے لئے مکّہ معظّمہ میں جمع ہونے لگے اور بے شمار اونٹوں اور سانڈنیوں کی قطاریں مکّہ معظّمہ پہنچنے لگیں اور اونٹوں کی افراط جس قدر عرب اور مکّہ مکرمہ کے اطراف اور نواحی میں ہے وہ زمین کے کسی خطہ میں نہیں۔

۶۔ اور خداوند ذوالجلال کی حمد وثناء اور تعریف کرنے والوں کے غول خانہ کعبہ کے گرد جمع ہونے لگے۔

۷۔ اور روئے زمین کے سلاطین اہلِ اسلام خانہ کعبہ اور اہلِ مکّہ کے لئے لاکھوں درہم ودینار کے ہدایا بھیجنے لگے۔

۸۔ اور مدیان حضرت ابراہیم کے بیٹے کا نام ہے جو بطن قطورا سے ہے اور شہر مداین انہی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اور قیدار حضرت اسمٰعیل کے دوسرے بیٹے کا نام ہے جیسا کہ تورات کے کتاب پیدائش کے پچیسویں باب میں صراحۃً مذکور ہے اور اہلِ مداین اور نواحی سبا سب حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہیں جو مشرف باسلام ہوئے اور ہر سال اونٹوں اور سانڈنیوں پر سوار ہو کر حج بیت اللہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور جن کی حمد وثناء اور لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ کی آوازوں سے دشت وبیابان گونجنے لگتے ہیں اور قیدار کی ساری بھیڑیں وہاں جمع ہو جاتی ہیں اور نبیط سے عرب شرقی وشمالی کے قبائل مراد ہیں[۱] اور مطلب یہ ہے کہ سبا یعنی یمن کے قبائل اور قیدار کی بھیڑیں یعنی قریش کے وحشی لوگ اور نبیط کے مینڈھے یعنی موٹے اور فربہ آدمی۔ ہر طرف سے خدا کی تسبیح وتہلیل اور تحمید وتکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

۹۔ اور کبوتروں کی مانند لوگ خانہ کعبہ کی طرف اُڑ کر پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔

۱۰۔ اور اس وقت جو فخر اور جلال لبنان کو حاصل ہے وہ اُس وقت مکّہ معظّمہ کو حاصل ہوگا اور اس وقت مکّہ مکرمہ کی طرف منتقل ہو جائے گا جو خاتم الانبیاء اور سیّد الاصفیاء کا مولد اور مسکن ہوگا اور اس کے اصحاب انبیاء بنی اسرائیل کا نمونہ ہوں گے۔

---

[۱] نبیط حضرت اسمٰعیل کے ایک فرزند کا نام ہے۔

۱۱۔اور جو غارت گر خانہ کعبہ کا رخ کرے گا وہ یک لخت ہلاک ہوگا جیسا کہ اصحاب فیل کا قصہ مشہور ہے۔

۱۲۔اور خدا کا مقدس مکان یعنی خانہ کعبہ آراستہ اور پیراستہ ہوگا۔ ہر سال اس پر زرّین غلاف چڑھائے جائیں گے۔

۱۳۔اور اس بلدیہ مقدس کا نام صیہون ہوگا۔اس لئے کہ صیہون جس طرح یروشلم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اسی طرح صیہون مکّہ مکرمہ کا بھی نام ہے جیسے شیخ عبدالحق دہلوی نے مدارج النبوۃ باب چہارم قسم اوّل میں لکھا ہے۔

۱۴۔اور آپ کے بعد جو خلیفہ اور حاکم ہوئے وہ عین سلامتی ہوئے اور آپ کی شریعت کے عالم عین صداقت بنے۔

۱۵۔اور سرزمین عالم وصداقت اور عدالت اور سلامتی سے ایسی معمور ہوئی کہ کسی جگہ بھی ظلم کی آواز نہ سُنی گئی۔

۱۶۔اور امت کو ایسی شریعت کا وارث بنا کر دنیا سے رخصت ہوئے کہ جس کا نور اور روشنی ابد تک چمکتا رہے گا۔

۱۷۔اور اُس کا نور اور جلال ابدی ہوگا۔

۱۸۔جو نہ کبھی ڈھلے گا اور نہ زوال پذیر ہوگا۔

۱۹۔اور اُس نبی کے تمام صحابہ راستباز ہوں گے۔

۲۰۔ اور ایک چھوٹے سے ہزار اور ایک حقیر سے قوی گروہ ہو جائیں گے۔ وللہ الحمد والمنتہ۔

گذارش

حضراتِ اہلِ علم سے گزارش ہے کہ وہ کتاب یسعیاہ کا باب ۶۵ بھی ضرور ملاحظہ فرمالیں اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے اوصاف کا تذکرہ ہے[1]

[1] اظہار الحق (عربی) مؤلفہ: مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ج:۲، ص:۱۴۵، ۱۴۷

بشارت ہشت دہم از کتاب دانیال علیہ السّلام باب دوم

کتاب دانیال کے باب دوم میں ایک طویل قصّہ مذکور ہے جس کا خلاصہ ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

بخت نصر شاہ بابل نے ایک پریشان کن خواب دیکھا اور خواب دیکھ کر بھول گیا۔ اس سے اور بھی زیادہ پریشان ہوا۔ بادشاہ نے یہ ماجرا دانیال علیہ السّلام سے ذکر کیا، دانیال علیہ السّلام نے وحی کے ذریعہ وہ خواب بھی بتلایا اور پھر اس کی تعبیر بھی بتلائی۔

۳۱۔ بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک مورت ہے جو نہایت خوبصورت بھی ہے اور ہیبت ناک بھی ہے اور بادشاہ کے سامنے کھڑی ہے۔

۳۲۔ جس کا سر خالص سونے کا ہے اور اس کا سینہ اور بازو چاندی کے ہیں اور اس کا شکم اور رانیں تانبے کی ہیں اور اس کی پنڈلیاں لوہے کی ہیں اور اس کے پاؤں کچھ لوہے اور مٹی کے ہیں۔ بادشاہ اس عجیب وغریب مورت کو دیکھ رہا ہے۔

۳۳۔ کہ یکا یک ایک پتھر نکلا بغیر اس کے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹ کر نکالے خود بخود نکلا اور اس مورت کے پاؤں پر لگا کہ جو لوہے اور مٹی کے تھے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

۳۴۔ اور لوہا اور مٹّی اور تانبا چاندی اور سونا (جس سے وہ مورت بنی ہوئی تھی) ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور بستانی کھلیان کے بھُوسے کے مانند ہو گئے اور ہوا انھیں اُڑا کر لے گئی یہاں تک کہ ان کا پتہ نہ ملا اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو مارا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین کو بھر دیا۔ (خواب ختم ہوا)

بادشاہ نے یہ خواب دیکھا تھا مگر بھُول گیا تھا۔ دانیال علیہ السّلام کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ بادشاہ نے یہ خواب دیکھا ہے۔ دانیال علیہ السّلام نے حسب وحی خداوندی خواب بیان کر کے بادشاہ کو اس کی تعبیر بتلائی کہ اس خواب میں یکے بعد دیگرے پانچ سلطنتوں کی طرف اشارہ ہے۔ سونے کے سر سے بابل کا بادشاہ مراد ہے اور تیری سلطنت سونے کی مانند ہے اور تیرے بعد ایک اور سلطنت آئے گی جو چاندی کے مانند ہوگی اور تیری سلطنت سے کمتر ہوگی، اس کے بعد ایک تیسری سلطنت آئے گی جو تانبے کی مانند ہوگی پھر ایک چوتھی سلطنت آئے

گی جو لوہے کی مانند مضبوط ہوگی، پھر ایک پانچویں سلطنت آئے گی جس کے پاؤں کچھ لوہے اور کچھ مٹی کے ہوں گے یعنی اس سلطنت میں کچھ ضعف اور اضطراب ہوگا، لوہا اور مٹی ملا جلا ہوگا یعنی وہ سلطنت قوت اور ضعف کا مجموعہ ہوگی، کبھی اس میں قوت ہوگی اور کبھی ضعف، اس پانچویں سلطنت کے زمانے میں یکا یک عالمِ غیب سے ایک پتھر نمودار ہوگا جو کسی کے ہاتھ سے کاٹ کر نکالا ہوا نہ ہوگا بلکہ منجانب اللہ خود بخود بلا سبب ظاہر کے آسمان سے اُترے گا۔ اور اس آخری سلطنت کے پاؤں پر گرے گا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا تا آنکہ اس کو بستانی کھلیان کے بُھوسے کے مانند بنادے گا اور ہوا اس کو اُڑا کر لے جائے گی، یہاں تک کہ اس کا نام ونشان نہ رہے گا اور رفتہ رفتہ وہ پتھر پہاڑ بن کر تمام زمین کو بھر دے گا،

جاننا چاہئے کہ اس تعبیر میں آنحضرت ﷺ کی بعثت اور آپ کی نبوّت ورسالت اور آپ کی آسمانی بادشاہت کو ایک پتھر سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ پتھر بہت جلد پہاڑ کی شکل میں تبدیل ہو جائے گا یعنی اوّل اوّل وہ چھوٹی سی سلطنت ہوگی اور بعد میں تمام دنیا پر چھا جائے گی، چنانچہ عہد فاروقی میں قیصر وکسریٰ کی شوکت کا خاتمہ ہو گیا اور اس طرح هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ کا وعدہ پورا اور ہلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده وہلك قيصر فلا قيصر بعده کی تصدیق ہوگئی آسمانی بادشاہت کا پتھر زمین پر ایسا ہی گرا کہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کو پیس کر رکھ دیا اور جو شریعت آپ پر آسمان سے نازل ہوئی وہ قیامت تک باقی رہے گی[1]

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب کا ایک خواب ذکر کریں جو سیرت کی تمام صحیح اور معتبر کتابوں میں مذکور ہے تا کہ ناظرین کو اس بشارت دانیالیہ کے سمجھنے میں مدد دے وہ خواب حسب ذیل ہے۔

ابوجہل کی سرکردگی میں قریش کا ایک ہزار کا قافلہ سو اونٹ اور سو سواروں اور دیگر سامان حرب کے ساتھ جنگ بدر کے لئے روانہ ہونے لگا تو قبل از روانگی عاتکہ بنت

[1] اظہار الحق ص: ۱۴۸، ازالۃ الاوہام ص: ۷۵۔ نیز۔ ہدایۃ الحیاریٰ للحافظ ابن قیم ص: ۷۹

عبدالمطلب نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار مکّہ میں آیا اور مقام ابطح میں اونٹ بٹھلا کر بآواز بلند یہ کہہ رہا ہے

الا انــفــروایــا آل غــدر لمصارعکم فی ثلاث	اے اہلِ غدر یعنی خدا کے غدارو تم بہت جلد اپنے مقتل اور پچھڑنے کی جگہ کی طرف تین دن میں نکل جاؤ۔

اور پھر وہ شتر سوار مسجد الحرام میں گیا اور خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر بھی اسی طرح اعلان کیا۔اس کے بعد وہ سوار جبل ابوقبیس پر چڑھا اور وہی آواز دی اور پھر اوپر سے ایک پتھر اٹھا کر نیچے پھینکا، وہ پتھر نیچے پہنچ کر چور چور ہوگیا اور مکّہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہا کہ جس میں اس کا کوئی ٹکڑا جا کر نہ گرا ہو۔ عاتکہ نے یہ خواب حضرت عباس سے بیان کیا جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے انہوں نے یہ خواب اپنے مخصوص دوستوں سے بیان کر دیا اور سمجھ گئے کہ قوم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے شدہ شدہ اس خواب کی اطلاع ابوجہل کو بھی ہوگئی۔ ابوجہل نے جب حضرت عبّاس کو مسجد حرام میں آتے دیکھا تو کہنے لگا اے ابوالفضل (حضرت عباس کی کنیت ہے) تمہارے مرد تو مدعی نبوت تھے ہی اب تمھاری عورتیں بھی نبوّت کا دعویٰ کرنے لگیں۔ حضرت عبّاس نے کہا کیا بات ہے۔ ابوجہل نے عاتکہ کے خواب کا ذکر کیا۔ خواب بیان ہی کیا جا رہا تھا کہ یکا یک ضمضم غفّاری ابوسفیان کا پیام لے کر اس شان سے مکّہ میں پہنچا کہ پیراہن چاک ہے اور اونٹ کی ناک کٹی ہوئی ہے اور یہ آواز لگا رہا ہے' اے گروہ قریش اپنے کاروان تجارت کی خبر لو اور جلد از جلد ابوسفیان کے قافلہ کی مدد کو پہنچو یہ خبر سنتے ہی قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ مکّہ سے نکل کھڑے ہوئے اور بدر کے میدان میں پہنچ کر اس خواب کی تعبیر بحالت بیداری اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

اور اس واقعہ پر بھی غور کرو کہ جو احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ غزوۂ خندق میں، خندق کھودتے وقت جب ایک سخت پتھر نکل آیا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ کدال ماری جس سے وہ پتھر ٹوٹ گیا اور اُس سے روشنی نمودار ہوئی اور اس میں شام اور فارس اور یمن کے شہر نظر آئے۔ اشارہ اس طرف تھا کہ یہ تمام ممالک اسلام کے مفتوح ہوں گے۔

بشارت نوزدہم از انجیل متی باب سوم آیت اوّل

اُن دنوں میں یوحنّا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہو کے منادی کرنے اور یہ کہنے لگا کہ توبہ کرو آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔ انتہیٰ

اور اسی انجیل کے باب چہارم کی سترھویں آیت میں ہے:۔ اسی وقت سے یسوع نے منادی کرنی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔ انتہیٰ

آسمانی بادشاہت سے یہ مراد ہے کہ کوئی کتاب آسمان سے نازل ہو اور اس میں ہر طرح کے احکام مذکور ہوں گے اور نہایت شوکت اور حاکمانہ طور سے اس کی نشر و اشاعت کی جائے گی خدا کے سرکشوں اور نافرمانوں پر تہدیدی احکام نافذ ہوں گے۔ غرض یہ کہ نہ تو فقط دنیوی بادشاہت ہو جیسا کہ سلاطین دنیا کو حاصل ہوتی ہے اور نہ یہ ہو کہ فقط احکام خداوندی کی اشاعت نہایت مسکنت سے مقہور اور مغلوب ہو کر بلا کسی شوکت اور حکومت کے کی جائے، بلکہ احکام آسمانی بھی ہوں اور اس کے ساتھ شوکت اور حکومت زمینی بھی ہو۔ احکام خداوندی سے سرتابی کرنے والوں کو سزا بھی دی جاتی ہو۔ حکومت الٰہی کے باغیوں سے جہاد بھی کیا جاتا ہو اور یہ دونوں باتیں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء کے عہد میں کماحقہٗ ظہور میں آئیں۔

احکام خداوندی اور شریعت آسمانی بھی نازل ہوئی اور نہایت شوکت اور قوت سے اس کو نافذ کیا گیا۔ قیصر و کسریٰ کے تخت کو اُلٹ کر رکھ دیا، خدا کے دشمنوں سے جہاد بھی کیا۔ چور اور رہزنوں پر حد بھی قائم کی زنا کاروں کو رجم اور سنگسار کیا۔ شراب خواروں کے کوڑے لگوائے۔ آنکھ کھول کر دیکھئے کہ آسمانی بادشاہت اس کو کہتے ہیں اور خدارا یہ بھی آسمانی بادشاہت نہیں تو وہ بادشاہت تم بتلاؤ کہ جس کو آسمانی کہا جا سکے۔ اِنَّ فِيْ ذَالِكَ لَذِكْرىٰ لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْاَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ۔

بشارت بستم از انجیل متی باب ۲۱، آیت ۴۲

یسوع نے انھیں کہا کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راج گیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔

یہ خدا کی طرف سے ہوا اور ہماری نظروں میں عجیب اس لئے میں تمھیں کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور ایک قوم کو جو اس کے میوہ لائے دی جائے گی جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو جائیگا۔ جس پر وہ گرے اُسے پیس ڈالے گا۔ انتہیٰ۔ راج گیر اور معماروں سے بنی اسرائیل مراد ہیں اور کونے کے پتھر سے ہمارے نبی اکرم خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ کیونکہ آپ بنی اسرائیل کی نظر میں ایک ناپسند پتھر کے مشابہ تھے۔ بنی اسرائیل نے ہر چند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرنا چاہا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تائید الٰہی سے کونے کا سرا یعنی خاتم النبیین ہو کر رہے۔ اور پتھر کے سر زاویہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جو کونا عمارت کی بلندی کی طرف خالی تھا وہ اس سے بھر جائے گا اسی طرح قصر نبوّت میں جو زاویہ خالی تھا وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پُر ہو گیا اس طرح قصر نبوّت کی عمارت پوری ہو گئی۔

كما روى ابو هريرة رضى الله تعالىٰ عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان مثلى ومثل الانبياء من قبلى كمثل رجل بنىٰ بيتا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاويته فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له ويقولون هلا وضعت اللبنة وانا خاتم النبيين رواه البخارى فى كتاب الانبيآء وفى روايته انا سددت موضع اللبنة وختم بى البنيان وختم بى الرسل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور انبیاء سابقین کی ایسی مثال ہے کہ کسی نے ایک محل نہایت عمدہ تیار کیا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس محل کا چکر لگاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کیوں چھوڑ دی گئی میں ہی خاتم النبیین ہوں۔ یعنی میں نے ہی اس اینٹ کی جگہ کو پُر کیا ہے اور میرے ہی سے یہ تعمیر ختم ہوئی اور مجھ ہی پر انبیاء و رُسل کا سلسلہ ختم ہوا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو گرا وہ بھی چور چور ہوا اور جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گرے وہ بھی چورا چورا ہوا۔ چنانچہ جنگ بدر میں قریش آپ پر گرے اور وہ خدا کے فضل سے چور چور ہوئے

اور فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ اُن پر گرے تب بھی وہی چُور چُور ہوئے اور آپ ﷺ کے بعد صحابۂ کرام ایران، شام وروم وغیرہ وغیرہ پر گرے اور سب کو چُور کیا اور پھل اور میوہ لانے والی قوم بنی اسمٰعیل ہیں کہ جو آں حضرت ﷺ کی تربیت سے پھل لائی اور حکومت اور سلطنت کے مالک ہوئے اور یہ آسمانی بادشاہت اُن کے حصہ میں آئی۔

لہٰذا اس بشارت کا مصداق بجز خاتم النبیین سیّد الاوّلین والآخرین محمد ﷺ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سو وہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نسل سے تھے، بنی اسرائیل میں بہت محترم تھے وہ ناپسند پتھر کے کیسے مشابہ ہوسکتے ہیں۔ دوم یہ کہ وہ خاتم النبیین نہیں جیسا کہ ماسبق میں معلوم ہوچکا ہے کہ اہلِ کتاب علاوہ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک اور نبی کے منتظر تھے۔ نیز ماسبق میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ جب یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے ان سے دریافت کیا۔ الخ

سوم یہ کہ حضرت مسیح خود تو کبھی کسی پر نہ گرے اور یہود جب اُن پر گرے تو بقول نصاریٰ حضرت مسیح چُور چُور ہوئے۔ واللہ اعلم

اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے آسمان پر چلے جانے کے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا۔

بشارت بست ویکم از انجیل یوحنا باب چہاردہم آیت ۱۵

۱۵۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کروگے۔ ۱۶۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے۔ ۲۶۔ وہ تسلی دینے والا جو رُوح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا۔ اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے تمھیں کہی ہیں تمھیں یاد دلائے گا۔ ۲۹۔ اور اب میں نے تمھیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا تاکہ جب وہ وقوع میں آئے تو تم ایمان لاؤ۔ ۳۰۔ بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔ اور باب ۱۵۔ آیت ۲۷ میں ہے

جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی رُوح تو وہ میری گواہی دے گا۔ انتہیٰ

اور باب ۱۶۔ آیت ۷، میں ہے۔

(۷)۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں تمھارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ (۸) اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا (۹) گناہ کے بارہ میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ (۱۰) راستبازی کے بارہ میں اس لئے کہ میں اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے (۱۱) عدالت کے بارہ میں اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے (۱۲) میری اور بھی بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں اب کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے (۱۳) لیکن جب وہ روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (۱۴) وہ میری بزرگی اور جلال کو ظاہر کرے گا۔ انتہیٰ

اور انجیل متی باب ۳ آیت ۱۱ میں ہے۔ میں توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زور آور ہے کہ میں اس کے جوتے اٹھانے کے لائق نہیں۔ انتہیٰ

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا کلام ہے کہ جو آپ نے رفع الی السماء سے پہلے حواریین کی تسلّی کے لئے فرمایا کہ تم یہود بے بہبود کی سازشوں اور قتل کی تدبیروں سے ہرگز نہ گھبراؤ اور میری تکلیف سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو میں عنقریب اس دنیا سے نکل کر ایسی جگہ چلا جاؤں گا کہ جہاں کسی کی رسائی نہیں ہوگی یعنی آسمان پر چلا جاؤں گا۔ خدا کے یہاں بہت مکان ہیں اور قیامت کے قریب پھر آسمان سے نازل ہوں گا۔ اور بعد ازاں ایک آنے والے فارقلیط کی بشارت دی کہ ایک زمانہ آئے گا کہ میرے علاوہ ایک دوسرا فارقلیط (رسول) ظاہر ہوگا اور وہ آ کر میری بزرگی بیان کرے گا اور میرے نہ ماننے والوں یعنی یہود بے بہبود کو خوب سزا دے گا اور وہ دین و دنیا کا سردار ہوگا اور وہ اس قدر بلند مرتبہ ہوگا کہ مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں حق جل شانہ نے قرآن کریم میں اس بشارت کا ذکر فرمایا ہے کما قال تعالیٰ۔

وَاِذْقَالَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ[1]

اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں ایک عظیم الشان رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔

اصل بشارت میں لفظ احمد موجود تھا اور جیسا کہ انجیل برناباس میں اب بھی موجود ہے لیکن جب انجیل کا عبرانی زبان سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو یونانیوں نے اپنی عادت کی بنا پر کہ وہ ترجمہ کرتے وقت ناموں کا بھی ترجمہ کر دیا کرتے تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک (احمد) کا ترجمہ بھی پیرکلوطوس سے کر دیا۔ اور پھر جب یونانی نسخہ کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا تو پیرکلوطوس کا معرب فارقلیط کر لیا گیا، ایک عرصہ تک اُردو اور فارسی اور عربی نسخوں میں فارقلیط کا لفظ رہا اس کے بعد اس کا ترجمہ روح القدس سے کیا گیا اور مسیحیین روح القدس کے لفظ کو بطور تفسیر خطوط وحدانی میں لکھتے رہے۔ رفتہ رفتہ فارقلیط کے لفظ کو بالکل حذف کر دیا پھر کسی نے فارقلیط کی جگہ روح القدس کا لفظ اور کسی نے روح حق کا لفظ اور کسی نے مددگار اور تسلّی دینے والے کا لفظ رکھ دیا اور فارقلیط کے لفظ کو انجیل کے نسخوں سے بالکل حذف کر دیا۔

لفظ فارقلیط کی تحقیق

لفظ فارقلیط اصل میں یونانی زبان سے معرّب کیا گیا ہے اور یہ لفظ یونانی زبان میں کئی معنی میں مشترک ہے اور وہ سب معنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں۔ علماء نصاریٰ نے فارقلیط کے مختلف معنی بیان کیے ہیں۔

(۱) کسی نے کہا کہ فارقلیط کے معنی تسلّی دینے والے کے ہیں جس کا عربی ترجمہ مُعزّی ہے (۲) کسی نے کہا اس کے معنی معین اور مددگار کے ہیں (۳) کسی نے کہا اس کے معنی شافع یعنی شفاعت کرنے والے کے ہیں (۴) کسی نے کہا اس کے معنی وکیل یعنی وکالت کرنے

[1] الصف، آیۃ: ۶۔

والے کے ہیں۔(۵) کسی نے کہا کہ اس کے معنی بڑا سراہنے والا جس کا فارسی ترجمہ ستائندہ اور عربی ترجمہ حماد اور احمد بصیغۂ اسم تفضیل بمعنی فاعل ہے(۶) اور کسی نے کہا کہ اس کے معنی بڑا سراہا گیا یعنی بڑا ستودہ کے ہیں جس کا عربی ترجمہ محمد ہے اور احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہے۔ کیونکہ لفظ احمد صیغہ اسم تفضیل کا ہے جو کبھی بمعنی فاعل آتا ہے اور کبھی بمعنی مفعول پس اگر احمد اسم تفضیل بمعنی فاعل ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑی حمد وثناء کرتا یعنی خدا تعالیٰ کا بڑا سراہنے والا اور اگر احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑا ستودہ یعنی جو خدا اور بندوں میں بڑا ہی ستودہ ہے کہ ہر جگہ اس کی تعریف کی جاتی ہے(۷) اور بعضوں نے فارقلیط کا ترجمہ امید گاہ عوام سے کیا ہے(۸) اور بعض نسخوں میں رسول کا لفظ ہے۔(۹) اور بعض نے کہا کہ اس کے معنی روح حق کے ہیں(۱۰) اور کسی نے کہا کہ اس کے معنی ثقہ اور معتبر کے ہیں۔

پس اگر فارقلیط کی اصل یونانی زبان میں پاراکلی طوس قرار دی جائے تو اس کے معنی معین اور مددگار اور وکیل کے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کی اصل پیرکلوطوس ہے تو اس کے معنی محمد یا احمد یا حمادؔ کے قریب قریب ہیں۔

انجیل کے تمام قدیم نسخوں میں عربی اور فارسی اور اردو تمام نسخوں میں فارقلیط کا لفظ موجود تھا۔ مگر اب موجودہ نسخوں میں لفظ فارقلیط کے بجائے زیادہ تر مددگار اور روح حق کا لفظ پایا جاتا ہے۔ مگر باوجود ان تحریفات اور تغیرات وتبدلات کے پھر بھی مدعا حاصل ہے اس لئے کہ اس بشارت میں فارقلیط کے جو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں وہ تمام کے تمام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر علی وجہ الکمال والتمام صادق ہیں اور فارقلیط کے جو معنی بھی لئے جائیں وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق ہیں، آپ خدا تعالیٰ کے وکیل اور سفیر بھی ہیں اور روح حق اور روح صدق اور روح راستی بھی ہیں یعنی روح خبیث نہیں جو جھوٹ بولے اور اُمت کے شافع بھی ہیں اور بشیر ونذیر بھی ہیں۔ اور خدا کے ستودہ اور پسندیدہ بندے بھی ہیں اور سب سے زیادہ خدا کی حمد وثناء کرنے والے بھی ہیں بلکہ یہ تمام آپ کے اسماء ہیں یعنی آپ کے نام ہیں کوئی ان میں سے اسم صفت ہے جیسے وکیل اور شافع اور معین ومددگار اور روح الحق اور کوئی اسم علم ہے جیسے احمد اور محمد اور محمود اور حماد اور آپ کے ناموں میں ایک نام آپ کا حمد بھی ہے، حمد اگرچہ مصدر ہے بمعنی ستودن۔ مگر مبالغۃً آپ پر اطلاق کر دیا گیا گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی مجسم حمد وثناء ہیں۔

فارقلیط کا سب سے زیادہ صحیح ترجمہ لفظ احمد ہے اور اسی وجہ سے قرآنِ کریم میں اس بشارت کا ذکر بلفظ احمد آیا ہے کما قال تعالیٰ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ یہ آیت قرآن مجید کی ہے اور قرآن مجید جس ملک میں نازل ہوا اس وقت اُس ملک میں بیشمار علماء یہود اور علماء نصاریٰ موجود تھے۔ اگر یہ بشارت اور یہ خبر غلط ہوتی تو ہزار ہا علماء یہود ونصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے اور برملا اس خبر کی تردید کرتے اور جو علماء یہود اور نصاریٰ اسلام میں داخل ہو گئے تھے وہ اس غلط بیانی کو دیکھکر فوراً اسلام سے برگشتہ ہو جاتے اور بغیر شور وغل مچائے خاموش نہ بیٹھتے، آں حضرت ﷺ کا اس پیشین گوئی کو علی الاعلان ظاہر فرمانا اور بیان کرنا۔ اور علماء نصاریٰ کا خاموش رہنا یہ ان کے اعتراف اور تسلیم کی روشن دلیل ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر یہ بات سچی تھی تو اُس وقت کے تمام علماء یہود ونصاریٰ کیوں مسلمان نہ ہو گئے۔

جواب

یہ ہے کہ علماء نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے ظہور کی پیشین گوئیاں توریت میں موجود ہیں مگر باوجود ان پیشین گوئیوں کے اور باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے معجزات کے مشاہدہ کر لینے کے بعد پھر بھی علماء یہود حضرت مسیح پر ایمان نہیں لائے بلکہ اُن کے دشمن ہو گئے اور بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض یا بوجہ حسد کے حضرت مسیح کی دعوت کو قبول نہیں کیا بلکہ صاف طور پر علماء یہود یہ کہتے ہیں کہ توریت میں حضرت مسیح کی کوئی بشارت نہیں اور نہ ان کا کوئی ذکر ہے، اسی طرح بہت سے علماء نصاریٰ نے بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض آپ کا پیرو ہونا قبول نہ کیا۔ حالانکہ ان کو یقین تھا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی مسیح بن مریم نے بشارت دی ہے جیسے ہرقل اور مقوقس نے صاف طور پر اس کا اقرار کیا کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی انجیل میں بشارت دی گئی مگر اپنی سلطنت کی خاطر اسلام میں داخل ہوئے اور علماء نصاریٰ میں جو منصف اور حق پرست تھے۔ جیسے نجاشی شاہ حبشہ اور ضغاطر رومی اور ابن الناطور وغیرہم یہ لوگ ایمان لائے اور بہت سے علماء نصاریٰ نے دیدہ ودانستہ علماء یہود کی طرح صاف طور پر یہ کہدیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی توریت وانجیل میں کوئی بشارت نہیں۔ علماء نصاریٰ کی یہ تکذیب ایسی ہے جیسا کہ علماء یہود اور دیگر یہود حضرت مسیح

کی بشارتوں کے منکر اور مکذب ہیں۔ علماء نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ اس بشارت میں فارقلیط کی آمد سے روح القدس کا حواریین پر نازل ہونا مراد ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کے بعد جب حواریین ایک مکان میں جمع تھے تو وہ روح ان پر نازل ہوئی اور اس روح کے نزول سے حواریین تھوڑی دیر کے لئے مختلف زبانیں بولنے لگے۔

نصاریٰ کا یہ خیال۔ سراسر خیالِ خام ہے یہ بشارت کسی مقدس اور برگزیدہ انسان کے حق میں ہے۔ جو خدا کی طرف سے الہام پائے گا اور خدا کی طرف سے اس کو جو القاء ہوگا وہی کہے گا۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ اس بشارت کو روح القدس یعنی جبرئیل امین کے نزول سے کوئی واسطہ نہیں اور کسی فرشتہ سے اس بشارت کا کوئی تعلق نہیں۔ فارقلیط کی آمد سے ایک رسول عظیم کی بعثت مراد ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرے گا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

''ایک پادری صاحب اپنے ایک رسالہ میں جو لفظ فارقلیط کی تحقیق میں انھوں نے لکھا ہے اور ۱۲۶۸ ہجری میں کلکتہ میں چھپا تھا، لکھتے ہیں کہ یہ لفظ فارقلیط یونانی سے معرّب کیا گیا ہے پس اگر اس کی یونانی میں پاراکلی طوس اصل قرار دی جائے تو اس کے معنی معین اور وکیل کے ہیں اور اگر کہیں اصل پیرکلوطوس ہے تو اس کے معنی محمد یا احمد کے قریب ہیں پس جس عالم میں اہل اسلام نے اس بشارت سے استدلال کیا تو وہ اصل پیرکلوطوس سمجھا کیونکہ اس کے معنی محمد یا احمد کے قریب ہیں، پس اس نے دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السّلام نے محمد یا احمد کی خبر دی لیکن اصل پاراکلی طوس ہے فقط ہم کہتے ہیں۔ کہ اصل پیرکلوطوس ہے، یونانی خط میں بہت تشابہ ہے اس کو پاراکلی طوس غلطی سے پڑھ لیا۔''[1]

(نیز دیکھو اظہار الحق ص ۱۵۵ ج ۲)

اور یونانی زبان میں پیرکلوطوس ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سینٹ جروم نے جب انجیل کا ترجمہ لاطینی زبان میں لکھنا شروع کیا تو پیرکلوطوس کی جگہ پاراکلوطوس لکھدیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کتاب سے نقل کیا تھا پیرکلوطوس تھا۔

اور اگر ہم اس تحقیق سے قطع نظر بھی کرلیں تو تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ اس

[1] تفسیر حقانی

بشارت میں اُس آنے والے فارقلیط کے بہت سے اوصاف بیان کیے ہیں جو تمام وکمال سیّدنا ومولانا محمد مصطفیٰ واحمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق اور منطبق ہیں۔

اوّل یہ کہ جب تک میں نہ جاؤں گا وہ نہ آئے گا دوم یہ کہ وہ میری گواہی دے گا۔ سوم یہ کہ وہ گناہ اور راستی اور عدالت سے تقصیروار ٹھیرائے گا۔ چہارم یہ کہ مجھ پر نہ ایمان لانے والوں کو سزا دے گا۔ پنجم وہ سچائی کی راہ بتلاوے گا۔ ششم یہ کہ وہ آئندہ کی خبریں دے گا۔ ہفتم یہ کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو اللہ سے سُنے گا وہی کہے گا۔ ہشتم یہ کہ وہ جہان کا سردار ہوگا۔ نہم یہ کہ وہ میری تمام باتیں تم کو یاد دلائے گا۔ دہم یہ کہ جو امور تم اس وقت برداشت نہیں کر سکتے وہ نبی اس وقت آ کر تم کو بتلائے گا اور جو باتیں غیر مکمل ہیں ان کی تکمیل کرے گا اور یہ تمام باتیں آنحضرت پر صادق آتی ہیں۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسّلام کے جانے پر اس لئے موقوف تھا کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے کہ کسی نبی کا آنا پہلے نبی کے جانے پر جب ہی موقوف ہوسکتا ہے جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو ورنہ اگر وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو اس کے آنے سے پہلے نبی کا جانا شرط ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لئے کہ جب وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو پہلے نبی کی موجودگی میں بھی وہ مبعوث ہوسکتا ہے۔

پہلے نبی کا جانا دوسرے کے آنے کے لئے جب ہی شرط ہوسکتا ہے کہ جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو۔ الحاصل حضرت مسیحؑ نے اس جملہ سے یہ ظاہر فرما دیا کہ وہ فارقلیط اور رُوح حق خاتم الانبیاء ہوگا۔ کما قال تعالیٰ :۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ [1]	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخر النبیین ہیں۔

اور حضرت مسیحؑ خاتم النبیین نہ تھے ورنہ علماء نصاریٰ و یہود حضرت مسیحؑ کے بعد ایک نبی کے کس لئے منتظر تھے اور روح کا آنا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے جانے پر موقوف نہ تھا۔ رُوح کا نزول تو حضرت عیسیٰؑ کی موجودگی میں بھی ہوتا تھا۔

[1] الاحزاب، آیۃ: ۴۰۔

(۲)۔اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی گواہی بھی دی۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا[1]

اور انھوں نے نہ ان کو (عیسیٰ علیہ السّلام کو) قتل کیا اور نہ سُولی دی لیکن اشتباہ میں ڈال دیئے گئے اور جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السّلام کے بارہ میں اختلاف کیا وہ یقیناً شک میں ہیں خود ان کو اس کا یقین نہیں محض گمان کی پیروی ہے۔ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ وہی غالب اور حکیم ہے۔

(۳) اور راستی اور عدالت سے ملزم بھی کیا (۴)۔ اور حضرت مسیح کے نہ ماننے والوں کو پوری پوری سزا بھی دی کسی سے قتال اور جہاد کیا۔ اور کسی کو جلاوطن کیا۔ جیسا کہ یہود خیبر اور یہود بنونضیر اور یہود بنوقینقاع کے واقعات سے ظاہر ہے اور روح نے نہ کسی کو ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی کی سرزنش کی اور سرزنش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فارقلیط ظاہر ہونے کے بعد حکومت کے ساتھ لوگوں کو توبیخ اور سرزنش کرے گا اور ظاہر ہے کہ روح القدس کا ظاہر ہوکر عام لوگوں پر حکومت کرنا کہیں ثابت نہیں اور نہ حواریین کا یہ منصب تھا۔ حواریین نے حکومت کے طور پر کسی کی توبیخ نہیں کی بلکہ واعظانہ طور پر لوگوں کو سمجھاتے تھے جس میں حکومت کا زور نہ تھا۔ غرض یہ کہ کسی طرح بھی روح القدس کو فارقلیط کا مصداق نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اور آیت دہم میں سرزنش کی یہ وجہ بیان فرمانا اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس فارقلیط اور مددگار اور وکیل و شفیع کا ظہور منکرین عیسیٰ علیہ السّلام کے سامنے ہوگا۔ بخلاف رُوح کے کہ اس کا ظہور تو آپ کے نزدیک حواریین پر ہوا کہ جو منکرین عیسیٰ علیہ السّلام نہ تھے اور نہ حواریین نے کسی کو سزا دی وہ خود ہی مسکین اور عاجز تھے کسی منکر کو کیسے سزا دے سکتے تھے (۵) اور آنحضرت نے صدق اور راستی کی وہ راہیں بتائیں کہ جو نہ کسی نے دیکھی اور نہ سنی آپ کی شریعت غراء اور ملّت بیضاء اس کی شاہد ہے۔ (۶) اور آئندہ

[1] النساء، آیۃ: ۱۵۷۔

واقعات کے متعلق آپ نے اتنی خبریں دیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں اور ایسی صحیح خبریں دی جو ہو بہو ظاہر ہوئیں اور ان کا ایک حرف بھی خلاف واقعہ نہ نکلا اور تا قیامت اسی طرح ظاہر ہوتی رہیں گی (۷)۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیٓ اِنْ ھُوَاِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ۔ (۸) اور باایں ہمہ جہان کے سردار اور بادشاہ بھی ہوئے اور جہان اور دنیا کی سرداری سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام عالم کے لئے ہوگی۔ کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی۔ (۹) اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کی صحیح تعلیمات کو محو کر دیا تھا ان کو بھی یاد دلایا جن میں توحید و تثلیث کا مسئلہ بھی ہے اس کو خوب یاد دلایا۔ اور حضرت مسیح کے قتل و صلب کی نفی اور رفع الی السماء کا اثبات فرمایا۔

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَاِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط[۱]

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب ایک ایسے امر کی طرف آؤ کہ ہم میں اور تم میں مسلّم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ جانیں۔

وَقَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰہُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔[۲]

اور فرمایا حضرت مسیح بن مریم نے اے بنی اسرائیل بندگی کرو صرف ایک اللہ کی جو صرف میرا اور تمھارا پروردگار ہے، تحقیق جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ تعالےٰ نے اس پر جنّت کو حرام کیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنّم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

۱۰۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہونے کے بعد وہ باتیں بھی بتلائیں کہ جو حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے زمانے میں اسرائیل کے تحمل سے باہر تھیں یعنی ذات وصفات، شریعت وطریقت، حشر ونشر، جنّت وجہنّم کے متعلق ان علوم ومعاورف کے دریا بہائے کہ جن سے

[۱] آلِ عمران، آیۃ:۶۴۔ [۲] المائدہ، آیۃ:۷۲۔

تمام عالم دنگ ہے اور کسی کتاب میں ان علوم کا نام ونشان نہیں اور جو اُمور غیر تکمیل شدہ تھے آپ کی شریعت کاملہ نے ان سب کی تکمیل بھی کر دی کما قال تعالیٰ:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا طا[1]	آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کردیا اور تمھارے لئے اسلام کو پسند کیا دین بنا کر۔

اور قیامت تک کے لئے دنیا کو ایک ایسا کامل اور مکمل دستور (یعنی شریعت) دے گئے جو اُن کے دین اور دنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہے اور اس کے حقائق ودقائق اور اسرار وحکم کو دیکھکر دنیا حیران ہے۔ قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم شریعت محمدیہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ علماء یہود ونصاریٰ کے پاس کوئی شریعت ہی نہیں جس کو سامنے رکھ کر علمائے امت اور فقہاء ملت کی طرح فتویٰ دے سکیں اس وقت کے نصاریٰ کے پاس شریعت کا کوئی علم نہیں کہ جس کی رو سے وہ فتویٰ دے سکیں، ہاں نصاریٰ کے پاس صنعت وحرفت اور کاریگری کے علوم وفنون ہیں حکمرانی اور جہاں بانی اور عدل عمرانی کے متعلق اُن کے پاس کوئی آسمانی قانون نہیں کہ جس کی رو سے وہ دنیا میں عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرسکیں۔ مغربی اقوام کے پاس جو دستور ہے وہ چند اہلِ فکر کے افکار اور خیالات کا نتیجہ ہے، شریعت اسلامیہ کی طرح آسمان سے نازل شدہ کوئی قانون اُن کے پاس نہیں۔

علماء مسیحیین اس بشارت کو روح القدس کے حق میں قرار دیتے ہیں جس کا نزول حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے رفع السماء کے ۴۷ یوم بعد حواریین پر ہوا۔ لیکن یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) اس لئے کہ روح کا نازل ہونا حضرت مسیحؑ کے جانے پر موقوف نہ تھا بلکہ وہ تو ہر وقت حضرت مسیح کے ساتھ رہتی تھی۔

(۲) اور نہ روح نے کسی کو راستی اور عدالت سے مُلزم ٹھہرایا اور نہ کسی یہودی کو حضرت مسیحؑ پر نہ ایمان لانے کی وجہ سے کبھی سزا دی البتہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین اور کافرین سے جہاد بھی کیا اور یہودیوں کو کافی سزا بھی دی۔ اور ان کو ملزم ٹھہرایا اس لئے کہ اہلِ دنیا کو

---

[1] المائدہ، آیۃ:۳

الزام دینا اور اُن کی سرزنش کرنا بغیر حکومت کے ممکن نہیں معلوم ہوا کہ آنے والا فارقلیط اور دوسرا مددگار دنیا کا حاکم اور بادشاہ ہوگا جو مجرموں کی سرزنش کرے گا اور چودھویں باب کے درس ۳۰ میں جو دنیا کے سردار آنے کا ذکر ہے اس سے یہی دنیا کا حاکم مراد ہے کہ جس کی حکومت اور توبیخ اور سرزنش کا ذکر ہو چکا ہے۔

(۳)۔ نیز حضرت مسیحؑ کا اس پر ایمان لانے کی تاکید فرمانا بالکل بے محل ہے، اس لئے کہ حوارییں پیشتر ہی سے رُوح القدس پر ایمان رکھتے تھے اس کے فرمانے کی کیا حاجت تھی کہ "جب وہ آئے تب تم ایمان لاؤ۔" حضرت مسیحؑ کا اس قدر اہتمام فرمانا اور اس پر ایمان لانے کی وصیت کرنا خود اس کو بتلا رہا ہے کہ وہ آنے والی شئے کچھ ایسی ہوگی جس کا انکار تم سے بعید نہ ہوگا۔

پس اگر فارقلیط سے روح مراد ہوتی تو اس کے لئے چنداں اہتمام اور تاکید کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ جس کے قلب پر روح کا نزول ہوگا۔ اس سے روح کا انکار ہونا بالکل ناممکن ہے۔

روح القدس کا نزول بالبداہت مفید یقین ہے جس طرح روح القدس کے نزول سے بالبداہت پیغمبر کو اپنی نبوت کا یقین آ جاتا ہے۔ پیش آنے والی چیز سے انسان کو ایسا یقین کامل ہو جاتا ہے کہ قوت خیالیہ بھی اس کو دفع نہیں کر سکتی انسان پر جب کوئی حالت طاری ہوتی ہے تو اس کا انکار ممکن نہیں ہوتا۔

(۴)۔ نیز اس بشارت کا سیاق اس بات کو بتلا رہا ہے کہ وہ آنے والا فارقلیط حضرت عیسیٰ سے مغایر ہے۔ جیسا کہ سولھویں آیت کا یہ لفظ دوسرا مددگار بخشے گا۔ صاف مغایرت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علیحدہ صورت میں ظاہر اور نمودار ہوگا۔

پس اگر فارقلیط سے روح القدس مراد لی جائے تو وہ حضرت عیسیٰؑ کے کسی طرح مغائر نہیں کیونکہ نصاریٰ کے نزدیک ابن اور روح القدس میں حقیقی اتحاد ہے اور روح القدس جو حوارییں پر ظاہر ہوگی وہ کسی علیحدہ صورت میں ظاہر نہیں ہوئی جس طرح کسی شخص پر جن مسلّط ہو جاتا ہے سو جن کی باتیں وہی ہوتی ہیں جو اس شخص کے مُنہ سے نکلتی ہیں علیحدہ صورت میں اس کا ظہور نہیں ہوتا۔

(۵)۔ نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ''جو کچھ میں نے تمہیں کہا، یاد دلائے گا۔'' حالانکہ کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حواری حضرت عیسیٰؑ کے ارشادات فراموش کر چکے تھے روح القدس ان کو علیحدہ صورت میں ظاہر ہو کر یاد دلاتے ہوں۔

(۶) نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ ''میرے لئے گواہی دے گا۔'' سو یہ وصف صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آ سکتا ہے کہ آپؐ ہی نے آ کر مشرکین اور یہود کے سامنے حضرت مسیحؑ کی گواہی دی اور ان لوگوں کے سامنے کہ جو حضرت مسیحؑ سے منکر یا بے خبر تھے، آپؐ ہی نے حضرت مسیحؑ کی رسالت کا اعلان کیا۔

بخلاف روح القدس کے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریین پر نازل ہوئی اور حواریین پہلے ہی سے حضرت مسیحؑ کو رسول جانتے تھے۔ اُن کے سامنے گواہی دینے کی کوئی حاجت نہ تھی۔

گواہی کی ضرورت تو منکرین کے سامنے تھی نہ کہ مؤمنین کے سامنے بخلاف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے سامنے جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے منکر اور دشمن تھے علی الاعلان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوّت و رسالت کی گواہی دی اور ان کے دعوائے قتل و صلب کی تردید کی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا۔

(۷) نیز حضرت مسیحؑ اس فارقلیط کی نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''مجھ میں اُس کی کوئی چیز نہیں'' سو یہ جملہ آنحضرت ہی پر صادق آ سکتا ہے کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں روح القدس اور مسیح تو ایک ہی چیز ہیں۔

(۸) نیز یہ بھی قابلِ غور ہے اس روح نے کونسی آئندہ کی خبریں بتلائیں کہ جس سے اس روح کو اس بشارت کا مصداق کہا جائے۔

(۹) نیز اس بشارت کا تمام سیاق وسباق دلالت کرتا ہے کہ آنے والا دوسرا فارقلیط اور دوسرا امدادگار لباس بشری اور پیکر انسانی میں ظہور کرے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرح لباس بشری میں دعوت حق اور لوگوں کو تسلّی کے لئے آوے گا پس فارقلیط کا مصداق اُس روح کو سمجھنا کہ جو آدمیوں پر جن کی طرح نازل ہو اور حلول کرے بالکل غلط ہے۔

(۱۰)۔ نیز حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کے بعد سے عامۂ نصاریٰ فارقلیط کے منتظر رہے اور یہ سمجھتے تھے کہ کوئی عظیم الشان نبی مبعوث ہوگا۔ چنانچہ منتس عیسائی نے دوسری

صدی عیسوی میں یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی فارقلیط ہوں کہ جس کی حضرت مسیح نے خبر دی ہے۔ بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئے جس کا مفصل تذکرہ ولیم میور مسیحی نے اپنی تاریخ کے تیسرے باب میں لکھا ہے اور یہ کتاب ۱۸۴۸ء میں طبع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ علماء یہود اور نصاریٰ سمجھتے تھے کہ فارقلیط سے کوئی انسان مراد ہے نہ کہ روح القدس۔

اور اب التواریخ کا مصنف جو کہ ایک مسیحی عالم ہے لکھتا ہے کہ محمد ﷺ کے قبل یہود ونصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے اور اسی وجہ سے نجاشی حبشہ جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا حال سن کر ایمان لایا اور کہا کہ بلاشک یہی وہ نبی ہیں کہ جن کی حضرت مسیح نے انجیل میں خبر دی ہے حالانکہ نجاشی انجیل کا عالم ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھا۔ کسی قسم کا اس کو خوف وخطر بھی نہ تھا۔

اور مقوقس شاہ قبط نے آنحضرت ﷺ کے والا نامہ کے جواب میں یہ لکھا:۔

سَلَام عَلَيك اما بعد فقد قرأت كِتَابكَ وفهمتُ ماذكرت فِيهِ وَما تدعوا اليه وقد علمت ان نبيا قدبقي وقد كُنتُ اَظُنُّ انه يخرج بالشام وقداكرمت رسولك۔	سلام ہو آپ پر۔ امابعد میں نے آپ کے والا نامہ کو پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں ذکر فرمایا ہے اور جس کی طرف دعوت دی ہے اس کو سمجھا مجھکو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ اب صرف ایک نبی باقی رہ گیا ہے میرا گمان یہ تھا کہ وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا اور میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا۔

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا مگر اتنا اقرار ضرور کیا کہ ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے۔

اور جارود بن علاء جو اپنی قوم میں بہت بڑے عالم تھے جب اپنی قوم کے ساتھ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو یہ کہا:۔

واللّٰه لقد جئت بالحق ونطقت بالصدق فقدوجدتُ وصفك في الانجيل وبشربك ابن البتول نطول	خدا کی قسم آپ حق لے کر آئے ہیں اور آپ نے سچ فرمایا البتہ تحقیق میں نے آپ کی صفت انجیل میں پائی ہے اور مسیح بن مریم نے آپ کی بشارت دی ہے۔

التحیة لك والشکر لمن اکرمك لا اثر بعد عین ولا شك بعد یقین هات یدك اشهد ان لا اله الا الله وانك مُحَمَّدٌ و رسول الله

آپ کے لئے طویل وعریض تحیۂ تکریم پیش کرتا ہوں اور شکر ہے اس کے لئے جو آپ کا اکرام کرے ذات کے بعد نشان کی اور یقین کے بعد شک کی ضرورت نہیں اپنا دستِ مبارک بڑھایئے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً آپ محمد رسول اللہ ہیں۔

اور علیٰ ہذا ہرقل شاہِ روم اور دوسرے ذی شوکت علماء توراۃ وانجیل نے آپ ﷺ کی نبوّت ورسالت کا اقرار کیا پس ثابت ہوا کہ آں حضرت ﷺ کی بشارت اور آپ کا نام انجیل میں لکھا ہوا تھا۔ جس کو دیکھ کر لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی آمد سے پہلے وہ آپ ﷺ کے منتظر تھے جن کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی اور کسی دنیوی طمع نے ان کو نہ گھیرا وہ اس دولت سے متمتع ہوئے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۞ط
وَالْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ ۞

(۱۱) اور سولھویں آیت کا یہ جملہ کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے گا۔'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فارقلیط خود بذاتہٖ ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے گا اس لئے کہ فارقلیط بمعنی روح جس کے نصاریٰ قائل ہیں وہ بھی ہمیشہ اُن کے ساتھ نہ رہا۔

بلکہ مراد یہ ہے کہ اُس کی شریعت اور دین ابد تک رہے گا اور اس کے بعد کوئی دین نہ آئے گا جو اس کے لئے ناسخ ہو۔

(۱۲) ۔اور باب چہاردہم کی سترھویں آیت کا یہ جملہ یعنی سچائی کی روح جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے اور نا جانتی ہے۔ آھ

اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیا اس کے مرتبہ کو نہیں جانتی۔ وہ تمام کائنات میں سب سے بہتر اور برتر ہوگا۔

نصاریٰ کے چند شبہات واوہام اور اُن کا ازالہ

شبہۂ اوّل

رُوح الحق اور رُوح القدس سے اقنوم ثالث مراد ہے۔ لہٰذا روح القدس اور رُوح الحق سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

جواب: عہد قدیم اور عہد جدید میں رُوح کا لفظ اقنوم ثالث کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ صالح اور طالح، ہادی اور مضل کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔

چنانچہ یوحنّا کے پہلے خط کے باب چہارم میں ہے:۔

(۱)۔ اے عزیزو! ہر ایک رُوح کا یقین نہ کرو بلکہ رُوح کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں۔

(۲) خدا کی رُوح کو تم اس طرح پہچان سکتے ہو کہ جو کوئی رُوح اقرار کرے کہ یسوع مسیح مجسّم ہو کر آیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے (۱۳)۔ اور جو کوئی رُوح یسوع کا اقرار نہ کرے وہ خدا کی طرف سے نہیں۔

اور آیت ششم میں ہے "اسی سے ہم حق کی رُوح اور گمراہی کی روح کو پہچان لیتے ہیں۔" آھ

اس مقام پر رُوح سے واعظِ صادق اور واعظ مضل مراد ہے۔ اقنوم ثالث کسی کے نزدیک مراد نہیں۔

شبہۂ ثانیہ

اس بشارت میں خطاب حواریین کو ہے لہٰذا رُوح کا نزول وظہور حواریین کی موجودگی اور حیات میں ہونا چاہیے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور حواریین کے صدہا سال کے بعد ہوا ہے۔

جواب: حواریین کو خطاب اس لئے کیا گیا کہ اس وقت وہی حاضر تھے باقی وہ مقصود بالخطاب نہیں، چنانچہ انجیل متی کے چھبیسویں باب آیت ۶۴ میں ہے:۔ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابنِ آدم کو آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔ آھ

اب ان مخاطبین کو مرے ہوئے ۱۹ سو سال ہو گئے اور مخاطبین میں سے کسی نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان سے آتے نہیں دیکھا۔
پس جس طرح اس مقام پر مقصود بالخطاب وہ لوگ ہیں کہ جو نزول من السماء کے وقت موجود ہوں گے۔
اسی طرح اس بشارت میں وہ لوگ مقصود بالخطاب ہیں کہ جو روح حق اور فارقلیط کے ظہور کے وقت موجود ہوں گے۔

شبہۂ ثالثہ

انجیل یوحنا کے باب چہار دہم آیت تیسویں میں جو سردار کا لفظ آیا ہے اس پر بعض شدید التعصب نصاریٰ مضحکہ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سردار سے اس جگہ شیطان مراد ہے۔
جواب: سردار سے شیطان مراد لینا سراسر جہالت ہے اور محض تعصب اور حسد پر مبنی ہے اس لئے کہ سردار عالم بول کر شیطان مراد لینا نہ کسی لغت سے ثابت ہے اور نہ کسی عرف سے اور سراسر سیاق وسباق کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے کہ از اوّل تا آخر روح حق یعنی فارقلیط کا اور اس کے اوصاف کا تذکرہ ہے۔ جس وقت اس فارقلیط کا ظہور ہو اس وقت اس پر ایمان لانے کی تاکید اکید ہے اور پھر اس کی علت بایں الفاظ ذکر فرمانا:۔

"کیوں کے دنیا کا سردار آتا ہے۔"

یہ جب صحیح ہوسکتا ہے کہ سردارِ جہاں سے سیّد العالمین اور سردار انبیاء والمرسلین مراد ہوں۔ ورنہ معاذ اللہ اگر اس مقام پر سردار سے شیطان۔ مراد ہو تو شیطان کا آنا امور متذکرۂ بالا کی علت کیسے ہوسکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ دنیا کے سردار سے وہی فارقلیط اور رُوحِ حق مراد ہے کہ جس کے ہاتھوں سے گناہ اور جرم پر دنیا میں شاہانہ اور حاکمانہ سزائیں دی جائیں گی۔
اور انجیل یوحنا کے سولھویں باب درس ۱۱ میں جو یہ آیا ہے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا یہ قطعاً غلط ہے اور بلاشبہ تحریف ہے جو سیاق وسباق کے بالکل خلاف ہے ایک طرف تو فارقلیط کی صفات فاضلہ کا بیان ہو اور ایک طرف اس سے شیطان مراد ہو، کیا یہ صریح نادانی اور وسوسۂ شیطانی نہیں دوم یہ کہ حضرت مسیح کا یہ فرمانا کہ وہ سردار جہان آنے والا ہے اس امر کی صریح

دلیل ہے کہ وہ شخص ابھی تک دنیا میں نہیں آیا اور شیطان باتفاق یہود و نصاریٰ واہلِ اسلام ابتداء آفرینش افراد بشری سے دنیا میں موجود ہے اور لوگوں میں مختلط ہے شیطان مردود لوگوں کے ساتھ ہے۔

وہ شیطان کہاں چلا گیا تھا کہ جس کی نسبت یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ اب آتا ہے کیا وہ پہلے سے موجود نہ تھا؟

سوم یہ کہ سردار کا اطلاق انجیل متی کے باب دوم کی آیت ششم میں حضرت مسیح بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر کیا گیا۔

عبارتِ انجیل حسب ذیل ہے:۔

''اے بیتِ لحم یہوداہ کے علاقے تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں۔ کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری اُمّت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔'' آھ

اس عبارت میں سردار سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام مراد ہیں جیسا کہ آیت ہفتم سے آیتِ دوازدہم تک پڑھنے سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے بلکہ کُتب سماویہ میں سردار اور حاکم کا اطلاق حق تعالےٰ پر بھی آیا ہے معلوم ہوا کہ سردار سے شیطان مراد لینا بالکل غلط ہے۔

بشارت بست و دوم از انجیل متی باب ۱۳۔ آیت ۳۱

اُس نے ایک اور تمثیل اُن کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانہ کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ ۳۲۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔'' انتہیٰ

آسمانی بادشاہت سے شریعتِ اسلامیہ مراد ہے کہ جو ابتداء میں رائی کے دانے کے برابر تھی لیکن چند ہی روز میں اس قدر بڑھی کہ شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک پہنچ گئی۔

اور قرآن کریم کی اس آیتِ شریفہ میں اسی بشارت کی طرف اشارہ ہے:۔

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط [1]

اور انکی صفت انجیل میں ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنا پٹھا زمین سے نکالا پس اس کو قوی کیا تو وہ موٹا ہو گیا اور اپنی نال پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اپنی روزا فزوں ترقی سے کسانوں کو خوش کرنے لگا۔ اللہ نے مسلمانوں کو ایسی ترقی اس لئے دی کہ کافروں کو اس وجہ سے غصّہ میں لائے۔

اور عجب نہیں کہ اس مناسبت سے کلمۂ طیبہ کو شجرۂ طیبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو۔ کما قال

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ [2]

اے نبی کریم آپ نے کیا دیکھا نہیں کہ اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کلمۂ طیبہ مثل ایک پاکیزہ درخت کے ہے کہ جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہیں ہر وقت اپنے میوے اللہ کے حکم سے دیتا رہتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتے رہتے ہیں کیا عجیب ہے کہ نصیحت قبول کریں۔

بشارت بست وسوم از انجیل متی، باب بستم، آیت اوّل

آسمان کی بادشاہت اس گھر کے مالک کے مانند ہے جو سویرے نکلا تا کہ اپنے انگوری باغ میں مزدور لگائے۔ ۲۔ اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھہرا کر انھیں باغ میں بھیج دیا۔ پھر وہ دن چڑھنے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا اور اُن سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ جو واجب ہے تمھیں دوں گا۔ پس وہ چلے گئے۔ پھر

[1] الفتح، آیۃ: ۲۹
[2] ابراہیم، آیۃ: ۲۴-۲۵

اس نے دو پہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر ویسا ہی کیا اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا اور اُن سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے۔ انھوں نے اس سے کہا اس لئے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا۔ اُسنے اُن سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ۔ جب شام ہوئی تو باغ کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ مزدوروں کو بُلا اور پچھلوں سے لے کر پہلوں تک انھیں مزدوری دے دے اور جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے تو انھیں ایک دینار ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تو نے انھیں ہمارے برابر کر دیا جنھوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی اس نے جواب دے کر ان میں سے ایک سے کہا میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔ کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھہرا تھا جو تیرا ہے اٹھا لے چلا جا۔ میری مرضی رہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اُس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں۔ کیا مجھے روا نہیں کہ اَپنے مال کو جو چاہوں سو کروں یا تو اس لئے کہ میں نیک ہوں بُری نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی طرح آخر اوّل ہو جائیں گے اور اوّل آخر۔ انتہیٰ۔

گھر کے مالک سے ربُّ العزّت مراد ہیں اور انگور کے باغ سے دینِ الٰہی مراد ہے اور مزدوروں سے اُمتیں مراد ہیں۔ اور مزدوروں کی وہ جماعت کہ جس نے سب سے آخر میں ایک گھنٹہ کام کیا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت ہے جو سب سے اخیر میں تھی اور سب سے اوّل ہوگئی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:۔

عَنْ ابنِ شهاب عن سالم بن عبدالله عن ابيه انه اخبره انه سمع رسول الله صلے الله عليه وسلم يقول انما بقاء كم فيما سلف قبلكم من الامم كما بين صلوة العصر الي غروب الشمس اوتي اهل	ابن شہاب نے سالم سے اور سالم نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ تمھارا دنیا میں رہنا بمقابلۂ امم گزشتہ ایسا ہے جیسا نماز عصر سے غروب شمس تک تورات والوں کو تورات دی گئی کام کرنا شروع کیا۔ جب

التوراة التوراة فعملوا حتى اذا انتصف النهار عجزوا فاعطوا قيراطاً قيراطاً ثم اوتي اهل الانجيل الانجيل فعملوا الى صلوٰة العصر ثم عجزوا فاعطوا قيراطاً قيراطاً ثم اوتينا القرآن فعملنا الى غروب الشمس فاعطينا قيراطين قيراطين فقال اهل الكتابين اى ربّنا اعطيت هؤلاء قيراطين قيراطين واعطيتنا قيراطاً قيراطاً ونحن اكثر عملاً قال اللّٰه عزوجل هل ظلمتكم من اجركم من شئ قالوا لا قال فهو فضلي اوتيه من اشآء

(صحیح بخاری باب المواقیت ص۷۹ ج۲)

دوپہر ہوئی تو تھک گئے کام پورا نہ کرسکے۔ ایک ایک قیراط اُن کو دیا گیا۔ پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی۔ نماز عصر تک کام کیا۔ پھر تھک گئے۔ ان کو بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ پھر ہم کو قرآن کریم دیا گیا۔ ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا۔ ہم کو دو دو قیراط دیئے گئے تو توریت اور انجیل والوں نے یہ کہا کہ اے پروردگار آپ نے اُن کو دو دو قیراط دیئے اور ہم کو ایک ایک حالانکہ ہمارا عمل زیادہ ہے۔ اللہ عزّ وجل نے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تمہاری اُجرت میں کچھ کمی ہے؟ کہا نہیں۔ پس فرمایا ربُّ العزّت نے یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دوں۔

اور انجیل متی کی سولھویں آیت کا یہ جملہ کہ ''اسی طرح آخر اوّل ہو جائیں اور اوّل آخر'' بعینہٖ صحیح بخاری کی اس حدیث کے مطابق ہے:۔

حدثنا ابو هريرة رضى اللّٰه تعالىٰ عنه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال نحن الأخرون السابقون

(بخاری شریف ص۱۰۴۲ ج۲)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ نحن الأخرون السابقون

یعنی زمانہ کے لحاظ سے ہم سب سے اخیر میں ہیں۔ مگر دخول جنّت میں حق تعالےٰ شانہٗ کے فضل سے سب سے مقدم ہیں۔

بشارت بست و چہارم و بست و پنجم از انجیل برناباس

نقل القسيس سيل في مقدمة ترجمة للقرآن العظيم من انجيل برناباس وطبعت ۱۸۵۴ء وانتشرت ثمّ طبعوا الكتاب مرة ثانية فاخرجوها وحذفوها وهي مانصها اعلم يابرنابا ان الذنب وان كان صغيراً يجزى الله عليه انّ الله تعالى غيرراضي عن الذنب ولمّا اجتنى أمتي وتلا ميذي لاجل الدُّنيا سخط الله لاجل هذا الامر واراد باقتضاء عدله انّ يجزيهم في هذا العالم على هذه العقيده الغير اللائقة ليحصل لهم النجاة من عذاب جهنّم ولا يكون لهم اذيّة هناك وانّي وان كنت بريئًا لكن بعض الناس لما قالوا في حقّي اِنّه الله وابن الله كره الله هذا القول واقتضت مشيته بان لا تضحك الشّياطين يوم القيمة على

پادری سیل نے اپنے ترجمہ قرآن عظیم کے مقدمہ میں انجیل برناباس سے نقل کیا اور یہ انجیل ۱۸۵۴ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔ لیکن دوسری طباعت میں اس بشارت کو حذف کر دیا اور وہ بشارت جس کو پادری سیل نے نقل کیا ہے یہ ہے اے برنابا گناہ اگرچہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی جزاء دیتے ہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ گناہ سے راضی نہیں میری اُمت اور میرے شاگردوں نے جب دنیا کے لئے گناہ کیا تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوئے اور باقتضاء عدل و انصاف یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو اسی دنیا میں اسی غیر مناسب عقیدے کی بنا پر سزا دے تاکہ عذاب جہنم سے نجات پائیں اور وہاں ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور میں اگرچہ اس عقیدۂ فاسدہ سے بالکل بری ہوں لیکن چونکہ بعض لوگوں نے مجھ کو اللہ اور ابن اللہ کہا تو اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا ناگوار ہوا۔ اور اس کی مشیت اس کی مقتضی ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین مجھ پر نہ ہنسیں اور نہ میرا مذاق اڑائیں پس اللہ نے اپنی مہربانی اور رحمت سے یہ پسند کیا کہ

ولا یستھزؤُنَ بی فاستحسن بمقتضی لطفہٖ ورحمة ان یکون الضحك والاستھزاء فی الدنیا بسبب یھوداہ ویظن کل شخص انی صلبت لکن ھذہ الاھانة والاستھزاء یبقیانِ الیٰ ان یجیئ مُحَمّدٌ رَّسولُ اللّٰہِ فاِذا جآء فی الدنیا ینبّہ کل مؤمن علی ھذا الغلط وترتفع ھذہ الشبھة من قلوب الناس انتھت ترجمة بحروفھا

قال فی اظھارالحق فان اعترضوا ان ھذا الانجیل ردہ مجالس علمآء ھم فنقول لااعتبار لردھم وھذا من الاناجیل القدیمة ویُوجَدُذکرہ فی کتب القرن الثانی والثالث فعلی ھذا قبل ظھور نبیّنا صلی اللّٰہُ علیہ وسلم بمائتی سنة وَلایقدراحدان یخبربمثل ھذا الامر من غیرالھام کما لا یخفی علی ذوالافھام قال وَالبشارة الثانیة قال الفاضل

یہودا کی وجہ سے یہ ہنسی دنیا ہی میں ہو اور ہر شخص یہ گمان کرتا رہا ہے کہ میں سُولی دے دیا گیا۔ لیکن یہ اہانت واستہزاء فقط محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے آنے تک رہے گا۔ پس جب آپ دنیا میں تشریف لائیں گے تو ہر مومن کو اس غلطی پر متنبہ فرمائیں گے اور یہ شُبہ لوگوں کے دلوں سے مرتفع ہو جائے گا ترجمہ بلفظہا ختم ہوا۔

اظہار الحق میں ہے کہ اگر یہ لوگ اعتراض کریں کہ اس انجیل کو علماء نصاریٰ نے رد کیا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس رد کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے۔ اس کا تذکرہ دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ہے۔ پس اس بناء پر کہ یہ انجیل نبی اکرم ﷺ کے ظہور سے دوسو سال قبل لکھی گئی ہے۔ اوراس جیسے عظیم الشان امر کی بدون الہام کے خبر دینا اہل فہم کے نزدیک ناممکن ہے دوسری بشارت فاضل حیدرعلی قرشی اپنی کتاب خلاصۃ سیف المسلمین جو اُردو زبان

الحیدرعلی القرشی فی کتابه المسمّی خلاصة سیف المسلمین الذی هو فی لسان الاردوای الهندی فی صحیفة الثالثة والسّتین ان القسیس اوسکان الارمنی ترجم کتاب اشعیاعلیه السّلام باللسان الارمنی فی ۱۶۶۶ء وفیه فی الباب الثانی و الاربعین هذا الفقرة ونصّها وسبحوالله تسبیحًا جدیدًا واثرسلطنة علی اظهره وَاسمه احمد انتهت وهذه الترجمة موجودة عندالارامن فانظروافیها۔ انتهی کلامه کذافی الجواب الفسیح لما لفقه عبد المسیح ص ۹۷ ج ا

میں ہے کہ پادری اوسکان ارمنی نے صحیفۂ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارمنی زبان میں ۱۶۶۶ء میں ترجمہ کیا جو ۱۷۳۳ء میں طبع ہوا۔ اس میں صحیفۂ یسعیاہ علیہ السلام کے بیالیسویں باب میں یہ فقرہ موجود ہے "اللہ کی تسبیح پڑھو" اور اس آنے والے پیغمبر کی سلطنت کا نشان اُس کی پُشت پر ہوگا (یعنی مہر نبوّت) اور اس کا نام احمد ہوگا۔ انتہیٰ۔ اور یہ ترجمہ ارمینیوں کے پاس موجود ہے۔ اس میں دیکھ لیا جائے۔ انتہیٰ کلامہ از جواب فسیح ص ۹۷

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَنۢبَآءُ الْغَيْبِ[1] یعنی آئندہ واقعات کے متعلق قرآن اور حدیث کی پیشین گوئیاں

قال تعالیٰ تِلْكَ مِنْ اَنۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ (سورۂ ھود)

---

[1] دیکھو زرقانی ص ۲۰۴ ج ۷

(ترجمہ) یہ نوح علیہ السّلام کا قصہ آپ کے حق میں منجملہ اخبار غیب کے ہے بذریعہ وحی کے ہم نے آپ کو اُس سے آگاہ کیا۔ اور نزول وحی سے پہلے نہ آپ کو اس قصہ کا علم تھا اور نہ آپ کی قوم کو اس کا علم تھا صرف وحی کے ذریعہ آپ کو اس کا علم ہوا سو آپ نوح علیہ السّلام کی طرح کافروں کے مقابلہ میں صبر کیجئے۔ یقیناً اچھا انجام خدا سے ڈرنے والوں کا ہے۔

جیسا کہ نوح علیہ السّلام کے کافروں نے کچھ عرصہ تک شور وغوغا برپا رکھا بالآخر غرق ہوئے اور نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کامیاب ہوئے۔ منجملہ دلائل نبوّت وبراہین رسالت کے قرآن اور حدیث کا بہت سی پیشین گوئیوں پر مشتمل ہونا ہے کہ قبل از وقوع بہت سے آئندہ امور کی خبریں دی گئیں کہ جن میں عقل اور قیاس اور تخمینہ اور وہم وگمان کا ذرّہ برابر بھی امکان نہیں اور پھر وہ اُمور اُسی خبر کے مطابق واقع اور ظاہر ہوئے مثلاً آپؐ نے جنگ بدر میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی یہ خبر دی کہ کل آیندہ کو فلاں شخص فلاں مقام پر اور فلاں شخص فلاں جگہ پر مارا جائے گا اور متعدد اشخاص کے متعلق ایسا ہی ارشاد فرمایا اور ہر ایک کی جائے قتل پر چھڑی سے نشان بھی لگا دیا اور پھر اگلے دن ایسا ہی ہوا اور سب نے آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ہر شخص اپنی نشان زدہ جگہ پر مقتول پڑا ہوا ہے۔

اور آپ نے یمن اور شام اور عراق کی فتح کی خبر دی جس ترتیب سے آپ نے خبر دی تھی اسی ترتیب سے مقاماتِ مذکورہ فتح ہوئے۔ اس سے لوگوں کو آپ کی راستبازی کا یقین ہوا اور راست باز کی علامت اور نشانی ہی راست بازی ہے اور جب بار بار کے تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ نے جو غیب کی خبریں دی تھیں وہ آپ کے بیان کے مطابق نکلیں تو آپ کو صادق اور راستباز ماننے پر مجبور ہو گئے اور سمجھ گئے کہ دوسری خبریں بھی اسی طرح صحیح اور درست ہوں گی اس لئے کہ کسی برگزیدہ بندہ کی زبان سے ایسی خبروں اور پیشین گوئیوں کا صدور اور ظہور جس سے علم بشری اور ادراک انسانی عاجز اور قاصر ہو یہ اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ اس شخص کا خداوند علاّم الغیوب سے کوئی خاص تعلّق ہے۔ اس لئے کہ بدون خداوند علاّم الغیوب کے اطلاع دیے کوئی بشر ایسی پیشین گوئی نہیں کر سکتا کسی شخص کا بلا کسی قرینہ اور بلا کسی تخمینہ کے یہ خبر دینا کہ فلاں وقت میں ایسا ہوگا اور پھر ویسا ہی ہوا بدون وحی ربّانی اور اطلاع غیبی ناممکن اور محال ہے، لہٰذا ایسے صادق اور راستباز پر ایمان لانا ضروری ہے، جس

طرح بادشاہ کبھی کبھی اپنے وزیر اور سفیر کو اپنے خاص خاص رازوں پر مطلع کرتا ہے اور جب وہ وزیر اور سفیر کسی وقت عند الضرورت اور حسب مصلحت لوگوں کو ان رازوں پر بطور تنبیہ اور تہدید آگاہ کرتا ہے تو اہلِ فہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شخص بادشاہ کا مخصوص اور مقرب ہے۔

اسی طرح خداوند علام الغیوب کبھی کبھی اپنے رسولوں کو بذریعہ وحی کے بعض غیبی امور کی اطلاع دیتے ہیں تا کہ لوگ سمجھ جائیں کہ اس شخص کا عالم غیب سے خاص تعلق ہے اور یہ شخص خداوند علّام الغیوب کا مقبولِ خاص اور برگزیدۂ با اختصاص ہے جس کو حق تعالیٰ نے رموز سے آگاہ فرمایا ہے اسلئے کہ حضرات انبیاء و مرسلین جن باتوں کی خبر دیتے ہیں وہ عقل اور تجربہ اور قیاس اور تخمینہ سے کہیں بالاتر ہوتی ہیں ان کو سن کر لوگ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ باتیں صرف علام الغیوب ہی کے بتلانے سے معلوم ہو سکتی ہیں یہی وجہ ہے کہ منافقین ڈرتے رہتے تھے کہ ہمارے دلی عزائم ظاہر نہ کر دیئے جائیں اور ہم برملا رسوا ہوں۔ کما قال تعالیٰ۔ یَحْذَرُ الْمُنَافِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ[1]

عوام الناس کی فطرت اس بات کی مقتضی ہے کہ کوئی ان کا ہادی اور رہنما ہو اور ہدایت اور حقانیت کی باتیں ان کو بتلائے اور عام لوگ ہدایت اور حقانیت کی باتوں کو اسی وقت مان سکتے ہیں کہ جب ہادی اور داعی الی الحق کی راستبازی ان پر منکشف ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کی صداقت اور راستبازی ظاہر کرنے کے لئے بذریعہ وحی والہام ان کو غیب کی خبروں سے مطلع کرتا ہے کہ تا کہ اس خبر کی تصدیق سے ان پر انبیاء کی صداقت ظاہر ہو اس لئے کہ ایسے سوانح اور واقعات کہ جو وہم و گمان اور تجربہ سے کہیں بالا اور برتر ہوں۔ وقوع اور ظہور سے پہلے اُن کی خبر اور اطلاع دے دینا یہ بغیر تائید صمدی اور مدد غیبی ناممکن ہے۔

محمّدی پیشین گوئیوں کا امتیاز

انبیاء سابقین نے بھی پیشین گوئیاں کی ہیں لیکن محمّد رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیوں کو جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں بہت مجمل اور مبہم تھیں جو محض اشارات اور کنایات کے درجہ میں تھیں اور محتاج تاویل تھیں اور آنحضرت ﷺ کی

[1] التوبہ، آیۃ: ۶۴

پیشین گوئیاں واضح اور ظاہر ہیں اور تاویل اور شک سے بہت دُور ہیں۔ مثلاً غلبۂ روم اور خلافتِ راشدہ اور فتح یمن اور فتح شام اور فتح عراق اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر قبضہ کی تمام پیشین گوئیاں صریح اور واضح ہیں جن میں تاویل کی حاجت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ ایسی عظیم الشان ہیں جن کو دیکھکر اور سُن کر عالم دنگ اور حیران ہے اور زبانِ زد خلائق ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آنے والے واقعات یا پیش آنے والے فتنوں کے متعلق خبریں دیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ اوّل ہم قرآن کریم کی پیشین گوئیوں کا اور اس کے بعد ان پیشین گوئیوں کا ذکر کریں گے جو احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔

(۱) حفاظت قرآن کی پیشین گوئی [۱]

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (الحجر،۹)	تحقیق ہم نے اس نصیحت (یعنی قرآن) کو اتارا ہے اور البتہ تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔

کسی کی کیا مجال ہے کہ قرآن کریم میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی یا تحریف اور تبدیل کر سکے۔ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا چودھویں صدی آ گئی مگر بحمدہ تعالیٰ قرآن بلا کمی بیشی ایک حرف کے اسی طرح چلا آ رہا ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور سر ولیم میور ہی نہیں بلکہ ساری دنیا اس معجزہ کی قائل ہے۔ بہت سے دشمنان اسلام نے اس کی کوشش کی کہ قرآن کو مشکوک بنا دیں مگر بحمدہ تعالیٰ ایک کلمہ کی تغییر اور تبدیل پر بھی قدرت نہ ہوئی، خدا تعالےٰ نے جو حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا وہ بلاشبہ سچّا ہے، بخلاف توریت اور انجیل کے کہ خود یہود و نصاریٰ اس میں ہر قسم کی تحریف کے مقر اور معترف ہیں۔

(۲) اعجاز قرآن کی پیشین گوئی

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل۔۸۸)

---

[۱] ازالۃ الشکوک۔ مؤلفہ: مولانا رحمت اللہ کیرانوی: ج:۱، ص:۱۰۱

اے نبی کریم آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب جمع ہو کر قرآن کا مثل لانا چاہیں تو قرآن کا مثل نہیں لاسکیں گے اگر چہ ایک دوسرے کے معین اور مددگار ہو جائیں [۱]

(۳) حفاظت نبوی کی پیشین گوئی

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ⁝ اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

ابتداء بعثت میں آپ تن تنہا بے یار و مددگار تھے اور سارا عرب بلکہ سارا عالم آپ کا دشمن تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا کہ آپ گھبرایئے نہیں اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے۔ دشمن آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سوالحمدللہ۔ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا اور مختلف اوقات میں اللہ نے آپ کو دشمنوں سے بچایا۔ چنانچہ ہجرت کے وقت جب کفار آپ کے قتل کا پورا قصد کر چکے تھے تو آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر لٹایا اور سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر کافروں پر ایک مُشت خاک ڈالی اور ان کے سامنے سے نکل کر ابوبکر کے گھر گئے۔ اور ان کو ساتھ لے کر غار ثور تشریف لے گئے جس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْيَقْتُلُوْكَ اَوْيُخْرِجُوْكَ

(۴) غلبۂ اسلام کی پیشین گوئی

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (الفتح، ۲۸)

وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر تا کہ غالب کرے اس دین حق کو یعنی دین اسلام کو تمام دینوں پر اگر چہ کافروں کو ناگوار گزرے۔

بحمدہ تعالیٰ حق تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا اور اسلام، یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیت اور بُت پرستی اور دہریت سب مذاہب باطلہ پر غالب آ گیا اور کسی مذہب میں یہ طاقت نہ ہوئی کہ دلائل اور براہین سے اسلام کا مقابلہ کر سکے [۲]

---

[۱] ازالۃ الشکوک: ج،۱، ص:۱۰۸ [۲] ازالۃ الشکوک۔ ج:۱ص:۸۸۔۹

(۵) غلبۂ روم کی پیشین گوئی

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰہِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (الروم،۱۔۶)

مغلوب ہوگئے روم کے لوگ یعنی نصارائے روم عرب کے قریبی زمین میں اور وہ اس مغلوبی کے بعد عنقریب چند سال میں غالب ہوں گے اللہ ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی یعنی جس طرح یہ مغلوبیت اس کے ارادہ سے ظہور میں آئی ہے اسی طرح اس کے ارادہ سے غلبہ بھی ظہور میں آجائے گا اور اُس دن (یعنی جس دن رومی پارسیوں پر غالب ہوں گے) تو اس وقت مسلمان خوش ہوں گے کہ اللہ کی مدد سے اہلِ کتاب اہلِ شرک پر غالب آئے اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ مسلمانوں کو خوش کرنے کیلئے چندروز بعد روم کو فارس پر غلبہ عطا کرے گا اللہ اپنے وعدہ میں خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ان آیتوں میں ایک زبردست پیشین گوئی کا ذکر ہے۔ یہ آیتیں ہجرت مدینہ سے پہلے مکّہ مکرمہ میں نازل ہوئیں، واقعہ یہ ہوا کہ رومیوں اور ایرانیوں میں لڑائی ہوئی۔ ایرانی رومیوں پر غالب آگئے۔ مشرکین مکّہ بہت خوش ہوئے اور ازراہِ طعن مسلمانوں سے یہ کہا کہ ایرانی جو ہماری طرح مشرک ہیں وہ اہلِ کتاب پر غالب آگئے یہ ہمارے لئے شگون نیک ہے ایک دن ہم بھی مسلمانوں پر جو اہلِ کتاب ہیں اسی طرح غالب ہوں گے۔ مسلمان رنجیدہ ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتاریں جن میں یہ پیشین گوئی کردی گئی کہ رومی اگرچہ اس وقت مغلوب ہوگئے ہیں مگر دس برس کے اندر اندر پھر رومی فارس پر غلبہ پائیں گے، یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔[1]

چنانچہ سات برس پورے نہیں گزرے کہ قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور رومی ایرانیوں پر غالب آگئے اور صلح حدیبیہ کے زمانے میں اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا۔

[1] ازالۃ الشکوک، ج:۱،ص:۹۔۱۰۱

(۶) خلافت راشدہ کی پیشین گوئی

وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا [1]

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس زمانے کے مؤمنین صالحین یعنی صحابہ سے تین وعدے فرمائے اوّل یہ کہ تم کو ایسی خلافت اور سلطنتِ عظمیٰ عطا کرے گا جیسے تم سے پہلے بنی اسرائیل میں داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو بے مثال خلافت اور بادشاہت عطا کی۔

دوم یہ کہ ان کے دَورِ حکومت میں دین اسلام کو ایسی تمکین اور استحکام عطا کرے گا کہ دین اسلام، تمام مذاہب عالم پر غالب آ جائے گا۔ سوم یہ کہ اُن کے دل سے کفار کا خوف بالکل جاتا رہے گا اور بے خوف وخطر اور نہایت امن وامان کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں گے اور اسی قسم کا مضمون احادیث میں وارد ہوا ہے۔

سوالحمدللہ یہ وعدہ خلفائے راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا کہ صحابہ قیصر وکسریٰ کے خزائن پر قابض ہوئے اور جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی اس وقت صحابہ بے سروسامان تھے تنگ دستی اور بے سروسامانی کی وجہ سے کافروں سے خوف زدہ تھے رات کو سوتے تھے اور یہ ڈر رہتا تھا کہ نمعلوم کون ہم پر چڑھ آئے اور نہ قواعد جنگ سے کما ینبغی آگاہ تھے اور نہ قواعد جہانگیری اور ضوابط ملکی سے آشنا تھے۔ تمام قبائل اہلِ اسلام کے دشمن تھے اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے ایران میں مجوسیوں کی سلطنت زور وشور سے قائم تھی اور روم میں عیسائیوں کی سلطنت محکم تھی اور دونوں سلطنتیں فوجی طاقت اور مال ودولت اور اسلحہ اور خزانہ کے لحاظ سے حدکمال کو پہنچی ہوئی تھیں جیسے مسلمان بے سروسامانی میں حدکمال کو پہونچے ہوئے تھے اور روئے زمین پر قیصر وکسریٰ کے مقابلہ کا کوئی حکمران نہ تھا۔

مگر باوجود اس کے تیس برس کی مدّت میں خلافت اور سلطنت کے متعلق جس قدر پیشین

[1] النور، آیۃ: ۵۵

http://mujahid.xtgem.com

گوئیاں کی گئی تھیں وہ بلا سبب ظاہری محض تائید غیبی سے عجب طرح ظہور میں آئیں وہ اس طرح کہ حضور پرُنور کی زندگی ہی میں حجاز اور نجد اور یمن اور خیبر اور بحرین اور اکثر ملک عرب اہلِ اسلام کے قبضہ میں آ گیا۔ اور نجاشی شاہ حبشہ مسلمان ہوگیا اور سارا ملک حبش دارالحرب سے دارالاسلام بن گیا اور ہجر کے مجوسی اور نواح شام کے بعض عیسائی جزیہ گزار ہو گئے۔

اور صدیق اکبر کے زمانۂ خلافت میں فارس کے بعض علاقے اور بُصریٰ اور ملک شام کے بعض علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے۔

اور فاروق اعظم کے عہد خلافت میں پورے ملک شام اور پورے ملک مصر اور فارس کے اکثر ملک پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور کسریٰ نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت کے کچھ حاصل نہ کیا اور قیصر نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ولایات فرنگستان جو اکثر قیصر کے ماتحت تھیں۔ وہ قیصر کی مغلوبی کے بعد فاروق اعظم کے زیر انتداب آ گئیں اور خزانے اور اسباب بے حساب مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ اور ان تمام اقالیم میں توحید اور اسلام کا ڈنکا بج گیا اور بعض علاقوں سے تو کفر وشرک کا نام ونشان مٹ گیا اور بعض جگہوں میں کفر مغلوب اور سرنگوں ہو گیا اور بے خوف وخطر نہایت امن کے ساتھ مسلمان اللہ کی عبادت کرنے لگے۔

اور عثمان ذی النورین کے زمانۂ خلافت میں مغرب کی جانب منتہائے اندلس اور قیروان اور بحرِ محیط کے متصل تک اور مشرق کی جانب میں بلاد چین تک سب ملک مفتوح ہوئے اور عثمان غنی کے عہدِ خلافت میں کسریٰ کی حکومت کا بالکل [redacted] ہو گیا اور اس کا نام ونشان بھی نہ رہا اور ۳۰ھ میں کسریٰ مارا گیا اور مشارق اور مغارب کا خراج مدینہ کے خزانے میں آنے لگا، تمام دنیا اس وقت مسلمانوں کے تابع تھی اور خدا کے فضل ورحمت سے روئے زمین پر اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل تھا جیسے جب نادر شاہ نے شہنشاہ ہندوستان محمد شاہ پر غلبہ پالیا تو گویا کہ سارے ہندوستان پر اس کا تسلّط ہو گیا۔ اگر چہ اس وقت صوبۂ دکن نے اُسکی اطاعت نہ کی تھی، اسی طرح سمجھو کہ جب سلطنت روم مغلوب ہوگئی تو سب ولایات فرنگ جو سلطنت روم کے ماتحت تھیں وہ سب مغلوب ہو گئیں اور گویا کہ اسلام ہی کا سب پر

تسلّط اور اقتدار قائم ہو گیا اور اسلام کی ایسی محکم اور مضبوط اور عظیم و وسیع سلطنت قائم ہوئی گویا کہ تمام دنیا کی سلطنتیں اسلامی حکومت کے ماتحت اور زیرِ انتداب تھیں۔

حاصل کلام یہ کہ خدا اور اس کے رسول کے وعدہ کے مطابق اتنے قلیل عرصہ میں صدہا سال کی پائدار سلطنتیں مٹ گئیں اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین نے اسلام کے مقابلہ کی سر توڑ کوششیں کیں لیکن بقول

چراغے را کہ ایزد برفروزد ہر آنکہ تف زند ریشش بسوزد

ان کی کوشش سے اُن کو کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ اسکے برعکس اسلام کو عروج ہوتا رہا اسلام کی علمداری عرض میں کہیں پینتالیس اور چوالیس درجہ تک پہنچی جیسے باب المندب سے بلاد یونان تک اور کہیں پچاس درجہ تک جیسے ترکستان کی شمالی حدود تک اور کسی جگہ ستر درجہ تک اور کسی جگہ بیاسی درجہ تک پہنچی اور ان تمام اقالیم میں اسلام کے قدم جم گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانۂ خلافت میں اگرچہ کوئی ملک فتح نہیں ہوا مگر اسلام کی ترقی میں شک نہیں اسلئے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کا اختلاف برادرانہ اختلاف تھا کفر کے مقابلہ میں دونوں بھائی ایک تھے۔

خلفائے راشدین کی فتوحات کے متعلق بڑی بڑی مبسوط کتابیں لکھی گئیں جن سے روز روشن طرح واضح ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں اسلام کو جو ترقی نصیب ہوئی دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں اُلٹ ڈالیں اور آدھا کرۂ زمین فتح کر ڈالا اور توحید اور دین حق کو سر بلند کیا اور کفر اور شرک کو سرنگوں کیا اور دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

(۷) فتح خیبر کی پیشین گوئی [1]

(۸) فتح فارس وروم کی پیشین گوئی

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ

[1] ازالۃ الشکوک، ج:۱، ص:۹۱، ۹۲، ۹۳

كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَ لِتَكُونَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا وَ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

(الفتح ۱۸،۲۱)

اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان مسلمانوں سے جو بیعت رضوان میں شریک تھے اُن سے دو وعدے فرمائے قریب میں فتح خیبر کا وعدہ فرمایا کما قال تعالیٰ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا اور دوسرا وعدہ فتح روم اور فارس کا فرمایا اس لئے کہ وَ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا میں فتح فارس اور فتح روم کی طرف اشارہ ہے۔

بحمدہ تعالیٰ اللہ کے سب وعدے پورے ہوئے خیبر آپ کی زندگی میں فتح ہوا اور فارس و روم عمر فاروق کے زمانے میں فتح ہوئے۔

(۹) قبائل عرب کی مغلوبی اور شکست کی پیشین گوئی [۱]

قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ۔ اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنْتَصِرٌ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔

حق تعالیٰ کے اس وعدے کے مطابق ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا اور قبائل عرب اتنے مغلوب ہوئے کہ اسلام کے مقابلے میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہی۔ اور ہجرت کے چوتھے سال یہود بنو نضیر مغلوب ہوئے اور جلائے وطن ہوئے اور ہجرت کے پانچویں سال بنی قریظہ مقتول ہوئے اور ہجرت کے ساتویں سال خیبر فتح ہوا اور یہود مسلمانوں کے کاشتکار اور جزیہ گذار بنے۔

(۱۰) فتح مکہ کی پیشین گوئی [۲]

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا

(النصر ۱۔۴)

[۱] ازالۃ الشکوک ج:۱ص:۹۶۔ [۲] ایضاً

ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا اور نویں اور دسویں سال ہر طرف سے قبائل عرب اور اہل شام اور اہل عراق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور فوج فوج دین اسلام میں داخل ہوئے۔

(۱۱) غزوۂ احزاب میں کامیابی کی پیشین گوئی

قال تعالیٰ وَ لَمَّا رَاَی الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَاوَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا
(الاحزاب ۲۴)

اور حدیث میں ہے سیشتد الامر اجتماع الاحزاب علیکم والعاقبة لکم علیھم قریب ہے کہ عرب کے مختلف قبائل اور فوجیں جمع ہو کر تم پر چڑھائی کریں گی لیکن آخر تم ہی کو اُن پر غلبہ ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ غزوۂ احزاب میں قبائل عرب چڑھ کر مسلمانوں پر آئے اور بحمدہ تعالیٰ خدا اور رسول کا وعدہ سچا نکلا اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ اور فتح عطاء کی اور کافر ناکام واپس ہو گئے۔

(۱۲) یہود کے متعلق پیشین گوئی کہ وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے[1]

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ وَ لَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ (البقرہ ۹۴-۹۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ تم اللہ کے محبوب ہو تو موت کی تمنا کرو اور ساتھ ہی ساتھ پیشین گوئی کر دی کہ تم ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ موت کی تمنا نہ کر سکے۔

[1] ازالۃ الشکوک، ج:۱ص:۱۰۲

اور یہی مضمون سورۂ جمعہ کی آیت میں ہے۔ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ۔

(۱۳) القاءِ رُعب کی پیشین گوئی [۱]

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّمَاْوٰهُمُ النَّارُ۔ (آل عمران ۱۵۱)

جیسا کہ غزوۂ حمراء الاسد میں پیش آیا کہ اللہ نے کافروں کے دل میں ایسا رعب ڈالا کہ باوجودیکہ اُحد میں فتح پا چکے تھے۔ مگر پھر بھی ہمت نہ ہوئی۔

اور ایسا ہی غزوۂ احزاب میں ہوا جس کی اللہ تعالیٰ نے یوں خبر دی ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا اور حدیث میں ہے۔ نصرت بالصبا و اهلكت عاد بالدبور من جانب اللہ میری بادِ صبا سے مدد کی گئی اور قوم عاد پچھوا ہوا سے ہلاک ہوئے۔

(۱۴) فتنۂ ارتداد اور اس کے انسداد کی پیشین گوئی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۝ (المائدہ، ۵۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں پیشین گوئی فرمائی کہ آگے چل کر مسلمانوں میں سے بعض لوگ مرتد ہو جائیں گے یعنی اسلام سے پھر جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے کے لئے ایسے لوگ کھڑے کرے گا جو ان مرتدوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کریں گے اور وہ مرتدین سے قتال کرنے والے خدا تعالیٰ کے محبّ اور

[۱] ایضاً ص: ۱۰۶

محبوب ہوں گے، چنانچہ صدیق اکبر کے زمانے میں فتنہ ارتداد پیش آیا اور بحکم صدیق اکبر صحابہ کرام نے مرتدین سے جہاد و قتال کیا اور مرتدین کو شکست دی۔

(۱۵) وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ○ (النصر)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سورت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر آخرت کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ کی نصرت اور فتح آ جائے اور لوگ فوج فوج اسلام میں داخل ہونے لگیں تو سمجھ لیجئے کہ بعثت کا مقصود پورا ہو گیا۔ اب تسبیح و تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جائیے اور سفر آخرت کی تیاری کیجئے۔

یہاں تک ان پیشین گوئیوں کا ذکر تھا جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اب ہم ان پیشین گوئیوں کا ذکر کرتے ہیں جو احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہیں۔

اُن پیشین گوئیوں کا بیان جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے

صحیحین میں حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعظ میں قیامت تک پیش آنے والے امور کا ذکر فرمایا یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا اور میرے اصحاب کو بھی اس کی خبر ہے ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو میں بھول گیا مگر جب ان کو دیکھتا ہوں تو یاد آ جاتی ہیں۔ یعنی بعد وقوع کے پہچان لیتا ہوں کہ یہ وہی بات ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی جس طرح کسی شخص کی صورت یاد ہو اور وہ غائب ہو جائے۔ پھر جب اسے دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی فلاں شخص ہے۔ دیکھو زرقانی شرح مواہب ص ۲۰۵ ج ۷ اور دیکھو فتح الباری ص ۲۰۸ ج ۶ باب بدء الخلق اور کتاب القدر۔

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ اُن چیزوں کو بیان کرتے ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقوع بیان فرمائیں اور بجائے تخریج حدیث کے حوالۂ کتاب پر اکتفا کرتے ہیں تا کہ جس کو تفصیل اور تحقیق درکار ہو وہ اصل کتاب کی مراجعت کر لے۔

(۱) خلافت راشدہ کی خبر دی جو بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔

(۲) خلافت راشدہ کی مدت کی خبر دی کہ وہ تیس سال ہوگی۔ (زرقانی ج:۷ص:۲۲۲)

(۳) شیخین کی خلافت کی خبر دی کہ میرے بعد ابوبکر و عمر کا اقتداء کرنا۔

(۴) خلافتِ راشدہ کی بابت بار بار ایسے ارشادات ظاہر ہوئے جس سے خلافت راشدہ کی ترتیب کا پتہ چل جاتا ہے۔

(۵) اسلامی سلطنت کی وسعت اور فتوحات عظیمہ کی خبر دی اور فرمایا کہ میری امت کی سلطنت اتنی وسیع ہوگی جتنی زمین مجھ کو سمیٹ کر دکھلائی گئی۔ (زرقانی ص ۲۱۰ ج ۷)

(۶) قیصر و کسریٰ کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی۔ (زرقانی ج ۷ ص: ۲۰۷)

(۷) خلافت راشدہ اور اس کے بعد ملک عضوض کی خبر دی۔ (زرقانی ص ۲۲۱ ج ۷)

(۸) فتح یمن اور فتح شام اور فتح عراق اور فتح مصر اور فتح بیت المقدس اور فتح قسطنطنیہ کی پیشین گوئی فرمائی۔

(۹) جنگ بدر کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے ایک روز پیشتر نام بنام مقتولین بدر کی خبر دی اور یہ فرمایا کہ فلاں شخص فلاں جگہ قتل ہوکر گرے گا، چنانچہ جو جگہ جس کے لئے فرمائی تھی وہ وہیں گرا۔

(۱۰) ابی بن خلف کے قتل کی خبر دی کہ میں ہی اس کو قتل کروں گا۔

(۱۱) غزوۂ خندق کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد قریش ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کریں گے بلکہ ہم ہی ان پر چڑھائی کریں گے۔

(۱۲) نجاشی کی وفات کی خبر دی۔ (زرقانی ص ۲۰۶ ج ۷)

(۱۳) غزوۂ موتہ میں جو امیر لشکر شہید ہوئے حضور پُر نور نے عین وقتِ شہادت پر تفصیل و ترتیب کے ساتھ ان کی شہادت کی خبر دی۔ (زرقانی ص ۲۰۹ ج ۷)

(۱۴) مکہ مکرمہ میں قریش کو یہ خبر دی کہ صحیفۂ ظالمہ کو جو خانہ کعبہ میں آویزاں ہے سوائے خدا کے نام کے کیڑوں نے کھالیا ہے۔ (زرقانی ص ۲۱۰ ج ۷)

(۱۵) مرض الوفات میں آپ نے حضرت فاطمہ کو یہ خبر دی کہ میری وفات کے بعد میرے اہل و عیال میں سے سب پہلے تو آکر مجھ سے ملے گی۔ (زرقانی ص ۲۱۲ ج ۷)

(۱۶) حضور پُر نور نے اپنے مرض الوفات میں اپنی ازواج مطہرات سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم

میں سے جو سب سے زیادہ خیرات کرنے والی ہوگی وہ جلد تر مجھ سے آکر ملے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ازواج مطہرات میں حضرت زینب بنت جحش جو سب سے زیادہ خیرات کیا کرتی تھیں سب بیویوں سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔

(۱۷) حضرت عمر کے حق میں فرمایا کہ یہ شخص فتنہ کا قفل ہے یعنی جب تک عمر زندہ رہے گا فتنہ بھی مقفل اور مقید رہے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمر کے وقت تک مسلمانوں میں کوئی فتنہ اور فساد رونما نہیں ہوا جب وہ گزر گئے تو فتنہ وفساد شروع ہوا۔

(۱۸۔۱۹) حضرت عثمان اور حضرت علی کی شہادت کی خبر (زرقانی ص ۲۱۳ ج ۷)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی کے متعلق خبر دی کہ تم دشمنوں کے بلوے سے شہید ہو گے اور تمہارے لئے جنت ہوگی چنانچہ ہو بہو ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔ (بخاری ومسلم بروایت ابی موسیٰ) اور حضرت علی کے متعلق فرمایا کہ ایک بدترین امت تمہارے سر پر ایسی تلوار مارے گا جس سے تمہاری ڈاڑھی رنگین ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (زرقانی ص ۲۱۳ ج ۷)

(۲۰) جنگ جمل کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۱۵ ج ۷)

(۲۱) جنگ صفین کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۱۵ ج ۷)

(۲۲) خروج عائشہ صدیقہ کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۱۶ ج ۷)

(۲۳) حضرت عمار کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی کہ تم کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ چنانچہ عمار باغی جماعت کے ہاتھوں شہید ہوئے، (زرقانی ص ۲۲۰ ج ۷)

(۲۴) امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ (زرقانی ص ۲۱۷ ج ۷) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۲۵) امام حسین کی شہادت کی خبر دی۔ (زرقانی ص ۲۱۸ ج ۷) اور امام حسین شہید ہوئے۔ میری امت کے لوگ تم کو قتل کریں گے (وقصۃ قتلہ مذکورۃ فی ص ۲۱۹ ج ۷ زرقانی۔)

(۲۶) ثابت بن قیس بن شماس کی شہادت کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۱ ج ۷)

(۲۷) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ابتلاء کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۱ ج ۷)

(۲۸) عبداللہ بن عباس کے ابو الخلفاء ہونے کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۲ ج ۷ و ص ۲۲۳ ج ۷ وازالۃ الشکوک ص ۲۲۲ ج ۱)

(۲۹)عالم مدینہ کی خبر۔(زرقانی ص ۲۲۳ ج ۷ وص ۲۲۵ ج ۷)یعنی امام مالک کے ظہور کی خبر۔
(۳۰)عالم قریش کی خبر۔(زرقانی ص ۲۲۵ ج ۱)یعنی امام شافعی کے ظہور کی خبر۔
(۳۱)عالم فارس یعنی ابوحنیفہ کے ظہور کی خبر۔(دیکھو تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ للسیوطی)
(۳۲)ہر صدی پر ظہور مجدد کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۷ ج ۷)
(۳۳)خروج خوارج کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۷ ج ۷)
(۳۴)ظہور روافض کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۳۰ ج ۷۔)
(۳۵)قدریہ اور مرجئہ کے ظہور کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۳۰ ج ۷)
(۳۶)خروج دجالین یعنی مدعیان نبوت کے خروج کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۳۱ ج ۷)
(۳۷)منکرین حدیث کے خروج کی خبر۔
(۳۸)اسود عنسی کے متعلق خبر اسود عنسی نے صنعاء میں نبوت کا دعویٰ کیا آپ نے اس کے قتل کی پیشین گوئی فرمائی اور جس شب میں مارا گیا اسی وقت آپ ﷺ نے مدینہ میں صحابہ کو خبر دی۔
(۳۹)مختار اور حجاج کے خروج کی خبر۔
(۴۰)شیرویہ کے ہاتھ سے پرویز کے مارے جانے کی خبر۔
(۴۱)حضرت عباس جو مال ام فضل کے پاس چھوڑ آئے تھے اس کی خبر۔

حضرت عباس اسلام لانے سے پہلے جب جنگ بدر میں اسیر ہو کے آئے اور ان سے فدیہ طلب کیا گیا تو یہ کہا کہ مجھ میں فدیہ دینے کی طاقت نہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ مال اور سونا کہاں ہے جو تم مکے سے چلتے وقت رات میں ام فضل کے پاس رکھ آئے ہوا سے دے کر آزاد ہو جاؤ حالانکہ اس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ (زرقانی ص ۲۰۸ ج ۷)

(۴۲)فتن اور زلازل اور اشراط ساعت اور (۴۳)خروج دجال اور (۴۴)طلوع شمس از مغرب اور (۴۵)خروج دابۃ الارض اور (۴۶)خروج نار کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۳۲ ج ۷ تا ص ۲۳۶ ج ۷)

غرض یہ کہ بہت سے ایسے امور میں کہ جن کی نبی کریم ﷺ نے قبل از وقوع خبر دی جن کا بغیر وحی خداوندی معلوم ہونا ناممکن ہے یہاں چند امور بطور نمونہ مختصراً لکھ دیئے گئے۔

اللّٰھم صل علی سیّدنا و مولانا محمّد و علیٰ اٰلہ و صحبہ و بارك وسلّم۔

معجزات یمن و برکت

ہر نبی و رسول کی ذات والا صفات یمن اور برکت کا سرچشمہ ہوتی ہے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اور کمالات میں انبیاء کرام سے افضل ہیں اسی طرح آپ سے جس قدر یمن و برکات کے معجزات صادر ہوئے وہ کسی اور سے صادر نہیں ہوئے۔ مختصر یہ کہ آپ کی برکت سے تھوڑے سے کھانے کا اور ایک تھوڑے سے پانی کا ایک لشکر عظیم کے سیری اور سیرابی کے لئے کافی ہو جانا جس کا متعدد مواضع میں مشاہدہ کیا گیا۔

چنانچہ (۱) جنگ خندق کے روز حضرت جابر کے مکان میں صرف ایک سیر جَو کے آٹے سے بہت سے آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ (بخاری مسلم بروایت جابرؓ)

(۲)۔ حضرت ابو طلحہ کے مکان پر بھی جنہوں نے صرف آپ کی دعوت کی تھی اور دو تین آدمیوں کا کھانا پکایا تھا، اس تھوڑے سے کھانے سے اپنے تمام ساتھیوں کو بخوبی پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ (بخاری و مسلم بروایت انسؓ)

(۳) ایک دفعہ ایک صاع جَو (یعنی ساڑھے تین سیر) اور ایک بکری کے بچہ کے گوشت سے آپ نے اسی آدمیوں کو شکم سیر کر دیا (بیہقی در دلائل النبوۃ)

(۴) حدیبیہ کے کنویں میں پانی نہیں رہا تھا، آپ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی اس میں ڈالا تو اس میں پانی چشمہ کی طرح جوش مارنے لگا، پندرہ سو آدمیوں نے پانی پیا اور اپنے جانوروں کو پلایا۔ (بخاری بروایت براء بن عازبؓ و مسلم بروایت سلمۃ بن اکوعؓ)

(۵) تبوک کے چشمہ میں پانی سوکھ گیا تھا، حضور پُرنور نے اپنے وضو کا پانی اس میں ڈال دیا تو اُس چشمہ کا پانی اتنا چڑھ آیا کہ ہزارہا کی تعداد میں اہل لشکر نے خوب سیراب ہو کر پیا۔
(مسلم بروایت معاذؓ)

(۶) ایک دفعہ تمام لشکر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پیاس سے بے تاب ہو گیا تو حضور پُرنور نے ایک چھوٹے سے پیالے (جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اچھی طرح پھیل نہیں سکتا تھا) میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی پھوٹنے لگا جس سے تمام لشکر نے پانی بھی پیا اور وضو بھی کیا (بخاری و مسلم بروایت انسؓ)

(۷) ایک دفعہ آپ کے پاس ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا آپ نے ابو ہریرہ کو حکم دیا کہ سب

اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ جو ستر اسی آدمی تھے سب کے سب ایک پیالہ دودھ سے سیراب ہو گئے اور دودھ کا پیالہ اسی طرح باقی رہا۔ (بخاری شریف)

(۸) آں حضرت ﷺ نے جب حضرت زینب سے نکاح کیا تو حضرت انس کی والدہ ام سلیم نے تھوڑا سا کھانا پکا کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپؐ نے بہت سے صحابہ کو مدعو کر لیا۔ اور حکم دیا کہ دس دس آدمی بیٹھ جائیں اور کھانا شروع کریں، تقریباً تین سو آدمی سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے زیادہ تھا۔ (صحیح مسلم)

استجابت دُعاء

من جملہ معجزات کے ایک قسم معجزہ کی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جس کے حق میں جو دعا فرمائی وہ قبول ہوئی۔ اس قسم کے معجزات کو معجزات سیف اللسانی بھی کہتے ہیں۔ سیف زبان اصطلاحی طور پر اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کی زبان سے جو کچھ نکل جائے ویسا ہی ہو جائے اور کسی طرح بھی ٹالے نہ ٹلے یہ خدا کے برگزیدہ اور مؤید من اللہ ہونے کی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی زبان سے جو کہلوا دیتا ہے وہ جوں کا توں ہو کر رہتا ہے اور آں حضرت ﷺ کی زبان درفشاں کا کیا کہنا جو فرمایا وہ پتھر کی لکیر ہو گیا اور جس شخص کی نسبت جو کلمہ آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا وہ بالکل ویسے کا ویسا ہو کر رہا۔

(۱)۔ حضرت انس کے لئے دُعا فرمائی جو بہت مفلس تھے آپ کی دُعا سے بڑے دولتمند ہو گئے۔

(۲) عبدالرحمٰن بن عوف آپ کی دعا سے اس قدر مالدار ہو گئے کہ لاکھوں کے مالک ہو گئے۔

(۳) حضرت سعد کے لئے حضور پُر نور نے دُعاء کی کہ اے اللہ سعد کو مستجاب الدعوات بنا دے چنانچہ سعد جو دعاء کرتے وہ قبول ہوتی۔

(۴) سراقہ نے بوقت ہجرت آپ ﷺ کا تعاقب کیا اور آپ ﷺ کے نزدیک پہنچ گیا آپ ﷺ نے دُعاء کی کہ اے اللہ اس کا گھوڑا زمین میں دھنس جائے اسی وقت فی الفور گھٹنوں تک دھنس گیا پھر جب اُس نے ایمان قبول کیا تو آپ ﷺ نے دُعا کی اسی وقت گھوڑا زمین سے نکل آیا۔

(۵) عبداللہ بن عباس کے لئے بچپن میں آپ نے علم وحکمت کی دُعاء کی جس کا اثر یہ ہوا کہ علم وحکمت کے چشمے آپ کی زبان سے جاری ہو گئے۔

(۶) ابو ہریرہؓ کے لئے حافظہ کی دعاء کی جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد ابو ہریرہ نے جو سنا اس میں سے کوئی چیز نہیں بھولے۔

(۷) ابو ہریرہ کی والدہ کے لئے ہدایت کی دعاء فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت نصیب کی۔ (بخاری)

(۸) ایک مرتبہ آں حضرت ﷺ کسی کے گھر تشریف لے گئے اور سب پر ایک چادر ڈال کر دعاء کی اس دُعاء پر دروازہ کی دہلیز نے اور گھر کی دیواروں نے آمین کہی اور تین مرتبہ کہی۔

(۹) قریش نے جب آپ کی سخت مخالفت کی تو آپ نے ان کے حق میں بددعاء کی کہ اے اللہ ان پر قحط نازل فرما چنانچہ آپ کی دُعا سے قریش پر قحط نازل ہوا۔ (بخاری شریف)

(۱۰) مدینہ منورہ میں قحط پڑا جمعہ کے خطبہ میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر درخواست کی یا رسول اللہ بارش کے لئے دُعاء فرمایئے، آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دُعاء کی اسی وقت پانی برسنا شروع ہو گیا۔

معجزات شفاء امراض[۱]

(۱) خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ کی آنکھیں دُکھنے آ گئیں آپ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ان پر لگایا فوراً اسی وقت صحیح سلامت ہو گئیں اور پھر کبھی دُکھنے نہیں آئیں۔ (بخاری شریف بروایت ابن مسعود) اس قسم کے معجزات کی تفصیل شرح شفاء قاضی عیاض اور شرح مواہب میں دیکھیں۔

(۲) قتادۃ بن النعمان کی آنکھ نکل کر گر پڑی، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اُس آنکھ کے ڈھیلہ کو اپنی جگہ پر رکھ دیا تو وہ آنکھ ایسی صحیح وسلامت اور خوشنما ہو گئی کہ ویسی دوسری آنکھ بھی نہ تھی۔

(۳) عبداللہ بن عتیکؓ جب ابو رافع کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو زینہ سے اترتے ہوئے گر پڑے اور ٹانگ ٹوٹ گئی، آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا فوراً ایسی اچھی ہو گئی گویا کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔ (بخاری شریف باب قتل ابی رافع)

[۱] دیکھو شرح شفاء ملا علی قاری ص ۶۵۰ ج ۱۔ زرقانی ص ۱۸۶ ج ۵

(۴) غارِ ثور میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سانپ نے ڈس لیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لُعابِ دہن لگا دیا، اسی وقت شفاء ہوگئی۔

(۵) ایک نابینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک خاص دُعا بتلائی اور فرمایا کہ وضوء کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور میرے وسیلہ سے یہ دعاء مانگو اللہ تعالیٰ تمہاری حاجت پوری کرے گا، اس نابینا نے اسی طرح دعاء مانگی۔ عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ہم ابھی اس مجلس سے اُٹھے نہ تھے کہ وہ نابینا بینا ہو گیا۔ (ترمذی کتاب الدعوات و مستدرک حاکم ص ۵۱۹ ج ۱)

(۶) حبیب بن ابی فدیک کے باپ کی آنکھوں میں پھلی پڑ گئی اور نابینا ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر پڑھ کر دم کیا اسی وقت آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ (طبرانی و بیہقی و ابن ابی شیبہ)

(۷) حجۃ الوداع میں ایک عورت اپنے ایک بچہ کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جو گونگا تھا اور عرض کیا کہ یہ بچہ بولتا نہیں آپ نے پانی منگایا اور ہاتھ دھویا اور کلی کی اور یہ فرمایا کہ یہ پانی اس بچہ کو پلاؤ اور کچھ اس پر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو وہ بچہ بالکل اچھا ہو گیا تھا اور بولنے لگا تھا۔ (سنن ابن ماجہ باب النشرۃ و دلائل ابی نعیم ص ۱۶۷)

(۸) محمد بن حاطب صحابی بچپن میں ماں کی گود سے آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا لعابِ دھن لگا دیا فوراً اچھے ہو گئے۔ (رواہ ابوداؤد الطیالسی و احمد بن حنبل والبخاری فی تاریخہ۔)

(۹) ابو ہریرہ نے اپنے حافظہ کی شکایت کی کہ آپ سے جو سُنتا ہوں وہ بھول جاتا ہوں آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ پھر آپ نے اس میں اپنی دولپوں سے کچھ ڈالا اور فرمایا کہ اس کو اپنے سینے سے لگالو ابو ہریرہ کہتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد میں کوئی بات نہیں بھولا (بخاری شریف)

(۱۰) ایک شخص نے آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میرا بھائی بیمار ہے اور اس پر جنون کا اثر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس کو لے کر آؤ جب وہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی متعدد سورتیں پڑھ کر اس پر دم کیں اسی وقت وہ اچھا ہو گیا اور جنون کا کوئی اثر اس پر نہ رہا۔ (سنن ابن ماجہ باب الفزع والارق)

فَتِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ

غرض کہ شفاء امراض کے متعلق اور بھی حضور پُرنور کے بہت سے معجزات ہیں جن پر آپ نے پڑھ کر دم کیا یا لعاب دہن لگایا یا ہاتھ پھیر دیا وہ فوراً اچھا ہو گیا۔

اِحیاءِ مَوتیٰ [1]

حضرات انبیاء کرام دراصل روحانی طبیب ہیں دل اور روح کی بیماریوں کے علاج کے لئے مبعوث ہوئے لیکن بطور خرق عادت کبھی کبھی حق تعالیٰ شانہٗ انبیاء کرام کے ہاتھ سے ایسے امراض جسمانی کو شفا بخشتا ہے جس سے اطباء عاجز ہوتے ہیں اور گاہ بگاہ اپنی قدرت کاملہ سے انبیاء کے ہاتھ پر مُردے بھی زندہ کر دیتا ہے کہ لوگوں پر اس نبی برحق کا برگزیدۂ خداوندی ہونا واضح ہو جائے۔

اس قسم کے معجزات زیادہ تر عیسیٰ علیہ السّلام کو عطا ہوئے۔

حق جل شانہٗ نے سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود یہ کہ گوناگوں اور قسم قسم کے معجزات عطا فرمائے مگر شفاء امراض اور احیاء موتیٰ کے قسم سے بھی آپ کو حظ وافر عطا فرمایا اور مردوں کی ایک جماعت آپ کے ہاتھ پر زندہ فرمائی۔ (زرقانی ص ۱۷۰ ج ۱)

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام قرطبی اپنی کتاب تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر مردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا جس کا قاضی عیاض نے اپنی شفاء میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھو شرح شفاء للعلامۃ القاری ص ۶۴۳ ج ۱)

(۱) حضرت انس راوی ہیں کہ ایک اندھی بڑھیا کا ایک جوان بیٹا مر گیا سب نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور اس کو ڈھانک دیا بوڑھی ماں کو بیحد صدمہ ہوا اور چلانے لگی اور یہ کہا کہ اے پروردگار تجھے خوب خوب معلوم ہے کہ میں خالص تیرے لئے اسلام لائی اور بتوں کو چھوڑا اور

[1] دیکھو شرح شفاء ملا علی قاری ص ۶۴۳ ج ۱۔ زرقانی ص ۱۸۲ ج ۵

بصد شوق ورغبت تیرے رسول کی طرف ہجرت کی اے اللہ مجھ پر بت پرستوں کو شماتت کا موقع نہ دے اور مجھ پر یہ ناقابلِ برداشت صدمہ نہ ڈال، حضرت انس فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ اور ہم اصحاب صفّہ اس وقت وہاں موجود تھے، خدا کی قسم ہم ابھی وہیں موجود تھے کہ یکا یک وہ نوجوان زندہ ہوگیا اور اپنے منہ سے اپنی چادر اتاری اور ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور وہ نوجوان آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تک زندہ رہا اور اسکی بڑھیا ماں اس نوجوان کی زندگی میں وفات پاگئی رواہ ابن عدی وابن ابی الدنیا والبیہقی وابونعیم (تفصیل کے لئے زرقانی ص ۱۸۳ جلد ۵ دیکھئے)

ف۔ اس کے استغاثہ اور آپ ﷺ کی برکت سے اس کا بیٹا زندہ ہوگیا۔

(۲) دلائل بیہقی میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی اسنے یہ کہا کہ میں جب اسلام قبول کروں گا جب آپ میری لڑکی کو زندہ کردیں جو قریب میں مرچکی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھلاؤ، وہ شخص آپ کو اس کی قبر پر لے گیا، آپ نے اس کی قبر پر کھڑے ہوکر اس لڑکی کا نام لے کر اس کو پکارا وہ لڑکی زندہ ہوگئی اور لبیک وسعدیك جی حاضر ہوں کہتی ہوئی قبر سے باہر نکل آئی، آپؐ نے اسے ارشاد فرمایا کہ کیا تو اپنے ماں باپ کے پاس رہنا چاہتی ہے، اُس نے عرض کیا یارسول اللہ خدا تعالیٰ کا قرب ماں باپ سے بہتر ہے اور میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا۔

(زرقانی ص ۱۸۲ ج ۵ شفاء قاضی عیاض ص ۱۶۰)

(۳)۔ عائشہ صدّیقہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم حجۃ الوداع میں مقام حجون میں اترے اور ایک روز میرے پاس سے رنجیدہ اور غمگین اور روتے ہوئے باہر گئے پھر جب واپس آئے تو مسرور تھے اور مسکرارہے تھے، میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ میرے والدین کو زندہ کردے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو زندہ کردیا اور وہ مجھ پر ایمان لائے اور پھر وفات پاگئے۔

اس روایت کو سہیلی نے روض الانف میں ذکر کیا اور یہ کہا کہ اس روایت کی سند کے راوی مجہول ہیں اور حافظ ابن کثیر یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ بہت ضعیف ہے مگر موضوع نہیں اور فضائل ومناقب میں ضعیف حدیث کی روایت جائز ہے۔ (زرقانی ص ۱۸۳ جلد پنجم)

شیخ جلال الدین سیوطی اور علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ احیاء ابوین کی حدیث کے بارے

میں حضرات محدّثین کے تین قول ہیں ابن جوزی اور ابن دحیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سہیلی اور ابنِ کثیر وغیرہ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر موضوع نہیں حضرات اہلِ علم تفصیل کے لئے زرقانی از ص ۱۶۶ ج ا تا ص ۱۸۷ جلد اول کی مراجعت کریں جس میں احیاء ابوین کی حدیث پر مفصل کلام کیا ہے اور اس زمانے کے کسی علامہ کی درایت حضرات محدّثین کی روایت اور درایت کے سامنے قابل التفات نہیں حافظ شمس الدین محمد بن ناصر دمشقی نے کیا خوب کہا ہے۔

حبا اللّٰہ النبی مزید فضل　　علی فضل و کان بہ رؤفا
فاحیا امہ و کذا اباہ　　لایمان بہ فضلا لطیفا!
فسلّم فالقدیم بذاقدیر　　وان کان الحدیث بہ ضعیفا

(زرقانی ص ۱۸۵ ج ا)

اور اسی کو شیخ جلال الدین سیوطی نے اختیار کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں چنانچہ ایک طویل قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

وجماعۃ ذھبوا الی احیاء ہ　　ابویہ حتی اٰمنوا لا تخرفوا
وروی ابن شاھین حدیثا مسندا　　فی ذاک لکن الحدیث مضعف

(زرقانی ص ۱۸۷ ج ا)

(۴)۔ کتب حدیث میں متعدد طریق سے مروی ہے کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی جس میں اُس نے زہر بھی ملادیا تھا، آپ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور صحابۂ کرام جو حاضر مجلس تھے انھوں نے بھی اس میں سے کچھ کھایا مگر فوراً ہی صحابہ سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ کھینچ لو اور فرمایا کہ اس بکری نے مجھے خبر دی ہے کہ میں زہر آلود ہوں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث شاۃ مسمومہ مشہور ہے جس کو ائمہ حدیث نے اپنی صحاح اور سنن میں روایت کیا ہے ائمہ متکلمین کا اس میں اختلاف ہے، امام ابو الحسن اشعری اور قاضی ابوبکر باقلانی تو یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مردہ بکری میں اپنی قدرت کاملہ سے کلام اور حروف اور اصوات کو پیدا کردیا۔ جیسے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بارہا شجر اور حجر میں کلام اور حروف اور اصوات کو پیدا فرمایا پس اسی طرح بکری کا گوشت اپنی ہی حالت اور شکل پر رہا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں قدرت گویائی کی پیدا کردی۔

اور بعض متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس گوشت میں حیات اور زندگی پیدا فرمائی اور حیات کے بعد اُس گوشت نے کلام کیا اور یہ ہی امام ابوالحسن اشعری سے منقول ہے، (دیکھو شفاء قاضی عیاض ص ۱۵۹ و مناہل الصفاص ۴۳)

(۵)۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں کھجور کے ایک ستون سے سہارا لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، اس کے بعد جب منبر تیار ہوگیا تو آپ نے منبر پر خطبہ دینا شروع کر دیا تو یکبارگی صدمۂ مفارقت میں وہ ستون چلا کر رونے لگا آپ منبر سے اترے اور اس کو اپنے بدن سے چمٹایا سو وہ ہچکیاں لینے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ستون ہمیشہ ذکر (خطبہ) سُنا کرتا تھا اب جو نہ سُنا تو رونے لگا۔ (بخاری شریف)

قاضی عیاض اور دیگر حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ گریۂ ستون کی حدیث متواتر ہے۔ صحابۂ کرام کی ایک کثیر جماعت سے مروی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حنین جذع (یعنی گریۂ ستون) کا معجزہ حضرت عیسیٰ کے احیاء موتی کے معجزہ سے زیادہ بلند ہے اس لئے کہ میّت اگر زندہ ہو جائے تو اپنی حالت سابقہ یعنی گزشتہ حیات کی طرف لوٹ آیا بخلاف لکڑی کے کہ وہ تو جماد محض ہے، اس میں پہلے سے حیات کا کہیں نام ونشان نہ تھا اس کا مفارقت نبوی کے صدمہ والم سے رونا غایت درجہ عجیب ہے، امام بیہقی نے امام شافعی سے اسی طرح نقل فرمایا اور علیٰ ہذا درختوں اور پہاڑوں میں سے السّلام علیك یا رسول الله کی آوازیں آنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا اور آپ کی مجلس میں کھانوں سے تسبیح کی آواز سُنائی دینا یہ معجزات بھی احیاء موتی سے کم نہیں اور علیٰ ہذا درختوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے سے آجانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے اپنی جگہ واپس آجانا یہ بھی احیاء موتی کے معجزہ سے کم نہیں۔

غرض یہ کہ احیاء موتی کے متعلق متعدد احادیث سے متعدد واقعات مختلف سندوں کے ساتھ ملتے ہیں فرداً فرداً اگرچہ وہ روایتیں پایۂ صحت کو نہیں پہنچیں لیکن قدر مشترک کے طور پر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ احیاء موتی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور ثابت ہے لہٰذا اس کو بالکل بے اصل اور موضوع قرار دینا صحیح نہیں۔

معجزاتِ عیسوی

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ وہ ہے جسے قرآن کریم نے بیان کیا ہے وانفخ فیه فیکون طیرا باذن الله۔

یعنی آپ گیلی مٹی لیتے اور اس سے چڑیا کا پتلا بناتے پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ بحکم خدا چڑیا بن جاتا تھا روایت کیا جاتا ہے کہ یہ مٹی کی چڑیا کچھ دور تک اُڑتی، پھر مر کر گر پڑتی تاکہ اصلی چڑیا اور اس اعجازی چڑیا میں فرق ہو جائے۔ مگر یہ معجزہ چاروں انجیلوں میں مذکور نہیں۔

اس کے بعد احیاء موتیٰ کا معجزہ ہے جو چڑیا کے معجزہ سے ذرا کم ہے کیونکہ جو مردہ حال ہی میں مرا ہے اس میں حسب سابق زندگی کا لوٹ آنا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ مٹی کے پتلے کا چڑیا بن جانا عجیب ہے اور احیاء موتیٰ کے بعد شفاء مرضیٰ یعنی بیماریوں کے اچھا کر دینے کا معجزہ ہے۔

اور شفاء مرضیٰ سے اتر کر مکاشفات ہیں جن کو حق تعالیٰ نے وانبئکم بماتأکلون ومـا تـدخـرون سے بیان کیا ہے۔ یعنی تم کو خبر دے دوں گا کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ جمع کرتے ہو۔

یہ معجزہ حضرت مسیح کے ساتھ مخصوص نہیں دیگر انبیاء بنی اسرائیل نے بھی بہت سے اہم آئندہ امور کی قبل از وقوع خبر دی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں رومیوں کے غلبہ کی خبر سات آٹھ سال پہلے دی اور فتح خیبر اور فتح شام وعراق کی خبر دی گئی نصاریٰ نے حضرت مسیح کے کل ۲۷ معجزے بیان کیے ہیں جن میں سب سے بڑا معجزہ مُردوں کو زندہ کرنے کا ہے اور یہ معجزہ بھی انجیلی روایات کی بناء پر صرف تین بار پیش آیا ہے۔ پہلا مُردہ شہر نائین کا رہنے والا تھا اس کا جنازہ اُٹھ چکا تھا اور اس کی ماں رو رہی تھی۔ حضرت مسیح نے اس کے جنازہ کو روک کر کہا اے جوان اُٹھ جاؤ وہ مردہ اُٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اس نے اس کو اس کی ماں کو سونپ دیا۔ سب پر دہشت طاری ہوگئی اور کہنے لگے کہ یہ بڑا نبی ہے جو ہم میں اٹھا ہے (دیکھو۔ انجیل لوقا باب ۷ درس ۱۱ تا ۱۷)

دوسرا واقعہ۔ ایک مُردہ لڑکی کے زندہ کرنے کا ہے جو انجیل متی باب ۹ درس ۱۸ تا ۲۴ میں مذکور ہے۔

تیسرا واقعہ آپ کے محبوب لعزر کو زندہ کرنے کا ہے جو آپ علیہ السلام کی چہیتی مریم کا بھائی تھا جسے مرے ہوئے اور دفن ہوئے چار دن ہو چکے تھے۔ حضرت مسیح تشریف لائے اور باآواز بلند پکارا اے لعزر نکل آ۔ جو مر گیا تھا وہ کفن سے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے باہر نکل آیا اور اس کا چہرہ رومال سے لپٹا ہوا تھا یسوع نے ان سے کہا اسے کھول کر جانے دو۔

یہ واقعہ انجیل یوحنا کے باب ۱۱ میں مذکور ہے۔

یہود ان معجزات کی بابت یہ کہتے ہیں کہ یہ تین شخص حقیقت میں مرے نہیں تھے بلکہ سکتہ کی حالت میں تھے، بسا اوقات ایسی حالت میں شدید بیہوش کو مردہ سمجھ لیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ متمدّن حکومتوں میں اس وقت تک دفن کی اجازت نہیں ہوتی جب تک مستند ڈاکٹر موت کی شہادت نہ لکھ دے۔

اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت مسیح کے احیاءِ موتیٰ کے معجزہ کو قرآن وحدیث کی شہادت کی بناء پر مانتے ہیں ورنہ علماء نصاریٰ کے پاس کوئی سلسلۂ اسناد نہیں کہ جس کے ذریعہ کوئی متصل اسناد پیش کر سکیں۔ بخلاف معجزات محمدیہ کے کہ وہ تمام اسانید صحیحہ اور متصلہ اور مسلسلہ کے ساتھ منقول اور مروی ہیں اور جو روایتیں مرسل طریقہ پر یا ضعیف طریقے سے مروی ہیں وہ متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک شئی کا متعدد طریقوں اور مختلف راویوں سے منقول ہونا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ روایت بے اصل نہیں تعدد طریق سے روایت میں ایک گونہ قوت آ جاتی ہے جو بسا اوقات اس کو صحیح اور حسن کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے اور یہود اور نصاریٰ کے یہاں نہ سلسلۂ اسناد ہے اور نہ علم رجال ہے اس لئے بائبل میں جن واقعات کی روایت کی گئی ہے وہ کوئی وزن نہیں رکھتی۔

مقصدِ نبوّت

تمام علماء اہلِ کتاب کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں

کو دنیا میں نبی اور پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان پر وحی نازل کی تاکہ وہ انسانوں کی حق کی طرف رہنمائی کریں اور ان کو دائمی نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتلائیں۔

پس جس بناء پر علماء اہلِ کتاب انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت کے قائل ہیں وہی محمد رسول اللہ ﷺ میں بھی موجود ہے بلکہ آپ میں خصائصِ نبوّت اور دلائل رسالت، تمام انبیاء سے زیادہ صاف اور روشن ہیں اور روایت کے لحاظ سے سب سے زیادہ صحیح اور شبہات سے غایت درجہ بعید بلکہ پاک اور منزہ ہیں۔

نبوت و رسالت کا سب سے اہم اور اعظم پہلو دینی عقائد اور عبادات اور آداب و اخلاق اور احکام و معاملات کا معاملہ ہے۔

دوسرا پہلو دلائل نبوّت اور براہین رسالت یعنی معجزات کا ہے۔

تیسرا پہلو پیشین گوئیوں کا ہے۔

چوتھا پہلو اصلاح عالم کا ہے۔

پانچواں پہلو اثر ہدایت کا ہے۔

اور آنحضرت ان پانچوں باتوں میں تمام انبیاء ومرسلین سے بڑھ کر ہیں۔

نصاریٰ کی گمراہی کا سبب

حق جلِ شانہ نے جس طرح دیگر انبیاء کرام کو آیات بینات اور معجزات عطا کیے تاکہ اُن کی نبوّت و رسالت کی سند اور دلیل بنیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو بھی بہت سے خوارق عادات سے سرفراز فرمایا۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ کی ان نشانیوں کو دیکھکر یہ سمجھے کہ یہ نشانیاں خود حضرت عیسیٰ کی قدرت سے پیش آئی ہیں اور ان کی یہ قدرت عین قدرت الٰہی ہے، اس لئے ان نادانوں نے یہ سمجھ لیا کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ حضرت مسیح میں حلول کر آیا ہے اور اُن کے ساتھ متحد ہو گیا ہے اور وہ اور خدا ایک ہیں۔

جیسے مسلمانوں میں جو لوگ اولیاء اللہ کے بارے میں غلو کرتے ہیں، وہ اپنی ضرورتوں اور مصیبتوں میں اولیاء اللہ کو پُکارتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان عباد صالحین کو اس قسم کے

تصرف کا اختیار ہے کہ جس کو چاہیں نفع یا ضرر پہنچائیں، اس قسم کے لوگ اگرچہ ان عباد صالحین کو معبود اور خدا نہیں سمجھتے بلکہ ان حضرات کو خدا کا بندہ ہی سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ لوگ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں۔

مگر بایں ہمہ نصرانیت اور شرک سے مشابہت ضرور ہے اور ان لوگوں کا یہ فعل اگرچہ شرک اعتقادی اور مُخرج عن الملۃ نہ ہو مگر شرک عملی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

حضرات انبیاء علیھم السلام حق تعالیٰ شانہٗ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں اُن کی بعثت کی غرض وغایت یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو معرفت اور عبادت الٰہی کی راہیں دکھائیں اور اُن کے اخلاق واعمال کی اصلاح وتزکیہ کریں اور وہ آیات بینات اور خوارق عادات جو اُن کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں وہ ان کی نبوت ورسالت کے دلائل وبراہین ہوتے ہیں۔ نصاریٰ حیاریٰ نے ان معجزات کو دلائل الوہیت سمجھ لیا اور یہ نہ سمجھا کہ یہ معجزات حضرات انبیاء کے اختیاری افعال نہیں بلکہ قدرتِ خداوندی کے کرشمے ہیں جو من جانب اللہ۔ انبیاء کرام کی فضیلت اور برتری ظاہر کرنے کے لئے محض خدا تعالےٰ کی قدرت اور ارادہ سے انبیاء کرام کے ہاتھوں پر ظاہر ہورہے ہیں۔ انبیاء کی قدرت اور ارادہ کو ان کے صدور وظہور میں کوئی دخل نہیں۔

حق تعالیٰ نے پیغمبروں کو کائنات میں تصرف کرنے کی کوئی ذاتی قوت اور قدرت نہیں بخشی کہ جو چاہیں کر ڈالیں، حتیٰ کہ اپنے قریبی رشتہ داروں اور باپ اور بیٹے کو بھی ہدایت بخشنے کی قدرت ان کو نہیں کہ جس کو چاہیں ہدایت کی راہ پر لے آئیں، نوح علیہ السّلام اپنے بیٹے کی ہدایت پر اور ابراہیم علیہ السّلام آذر کی ہدایت پر قادر نہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ اپنے چچا ابوطالب اور ابولہب کو ہدایت پر لے آئیں یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّكَ لَاتَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ[1]	تحقیق ہدایت آپ کے اختیار میں نہیں کہ جس کو چاہیں ہدایت دے دیں لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت بخشتا ہے۔

حتیٰ کہ انبیاء کرام اَپنے نفع وضرر کے بھی مالک نہیں، بسا اوقات انبیاء کرام کو اپنے

[1] القصص، آیۃ ۵۶۔

دشمنوں سے طرح طرح کی تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچیں مگر وہ اپنی ذات سے ان مصیبتوں کو دُور نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ قتل بھی ہو گئے اسی وجہ سے ارشاد ہے:۔

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا[1] | آپ کہہ دیجئے کہ میں تمھارے لئے نہ کسی نقصان کا مالک ہوں اور نہ کسی ہدایت کا مالک ہوں۔

اور اسی قسم کی بے شمار آیتیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نفع اور ضرر کا مالک نہیں لہٰذا جو ذات نفع وضرر کی مالک نہ ہو وہ قابلِ عبادت اور لائق پرستش نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین کا دَورِ حکومت آیا جنھوں نے قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں اُلٹ ڈالیں اور آدھا کرۂ زمین فتح کر ڈالا۔ فتح کے بعد شرک اور ظلم کا قلع قمع کر دیا اور بداخلاقیوں اور بے حیائیوں سے زمین کو پاک کر ڈالا اور توحیدِ حق اور دینِ الٰہی اور عدل وانصاف کو پھیلا دیا یہاں تک کہ یہ حضرات رحم اور عدل میں اور تدبیر اور عقل میں ضرب المثل ہو گئے۔

اور اس کے برعکس نصاریٰ کی حکومتوں کو دیکھئے جنھوں نے بجائے توحید کے تثلیث کا علم بلند کیا اور شراب نوشی اور شہوت پرستی اور قسم قسم کی بد اخلاقیوں اور بیحیائیوں کا دروازہ کھول دیا جیسا کہ دنیا کے سامنے ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔

دین کے تین بُنیادی اُصول

دین کے بنیادی اصول تین ہیں۔ جن کو لے کر تمام پیغمبر آئے اور جن پر انسان کی سعادت اور دار و مدار ہے توحید و رسالت و قیامت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تمام عالم گمراہی میں مبتلا تھا قرآن کریم آپ پر نازل ہوا اور من جانب اللہ ہدایات اور اصلاحات کو لے کر اترا۔ اصول اور فروع کی تمام گمراہیوں کی اصلاح کی اور سب سے پہلے دین کے ان تین بنیادی اصولوں میں جو گمراہیاں پھیل گئی تھیں ان کی اصلاح کی۔

[1] الجن، آیۃ: ۲۱

پہلی اصل۔توحید

دین کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی اصل توحید ہے جس کے بارہ میں تمام قومیں گمراہ ہوئیں۔ مجوس تو دو خدا کے قائل ہوئے اور مشرکین بُت پرستی میں مبتلا ہوئے۔

یہُود

یہود باوجود یکہ انبیاء کرام کی تعلیمات اور ہدایات سے واقف تھے مگر وہ بھی توحید کے بارے میں گمراہ ہوئے، اپنی گمراہی سے خدا تعالےٰ کو انسان جیسا بنادیا کہ جو تھک بھی جاتا ہے اور انسان کے پیدا کرنے پر نادم اور پشیمان بھی ہوتا ہے اور خدا کی اسرائیل سے کشتی بھی ہوئی خدا اسرائیل کی گرفت سے اس وقت تک باہر نہ نکل سکا جب تک اُسے برکت نہ دے دی۔

نصاریٰ

نصاریٰ کھلم کھلا شرک کا شکار ہوئے اور تثلیث کا مشرکانہ عقیدہ ایجاد کیا، قرآن کریم توحید کی تعلیم اور شرک اور تثلیث کے ابطال سے بھرا پڑا ہے۔

دوسری اصل۔اعتقاد نبوّت ہے

مشرکین تو نبوّت کے سرے سے منکر تھے اور بشریت کو نبوّت کے منافی سمجھتے تھے اور یہود اگر چہ نبوّت کے قائل تھے مگر باوجود اس کے انبیاء کرام کو خدا کے مقابلہ میں جھوٹ اور دھوکہ اور فریب سے بھی آلودہ بتلاتے تھے اور پیغمبروں سے کبیرہ گناہ کے صدور کے بھی قائل تھے نیز یہود۔نبوّت کو بنی اسرائیل کی حد تک محدود رکھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ منصب نبوّت بنی اسرائیل کے لئے خاص کر دیا گیا ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ اپنی پیغمبری کے لئے سوائے بنی اسرائیل کے کسی اور کو منتخب نہیں کر سکتا، یہودیوں کی طرح عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ نبوّت صرف بنی اسرائیل میں محدود ہے، اور حضرت مسیح اور اُن کے حواریوں کے سوا کسی اور نبی کو معصوم نہیں سمجھتے تھے اور عیسائی لوگ یہودیوں کے برعکس حضرت مسیح کی الوہیت اور

[1] ازالۃ الاوہام۔مؤلفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ص: ۴۵

ابنیت کے قائل تھے قرآن کریم نے جابجا مشرکین اور یہود اور نصاریٰ کے عقیدۂ نبوت کے بارہ میں کامل اصلاح کی۔

تیسری اصل۔ عقیدۂ قیامت ہے

یعنی اعتقادِ جزا وسزا

دین کی تیسری اصل یوم آخرت پر ایمان لانا اور اعمال پر جزاء وسزا اور حساب ہونے کا یقین کرنا۔

مشرکین اور بت پرست قیامت کے سختی سے منکر تھے اور جزاء وسزا کے قائل نہ تھے جزاء وسزا کے مسئلہ میں عیسائیوں کو یہ غلطی پیش آئی کہ انھوں نے فدیہ ہوجانے والے نجات دہندہ کا عقیدہ قائم کرلیا وہ یہ کہتے ہیں کہ نجات دینے والا خود فدیہ بن کر انسانوں کو ان کے گناہوں کی سزا سے بچالے گا۔

یہودیوں کا زعم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ دنیا وآخرت میں صرف بنی اسرائیل کا طرف دار ہے اور جنت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے۔

اسلام کی تعلیم

جزاء وسزا کے بارہ میں اسلام یہ کہتا ہے کہ نجات ایمان اور عمل صالح پر موقوف ہے، ایمان اور کفر پر جو جزاء اور سزا ملے گی اس میں کسی قوم کو کسی قوم پر ترجیح نہ دی جائے گی بلکہ غایت درجہ عدل وانصاف کے ساتھ ایمان اور نیکیوں پر ثواب اور کفر اور برائیوں پر عقاب ہوگا۔ سزا میں عدل پورا ہوگا کہ ایک بدی اور ایک گناہ کے بدلہ ایک ہی ملے گا اور جزاء وانعام میں عدل کے ساتھ احسان اور لطف وکرم غالب ہوگا کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملے گا اور خدا چاہے گا تو اور بھی اضافہ کردے گا۔

قرآن کریم نے اس مسئلہ کو عجیب انداز سے بیان کیا ہے اور بار بار دہرایا ہے اور ہر جگہ

دل کش اور دل آویز دلائل اور براہین سے اس کو خوب ہی دل نشین کر دیا ہے کہ اور بے شمار دلائل سے اس کو ثابت کیا ہے

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَّأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ[1]	کیا تم یہ خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بے کار اور بے فائدہ بنایا ہے۔ اور کیا یہ خیال کرتے ہو کہ تم ہماری طرف واپس نہیں کئے جاؤ گے۔
أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى[2]	کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مہمل اور بے قید چھوڑ دیا جائے گا، کیا انسان منی کی ایک بوند نہ تھا پھر خون بستہ ہوا، پھر اس کو اللہ نے صحیح سالم بنایا، پھر انسان کی دو قسمیں بنائیں ایک نر اور ایک مادہ پس کیا وہ خدا جس نے اپنی قدرت سے یہ سب کچھ بنایا اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرلے اور زندہ کر کے ان سے حساب و کتاب لے۔

فلاسفہ قیامت کے تو قائل ہیں مگر صرف روحانی قیامت کے قائل ہیں جسمانی قیامت کے قائل نہیں اور اسلام روح و جسم کے ساتھ دوسری زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ فلسفی نظریہ رکھنے والے صرف روحانی قیامت اور روحانی حشر پر اس لئے زور دیتے ہیں کہ جسمانی لذتوں کو حقیر بتاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ محض حیوانیت ہے حالانکہ خود جسمانی لذتوں پر فریفتہ ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے اور یہ مجموع مرکب احکام خداوندی کا مکلّف ہے، لہٰذا جزاء و سزا روح و جسم دونوں ہی پر جاری ہونی چاہیئے۔

پس جو دین ہر پہلو سے کامل اور مکمل ہو اور اُصول و فروع کے اعتبار سے معقول اور مدلّل ہو وہی دین کامل ہے جس کے اتباع سے خدا تعالیٰ تک رسائی ہوسکتی ہے کما قال تعالیٰ

[1] المومنون، آیۃ: ۱۱۵ [2] القیامۃ۔ آیۃ: ۳۶۔۴۰

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً وقال تعالیٰ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَفِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ۔

خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

خصائص نبوی سے وہ فضائل وکمالات مراد ہیں جو حق جل شانہٗ نے خالص آنحضرت ﷺ کو عطا فرمائے اور انبیاء کرام میں سے کسی اور نبی کو اس میں شریک نہیں فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے چند چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔

(۱)۔ میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی، مجھ سے پہلے انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ کما قال تعالیٰ قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَكُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا

(۲)۔ میں خاتم النبیین ہوں میری ذات پر سلسلۂ انبیاء ختم ہوا میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ کما قال تعالیٰ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ وقال تعالیٰ

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

(۳)۔ مجھکو جوامع الکلم عطا کیے گئے یعنی ایسے مختصر اور جامع کلمات کہ الفاظ تو تھوڑے ہوں اور معانی بے شمار ہوں جیسا کہ احادیث نبویہ کا مجموعہ اس کا شاہد ہے کہ وہ تمام عقائد حقہ اور اعمال صحیحہ اور مکارم اخلاق اور دین ودنیا کے تمام احکام اور دستور اور آئین اور قواعد اور قوانین کا مجموعہ ہے۔

(۴)۔ مجھے رُعب اور ہیبت کے ذریعہ فتح ونصرت عطاء کی گئی بلا اسباب ظاہری کے ایک

مہینہ کی مسافت تک میرے دشمن مجھ سے مرعوب اور خوف زدہ رہتے ہیں، یہ تائید غیبی تھی کہ ایک مہینہ کی مسافت تک دشمنوں کے دلوں میں آپ کا رُعب ڈال دیا گیا۔

کما قال تعالیٰ۔ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
وقال تعالیٰ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ

(۵)۔ تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور مُطَہر بنادی گئی یعنی میری اُمّت کو ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے خواہ مسجد ہو یا غیر مسجد اور میرے لئے پاک مٹی سے تیمّم کا حکم نازل ہوا کہ مجھے ہر جگہ تیمّم کی اجازت ہے اور میرے لئے مٹی کو پانی کی طرح مُطَہّر پاک کرنے والی چیز بنادیا گیا۔

(۶)۔ اور مالِ غنیمت میرے لئے حلال کردیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا

(۷)۔ میرے پیرو تمام انبیاء و مرسلین کے پیروؤں سے زیادہ ہوں گے حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تمام امتوں کی صفیں ایک سوبیس ہوں گی جن میں سے اسی صفیں میری اُمّت کی ہوں گی۔

(۸)۔ مجھے شفاعت کبریٰ کا مرتبہ عطا کیا گیا کہ قیامت کے دن اوّلین اور آخرین میری طرف رجوع کریں گے اور میں ان کے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کروں گا۔

(۹)۔ سب انبیاء و مرسلین سے پہلے میں اپنی امّت کو پلصراط سے لے کر گزروں گا۔

(۱۰)۔ اور سب سے پہلے جنّت میں داخل ہوں گا اور ابوبکر و عمر میرے دائیں اور بائیں ہوں گے اور جنّت میں ہر نبی کے لئے حوض ہوگی اور میری حوض سب سے زیادہ وسیع اور پُر رونق ہوگی۔

فَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

اس ناچیز نے اپنی ضعف اور ناتوانی کی بناء پر معجزات اور ان خصائص کے بیان میں نہایت اجمال اور اختصار سے کام لیا اس لئے کہ ان خصائص کے بارہ میں احادیث معروف و مشہور ہیں اور زبان زدِ خلائق ہیں اب میں اپنی تالیف ''سیرۃ المصطفیٰ'' حصہ چہارم کو ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ اللہ اس ناچیز کا اور اس کی اولاد کا خاتمہ بالخیر فرمائے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور آپ کی حوض کوثر پر حاضری اور اس کا پانی پینا نصیب فرمائے

اٰمین واٰخرد عوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین و الصّلاۃ وَالسّلام علیٰ حبیبہٖ سیّدالاوّلین والاٰخرین وَعلیٰ اٰلہٖ وَاصحابہٖ وعُلمآء امّتہٖ واوَلیآء زمرتہٖ اجمعین وعَلیّنا معھم یَاارحم الرّاحمین و یا اکرم الاکرمین واجود الاجودین و خیرالمسئولین ویاخیر المعطین۔ اٰمین یَاربّ العٰلمین۔

بفضلہٖ تعالےٰ

۲۸ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ کو اس آخری حصہ کی نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔ فللّٰہ الحمداولا وَاٰخرا

محمد ادریس

کان اللہ لہٗ و کان ھوللّٰہ

(آمین)

http://mujahid.xtgem.com

جدید کمپیوٹرائزڈ تصحیح شدہ ایڈیشن

خوشخبری

بہشتی زیور (مکمل)

(دو رنگہ)

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال کراچی پاکستان
فون: ۴۹۹۲۱۷۶

یادداشت